تفسیر سروری

جلد چہارم

ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD

تفسیر سروری

(جلد چہارم)

Tafsīr-e-Sarwarī — Vol. 4 (Urdu)
A Commentary of the Holy Quran
by
Ḥaḍrat Syed Muhammad Sarwar Shah[ra]

First Published in the UK in 2026

© **Islam International Publications Ltd.**

Published by:
Islam International Publications Limited
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

For more information, please visit
www.alislam.org

Cover design by: Asifah Wahab Mirza

ISBN: 978-1-83596-004-2
(*Tafsīr-e-Sarwarī – 5 volume set*)

مضمون	صفحہ
سورۃ آل عمران	1
آیت 1 تا 10: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ... إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔	1
سورۃ آل عمران کے مختلف اسماء	3
سورۃ آل عمران کی ترتیب اور مضامین	4
قرآن کریم کی اتباع کرنے والے فلاح پائیں گے	7
متشابہات کے معنے اور مفسرین	12
آیت 11 تا 21: إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ ..... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔	15
يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ سے مراد	21
فرشتوں کی گواہی	25
قیامت کے دن حساب سے مراد	27
آیت 22 تا 31: إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ... وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔	29
کفار کا انبیاء کو قتل کرنے کی کوشش اور نشانات کا انکار	32
سنۃ اللہ	36
آیت 32 تا 42: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ... وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔	41
مس شیطان سے حفاظت	48
مریمؑ کی کفالت اور زکریاؑ کا اولاد کے لئے دعا کرنا	49
حصول اولاد کی غرض کیا ہونی چاہئے	50
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہنے کی وجہ	51
کلمہ سے مراد	52

مضمون	صفحہ
بیٹے کی بشارت ملنے پر زکریاؑ کا تعجب کرنا اور مفسرین کا ظلم	52
زکریاؑ کا کوئی علامت مقرر کروانا اور مفسرین کی اعجوبہ پسندی	54
لَا تُكَلِّمَ سے مراد	55
آیت 43 تا 55: وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ... وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔	58
کیا مریمؑ تمام عورتوں سے افضل تھیں؟	65
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے کیا معنے ہیں؟	67
حضرت مریمؑ کی کفالت اور انکی الوہیت کی بیخ کنی	69
مسیح موعودؑ اور مسئلہ وفات مسیحؑ	73
مسیحؑ کے لئے وجیہا کا لفظ	74
مسیحؑ تمثیلات میں ضرب المثل	85
آیت 56 تا 64: إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى... فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ۔	93
لفظ رفع کا احادیث میں استعمال	106
سب انسان آدم کی اولاد ہیں	110
آیت 65 تا 72: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔	113
دونوں کے درمیان اصولی اور مسلمہ بات	115
عیسائیوں کا پولوس کو فرمانروا بنالینا	116
حضرت ابراہیم کی دعا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ سے ہم مسلمان مراد ہیں	118
آیت 73 تا 81: وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ... بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔	122

مضمون	صفحہ
آیت82 تا92:وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ.....وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔	130
آیت93 تا102:لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ... فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	135
حضرت یعقوبؑ نے اپنے پر کیا حرام کیا؟	138
حضرت ابراہیمؑ کا معبد	139
آیت103 تا110:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ.....وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔	141
وحدت	143
آیت111 تا121: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ...اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔	146
غیر کو رازدار دوست بنانے کی ممانعت کی وجہ	151
آیت122 تا130:وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔	153
جنگ احد کی طرف اشارہ	156
آیت131 تا144:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا...وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔	161
حرمت سود کی دو بڑی وجوہات	164
دنوں کو باری باری دینے کا فلسفہ	167
آیت145 تا149:وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ..... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔	169
وفات مسیح	171
آیت150 تا156:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ...اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔	176

مضمون	صفحہ
خداداد رُعب	180
نیکی، بدی اور عقیدہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا دو طرح سے بتانا	182
مقتولوں کا اپنے قتل ہونے کے مقام پر آنا	187
آیت157 تا172:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا...لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔	190
تُوَفّٰی کے دو معنے	199
نبی کریم ﷺ کی شریعت ہر فرد بشر کے لئے ہے	201
آیت173 تا181:اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ...وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔	204
مؤمنوں کو مشکلات پیش آنے کی وجہ	211
آیت182 تا190:لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا...وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	213
قتل انبیاء سے یہاں آپ ﷺ کا قتل مراد ہے	216
ظلام کے معنے	217
آیت191 تا201:اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ... وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔	222
سورۃ النساء	229
آیت1 تا11: بِسْمِ اللّٰهِ...يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ... وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔	229
سورۃ النساء نام رکھنے میں حکمت اور سورۃ آل عمران سے تعلق	233
سورت کا زمانہ نزول	234
تقویٰ اللہ کی اہمیت	234

مضمون	صفحہ
نفس واحدۃ اور خلق منہا زوجہا سے مراد	235
تقویٰ الرحم کا مفہوم	237
والارحام کی دو قرأتیں	238
یتیم کے مال کی بابت اس کے ولی / وصی کے لئے تین احکام	238
اس آیت کی نسبت روایات	239
صحابہؓ کے نزدیک شان نزول کے معنی	240
اس آیت میں تعدد ازدواج کی اجازت یا ممانعت کی نسبت وضاحت	240
یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایت	242
مردوں میں عورتوں کا ترکہ میں حق دبالینے کا مرض	243
اس خیال کی تردید کہ یہ آیت وراثت کے ساتھ منسوخ ہے	244
آیت12تا15: یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ .....وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ۔	246
جہاد کے بعد ترکہ کے ذکر کی وجہ	248
ترکہ کی وصیت اور مختلف حصوں کی تفصیلات	249
وصیت کی تنفیذ کی تاکید	255
آیت16تا23:وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ ..... وَسَآءَ سَبِیْلًا۔	259
تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کا ذکر کرنے میں حکمت	261
اعراض کی وجہ اور علّت	265

مضمون	صفحہ
توبہ قبول کرنے کے لئے دو شرطیں	265
معصیت اور کفر پر دوام کی سزا	267
عرب کی قبیح رسمیں اور ان کا ابطال	268
لَا تَعْضُلُوْا میں سخت ممانعت کی وجہ	270
مفسرین کے نزدیک مَاقَدْ سَلَفَ کے معانی	271
آیت24تا26:حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّہٰتُکُمْ ... اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا۔	272
محرمات نکاح	274
نکاح کے بغیر لونڈیوں سے جماع	277
آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہونے پر لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہونا	279
آیت27تا34:یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ ..... کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا۔	280
ناجائز مال کھانے سے مراد	283
مفسرین کے نزدیک لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ کے مختلف معانی	283
گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق	284
وراثت کا بیان	286
دو قسم کے فضل	287
آیت35تا43:اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ.....وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا۔	289
بیوی کی اصلاح کا طریق	293
بخل کے نقصانات	295

مضمون	صفحہ
آیت44تا51:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ... اِثْمًا مُّبِیْنًا۔	298
نماز کے احکام کے دوامر	301
غسل جنابت کے مسائل	302
مسلمان یہود کے مشابہ	305
اہل کتاب کو نصیحت	308
آیت52تا60:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا ... ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔	311
اہل کتاب اور شرک	314
یہود کا زعم	316
نبوت ایک فضل الٰہی	317
جلدوں کی تبدیلی کی وجہ	319
نعماءِ جنت	319
نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک فضل	320
آیت61تا71:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ .....وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا۔	322
مفسرین کے نزدیک سبب نزول	325
ایمان اور کفر بالطاغوت سے مراد	326
نبی، صدیق، شہید، صالح کی تعریف	330
آیت72تا77:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ..... كَانَ ضَعِیْفًا۔	332
جہاد کی دو غرضیں	335
آیت78تا88:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا ..... مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا۔	337

مضمون	صفحہ
قَلِیْلٌ کے معنی	340
حق کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے یہود کو نقصان ہوا	341
پیشگوئیوں کے متعلق ہونے والے دو متوقع اختلافات	346
بلا تحقیق باتیں پھیلا کر اہل اسلام کو دھوکہ دینا	347
آیات89تا92: فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ... سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا۔	351
ہجرت کے تین معانی	354
قتل عام کی نفی	356
آیات93تا97:وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ... غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔	357
شان نزول مفسرین کی نظر میں	359
معتزلہ کا استدلال	361
خُلُوْدٌ سے مراد مدت دراز	361
آیت98تا101:اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ .....وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔	364
آیت102تا105:وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ .....وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۔	367
پرانے مفسرین کے مطابق مفسر کے لئے خوف اعداء شرط ہے	369
دو قسم کے قصر	370
آیت106تا113:اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ..... وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۔	374
فیصلہ ہمیشہ کتاب اللہ کے مطابق کرو	376

مضمون	صفحہ
آیت114تا116:وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ.....وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا۔	379
نَجْوٰی کے تین جائز امور	381
آیت117تا127:اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ.....بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا۔	383
شرک ناقابل معافی گناہ ہے	386
بتوں کو اِنَاثٌ کہنے کی وجہ	389
وَجْہٌ کے تین معانی	397
آیت128تا135:وَ یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ.....سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا۔	399
میاں بیوی کی باہمی ناچاقی کی وجوہات	405
آیت136تا142:یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ.....الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا۔	408
عدل کی تاکید	412
آیت143تا153:اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ ...وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا۔	419
آگ کے سات درجے	424
کیا چیز عذاب کی مستحق بناتی ہے	426
کسی ایک رسول کا منکر اللہ کا منکر ہو جاتا ہے	431
اعتراض	432
آیت154تا163:یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ .....اَجۡرًا عَظِیۡمًا۔	433
بنی اسرائیل کے لئے موسیٰ کو اعلیٰ درجہ کی طاقت کا دیا جانا	438

مضمون	صفحہ
تھوڑا ایمان لانے سے مراد	442
واقعہ صلیب اور اناجیل	447
صلیب کا طریق	450
واقعہ صلیب کے حقائق	451
مولویوں کے نزدیک واقعہ صلیب	453
بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ کی تشریح	455
حضرت مولانا سید صاحب امروہی کی رفع سے متعلق غلطی	456
آیت164تا172:اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ .....وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا۔	480
روح کے اصل معانی	494
اللہ تمام نقائص سے پاک ہے	497
آیت173تا177:لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ .....وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔	499
برہان اور نور مبین کا ثمرہ	503
کلالہ کی نسبت فتویٰ اور اصل حقیقت	504

سورۃ آل عمران

مَدَنِیَّۃٌ وَھِیَ مِائَتَا اٰیَۃٍ

آیت 1 تا 10: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ الٓمّٓ۔ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ۔ نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ۔ مِنۡ قَبۡلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔ ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِہٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ۔ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ۔

تشریح الفاظ:

الٓمّٓ۔ اَلْحَیُّ۔ اَلْقَیُّوْمُ۔ اَلْحَقُّ۔ مُصَدِّقٌ کے معنے اور تشریح پہلے گذر چکی ہیں۔

تَوْرٰىۃٌ۔ اس کتاب کا نام ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور انجیل اس مجموعۂ وحی کا نام ہے جو کہ حضرت مسیحؑ پر نازل ہوا تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ دونوں اصل

میں عجمی نام ہیں لیکن تاہم علماء نے ان کو بمنزلہ عربی الفاظ کے قرار دے کر ان کا اصل معین کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ اول وَرَی سے ہے۔ جس کے معنے چقماق سے آگ نکالنے یا ذو معنیین کلام بولنے کے ہے۔ پھر بعض نے کہا کہ یہ اصل میں وَوْرَیَۃٌ تھا اور واؤ اول تا سے اور یا الف سے بدل کر تَوْرٰۃٌ بن گیا۔ اور بعض نے کہا کہ اس کا اصل تَوْرِیَۃٌ یا تَوْرَیَۃٌ تھا۔ اور یہ نام اس کے نور اور پر از اشارات ہونے کے باعث سے رکھا ہے۔

اور دوسری کا اصل نَجْلٌ ہے جو کہ بمعنے ظہور یا توسع یا اس پانی کے ہے جو کہ زمین سے نکلتا ہے۔ اور یا تَنَاجُلٌ ہے جو کہ بمعنے تَنَازُعٌ ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے، لیکن یہ سب تکلف در تکلف ہے۔ اور انجیل کے اصلی معنے بشارت کے ہیں۔

فُرْقَانٌ۔ فرق کرنے والا امر۔

اَرْحَامٌ۔ جَمْعُ رَحِمٍ۔ بچہ دان۔

مُحْکَمَاتٌ۔ مُحْکَمَۃٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنے مضبوط اور ثابت شدہ کے ہیں جس کی عبارت ایسی مضبوط ہے کہ کوئی دوسرا احتمال اس میں نہیں دخل دے سکتا۔

اُمٌّ۔ ماں، اصل اور مرجع۔

مُتَشَابِہَاتٌ۔ مُتَشَابِہَۃٌ کی جمع ہے جو کہ تَشَابُہٌ سے ہے۔ جس کے معنے آپس میں رَل مل جانے کے ہیں۔

زَیْغٌ۔ استقامت سے کسی ایک جانب میلان کرنا۔

اِبْتِغَآءٌ۔ چاہنا۔

فِتْنَۃٌ۔ تشکیک و تلبیس کے ساتھ گمراہ کرنا اور پھسلانا، ابتلاء، مصائب میں ڈالنا، نفرت دلانا، تشویش، جنون اور تاویل میں غلو کرنا۔

تَاْوِیْلٌ۔ تفسیر انجام و حقیقت رؤیا اور کشف اور خبر اور پیشگوئی کی۔ اور ظاہر الفاظ کے مطابق عمل درآمد کرنا۔

رَاسِخُوْنَ۔ رَاسِخٌ کی جمع ہے اور وہ رُسُوْخٌ سے ہے۔ بمعنے مضبوط اور ثابت قدم ہونے کے۔ مِیْعَادٌ۔ وعدہ۔

ترجمہ:

الٓمّٓ۔ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود ہی نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، (خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو) قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے۔ تصدیق کرتی ہوئی اس کی جو کہ اس کے آگے ہے۔ اور توریت و انجیل کو پہلے سے اتارا ہے۔ لوگوں کو ہدایت کرتی ہوئی اور فرق (فیصلہ) کرنے والا امر نازل کیا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ ہے کہ اس پر کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں۔ وہی ہے جو کہ رحموں میں تمہاری تصویریں کھینچتا ہے جس طرح کہ چاہتا ہے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس غالب اور حکمت والے کے۔

وہ وہ ہے کہ جس نے تجھ پر یہ کامل کتاب اتاری ہے جس کی کچھ آیتیں مضبوط ہیں جو کہ اس کتاب کی جڑھ ہیں۔ اور اور ہیں ملتے جلتے احتمالوں والی۔ سو جو لوگ اپنے دلوں میں کج روی رکھتے ہیں، سو وہ اس سے اس کے پیچھے پڑتے ہیں جو کہ ملتے جلتے احتمالوں والی ہوتی ہے بہکانا چاہنے اور اس کا انجام چاہنے کے لئے حالانکہ اس کا انجام اللہ ہی جانتا ہے اور علم میں پختہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور بجز سمجھ والوں کے کوئی خیال نہیں رکھتا۔ (جو کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب جب کہ تو نے ہم کو ہدایت کی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو کج رَو نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت دے۔ بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب تو لوگوں کو ایک دن کے لئے جمع کرنے والا ہے کہ جس میں کسی طرح سے شک نہیں یقیناً اللہ وعدہ (یا مقرر وقت) کے خلاف نہیں کرتا (اور نہ کرے گا۔)

تفسیر:

سورۃ آل عمران کے مختلف اسماء:

اس سورۃ کی نسبت تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس کا نام جو کہ توریت میں آیا ہے وہ طَیِّبَۃٌ ہے اور اس کو اَمَانٌ، کَنْزٌ، مُعِنْیَۃٌ، مُجَادِلَۃٌ، سُوْرَۃُ الْاِسْتِغْفَارِ بھی کہا جاتا ہے۔

اور قرآن مجید کے حروف اور کلمات و الفاظ میں جس طرح اعلیٰ درجہ کی ترتیب اور انتظام موجود ہے جو کہ فصاحت وبلاغت کے لئے ضروری جزو ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں میں بھی عجیب ترتیب اور انتظام موجود ہے جو کہ بڑے علوم اور معارف و نکات پر مشتمل ہے۔

گو ہمارے مفسرین نے اس کی طرف اس قدر توجہ نہیں کی کہ جس قدر وہ ضروری تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ صحیح اور واقعی ترتیب کا جاننا تفسیر قرآن کی چابی ہے۔ آیتوں کی ترتیب تو عموماً اس تفسیر میں مختصراً لکھی جاتی ہے اور انشاء اللہ سورتوں کی ترتیب بھی کسی قدر لکھی جائے گی۔

سورۃ آل عمران کی ترتیب اور مضامین:

مفسرین نے سورۂ بقرۃ اور سورۂ آل عمران کی ترتیب کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں اِقَامَةُ الْحُجَّةِ عَلَى الْمُنْكِرِيْنَ[1] ہے اور اس میں ان کے شبہات کا ازالہ ہے اور سورۂ بقرۃ میں جو امور بیان ہوئے ہیں ان میں سے اکثر کی اس میں تفسیر اور تشریح ہے۔ اسی وجہ سے سورۂ بقرۃ کے بعض مقاصد تو اس میں مکرر بیان ہوئے ہیں۔

جیسا کتاب کا نازل کرنا اور اس کا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ[2](البقرۃ:98) اور هُدًى لِّلنَّاسِ[3](البقرۃ:186) ہونا وغیرہ ذالک۔ حتی کہ آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ[4](البقرۃ:137) پوری پوری مکرر کی گئی ہے اور بعض کے لواحق اور لوازم اس میں مذکور ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس میں خلق الناس کا بیان ہے تو اس میں ان کی تصویر فی الارحام کا ذکر ہے اور اس میں مبدأ خلق آدمؑ بیان ہوا ہے اور اس میں بنی آدم کی خلق کا مبدأ ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہاں پر بے والدین پیدا شدہ (آدم) کا ذکر ہے اور یہاں پر

---

[1]۔ انکار کرنے والوں پر حجت قائم کرنا۔ (از مرتب)
[2]۔ اس (کام) کو جو اس سے پہلے موجود ہے سچا کرنے والی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت (بنا کر بھیجا گیا) ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ تم کہو کہ ہم اللہ پر... ایمان رکھتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

اس کے خلق کا ذکر ہے جس کو خلق میں كَمَثَلِ اٰدَمَ [1] (آل عمران:60) قرار دیا گیا ہے اور اس میں نَارٌ کی نسبت اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ [2] (البقرۃ:25) فرمایا تھا اور یہاں پر جَنَّةٌ کی نسبت فرمایا ہے کہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ [3]۔ (آل عمران:134)

اور علاوہ بریں سورہ بقرہ کی ابتداء متقیوں اور ان کے مُفْلِحُوْنَ ہونے کے ساتھ ہے۔ تو اس کا خاتمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [4] (آل عمران:201) پر ہے اور پھر اس کے مفتح میں ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [5] (البقرۃ:5) اور اس کے خاتمہ میں ہے وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ [6] (آل عمران:200) اور پھر اُولٰی میں ہے وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ [7] (الحدید:19) اور ثانیہ میں لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ [8] (آل عمران:182) اور پھر اس میں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہے کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ [9] (البقرۃ:130) اور اس میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ [10]۔ (آل عمران:165)

پس یہ وہ وجوہات ہیں جو مفسرین نے ان سورتوں کے تلازم کے لئے بیان کی ہیں۔ لیکن میں ایک جامع بات مختصر طور پر بتادیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر بڑی بڑی

---

[1]۔ آدم کے حال کی طرح۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (تفسیر صغیر)
[5]۔ اور جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[6]۔ اور اہل کتاب میں سے بعض لوگ یقیناً ایسے (بھی) ہیں جو اللہ (پر) اور جو (کچھ) تم پر اتارا گیا ہے (اس پر) جو (کچھ) اُن پر اتارا گیا (اس پر) ایمان رکھتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[7]۔ نوٹ: رسالہ میں وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ سورۃ الحدید آیت 19 کا حوالہ دیا گیا ہے، چونکہ اوپر ساری بات سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کی ہو رہی ہے تو یہاں پر سورۃ البقرۃ آیت 246 کا حوالہ آنا چاہیے تھا۔ یعنی يُقْرِضُ اللّٰهَ۔ اللہ کو... کاٹ کر دے۔ (تفسیر صغیر) (از مرتب)
[8]۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ (تو) محتاج ہے اور ہم غنی ہیں اللہ نے اُن کی (اِس) بات کو یقیناً سُن لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[9]۔ اور اے ہمارے ربّ! (ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو) اِنہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما۔ (تفسیر صغیر)
[10]۔ اللہ نے مومنوں میں سے ایک ایسا رسول بھیج کر... یقیناً ان پر احسان کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

سورتوں میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ جو ان کے ابتداء میں اس سورۃ کا اصل مدعی اور دعویٰ بیان ہوتا ہے اسی کے متعلق اس کے اخیر میں بھی کچھ بیان ہوتا ہے اور پھر جو کچھ پہلی سورۃ کے اخیر میں مذکور ہوتا ہے اسی کی نسبت دوسری سورۃ کے ابتداء میں کچھ بیان ہوتا ہے۔ یوں تو عموماً جن سورتوں کے ابتداء میں الٓ یا الٓمّٓ۔ آتا ہے ان میں کتاب اللہ کے متعلق اصل بیان شروع ہوتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں ہے الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ[1] (البقرۃ:2-3) اعراف میں ہے الٓمّٓصٓ۔ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ[2] الخ (الاعراف:2-3) یونس میں ہے الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ[3] (یونس:2) ہود میں ہے الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ[4] (ہود:2) یوسف میں ہے الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ[5] (یوسف:2) رعد میں ہے الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ[6] الخ (الرعد:2) حجر میں ہے الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ[7] (الحجر:2) لقمان میں ہے الٓمّٓ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ[8] (لقمان:2-3) سجدہ میں ہے الٓمّٓ۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ[9] (السجدۃ:2-3)

اور سورۂ اٰل عمران کا شروع بھی الٓمّٓ سے ہے اور اس کے بعد نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ بھی موجود ہے جس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کا اصل مدعی بھی سورۂ بقرہ کی مانند کتاب اللہ ہی کی نسبت کچھ بیان کرنا ہے۔ پر جب ہم دیکھتے ہیں (کہ سورہ بقرہ کے ابتداء میں

---

[1]۔ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہی کامل کتاب ہے، اس (امر) میں کوئی شک نہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور صادق ہوں۔ (یہ قرآن) ایک عظیم الشان کتاب (ہے جو) تیری طرف اتاری گئی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ (یعنی اس سورۃ کی آیتیں) کامل (اور) پُر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ (یہ) ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیت کو محکم کیا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ (حقائق کو) روشن کرنے والی کتاب کی آیات ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ میں اللہ جاننے والا اور دیکھنے والا ہوں۔ یہ کامل کتاب کی آیات ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[7]۔ میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ (ایک) کامل کتاب اور (اپنے مطالب کو) واضح کر دینے والے قرآن کی آیات ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[8]۔ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہ (یعنی اس سورۃ کی آیات) اس کامل کتاب کی آیات ہیں جو بڑی حکمتوں والی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[9]۔ میں اللہ ہوں جو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس کتاب کا (جس کی یہ ایک سورۃ ہے) ربّ العالمین کی طرف سے اُتارا جانا ایک یقینی بات ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں۔ (تفسیر صغیر)

ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[1] (البقرۃ:3) اور پھر متقیوں کے بیان میں ہے اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ[2] الخ (البقرۃ:4) اور وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔[3] (البقرۃ:5)

اور اس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ بیان کیا ہے کہ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[4] (البقرۃ:6) اور اس کے آخر میں بتایا ہے کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ[5] الخ (البقرۃ:286) اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ[6] (البقرۃ:286) اور علاوہ اور دعاؤں کے فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[7] (البقرۃ:287) موجود ہے جو کہ مذکورہ بالا نتیجہ اور ثمرہ کی استدعاء ہے جس طرح کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ حصول تقویٰ کا اثبات اور تعیین متقین ہے۔ اور پھر اس کے بعد آل عمران کے مضامین پر ہم غور کرتے ہیں تو اس میں یہی بیان پاتے ہیں کہ فلاں فلاں اہل کتاب باوجود اہل کتاب ہونے کے ایمان باللہ اور ایمان بجمیع الرسل نہیں رکھتے اور اس کتاب کے اتباع دونوں رکھتے ہیں۔ اور پہلے رسولوں میں بھی پچھلا مصدق للمتقدم ہوتا رہا ہے اور کہ رسول کے اتباع اس کے منکروں پر نصرت پاتے رہے ہیں۔ اور کہ جن کو کتاب مصدق ملی ہے وہ ضرور منکروں پر غالب آئے ہیں۔

قرآن کریم کی اتباع کرنے والے فلاح پائیں گے:

اور کچھ اس کتاب کے اتباع کی نصرت کی چند مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں علاوہ اور اور تعلقات کے سب سے بڑا اور سب کی جڑھ یہ تعلق

---

[1]۔ یہی کامل کتاب ہے، اس (امر) میں کوئی شبہ نہیں، متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اور جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے یا جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ یہ لوگ (یقیناً) اُس ہدایت پر (قائم) ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے (آئی) ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ جو کچھ بھی اس رسول پر اس کے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر وہ (خود بھی) ایمان رکھتا ہے اور (دوسرے) مومن بھی (ایمان رکھتے ہیں) یہ سب (کے سب) اللہ..... پر ایمان رکھتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ ہم اس کے رسولوں میں سے ایک (دوسرے) کے درمیان (کوئی) فرق نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

[7]۔ پس کافروں کے گروہ کے خلاف ہماری مدد کر۔ (تفسیر صغیر)

ہے کہ پہلی نے تو اس کتاب کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[1] (البقرۃ:3) اور ان کے افلاح کا موجب قرار دے کر بتایا ہے کہ مومنین وہ متقی ہیں۔ جن کے لئے یہ کتاب ہدایت اور موجب فلاح ہو سکتی ہے اور اس فلاح دارین کی وہ جزو جو کہ اس کی مثبت اور شاہد عدل ہو سکتی ہے وہ اعدائے دین پر نصرت ہے۔

اور دوسری اول تو بتاتی ہے کہ اس کتاب کے اتباع فلاں وجہ سے فلاح پائیں گے۔ اور پھر بتاتی ہے کہ ان کو ہم نے فلاں فلاں نصرت دی ہے جو کہ ان کے اعداء پر نصرت پانے کی بڑی بھاری دلیل ہے اور تفسیر کے شروع سے پہلے یہ بھی بتا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ گو بظاہر تو اس سورۃ میں وہ مدعی ہے جو بیان ہو چکا ہے لیکن ضمناً عیسائیوں کے ساتھ الوہیت اور ابنیّت مسیح پر مباحثہ بھی ہے لہٰذا تفسیر میں ان دونوں امروں کو مد نظر رکھا جاوے گا۔ (چونکہ آگے اس کتاب کے اتباع کو نصرت دینے کا ذکر ہے اور دوم مسیحؑ کی ابنیّت والوہیت کا ابطال مقصود ہے اس لئے اس سورۃ کو) الٓمّٓ۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ سے شروع کیا ہے۔ الٓمّٓ کی تفسیر تو سورۂ بقرہ میں مفصل مذکور ہو چکی ہے اور اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں یہ بتایا ہے کہ جس قدر قومیں اور باقی چیزیں ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں کہ اس کے کمالات اور صفات ذاتی ہوں بلکہ ایک ہی ذات ہے کہ جس کے لئے یہ ذاتی طور پر ہیں اور وہ اللہ ہے اور باقی اشیاء سب کی سب مِن کُل وُجوہ اسی سے فیض حاصل کر کے بعض کمالات وصفات والی بنتی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ نصرت یافتہ قوم حیات اور قیام والی کہلاتی ہے اور مفتوح اور مخذول قوم مردہ اور گری ہوئی اور فانی کہلاتی ہے۔ لہٰذا اس کے بعد خصوصیت سے فرمایا کہ) وہی حقیقی اور دائمی حیات والا ہے اور وہی قائم رہنے والا ہے۔ (اعنی کسی قوم کی حیات اور اس کا قیام ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی کی طرف سے بطور فیض یہ دونوں صفتیں کسی کو دی جاتی ہیں۔ بلفظ دیگر گویا نصرت وخذلان آنے کا سرچشمہ اور ان کا دینے والا بتایا گیا ہے۔ یہ تو نصرت کے لحاظ سے ہوا اور ابنیّت والوہیت مسیح کی بناء بھی اسی پر ہے گو میں اس کو پہلے مفصّل بیان کر چکا ہوں۔ لیکن مختصراً پھر بتا دیتا ہوں۔

[1] ۔ متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔ (تفسیر صغیر)

الوہیت کا بطلان تو اسی سے ہو جاتا ہے کہ حقیقی اللہ وہی ہوتا ہے کہ جس کے لئے سب کمالات وصفات ذاتی ہوں اور دوسرے اس سے بطور فیض کچھ کچھ حاصل کریں اور مسیح میں یہ نہیں اور چونکہ عیسائی بطور افتراء یہ کہہ سکتے تھے کہ مسیح کے لئے بھی ایسا ہی ہے تو اس لئے خداوند تعالیٰ نے حیات و قیام کو ذکر کر کے بتایا کہ اس کی موت کے تو تم قائل ہو گو وہ تھوڑے سے وقت کے لئے کیوں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اول تو جو چیز کسی کی ذاتی ہوتی ہے وہ اس سے جدا اور منفک ہر گز نہیں ہو سکتی۔

دوم اگر ایسا ہوتا تو پھر جب اس میں ہی حیات نہ رہی تھی تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ اس وقت اور اشیاء میں بھی حیات نہ رہی ہو کیونکہ وہ اس سے بطور استفاضہ لے رہی تھیں اور اسی سے ابنیّت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ دنیا کی اشیاء پر نظر کرنے سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ نظام دنیا میں جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کا تابقائے دنیا بقاء بھی ضروری ہے پھر جو ان میں سے زمین و آسمان اور ستاروں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں وغیرہا کی طرح بذات خود تابقاء دنیا قائم رہ سکتی اور باقی رہنے والی ہیں ان کا تو کوئی بیٹا نہیں ہوتا اور جو بذات خود تابقاء دنیا باقی اور قائم نہیں رہ سکتیں تو ان کے لئے تخم یا پیوند یا داب یا انڈہ یا نطفہ وغیرہا کسی طریقہ سے ضرور بیٹا ہونے کا سلسلہ ہوتا ہے تاکہ ان کے فناء کے بعد ان کے بیٹے نظام دنیا میں ان کے قائم مقام اور صحیح جانشین ہوں جس سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ ابن فناء دنیا سے پہلے فانی ہونے والی چیز کے قائم مقام اور جائز جانشین کا نام ہے۔ تو اب اللہ تعالیٰ کے لئے ابن تجویز کرنا یقیناً خداوند تعالیٰ کو فانی بلکہ قبل از اختتامِ نظامِ دنیا اس کو فانی تجویز کرنا ہے۔

پر خداوند تعالیٰ بتاتا ہے کہ گو اس بڑی بری تجویز کے مرتکب ہوتے ہیں پر ان کی فطرت کا فتویٰ یہ ہے کہ اللہ حیّ وقیّوم ہے اور وہ ہر گز ہر گز فانی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو ایسا اللہ ہے) اس نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس کے سامنے ہے (پہلے بار بار بتایا گیا ہے کہ حق اس جمی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ جو کہ اپنی جگہ سے نہ ہلائی جا سکے۔ اور تصدیق سے وہی حکام والی تصدیق منظور ہے کہ جس

میں غلط پر قلم نسخ پھیرا جاتا ہے اور صحیح پر صحت کا دستخط ثبت کیا جاتا ہے اور اس کا بڑا بھاری اور لاجواب ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید نے مَا بَیْنَ یَدَیْہِ کے بہت اہم ترین غلط مسائل کی کھلے اور پرزور طریق پر تغلیط و تردید فرمائی ہے اس کے بعد فرمایا کہ) اس کے پہلے توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کی تھی (اور دنیا جانتی ہے کہ ان کو بھی بعض نے مانا اور بعض نے ان کا انکار کیا تھا۔ تو کیا ان کے وقت میں بات یونہی پڑی رہی تھی اور حیّ و قیّوم نے ان میں کوئی فیصلہ نہ کیا تھا تو فرمایا کہ) وہ فرق کرنے والا امر بھی نازل کیا تھا (کہ جس کو دنیا جانتی ہے اور جو کہ سب الٰہی کتابوں اور اس کے رسولوں کی اتباع اور مخالفین کے لئے سنت مستمرہ قرار پایا ہوا ہے۔ اعنی وہ تائیدی اور خارق عادت نصرت مومنین جس سے فیصلہ ہو جاتا ہے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کا غرق ہونا بھی پوشیدہ نہیں اور اَتباع مسیح کا غلبہ و فوقیت پانا اور ان کے منکر یہود کا مغلوب و مخذول ہونا بھی مخفی نہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ جب اس سے پہلی کتابوں کے اتباع اور ان کے منکروں میں اللہ تعالیٰ فرقان مذکور نازل کرتا رہا ہے تو وہ اپنی اس کتاب کی اتباع میں اور منکروں میں بھی ضرور وہ فرقان نازل کرے گا اور پھر خصوصاً جب کہ یہ ان کی مصدق ہے اور وہ بدون اس کی تصدیق کے بالکل نکمی ہیں تو پھر یہ بمنزلہ ان سب کے مجموعہ کے نزول کے ہونے کے ان سے بڑھ کر بھی ہوئی پھر تو بطریق اولیٰ و اعلیٰ فرقان نازل ہونا چاہیے۔ اور فرقان مذکور کا نزول جیسا کہ اتباع کتاب اللہ کے لئے فلاح اور نصرت و فتح کا موجب ہوتا ہے ایسا ہی اس کے منکروں اور مخالفوں کے لئے خذلان اور عذاب اور تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ) بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ (اس لئے کہ) اللہ جو کہ سب نقصانوں سے پاک اور سب صفات کمال کا علیٰ وجہ الکمال جامع ہے۔ وہ بڑی عزت اور غلبہ والا اور بدلہ لینے والا ہے (اس میں بھی اثبات نصرت کے علاوہ ابطال ابنیت مسیح ہے۔ کیونکہ نہ وہ کمزور یہود کے مقابلہ میں عزیز ثابت ہوا ہے اور نہ وہ ذوانتقام ٹھہرا ہے اور چونکہ شریر انسان اپنی شرارت کے اخفاء کی امید سے یا قوت کے گھمنڈ سے جرأت کرتا ہے اور انبیاءؑ کے مخالف اپنی کور باطنی سے اپنا مقابل نبی اور اس کے

اتباع کو تصور کرتے ہیں اور اللہ کا خیال تک بھی نہیں کرتے اور اس گھمنڈ کو تو عزیز و حکیم کے ساتھ رفع کر دیا تو اب اس امید کو باطل کرنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی (اور بجائے ضمیر کے لفظ اللہ کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ ایک تو اس میں اس کے عزیز و حکیم اور لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ ہونے کی دلیل ہے۔

دوم ان کو رباطن مخالفوں کی نظر کو نبی اور اس کے اتباع سے خداوند تعالیٰ کی طرف پھیرنا مد نظر ہے اور پھر اس علم اور قدرت کی شہادت کے لئے فرمایا کہ) وہی تو جس طرح چاہتا ہے بچہ دانوں میں تمہاری تصویر بناتا ہے (اور مسیح کا ایسا بنانا تو درکنار بلکہ اس کی خود بھی رحم میں تصویر بنائی گئی ہے اور جب الوہیت کے لئے سب صفات کاملہ کا ہونا اور ذاتی طور پر ہونا ضروری ہے اور پھر ان سب صفات کاملہ کی جڑھ اور سب سے زیادہ ضروری علم اور قدر ہیں اور یہ دو بھی اللہ کے سواء کسی میں پائی ہی نہیں جاتیں۔ چہ جائیکہ یہ اس میں ذاتی طور پر ہوں لہٰذا اس کے بعد بطور نتیجہ اور تفریع کے فرمایا کہ) اس عزیز و حکیم کے سوا کوئی کمالات ذاتیہ والا (یا معبود برحق) نہیں۔

(جیسا کہ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ پہلے بطور دعویٰ فرمایا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کتاب کے اتباع کی وجہ سے اس کے اتباع کو فلاح اور نصرت علی الاَعداء نصیب ہو گی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مسیح ابن اللہ اور اللہ نہیں ہے تو اب وہ امر بیان کیا جاتا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے اہل کتاب گمراہ ہوئے تھے اور اس کتاب کے اتباع میں بھی خطرہ تھا کہ آگے چل کر یہ بھی اس کو اختیار کر کے نصرت الٰہیہ سے بعد منصور ہونے کے محروم نہ ہو جائیں۔ تو فرمایا کہ) اللہ وہ ہے جس نے تم پر یہ کامل کتاب نازل کی ہے کہ کچھ اس کی آیتیں مضبوط اور کھلے کھلے معنوں والی ہیں۔ جو کہ اس کتاب کی جزو اعظم اور مرجع اور اصل ہیں۔

اور کچھ اور آیتیں رلے ملے ہوئے معنوں والی ہیں۔ سو جن کے دلوں میں کج روی اور حق سے روگردانی ہے (یا ہو گی) وہ (مومنوں کے لئے) فتنہ اور گمراہی چاہنے کے لئے اور (محکمات کے سوا کسی اور طرف) پھیرنے (یا مآل کی طرف پھیرنے) کی خواہش کے لئے اس کی پیروی کرتے ہیں (یا کریں گے) جو کہ اس میں سے رلے ہوئے معنوں والی ہے۔

حالانکہ اس کی تفسیر (یا مآل) کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ (پس جب تک اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر تفسیر نہ کی جاوے تو کس طرح کوئی صحیح تفسیر کو حاصل کر سکتا ہے) اور جو لوگ کہ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں (یا کہیں گے) کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے (اور یہ بات گو بڑی کھلی اور پکی اور ہر ایک اس کو جانتا ہے) پر بجز عقلمندوں کے اور خیال نہیں کرتے۔ (گو یہاں پر تو بظاہر اسی کتاب کے آیات کا محکم اور متشابہ ہونا بیان کیا گیا ہے لیکن جب اس اعلیٰ درجہ کی کتاب میں متشابہات ہیں کہ جس کو خداوند تعالیٰ اپنے لئے ایک معرّف اور آیت قرار دیتا ہے تو پھر دوسری کتابوں میں تو ضرور ہی ہوں گی اور انہی کی پیروی کرنے اور ان کے محکمات کی طرف رجوع نہ کرنے سے عیسائی لوگ مسیحؑ کو ابن اللہ اور اللہ قرار دے رہے ہیں کیونکہ ابن اللہ کا لفظ عہد عتیق اور عہد جدید میں بکثرت آیا ہے جس کے معنے حقیقی بیٹے اور پیارے کے ہوسکتے ہیں۔ اور مسیح کے سواء اوروں کے لئے اس کے معنے پیارے کے کرتے ہیں۔ پر باوجودیکہ حقیقی بیٹے کے معنے محکمات عہد عتیق وعہد جدید کے لئے بالکل مخالف ہیں لیکن پھر بھی مسیح کے حق میں یہی معنے لئے ہیں۔ اور یہی بات اہل اسلام کو 72 فرقہ بناکر وحدت قومی کے ثمرات طیبات سے محروم اور بے اتفاقی کے وبال سے سرنگوں کرے گی۔

متشابہات کے معنے اور مفسرین:

یوں تو آیات متشابہات کے مفسرین نے بہت کچھ معنے کئے ہیں لیکن عام طور پر جو مفسرین نے لئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ علماء کے ایک گروہ کا تو یہ خیال ہے کہ متشابہ آیت کے معنے اور مطلب بجز خداوند تعالیٰ کے اور کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے۔ اور وہ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کر کے اس کے یہی معنے کرتے ہیں اور انہی میں سے بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھے۔ لیکن بتانے کی آپ کو ممانعت تھی۔ اور ایک دوسرا فریق ہے جو کہتا ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم کو ہے اور دوسرے کسی کو نہیں ہو سکتا اور پھر راسخین سے عموماً اولیاء اللہ لیتے ہیں۔ پھر ان آیتوں کی تعداد یا حد بست کچھ نہیں بتاتے بلکہ جس کو جی چاہتا ہے اسی کو متشابہ کہہ دیتے ہیں۔

چنانچہ حروف مقطعات کو اور ان آیتوں کو جن میں اللہ تعالیٰ کے لئے یَدٌ وغیرہ کا ذکر آتا ہے متشابہ کہتے ہیں۔ لیکن نہ متشابہ کے یہ معنے ہیں اور نہ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ کا یہ مطلب ہے۔ حضرت مولٰنا خلیفہ المسیحؑ نے فرمایا ہے کہ اگر متشابہ کے یہ معنے اور مَا یَعْلَمُ الخ کا یہ مطلب ہوتا تو پھر خداوند تعالیٰ نبی کریم کو لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ [1] (النحل:45) نہ فرماتا کیونکہ مَا کا لفظ عام ہے سب کو شامل ہے۔ اور پھر خود قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں متشابہ کا لفظ اور مادہ مذکور ہے اور کوئی مفسر وہاں پر یہ معنے نہیں لیتا مثلاً فرمایا کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا [2] (الزمر:24) وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا [3] (البقرۃ:26) مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ۔ [4] (الانعام:100)

پس حق یہی ہے جو کہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ محکم کے معنے تو واضح اور معین ہوتے ہیں اور متشابہ بہت سے معانی کی متحمل ہوتی ہے۔ پس جن کو رسوخ فی العلم نصیب ہوتا ہے وہ تو محکمات کی مدد سے ان کے معنے معین کر سکتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک محکم ہو جاتی ہے اور دوسرے تعیین نہیں کر سکتے تو ان کے نزدیک یہ متشابہ ہی رہتی ہے۔ اور اِبتغاء فتنہ اور ابتغاء تاویلہ دو امر اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ بعض وقت تو فتنہ میں ڈالنے کا خیال پہلے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے لئے کسی متشابہ سے تمسک کیا جاتا ہے۔ اور کبھی لوگوں کی گمراہی کا تو خیال نہیں ہوتا اور یونہی ایسی تفسیر کر دی جاتی ہے اور اس کو تو ایک نئی تفسیر کرنے کی خوشی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ غلط اور دوسروں کے لئے غلطی میں ڈالنے والی ہوتی ہے تو جب متشابہات سے پہلے اہل کتاب نے بھی اپنے زیغ کے باعث تباہی حاصل کی اور اس کتاب کی اتباع میں بھی اس کا اندیشہ تھا تو اس لیے یہ دعا بتائی کہ) اے ہمارے رب جب تو نے ہم کو ہدایت دی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو حق سے

---

[1] ۔ تاکہ تو سب لوگوں کو وہ (فرمان الٰہی) جو (تیرے ذریعہ سے) ان کی طرف نازل کیا گیا ہے کھول کر بتائے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ وہ کتاب اتاری ہے، جو متشابہ بھی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ اور ان کے پاس وہ (رزق) ملتا جلتا لایا جائے گا۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ بعض آپس میں ملتے جلتے ہیں اور (بعض) مختلف ہیں۔ جب (ان میں سے ہر قسم کے درخت کو) پھل آتا ہے تو اس کے پھل کو اس کے پکنے (کی کیفیت) کو دیکھو۔ (تفسیر صغیر)

رو گردان نہ ہونے دے اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت دے۔ یقیناً تو ہی بہت دینے والا ہے (اور چونکہ کسی امر کی ضرورت اس کے سوال کی قبولیت کا باعث ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد اس سوال اور طلب رحمت کی ضرورت بتانے کے لئے یہ ضم کیا کہ) اے ہمارے رب بے شک تو لوگوں کو ایک ایسے دن کے لئے جمع کرنے والا ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کا وعدہ کیا ہوا ہے کہ اس دن نیکوں کو بڑے بڑے انعام اور جنت دوں گا اور بدکاروں کو سزائیں اور دوزخ دوں گا اور) یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (پس جب وہ دن ضرور آئے گا اور اس میں لوگ ضرور جمع ہوں گے اور اس وقت رحمت سے محروم ہونا اور ان میں شمار ہونا کہ جن کے دلوں میں زیغ ہے بہت ہی شرمندگی اور خسران کا موجب ہے۔ لہٰذا ہم کو زیغ سے بچا اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔

آیت 11 تا 21: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۔ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ۔ قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَۃٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَاُخۡرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوۡنَہُمۡ مِّثۡلَیۡہِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ؕ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَۃِ مِنَ الذَّہَبِ وَالۡفِضَّۃِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَۃِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ۔ قُلۡ اَؤُنَبِّئُکُمۡ بِخَیۡرٍ مِّنۡ ذٰلِکُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَاَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۔ اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ۔ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔

تشریح الفاظ:

تُغْنِيَ۔ اِغْنَاءٌ سے ہے، جس کے معنے غنی کرنے کے ہوتے ہیں لیکن جب اس کے بعد عَنْ آجاتا ہے تب اس کے معنے نفع دینے، کفایت کرنے اور ہٹانے کے ہوتے ہیں۔

وَقُوْدٌ۔ ایندھن۔

دَاْبٌ کے اصلی معنے کوشش اور مبالغہ کے تھے اور اب یہ بمعنے عادت، شان اور طریقہ کے استعمال ہوتا ہے۔

اٰلٌ کے معنے جیسے کے اولاد اور اَتباع کے ہوتے ہیں اسی طرح کبھی لفظ بنی آدم کی طرح مطلق کسی جماعت کے لوگ مراد ہوتے ہیں خواہ وہ تابع ہوں یا متبوع ہو۔

تُحْشَرُوْنَ۔ حَشْرٌ سے ہے جس کے معنے جمع کرنے، جلاوطن کرنے اور ایک مقام سے دوسرے پر لے جانے کے ہیں۔

مِهَادٌ۔ بچھونا اور تیار کرنا یا تیار کی ہوئی چیز۔

فِئَتَيْنِ۔ فِئَةٌ کا تثنیہ ہے جس کے معنے جماعت اور گروہ کے ہیں۔

اِلْتَقَتَا۔ اِلْتِقَاءٌ سے ہے جس کے معنے ملنے کے ہیں اور بعض وقت اس کے معنے جنگ اور لڑائی کے ہوتے ہیں۔

قَنَاطِيْرُ۔ قِنْطَارٌ کی جمع ہے جس کے معنے ڈھیر اور بہت مال کے ہیں۔ اور حدیثوں میں اس کی مختلف مقداریں بیان ہوئی ہیں کسی میں ایک ہزار اشرفی اور کسی میں ستر ہزار یا اسّی ہزار یا سو رطل سونا آیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں اور یہ سب مثالیں ہیں۔

(تفسیر طبری جلد 6 صفحہ 247-248، تفسیر سورۃ آل عمران، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز میں کثرت اور مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو اسی لفظ سے اس کی صفت لے آتے ہیں جیسا ظِلًّا ظَلِیْلًا (النساء:58) اور حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان:23) اور نَسْیًا مَّنْسِیًّا (مریم:24) اور مُقَنْطَرَۃٌ بھی اسی طرح ہے۔

مُسَوَّمَۃٌ کے تین معنے مروی ہیں۔(1) چرنے والے تب یہ اس تَسْوِیْمٌ سے ہو گا جو بمعنے جانوروں کو چرنے کے لئے باہر چھوڑنے کے آتا ہے۔(2) خوبصورت اور موٹے تازے۔ تب یہ اس تَسْوِیْمٌ سے ہو گا جو کہ سِیْمَاءٌ (بمعنے خوبصورت) سے بنا ہوا ہے۔(3) نشاندار۔ تب یہ اس تَسْوِیْمٌ سے ہو گا جو کہ سَمَۃٌ اور سَوْمَۃٌ (بمعنے علامت سے) بنایا گیا ہے۔

اَنْعَامٌ۔ اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ کو کہتے ہیں۔

مَاٰبٌ۔ اَوْبٌ سے ہے، بمعنے مرجع۔ رِضْوَانٌ۔ رَضَاءٌ

وَقِنَا۔ تین لفظ سے ہے۔ واو بمعنے اور۔ نَا بمعنے ہم کو۔ اور قِ جو کہ امر ہے اور یہ وِقَایَۃٌ سے ہے جو بمعنے بچانے کے ہے۔

قَانِتِیْنَ۔ قُنُوْتٌ سے ہے اور قُنُوْتٌ کے معنے بار بار ذکر ہو چکے ہیں۔

اَسْحَارٌ۔ سَحْرٌ کی جمع ہے، سحری کا وقت۔ قِسْطٌ۔ عدل۔

دِیْنٌ۔ اس مجموعہ کا نام ہے کہ حقیقی مولیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مکلف شخص کو اس کا پابند اور کاربند ہونا چاہیے۔

اِسْلَامٌ کے بہت سے معنے ہیں پر سب کا جامع فرمانبرداری ہے۔

حَآجُّوْا۔ مُحَاجَّۃٌ سے ہے۔ جھگڑا اور حجت بازی کرنا۔

اِتَّبَعَنِ۔ اصل میں اِتَّبَعَنِیْ تھا اور وقف کی حالت میں بہت دفعہ ی گرا دی جاتی ہے اور یہ نون محض اس لئے آتا ہے کہ ی کے ساتھ ملنے سے پہلے لفظ کے آخر پر زیر نہ آئے پس جو زیر کہ لفظ سابق پر آنی تھی اب وہ نون پر آجائے گی اسی وجہ سے اس کو نون وقایہ کہتے ہیں کہ پہلے لفظ کے آخر کو کسرہ سے بچاتا ہے اور اس کے معنے کچھ بھی نہیں ہوتے۔

اُمِّیّٖنَ۔ اُمِّیٌّ کی جمع ہے۔ اور اُمّی اس کو کہتے ہیں کہ جس نے معتاد طریق سے لکھنا پڑھنا اور علم نہ سیکھا ہو۔ اور مکہ کے رہنے والے کو بھی اُمّی کہتے ہیں۔

بَلَاغٌ۔ پہنچانا۔

ترجمہ:

بے شک جو لوگ کافر بنے ہیں ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کی جانب سے ان کو کچھ بھی نہ بچائیں گے اور وہی اس آگ کا ایندھن ہیں۔ فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کے دستور کی مانند۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑا اور اللہ سخت سزا والا ہے۔ تم ان کو کہہ دو جو کافر بنے ہیں کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ اور یہ بہت بری تیاری (یا برا بچھونا) ہے۔ تمہارے لئے بڑا نشان تھا دو جماعتوں میں جو لڑی تھیں۔ ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑتی تھی اور دوسری کافر تھی جو کہ چشم دید ان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے (یا دیکھتے ہیں) اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی نصرت کے ساتھ تائید دیتا ہے۔ بے شک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لئے۔ لوگوں کے لئے شہوات کی محبت پسندیدہ بنائی گئی ہے۔ (اعنی) عورتوں اور بیٹوں اور ڈھیروں ڈھیر مالوں کی سونے اور چاندی سے اور تیار کئے (یا چرنے والے یا نشان لگائے) ہوئے گھوڑوں اور مواشی اور کھیتی کی۔ یہ نزدیک زندگی کا فائدہ ہے اور اللہ ہے جس کے پاس مآل کی خوبی ہے۔ تم کہو کیا میں تم کو اس سے بہتر کی خبر دوں۔ جو لوگ تقویٰ کرتے ہیں ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ رہ پڑیں گے ان میں اور پاکیزہ جوڑے ہیں اور اللہ کی طرف سے رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب تاڑنے والا ہے۔

جو کہتے ہیں اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے ہیں سو ہم کو قصوروں اور قصوروں کے بد نتائج سے بچا اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ (خصوصاً) جو صبر کرنے والے سچ بولنے والے فرمانبرداری (یا عبادت میں قائم رہنے یا دعا) کرنے والے اور (اس کے حکم کے مطابق) خرچ کرنے والے اور سحریوں کے وقت استغفار کرنے والے ہیں۔ اللہ نے شہادت دی ہے کہ کوئی ذاتی کمالات والا نہیں ہے مگر وہی اور فرشتوں اور علم والوں نے عدل کے ساتھ قائم رہ کر۔ کوئی کمالات ذاتیہ والا نہیں مگر وہی جو کہ بہت غالب اور حکمت والا ہے۔

بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام (یا فرمانبرداری) ہی ہے۔ اور جن کو کتاب دی گئی ہے انہوں نے اختلاف نہیں کیا پر بعد اس کے کہ ان کو علم پہنچ چکا آپس میں سرکشی کرنے

کی وجہ سے اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے سو یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ حجت بازی کریں تجھ سے تو تم ان کو کہہ دو کہ میں نے اپنی توجہ اللہ کے حوالے کر دی ہے اور انہوں نے بھی جو کہ میرے تابع ہوئے ہیں۔ اور تم ان لوگوں کو کہو جن کو کتاب دی گئی ہے اور اَن پڑھوں (یا مکہ والوں) کو بھی کہ کیا تم نے بھی حوالے کر دی ہے۔ تو اگر حوالے کر دیں تب تو ضرور ہدایت یاب ہو گئے اور اگر وہ اعراض کریں تو تم پر پہنچانا ہی ہے۔ اور اللہ بندوں کو خوب تاڑنے والا ہے۔

تفسیر:

جب پہلی آیتوں میں نصرت کا ذکر آیا اور نصرت کو جو امر روکنے والا تھا وہ بھی بتایا گیا تو اب کفار کے زعم باطل کا ابطال کیا جاتا ہے کہ جس کی بنا پر وہ غرہ تھے تو فرمایا کہ) بے شک جو لوگ کافر بنے ہیں (اور آیات بینات دیکھ کر بھی اپنے عناد سے باز نہیں آتے) ان کے مال اور اولاد اللہ کی جانب سے ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی (اور گو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مال اور جتھا ہی فتح کے اسباب ہیں اور وہ ہمارے لئے ہیں اور اہل اسلام کے لئے ان میں سے ایک بھی نہیں لیکن چونکہ یہ عذاب اللہ کی طرف سے آنے والا ہے۔ اس لئے ان کو مال واولاد اس عذاب سے بچانے میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتے۔ اور پھر اسی قدر نہ ہو گا کہ وہ مارے جاویں گے اور مغلوب ہو جاویں گے بلکہ اس کے بعد) وہی آگ کا ایندھن ہوں گے (اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ اس میں اس آگ کی حقیقت بتائی گئی ہے کہ وہ کوئی بیرونی آگ نہ ہو گی، بلکہ انہی کے برے عقائد، برے اخلاق، برے اعمال جو کہ انہی کے ساتھ قائم ہیں۔ وہی آگ کی صورت اختیار کر کے ان کا جہنم بن جاویں گے۔ اور نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ۔ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ[1] (الھمزۃ:7-8) میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اور میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اخروی عذاب کو دنیوی عذاب کے ساتھ ملا کر دونوں کی پیشگوئی یکجا اس لئے کی ہے تا کہ دنیوی عذاب کے مشاہدہ سے اخروی عذاب کا یقین ہو یا کم از کم ان پر حجت پوری ہو جائے لیکن حضرت مولٰنا خلیفۃ المسیحؓ نے ان کا وَقُوْدُ النَّارِ ہونا دنیا ہی

[1] ۔ یہ (حطمہ) اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں کے اندر تک جا پہنچے گی۔ (تفسیر صغیر)

میں لیا ہے اور فرمایا ہے کہ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ[1] (المائدۃ:65) سے نَارٌ کا استعمال جنگ پر ثابت ہوتا ہے اور یہاں پر بھی نَارٌ سے جنگ ہی مراد ہے اور جنگ کی آگ کے ایندھن ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جنگ میں ہلاک کئے جاویں گے۔

پر اگر معنے وہی رکھے جاویں جو پہلے بیان ہوئے ہیں اور جنگ میں قتل ہونے کو بطور بطن اور اشارہ کے لیا جائے تو بہت عمدہ ہو۔ اور چونکہ اصل غرض تو ایسی پیشین گوئیوں سے یہ ہوتی ہے کہ ان پر قبل از وقت کوئی یقین کر کے تباہی سے بچ جائے۔ لہٰذا اس پر یقین دلانے کے لئے فرمایا کہ کوئی نئی بات نہیں کہ اس کا یقین نہ ہو سکے بلکہ یہ تو) فرعونیوں اور ان سے پہلے کے لوگوں کے دستور کی طرح ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی تو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو پکڑا (اور پھر اللہ کی پکڑ کوئی معمولی اور کمزور تو ہوتی نہیں کہ آدمی بچ نکلے) بلکہ اللہ سخت سزا والا ہے (اور اگرچہ نصرت اہل اسلام سے اور کفار کے مال و اولاد کے کام نہ آنے اور ان کے وَقُوْدُ النَّارِ ہونے سے ان کے مغلوب ہو جانے اور جہنم میں ڈالے جانے کا صاف پتہ لگتا تھا لیکن چونکہ اتمام حجت مقصود تھا اس لئے اور بڑھ کر تصریح فرمانے کے لئے فرمایا کہ) تم ان کو کہہ دو جو کہ کافر بنے ہیں کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی برا فرش ہے۔

(قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی ان کو ان کی مغلوبی اور اہل اسلام کی فتح کی خبر دی جاتی تھی تو اس سے انکار کر کے اس پر تمسخر کیا کرتے تھے اور قرآن مجید نے ایک مقام پر ان کو اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو (کفر کی زمین کو) گھٹاتے جاتے ہیں (اور اسلام کی زمین بڑھتی جاتی ہے تو جب اس ضعف کی حالت میں یہ حالت ہے تو کیا آئندہ) یہ غالب ہونیوالے ہیں؟

اسی طرح یہاں پر گو آل فرعون اور مِنْ قَبْلِهِمْ کی حالت سے اس غلبہ کا یقین دلایا ہے لیکن اب انہیں میں اس کا ثبوت بتاتا ہے کہ) ضرور تمہارے لئے بڑا عظیم الشان نشان

[1]۔ جب کبھی بھی انھوں نے لڑائی کے لیے کسی قسم کی آگ بھڑکائی ہے۔ (تفسیر صغیر)

تھا (اعنی اہل اسلام کی فتح اور کفار کی مغلوبیت کا) ان دو گروہوں میں جو کہ آپس میں لڑتے تھے ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑتی تھی اور دوسری کافر تھی کہ دیکھ رہے تھے اپنے آپ کو دوسروں کی دو مثل زائد (چونکہ یَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ (آل عمران:14) سے بہت سے احتمال ہو سکتے تھے اور مفسرین کی عادت ہے کہ ایک ہی احتمال معین کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے معنوں میں بہت طول وطویل تفسیر کرنی پڑی ہے۔

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ سے مراد

پہلے تو یہ بحث کی ہے کہ مِثْلَيْهِمْ سے دو چند مراد ہے یا سہ چند پھر یہ کہ ایسا دیکھنے والے مومن تھے یا کافر پھر یہ کہ دیکھنے والے اپنی تئیں دو چند یا سہ چند دیکھتے تھے یا کہ دوسروں کو دوچند یا سہ چند دیکھتے تھے۔

اول میں نے کہہ دیا ہے کہ فراء سہ چند کہتا ہے اور زجاج دوچند اسی طرح دوسرے دو اختلافوں میں بھی بتادیا ہے کہ فلاں پہلی صورت کہتا ہے اور فلاں دوسری۔

اول اختلاف میں گو اکثروں نے زجاج ہی کے مذہب کو پسند کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسے اعداد سے مطلق کثرت اور زیادت مقصود ہوتی ہے لیکن دوسرے تیسرے اختلاف میں نہ تو مفسرین نے وہ سارے احتمال بیان کئے جو کہ الفاظ اور واقعات کے رو سے یہاں بنتے ہیں اور نہ کوئی فیصلہ کی راہ نکالی ہے۔ لہٰذا پہلے میں سب احتمال بتاتا ہوں اور پھر ترجیح کی راہ بتاؤں گا۔ کل احتمال آٹھ ہیں۔ کیونکہ دیکھنے کا فاعل یا مومن ہیں یا کافر اور پہلے هُمْ سے یا وہی خود مراد ہے یا دوسرے اور اسی طرح دوسرے هُمْ سے بھی یا وہ خود مراد ہیں یا دوسرے۔ تو جب فاعل کی دو صورتوں کو پہلے هُمْ کی دو صورتوں میں ضرب دی تو چار صورتیں ہوئیں اور ان چار کو دوسرے هُمْ کی دو صورتوں میں ضرب دی تو آٹھ ہوئیں۔ اور نقشہ ذیل میں آٹھوں صورتیں مع ترجمہ کے درج کی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک صورت کے ساتھ مطلب بھی لکھا جاتا ہے۔

نمبر شمار	فاعل	يَرَوْنَ هُمْ	مِثْلَيْهِمْ	خلاصہ مطلب
1	مومن	دیکھتے تھے اپنے آپ کو	اپنے دوچند	اپنی ذاتی کثرت اور قوت

نمبر شمار	فاعل	يَرَوْنَ هُمْ	مِثْلَيْهِمْ	خلاصہ مطلب
2	مومن	دیکھتے تھے اپنے آپ کو	ان کے دوچند	اپنی دوسروں پر زیادت
3	کافر	دیکھتے تھے اپنے آپ کو	اپنے دوچند	اپنی ذاتی کثرت اور قوت
4	کافر	دیکھتے تھے اپنے آپ کو	ان کے دوچند	اپنی دوسروں پر زیادت
5	مومن	دیکھتے تھے ان کو	اپنے دوچند	دوسروں کی اپنے پر زیادت
6	مومن	دیکھتے تھے ان کو	ان کے دوچند	دوسروں کی ذاتی کثرت اور قوت
7	کافر	دیکھتے تھے ان کو	اپنے دوچند	دوسروں کی اپنے پر زیادت
8	کافر	دیکھتے تھے ان کو	ان کے دوچند	دوسروں کی ذاتی کثرت و قوت

پس چونکہ یہاں پر کوئی قرینہ نہیں جو کہ کسی خاص صورت کو معین کرے اور جب تائید ایزدی اور شجاعت و جوانمردی کے ساتھ مفسرین کے قول کے موافق یہود کے اس قول کی تردید بھی ملحوظ رکھی جائے (جو کہ انہوں نے اسی جنگ بدر کی نمایاں فتح اور تائید غیبی کو دیکھ کر کہا تھا (خاک بدہن شان) کہ محمدؐ اس پر غرہ نہ ہو کہ ناتجربہ کار قریش پر غالب آگیا ہے۔ کبھی ہمارے ساتھ مقابل ہوا تو اس کو پتہ لگ جائے گا کہ ہم کون ہیں اور جنگ کیا ہے) تو ہر ایک صورت کے لئے وجہ مناسبت بھی مل جاتی ہے پس اس لحاظ سے تو سب ہی صورتیں لینی چاہیں جیسا کہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ ہاں جب ہم قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں کہ کہیں اس واقعہ کی تفصیل آئی ہے تو سورۂ انفال میں ہم اسی جنگ بدر کے متعلق آیات ذیل پاتے ہیں۔ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ..... وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا [1] (الانفال:44-45) جس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جنگ شروع ہونے کے وقت ہر ایک فریق دوسرے فریق کو کم دیکھتا تھا اور اس کی جو غرض اور ثمرہ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ کے ساتھ بتایا ہے۔ وہ اس کو چاہتی ہے کہ اپنے سے کم اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ دیکھے۔

[1]۔ (یہ واقعہ اس وقت کا ہے) جبکہ اللہ نے تیری خواب میں تجھے انھیں کم کر کے دکھایا تھا... اور (یاد کرو) جبکہ وہ ان (کفار) کو تمہاری نظر میں لڑائی کے وقت کمزور دکھاتا تھا اور تم کو اُن کی نظر میں کمزور دکھاتا تھا۔ تاکہ اللہ وہ بات پوری کر دے جس کا وہ فیصلہ کر چکا ہے۔ (تفسیر صغیر)

پس اس کی مطابقت یہ چاہتی ہے کہ اس آیت کریمہ کے یہی معنے ہوں کہ ہر ایک فریق اپنے آپ کو دوسرے کے دوچند چشم دید دیکھتا ہے۔

اب رہا یہ کہ اس کو یہاں پر بیان کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو میرے خیال میں اس کا جواب بھی سورہ انفال میں صاف دے دیا ہے کیونکہ اس میں صاف بتادیا ہے کہ کثرت کی حالت میں تم سست ہو جاتے اور جنگ کرنے اور نہ کرنے میں نزاع ہوتا الخ۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ یہ جنگ اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ الٰہی منشاء سے ہوا ہے تاکہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے۔ اور بتائے کہ الٰہی منشاء کے مطابق ہونے سے نصرت و تائید ملی تھی اور ملا کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے بعد فرمایا کہ) اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی نصرت کے ساتھ اس کو تائید دیتا ہے (اور چاہتا ان کے لئے ہے جو کہ اس کے منشاء کے مطابق اور اس کے پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ) بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لئے عظیم الشان عبرت ہے۔

(یعنی جس طرح اس میں محمدؐ کے صدق دعویٰ کے لئے بڑا بھاری نشان ہے اسی طرح اس میں دوسرے لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ وہ بھی ان کی مانند مخالفت کر کے اپنے لئے ہلاکت اور خسران کے اسباب نہ جمع کریں اور ان کی طرح اہل اسلام کو کمزور خیال کر کے ان کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوں۔ ورنہ تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا تو جب اس کو اٰیَۃٌ اور عِبۡرَۃٌ بتایا تو اب یہ بتاتا ہے کہ کیا ان کو اس سے کچھ فائدہ ہوا یا نہ اور اگر فائدہ نہیں ہوا تو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ) ان لوگوں کے لئے شہوات اعنی عورتوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے ڈھیروں ڈھیر اور تیار شدہ گھوڑوں اور مواشی اور کھیتی کی محبت پسندیدہ کی گئی ہے۔

(یعنی شیطان نے چونکہ ان شہوات کی محبت ان کے دلوں میں بہت مرغوب کر دی اس لئے انہوں نے نہ اس کے آیت ہونے میں فائدہ اٹھایا اور نہ اس کے عبرت ہونے سے انہوں نے عبرت پکڑی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کی غلطی کے اظہار کے لئے فرمایا کہ) یہ (سب کچھ) اس نزدیک زندگی کے (آرام کے) اسباب ہیں۔ (جو کہ بہت جلد ختم ہونے والی ہے اور اس کے بعد ایک دائمی زندگی ہے جو کہ سب کے لئے مرجع ہے اور اس میں یہ سب

بے کار ہیں بلکہ وہاں پر آرام کے کچھ اور ہی اسباب ہیں اور وہ کہاں ملیں گے۔) اللہ ہی کے پاس یہ اچھا مرجع ہے (یہ تو آخرت کی نسبت ہوا لیکن آگے فرمایا کہ) تم کہو کیا میں تم کو اس سے بہتر کی خبر دوں (اور آگے وہ بہتر بتایا کہ) ان متقیوں کے لئے ان کے ربّ کے پاس (دونوں جہانوں میں) باغ ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں اور پاکیزہ جوڑے (اور ساتھی) ہیں اور اللہ کی طرف سے رضامندی ہے۔

اور میں نے بارہا بتادیا ہے کہ ایسے مقامات میں دنیوی اور اخروی دونوں جنت اور باقی نعماء مراد ہوتی ہیں اور دنیوی کا ملنا اخروی کے ملنے کی بیّن شہادت ہے۔ سو جو شہوات مذکورہ ان کے لئے سَدِّرَہ ہیں وہ اول تو ورلی زندگی سے مخصوص ہیں اور پھر اس سے کم درجہ کی ہیں جو متقیوں کو اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے۔ پھر چونکہ ان شہوات کو وہ خود کماتے ہیں۔ اس لئے ان کا حاصل ہونا یقینی نہیں پر متقیوں سے چونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے لہٰذا وہ یقینی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے وجوہات کے ساتھ ان کے شہوات نہایت ادنیٰ اور حقیر ہیں اور اس کے انعامات نہایت اعلیٰ اور معظم ہیں۔ اور یہ بتانے کے لئے (کہ یہ انعامات کسی شخص یا قوم اور ذات سے مخصوص نہیں کہ دوسرے محروم اور وہ مغرور ہوں بلکہ یہ تقویٰ پر مبنی ہیں۔)

(فرمایا کہ) اللہ اپنے بندوں کو خوب تاڑنے والا ہے (کہ کون اپنے تقویٰ سے اس انعام کے مستحق ہیں اور بعد ازیں ان کے چند ایک خاص علامات و نشان بھی ذکر فرمادیئے ہیں تاکہ لوگوں کو بھی کسی قدر امتیاز حاصل ہو سکے۔ لہٰذا فرمایا کہ) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں۔ سو ہمارے قصور مٹادے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچادے۔ وہ (قابل تعریف لوگ) جو کہ صبر کرنے والے (ہیں۔ بدیوں سے بچنے اور نیکی کرنی اور حق کے لئے دکھ اور مصائب برداشت کرنے اور جہاد میں مال و جان صَرف کرنے میں) اور جو صادق (ہیں کہ ایمان کے ضمن میں جو کچھ انہوں نے اللہ اور رسول سے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور جو منہ سے کہتے ہیں عمل میں اس کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کو سچا کرتے ہیں۔ اور کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولتے) اور جو فرمانبردار عابد دعائیں کرنے والے ہیں اور جو (اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور سب خداداد اشیاء اور قویٰ کو) صَرف کرنے

والے ہیں اور جو سحری کے وقتوں میں (جو کہ نہایت آرام اور خفیہ اور غیبت کا وقت ہے) استغفار کرنے والے ہیں۔

(اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس متقی جماعت کو جو کہ وَعْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہی کو پکارتے ہیں دوسری سب اقوام پر جو کہ غیر اللہ کو پکارتی ہیں کیوں غلبہ دیا۔ نیز یہ بتایا ہے کہ واقعہ مذکورہ میں جیسی کہ نصرت و تائید اور غلبہ کی آیت ہے۔ جیسا کہ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح اس میں ایک اور اہم ترین امر کی شہادت بھی ہے۔ تو فرمایا کہ اس واقعہ سے) اللہ نے گواہی دی ہے کہ بے شک بات تو یہ ہے کہ کوئی کمالات ذاتی رکھنے والا اور معبود حقیقی نہیں مگر وہی ہے۔

(کیونکہ غیر اللہ کے پکارنے والوں نے علاوہ مادی اسباب کے تمسک کے اپنے ٹھاکروں سے بھی بہت کچھ امداد چاہی اور اہل اسلام نے باوجود مادی اسباب کی کمی کے اپنے رب کے وعدۂ نصرت پر توکل کیا اور پھر ان کے ٹھاکر کچھ بھی کام نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مظفر و منصور کر دیا۔ اور بعد ازیں فرمایا کہ) فرشتوں اور علم والوں نے بھی انصاف پر قائم ہو کر گواہی دی ہے کہ کوئی معبود حقیقی نہیں پر وہی جو کہ عزت و غلبہ اور حکمت والا ہے۔

فرشتوں کی گواہی:

(فرشتوں کی گواہی تو دو طور پر ہے (1) یہ کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے امور نظامیہ ہیں مثل بارش اور ہوا وغیرہ کے ان پر جدا جدا فرشتے مقرر ہیں اور غیر اللہ کو پکارنے والے لوگ بھی ان پر دیوتے خیال کرتے ہیں اور جنگ بدر میں علاوہ اور تائیدات الٰہیہ کے بعض ایسی بھی ہیں جو کہ ایسے امور سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً اہل اسلام کے آنے سے پہلے کفار نے مٹی اور پانی والے موقعہ پر اپنا ڈیرہ جما لیا تھا تو جب اہل اسلام آئے تو مجبوراً ان کو ریت پر قیام کرنا پڑا جہاں پانی کی کوئی صورت نہ تھی تو خداوند کریم نے بڑے زور کی بارش کر دی جس سے اہل اسلام نے پانی بھی جمع کر لیا اور دوسرا یہ فائدہ پایا کہ بارش سے ریت پختہ ہو گئی اور کفار کی مٹی والی زمین بارش سے نہایت پھسلنے والی

ہو گئی اور جب صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی تو اس وقت سورج مومنوں کی پشت کی طرف تھا اور کفار کی آنکھ پر پڑتا تھا اور پھر ساتھ ہی صبح کی نرم ہوا بارش کے باعث اس قدر تیز ہو گئی کہ آندھی کا رنگ اختیار کر کے مومنوں کی طرف بلکہ ان کے قدموں کی ریت اڑا کر کفار کی آنکھوں میں اس قدر ڈالنے لگی کہ وہ شست نہ باندھ سکتے تھے۔

پس سورج اور ریت آنکھیں بند کرتے تھے اور ہوا تیروں کو اڑاتی اور کیچڑ چلنے سے روکتا اور سواروں کو گراتا تھا اور یہ سب انتظام فرشتوں کا عزیز و حکیم خدا کے ارادہ کے ماتحت تھا۔

(2) یہ کہ فرشتوں کا کام انسانوں کے دلوں میں نیک تحریکات کا کرنا ہے تو ان کا لوگوں کے دلوں میں نبی کی تعلیم کے مطابق تحریک کرنا یہ ان کی طرف سے اس کی شہادت ہے کہ عزیز و حکیم خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اولوا العلم کی شہادت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ عرب کے رہنے والے اور انہی مشرکوں کی قوم اور انہی کی سوسائٹی کے تربیت یافتہ اور وہ کسی کالج یا کسی متمدن قوم یا کسی دوسرے ملک میں داخل نہیں ہوئے اور باایں ہمہ وہ ہر ایک صیغہ میں اولوا العلم بن گئے ہیں اور ان میں نمایاں تبدیلی اور فرق پایا جاتا ہے جس کا ایک نمونہ جنگ بدر ہی ہے۔ حالانکہ ان میں فقط اسی قدر فرق ہے کہ وہ عزیز و حکیم خدا پر ایمان لائے ہیں کہ جس سے ان میں یہ عزت و غلبہ اور حکمت پیدا ہوئی اور غیر اللہ کے پکارنے والے ذلیل و مغلوب اور بے علم و بے حکمت اور جاہل ہیں۔ اور چونکہ اولوا العلم کے لئے بھی قومیت وغیرہ کے موانع ویسے ہی موجود تھے جیسے کہ مخالفین کے لئے تھے کہ باوجود حق کے جان لینے کے اس پر قائم نہیں ہوئے پر اولوا العلم نے ان کی کچھ پروا نہیں کی۔

لہٰذا ان کی نسبت فرمایا کہ انصاف پر قائم ہو کر انہوں نے گواہی دی ہے۔ نیز چونکہ فرشتوں نے اللہ کے عزیز و حکیم ہونے کی وجہ سے یہ گواہی دی ہے اور اولوا العلم میں بھی یہ گواہی اس کے عزیز و حکیم ہونے کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا ان کی گواہی میں کلمۂ شہادت کے اخیر میں اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ بڑھا دیا ہے اور چونکہ اہل کتاب یہ خیال کر سکتے تھے کہ بدر میں مشرکین عرب کے ساتھ جنگ ہوا تھا اور اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ اہل اسلام

کفار پر غالب ہوں گے کیونکہ وہ الٰہی دین پر نہیں۔ لیکن یہ چونکہ الٰہی دین پر ہیں، اس لئے یہ کب ہو سکتا ہے کہ اپنے دین کے اتباع کو یہ سزا دے۔ کیوں کہ دین کو دین اس لئے کہا جاتا ہے کہ دین جزاء کو کہتے ہیں اور دینِ الٰہی کے اتباع سے نیک جزا ملتی ہے اور اس کے خلاف سے بری جزاء دی جاتی ہے۔

دوم یہ کہ واقعہ بدر سے اگر ثابت ہوتا ہے تو اسی قدر کہ مشرکوں کے ٹھاکر اللہ نہیں ورنہ ان کی مدد کرتے۔ پر جن کو ہم پکارتے ہیں۔ چونکہ اللہ نے ان کے پکارنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اس فعلی شہادت سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی۔ تو اس کے رفع کرنے کے لئے خدائے علیم و حکیم نے فرمایا کہ) بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہمیشہ اسلام ہی ہے (اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کبھی کچھ دین بھیج دے اور کبھی کچھ۔ کیونکہ جو حق ہے وہ ہمیشہ حق ہے اور جو باطل ہے وہ ہمیشہ باطل ہے۔ تو جب یہ اسلام ہی ہمیشہ دین الٰہی ہوا اور پہلے انبیاء پر بھی یہی نازل ہوا تھا۔ تو پھر یہ اختلاف کیسا ہے۔ تو فرمایا کہ یہ اختلاف اہل کتاب نے کیا ہے) اور جن کو وہ کتاب دی گئی تھی۔ انہوں نے اپنے درمیان سرکشی کرنے کے لئے اختلاف نہیں کیا۔ پر اس وقت جبکہ ان کو علم حاصل ہو چکا تھا (تو جب یہ حالت ہے تو پھر انہوں نے دیدہ و دانستہ آیات اللہ کا انکار کیا) اور اگر کوئی آیات اللہ کا انکار کرتا ہے سو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قیامت کے دن حساب سے مراد:

(مفسرین نے تو اس کے دو ہی معنے کئے ہیں۔ (1) یہ کہ قیامت کے دن گو بہت لوگ ہوں پر حساب لینے میں انسانوں کی طرح بہت وقت صَرف نہ ہو گا۔ (2) یہ کہ جس طرح لوگ قیامت کو بہت دور خیال کرتے ہیں۔ پر اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بہت نزدیک ہے۔ اسی طرح حساب شروع ہونے کے زمانہ کو لوگ بہت دیر سے آنے والا خیال کر کے غفلت اور بدی میں ترقی کرتے ہیں۔ لیکن بتایا ہے کہ اللہ کے علم میں جلدی ہی سے حساب لیا جاوے گا۔ لیکن حضرت مولٰنا خلیفہ المسیحؑ نے اس کا اور مطلب بیان فرمایا ہے اور وہ بہت عمدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے بتایا ہے کہ قیامت کے حساب اور عذاب کو اول تو تم یقین

ہی نہیں کرتے اور پھر دور خیال کر کے اس کی پرواہی نہیں کرتے پر ہم اب اس دنیا میں بھی حساب لیں گے) تو اگر (اس کے بعد بھی) وہ حجت بازی کریں (تو تم ان سے مقابلہ نہ کرو بلکہ تبلیغ کی ایک راہ اختیار کر کے) کہو کہ میں نے تو اپنی توجہ اللہ کے حوالے کر دی ہے اور ان لوگوں نے بھی جو میرے تابع ہوئے ہیں۔

(لہٰذا خداوند تعالیٰ کے سب ارشاد جب اور جس پر نازل ہوئے ہوں۔ میں ان کو تسلیم کرنے والا ہوں) اور تم ان کو کہہ دو کہ جن کو وہ کتاب دی گئی ہے اور اَن پڑھوں (یا مکہ والوں) کو بھی کہ کیا تم بھی مسلم ہوئے۔ (اور اپنی توجہ کو اللہ کے حوالے کر دیا کہ اس کا جو ارشاد ہو اس کے ماننے کے لئے تیار ہو)۔ سو اگر انہوں نے سونپ دیا تب و ہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ (اس سے) پھر گئے۔ (جیسا کہ پہلے سیپارہ میں گزر چکا ہے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ[1] (البقرۃ:92) تو اس کے جواب میں وہ یہ نہیں کہتے کہ اٰمَنَّا بِهٖ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا[2] (البقرۃ:92) جس کے جواب میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ[3] (البقرۃ:92) تو پھر تم پر تو تبلیغ کے سوا اور کوئی بات لازم ہی نہیں (جو کہ تم کر چکے ہو اور مباحثہ بھی اظہار حق کے لئے ہوتا ہے جو کہ تم کر چکے ہو۔ رہا منوانا یا نہ ماننے پر سزا دینا تو یہ تمہارا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے) اور اللہ بندوں کو خوب تاڑنے والا ہے۔ (پس اس کی سزا سے یہ بچ نہیں سکتے۔)

---

[1]۔ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ہم (تو) اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اور (یہ کہتے ہوئے) اس کے بعد آنے والے (کلام) کا وہ انکار کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ اس (کلام) کو جو اُن کے پاس ہے سچا کر کے کامل طور پر سچا (ثابت ہو چکا) ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 22 تا 31: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقۡتُلُوۡنَ الَّذِیۡنَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ۫ وَمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ وَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۟ وَّ غَرَّہُمۡ فِیۡ دِیۡنِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ۔ فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰہُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ۟ وَوُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ۔ قُلِ اللّٰہُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔ تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَتُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۔ لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡہُمۡ تُقٰىۃً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ الۡمَصِیۡرُ ۔ قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡہُ یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ؕ وَیَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔ یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۔

تشریح الفاظ:

قِسْطٌ۔ عدل وانصاف۔

بَشِّرْ۔ بِشَارَۃٌ سے ہے۔ جس کے اصل معنے ایسی خبر دینے کے ہیں جو کہ چہرہ پر اثر کر دے خواہ خوشی کے طور پر یا غضب اور رنج کے طریق پر۔ لیکن زیادہ اس کا استعمال خوشی کی ایسی خبر میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کی خصوصیت سمجھی گئی ہے۔

غَرَّ۔ غُرُوْرٌ سے ہے، جس کے معنے دھوکہ دینے کے ہیں۔

وُفِّیَتْ۔ تَوْفِیَۃٌ سے ہے اور وہ وَفَاءٌ سے ہے۔ جس کے معنے پورا دینے اور پورا کرنے کے ہیں اور بعض غیر احمدی محض دھوکہ کی غرض سے مُتَوَفِّیْکَ یا تَوَفَّیْتَ کی بحث میں ان الفاظ کو پیش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مُتَوَفِّیْکَ اور تَوَفَّیْتَ۔ تَوَفّٰی سے ہیں۔ جو کہ وفات سے ہے۔ جس کے معنے ساری دنیا موت اور قبض روح کے کرتی ہے اِلّا چند لوگ حضرت مسیحؑ کے بارہ میں۔

اَللّٰھُمَّ کے معنے یَا اَللّٰہُ کے ہیں اور اس کی اصل بھی یہی تھی۔ لیکن یَا کو اوّل سے حذف کر کے اس کے عوض میں شد والا میم اللہ کے آخر میں لگا دیا، تو یَا اَللّٰہُ۔ اَللّٰھُمَّ بن گیا۔

تَنْزِعُ۔ نَزْعٌ سے ہے، نکالنا اور چھین لینا۔

تُعِزُّ۔ تُذِلُّ۔ اِعْزَازٌ وَاِذْلَالٌ سے ہیں۔ عزت دینا اور ذلیل کرنا۔

تُوْلِجُ۔ اِیْلَاجٌ سے اور وہ وُلُوْجٌ بمعنے دخول سے ہے۔ پس اس کے معنے داخل کرنے کے ہوئے۔ اَوْلِیَاءُ۔ وَلِیٌّ کی جمع ہے اور ولی کے معنے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

تُقٰۃً۔ بچاؤ حاصل کرنا۔ یُحَذِّرُ۔ تَحْذِیْرٌ سے ہے ڈرانا اور بچانا۔

مَصِیْرٌ۔ پھرنا اور جانا۔ تُخْفُوْا۔ اِخْفَاءٌ سے ہے۔

تُبْدُوْا۔ اِبْدَاءٌ سے ہے، ظاہر کرنا۔ تَجِدُوْا۔ وِجْدَانٌ سے ہے، پانا، معلوم کرنا۔

مُحْضَرًا۔ اِحْضَارٌ سے ہے حاضر کرنا۔ سُوْءٌ۔ بدی اور برائی۔

تُوَدُّ۔ وُدٌّ سے ہے، پسند کرنا۔

لَوْ۔ اگر اور کاش۔ اَمَدٌ۔ مدت محدودہ اور مسافت اور نہایت۔

رَؤُفٌ۔ رَأْفَۃٌ سے ہے، مہربانی۔

ترجمہ:

بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں۔ جو کہ انسانوں میں سے انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ سو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو چکے ہیں۔ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو الکتاب سے حصہ دیا گیا ہے۔ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ایک گروہ ان میں سے پھر جاتا ہے اور وہ روگردان ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یقیناً انہوں نے کہا ہے کہ ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے ہوئے دن اور اپنے دین میں ان کو اس نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے جو کہ وہ ہمیشہ افتراء کیا کرتے تھے۔ سو کیسی حالت ہو گی۔ جب کہ ہم ان کو اس دن کے لئے جمع کریں گے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ اور ہر ایک جی کو وہ پورا دیا جاوے گا۔ جو کہ اس نے کمایا ہے اور وہ ظلم نہ کئے جاویں گے۔

کہو اے اللہ ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک کو نکال لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

مومن لوگ کافروں کو دوست (یا آقا یا متولی) نہ بنائیں، مومنوں کے سوا اور جو یہ کرے گا۔ سو اللہ کی طرف سے وہ کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان کے ذریعہ سے (یا ان سے) کھلا کھلا بچاؤ حاصل کرو۔ اور اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے کہو اگر تم چھپاؤ اس کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو تو اللہ اس کو جانتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قدرت رکھنے والا ہے۔ جس دن کہ ہر ایک جی اس کو حاضر پائے گا جو کہ اس نے نیکی سے کیا ہے اور جو کچھ اس نے بدی سے کیا ہے۔ تو (اس دن) وہ پسند کرے گا کہ کاش

میرے اس کے درمیان کوئی دور مدت (یا دور مسافت) ہوتی۔ اور اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

تفسیر:

یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ اس سورۃ شریف میں اصالۃً تو اہل کتاب کے ساتھ کلام ہے۔ گو ضمناً مشرکین اور مجوس وغیرھما کو بھی شامل ہے اور قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ[1] الخ (آل عمران:13) میں تائید الٰہی اور عذاب الٰہی کی ان کو خبر دی گئی تھی۔ اور قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا[2] الخ (آل عمران:14) کے ساتھ اسی کے ایک نظارہ سے سبق حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی جو کہ اہل کتاب سے باہر مشرکین میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ تو اب بتایا جاتا ہے کہ کیا اہل کتاب نے اس سے سبق حاصل کیا یا کریں گے یا کہ نہیں کیا اور نہ کریں گے۔ اور بصورت نہ کرنے کے کیا نتیجہ مرتب ہو گا۔ تو فرمایا کہ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر بنتے ہیں۔

کفار کا انبیاء کو قتل کرنے کی کوشش اور نشانات کا انکار:

(بتایا کہ اہل کتاب نے اس عظیم الشان نشان اور صریح البیان فرقان کا دیدہ و دانستہ ایسا ہی انکار کیا ہے جیسا کہ یہ لوگ ایسے بہت سے نشانوں کا انکار کر چکے ہیں۔ اور جس طرح نبی کریمؐ کے بارہ میں بہت سے نشانوں سے انہوں نے انکار کیا ہے اسی طرح اس سے پہلے بھی بہت سے انبیاءؑ کے بارہ میں نشانوں سے انکار کرتے رہے۔ اور پھر اسی پر انہوں نے بس نہ کی اور نہ اب کرتے ہیں بلکہ) ناحق نبیوں کو (اپنی طرف سے) قتل کرتے (رہے اور اب بھی قتل کرتے) ہیں (گو خداوند تعالیٰ اپنی معجزانہ تائیدات سے ان کو مر جانے سے بچاتا رہا ہے اور بچاتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مسیحؑ وغیرھما کے حالات شاہد ہیں۔) اور ان انسانوں کو (بھی) قتل کرتے (رہے ہیں اور اب بھی قتل کرتے) ہیں جو کہ عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

---

[1]۔ جو لوگ کافر ہیں اُنھیں کہہ دے کہ تمہیں ضرور مغلوب کیا جائے گا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ان دو گروہوں میں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے تمہارے لیے یقیناً ایک نشان تھا۔ (تفسیر صغیر)

(پس نہ تو اس بات کی قدر کرتے ہیں کہ وہ خدا کے برگزیدے اور اس کے ہم کلام اور اس کی طرف سے خبر دینے والے ہیں اور نہ اس کی کہ وہ انصاف سکھاتے ہیں اور نہ انسانی ہمدردی کی ان کی نظر میں کچھ قدر ہوتی ہے۔ اور انبیاءؑ کے قتل میں اور دوسروں کے قتل میں چونکہ یہ فرق تھا کہ ان کی حفاظت کا خداوند عالم ذمہ وار ہے اور دوسروں کی حفاظت کا وہ ذمہ وار نہیں اس لئے قتل کو مکرر ذکر فرمایا ہے۔ اور گو اکثر مفسرین نے اَلنَّبِیّٖنَ سے گذشتہ انبیاءؑ لئے ہیں اور ان میں سے بعض جو کہ ان کے خیال میں مقتول ہوئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے قتل سے قتل ہو جانا ہی سمجھا ہے اور بعض نے خاص نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی لئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ آپ کو بلفظ جمع اس لئے ذکر کیا ہے کہ اول تو آپ سب کے مظہر ہیں۔

دوم آپ کا قتل سب کے قتل کے برابر تھا اور قتل سے ارادۂ قتل لیا ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہاں پر اہل کتاب سے موجودہ اہل کتاب مراد ہیں۔ لیکن دونوں بیان خلاف الفاظ اور تکلف ہیں اور حق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے اور قتل کے وہی معنے جو میں نے بارہا بتائے ہیں اور اَلنَّبِیّٖنَ سے سب انبیاءؑ مراد ہیں جو ان میں آتے رہے ہیں کیونکہ ان سب کے ساتھ وہ یہی سلوک کرتے رہے ہیں اور جہاں قومی حالات بیان ہوتے ہیں وہاں پر خصوصیات کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ نفس قوم ملحوظ ہوتی ہے تو بتایا کہ جو ایسا کرنے والے ہیں۔ ان کو تم دردناک عذاب کی خبر دے دو (یا ان کو ذلیل کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ ان کو بشارت اور خوشخبری دے دو اور اس دردناک عذاب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے (کہ وہ کیا ہو گا اور کب اور کہاں پر ہو گا اور اس امر کی تردید کے لئے (کہ جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہر ایک قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون یقین کرتے تھے اور نیز اس بات کے بتانے کے لئے کہ نجات کی جو جڑھ اور چابی ہے وہ ان میں مفقود ہے۔ فرمایا کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے ہیں۔ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

(پس پہلے تو بتایا کہ نجات کی بناء جن اعمال حسنہ پر ہے اول تو ان میں وہ ہیں ہی نہیں اور اگر کسی میں کوئی تھا بھی تو وہ اس کی مذکورہ بالا بد ذاتیوں سے برباد ہو گئے ہیں۔ اور پھر بتایا کہ وہ

عذاب دنیا میں بھی ہو گا اور آخرت میں بھی ہو گا۔ اور پھر بتایا کہ ان کو دنیوی عذاب سے بچنے کی امید تو اپنے مشرکین وغیرہ انصار اور مدد گاروں پر ہے اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی امید اپنے بزرگوں پر ہے۔ گویا ان کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا ہمیں عذاب بھی دینا چاہے پر وہ ہماری مدد کر کے ہمیں چھڑا ہی لیں گے۔ گویا خدا پر غالب آجاویں گے۔

پر فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ کوئی دنیا میں ان کی مدد دے کر ان کو نجات دے گا اور نہ قیامت کو اور قیامت کے عذاب کو تو سب جانتی ہے۔ لیکن ناصر نہ ہونے سے دنیوی عذاب کی حقیقت بھی ظاہر ہو گئی۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ[1] (آل عمران:5) جو مذکورہ بالا آیت سے فائدہ نہ اٹھانے کی خبر مدلل طور پر دی گئی تھی۔ ایک تو اس کی کھلی کھلی نظیر بتانے کے لئے۔ دوم اس کی تردید کرنے کے لئے کہ آیت کو آیت مان کر پھر کس طرح وہ کاربند نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ آیت ان کے نزدیک آیت ہی نہیں۔ تو فرمایا کہ) تم نے ان لوگوں کی طرف توجہ نہیں کی کہ جن کو اَلۡکِتٰبُ (توریت) سے بہت حصہ دیا ہے۔ (اور وہ اس کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لانے کا اظہار کرتے ہیں) وہ اس کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں (کہ جس کے منجانب اللہ ہونے کو وہ تسلیم کرتے ہیں) تاکہ وہ کتاب ان میں فیصلہ کرے تو پھر (اس قدر بعید از ایمان کام ان سے سرزد ہوتا ہے کہ مختلف گروہوں میں سے) ایک گروہ اس سے پھر جاتا ہے۔ (جس کی مرضی اور منشاء کے خلاف اس کتاب نے فتویٰ دیا ہوتا ہے ہاں جن کے موافق فیصلہ کیا ہوتا ہے وہ بے شک مانتے پر ان کو بھی جب کوئی ایسا موقعہ پیش آئے تو) وہ (بھی) اعراض کرنے والے ہیں۔ (اس کے بعد اس کفر بِاٰیات اللہ اور قتل انبیاء اور قتل اٰمرین بالقِسط اور کتاب سے تولی اور اعراض کی وجہ بتائی ہے جس سے دوسروں کے اعراض کا بھی یقین حاصل ہو جاتا ہے گو ابھی ان کو آزمایا نہ ہو۔ تو فرمایا کہ) یہ اس سبب سے ہے کہ یقیناً وہ کہتے چلے آئے ہیں کہ ہر گز ہم کو آگ نہ چھوئے گی مگر معدود چند دن (اور ظاہر ہے کہ اس افتراء پر یقین کرنے سے کس قدر انسان بدی پر دلیر ہو سکتا ہے جیسا کہ فی زمانا کفارہ کا یقین ہے خواہ وہ حضرت

[1]۔ جن لوگوں نے اللہ کے نشانات کا انکار کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

مسیحؑ کا کفارہ ہو یا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کفارہ ہو۔ مسیحؑ کے کفارہ کے معتقدین نے شریعت کو لعنت کہہ کر جو آزادی حاصل کی ہے اگر انسانیت کے مقتضا اور خوف سلطنت نہ ہوتے تو ایک ہی دن میں ان کی اس وسیع آزادی سے انتظام ملک درہم برہم ہو جاتا۔ اسی طرح خداوند کریم نے ان کے اس افتراء کی نسبت فرمایا ہے) جو کچھ وہ افتراء کرتے رہے ہیں۔ اس نے ان کو اپنے دین میں دھوکہ دے دیا ہے۔

(باقی تفسیر لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کی پہلے گذر چکی ہے۔ اور چونکہ ایسے افتراء اور امانی سے بڑی مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ جس مصیبت سے اپنے آپ کو محفوظ یقین کیا جاتا ہے اس سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا اور نہ اس کے اسباب سے اجتناب کیا جاتا ہے پھر جب وقت آتا ہے تو ان کے زعم کے خلاف دوسرے بہت سے لوگ تو اس سے بچ جاتے ہیں اور وہ اس میں بری طرح سے پھنس جاتے اور علاوہ دکھ کے اپنے پہلے ادعاؤں کے برعکس پاکر ان کو سخت شرمندہ ہونا پڑتا ہے اس لئے خداوند تعالیٰ نے بھی ان کے اس افتراء کے بعد فرمایا کہ) ان کی کیسی حالت ہوگی جبکہ ہم ان کو اس دن کے لئے جمع کریں گے کہ جس میں کوئی شک نہیں اور (پھر سب کتب الٰہیہ کے متفق علیہ قاعدہ کے مطابق) ہر ایک جی کو پورا پورا وہ کچھ دیا جاوے گا جو کہ اس نے کمایا تھا (اور پھر جس طرح دنیا میں ایک ظاہری بھلا مانس مجرم اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے کہہ دیا کرتا ہے کہ میں نے تو کوئی قصور نہ کیا تھا میرے پر تو ظلم کیا گیا ہے وہاں پر یہ عذر بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ دربار ہی ایسا ہوگا کہ) وہ ظلم نہ کئے جاویں گے (تاکہ اس عذر کی کوئی گنجائش ہوتی۔ نیز ظلم کے معنے کمی کرنے کے بھی ہیں تو اس لحاظ سے یہ بتایا ہے جس دکھ کا یہ نظارہ بتایا گیا ہے۔ اس میں کوئی کمی بھی نہ کی جاوے گی۔ تو جب اہل کتاب کو دنیوی اور اخروی عذاب کی خبر دی گئی اور ان کے بچاؤ کی بھی تردید کی گئی۔ اور دنیوی عذاب اخروی کے لئے دلیل تھا۔ اور فریق مقابل بھی اسباب و امداد کے لحاظ سے دنیوی عذاب کو بہت بعید از عقل یقین کرکے اس سے سخت انکار کیا کرتے تھے۔

حدیثوں میں ان کا اس سے انکار اور اس کے باعث سے مومنوں سے تمسخر واستہزاء بہت کچھ مذکور ہے تو خداوند تعالیٰ نے بعد ازیں ایک دعا کا ارشاد فرمایا ہے جو کہ دعا ہونے کی حیثیت

سے بھی ان کے دلوں میں اس کے ہو جانے کا یقین ڈالتی ہے کیونکہ گو وہ زبانوں سے انکار بھی کرتے ہیں پر ان کی عملی حالت صاف بتاتی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو وہ مستجاب الدعوات یقین کرتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ جب خدا نے اس دعا کا حکم دیا ہے تو محمد (ﷺ) اس جوش اور عقد ہمت سے دعا کرے گا کہ ضرور ہی قبول ہو جائے اور جب تک وہ ہو نہ جائے وہ کرتا ہی جائے گا۔ اور وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے بھی ایسے امور پر مشتمل ہے جن سے اس کے وقوع سے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا انکار ہو سکتا ہی نہیں۔ اور وہ دعا کا ارشاد یہ ہے کہ) تم کہو اے اللہ ملک کے مالک (اور ظاہر ہے کہ مالک کو اپنے ملک پر پورا اختیار ہوتا ہے۔ لہٰذا) تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔

(اس میں ان کو ساری حقیقت بتادی ہے کہ تم تو چھیننے والے چند ضعیف اہل اسلام کو خیال کرتے ہو پر یہ غلط ہے اصل مالک اللہ ہے اسی نے ایک وقت مخالفوں سے ملک چھین کر یہود کو دیا تھا اور پھر اسی نے یہود سے چھینا اور پھر اسی نے نصاریٰ کے مخالفوں سے چھین کر نصاریٰ کو دیا ہے۔ اور چھینے جانے کی جڑھ نبی کی مخالفت ہے اور دیئے جانے کی بنا اس کی اتباع پر ہے اور وہی حالت اب یہاں پر بھی ہے کہ ایک گروہ نبی کا مخالف ہے اور دوسرا متبع ہے اور پھر اس دینے اور چھیننے سے) تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے (اور سب کی جڑھ یہ ہے کہ) تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے (اور) بے شک تو ہر ایک چاہے ہوئے امر پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

سنۃ اللہ:

(اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ سنت اللہ ہے اور سنت اللہ میں تبدیل نہیں ہوا کرتی یہ فرمایا کہ) تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ (بس کبھی دن بڑھ جاتا ہے اور کبھی رات اور یہ سنت ہمیشہ ہی جاری رہتی ہے پس اسی طرح نافرمانی کی رات اور اسلام کے دن میں بھی یہ سنت جاری ہے پس کبھی وہ بڑھ جاتی ہے اور کبھی وہ بڑھ جاتا ہے تو اس وقت اگر نافرمان گروہ بڑھا ہوا ہے تو عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ اسلام والے بڑھ جاویں گے اور نافرمان گھٹ جاویں گے۔ اور پھر اسی بڑھنے کے سمجھانے کے لئے ایک

سنت ذکر فرماتا ہے کہ) تو زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے اور مردوں کو زندوں سے نکالتا ہے۔ (یہ سنت بھی عام جاری ہے کہ مردہ مواد سے حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور پھر مردہ مواد زندوں سے نکلتے ہیں سو اسی طرح روحانی زندوں اور روحانی مردوں میں بھی یہ سنت جاری ہے کہ نافرمان سے مسلمان اور مسلمان سے نافرمان پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

پس تمہاری اولادیں مسلمان ہو کر اہل اسلام کی کثرت موجب ٹھہریں گی۔ اور کثرت پر گذارے اور رزق کا ضرور ہی سوال پیدا ہوتا ہے تو فرمایا کہ) تو جس کو چاہے بے حساب دیتا ہے۔ (چنانچہ خداوند تعالیٰ سب کچھ کر دیا مخالفوں سے ملک چھین کر مومنوں کو دیئے۔ مخالفوں کی جماعت کو کم کیا اور مومنوں کو کثرت معجزانہ عطا فرمائی اور پھر ان کو اس قدر بے حساب رزق دیئے کہ جن کی مثال نظر نہیں آتی۔ اور چونکہ دعا مذکور میں صاف بتایا گیا ہے کہ کفار سے جنگ ہونے والا۔ اور مسلمان ان ہی میں سے ہوئے تھے۔ اور ان کے نکلے ہوئے بہت کم مدت گذری تھی اور ابھی اہل اسلام کے رشتہ دار بلکہ بہت قریبی رشتہ دار اور پرانے عزیز دوست ان میں موجود تھے۔ اور ظاہر ہے کہ رشتے اور دوستی جنگ کے لئے سخت مضر تھے۔ اس لئے اس دعا کے بعد فرمایا کہ) مومن لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنے رشتہ دار اور دوست نہ بنائیں۔

(قرآن مجید میں صاف آیا ہے کہ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ [1] (الممتحنۃ:9) جس سے کفار کے ساتھ بھلائی اور عدل وانصاف کرنے کا مسئلہ تو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر سورۂ ممتحنۃ کی اس آیت کریمہ کے پہلے تو فرمایا ہے کہ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ [2] الخ۔ (الممتحنۃ:5)

---

[1]۔ اللہ تم کو اُن لوگوں سے نیکی کرنے اور عدل کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے نہیں لڑے اور جنھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ موجود ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اللہ کے سوا تمہارے معبودوں سے کلّی طور پر بیزار ہیں۔ ہم تمہاری باتوں کا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بُغض اُس وقت تک کے لیے ظاہر ہو گیا ہے کہ تم خدا پر ایمان لاؤ۔ (تفسیر صغیر)

اور اس کے بعد میں ہے اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ[1]۔ (الممتحنۃ:10)

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلے ادیان میں یہ مسئلہ کیسا شدید تھا اور اسلام نے اس میں کس قدر نرمی کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کو خود اقرار کرنا پڑا ہے کہ مسیح کے برّوں نے مفتوح اقوام کے ساتھ سلوک کا وہ نمونہ کبھی اور ہر گز نہیں دکھایا جو کہ اہل اسلام کا ہمیشہ دستور العمل رہا ہے اور پھر سورۂ توبہ میں فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ[2] الخ۔ (التوبۃ:23)

اور اس کے بعد فرمایا کہ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ِاقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ[3] الخ (التوبۃ:24) جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ولایت کے وہی معنے جو کہ ہم نے لئے ہیں۔

ہاں اس کے بعد فرمایا ہے کہ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ[4] الخ (التوبۃ:25) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جو ولایت ممنوع ہے اس میں کفار سے نصرت حاصل کرنی بھی منع ہے اور محققین کا یہی فتویٰ کہ ان کی شرکت تو منع نہیں لیکن ذلیل اور محتاج بن کر ان سے مدد چاہنی درست نہیں۔ اس کے بعد بتایا کہ) جو یہ

---

[1]۔ اللہ تم کو صرف اُن لوگوں سے (دوستی کرنے سے) روکتا ہے جنھوں نے تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے جنگ کی اور جنھوں نے تم کو گھروں سے نکالا یا تمہارے نکالنے پر تمہارے دوسرے دشمنوں کی مدد کی اور جو لوگ بھی ایسے لوگوں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اے مومنو! اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کو (اپنا حقیقی) دوست نہ بناؤ۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ تو (مومنوں سے) کہہ دے اگر تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دُوسرے) رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارتیں جن کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنے فیصلہ کو ظاہر کر دے۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی ہے (خصوصاً) حُنین (کی جنگ) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو متکبر بنا دیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

کرے گا سو اللہ کی طرف سے وہ کسی چیز میں نہیں (بلکہ مطلب یہ ہو کہ ایسے شخص کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہو گی۔

اور مفسرین نے مِنْ کے بعد لفظ وِلَایَۃٌ یا لفظ دِیْنٌ مقدر مان کر یہ معنے کئے ہیں کہ وہ اللہ کی ولایت یا اللہ کے دین سے کسی چیز میں نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی ولایت اور اس کے دین سے ان کو کچھ حصہ نہیں ملا یا نہ ملے گا اور چونکہ موالات کی حالت میں مدارات بھلائی اور سلوک کیا جاتا ہے تو موالات کی ممانعت سے یہ خطرہ تھا کہ لوگ نیک سلوک کو بھی چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ اے مومنوں مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ الخ سے گو تم کو یہ کہا گیا ہے کہ لَا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ اے افعال الموالات) مگر یہ کہ تم ان سے کسی قسم کا تقویٰ حاصل کرو۔ (یعنی اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ بھی نہ ہو اور نہ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ہو اور اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا ہو تاکہ تم متقی بن کر اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [1] (المائدۃ:43) کے مصداق بن جاؤ۔ جیسے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ [2] (آل عمران:103) میں تُقٰۃٌ کے معنے تقویٰ کے ہیں۔

حضرت مولٰنا خلیفہ المسیحؒ نے فرمایا ہے کہ یا تو اس سے وہ تقویٰ مراد ہے جو کہ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ [3] (النساء:2) وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا [4] (لقمان:16) میں مذکور ہے اور یا اس سے وہ بچاؤ مراد ہے جو کہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا [5] (النساء:98) میں بتایا گیا یعنی مجبوری کا عذر کچھ نہیں ہو گا اور مدد سے وہ محروم رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ان

---

[1] ۔ اللہ... انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اے ایماندارو! اللہ کا تقویٰ اس کی تمام شرائط کے ساتھ اختیار کرو۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ اور اللہ کا تقویٰ (اس لیے بھی) اختیار کرو کہ اس کے ذریعہ سے تم آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور خصوصاً رشتہ داریوں (کے معاملہ) میں (تقویٰ سے کام لو) (تفسیر صغیر)

[4] ۔ ہاں دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ نیک تعلقات قائم رکھیو۔ (تفسیر صغیر)

[5] ۔ جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حالت میں وفات دی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے وہ (ان سے) کہیں گے کہ تم کس (خیال) میں تھے؟ وہ (یعنی ہجرت سے گریز کرنے والے جواب میں) کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے (اس لیے ہجرت نہیں کی) وہ (فرشتے) جواب دیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ (تفسیر صغیر)

سے ہجرت کر کے بچ جائیں۔ اور سب اہل السنۃ والجماعت کا یہی فتویٰ ہے۔ جہاں پر ایسی دینی مجبوری پیش آجائے وہاں سے ہجرت کرنی چاہیے۔

اور اگر بند ہے اور جان کے ضائع ہونے کا یقین ہے۔ پھر افضل تو یہ ہے کہ جان دے اور دین کو نہ چھوڑے لیکن اگر باوجود اطمینان قلب اس کے خلاف ظاہر کر کے جان بچائے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن باوجود اس فتویٰ کے انہوں نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ مگر یہ کہ تم ان سے کسی قسم کا بچاؤ حاصل کرو۔ پر مطلب اس کا پھر بھی یہی لیا ہے کہ خطرۂ جان کے وقت کوئی بچاؤ کرو یا وہ ظاہر داری ان سے کرو جو کہ شرعاً جائز ہے۔ پر جب اِلَّا پر غور کیا جائے تو یہ معنے علاوہ تکلف کے چسپاں نہیں ہیں۔

اور شیعہ نے یہی ترجمہ کر کے اس قدر ظلم ڈھایا ہے کہ ایک طرف تو تقیہ کو واجب قرار دیا ہے۔ دوسری طرف ہر ایک حالت میں سوائے خطرۂ جان ومال کے ہر ایک امر میں تقیہ کو وسیع کیا ہے۔ حتّٰی کہ نفاق سے بھی قدم آگے لے گئے ہیں اور پھر تقیہ کے احتمال سے اپنی سب روایات اور سب اخبار بلکہ سب دین ومذہب کو بے اعتبار کر دیا ہے کیونکہ ہر ایک حدیث میں اب احتمال ہے کہ آئمہ نے تقیہ کے طور پر فرمائی ہو اور پھر تاکید کے لئے فرمایا کہ) اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا اور بچاتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے ہاں لوگ پوشیدہ رہنے کی امید سے ایسے کاموں کی جرأت کرتے ہیں) تو تم کہہ دو کہ (معاملہ تو اللہ سے ہے اور) خواہ تم ان برے امور کو چھپاؤ جو کہ تمہارے سینوں میں ہیں یا ان کو ظاہر کرو اللہ ان کو جانتا ہے اور وہ ان سب امور کو جانتا ہے جو کہ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں (اور بعض کو اپنی تدبیروں اور حیلوں اور طاقتوں اور جتھوں پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ تو تم ان کو یہ بھی کہہ دو کہ) اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (پھر بتایا کہ دنیا میں تو انسان ایسے امور کو بہت پسند کرتا ہے پر) جس دن کہ ہر ایک جی اس کو حاضر پائے گا جو کہ اس نے نیکی سے کیا ہے یا جو کہ اس نے بدی سے کیا ہے تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے اور اس کے درمیان دور مسافت (یا دور تاریخ) ہوتی (اور پھر تاکید کے لئے فرمایا کہ) اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا اور بچاتا ہے۔ (اس لئے کہ) اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

(تفسیر القرآن جلد 5 نمبر 2 بابت ماہ اپریل، مئی، جون 1910ء صفحہ 101 تا 200 مطبوعہ قادیان)

آیت 32 تا 42: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ قَالَ

رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ۔

تشریح الفاظ:

اِصْطَفٰی۔ اِصْطِفَاءٌ جو کہ اصل میں اِصْتِفَاءٌ تھا صَفَاءٌ سے۔ چن لینا اور برگزیدہ کرلینا۔

اٰلٌ اور ذُرِّیَّةٌ کے معنے گذر چکے ہیں۔

نَذَرْتُ۔ نَذْرٌ سے ہے۔ جس کے اصل معنے خوف کے ہیں اور شریعت میں کسی امر کو مخصوص طور پر اپنے پر لازم کرنے کو کہتے ہیں۔

مُحَرَّرٌ۔ تحریر شدہ کو کہتے ہیں اور مُحَرَّرٌ بالکل دینی خدمات کے لئے مخصوص اور آزاد ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کو شادی کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی۔

وَضَعَتْ۔ وَضْعٌ سے ہے، رکھنا اور بچہ جننا۔

اُعِیْذُ۔ اِعَاذَةٌ سے ہے، پناہ میں دینا اور محفوظ کرنا اور بچانا۔

كَفَّلَ۔ تَكْفِیْلٌ سے ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانا اور کسی کو کسی کا ذمہ وار بنانا۔

مِحْرَابٌ۔ حجرہ اور بالا خانہ اور عبادت خانہ کہ جس میں عابد لوگ اپنے نفس کے ساتھ محاربہ اور جنگ کرتے ہیں۔

اَنّٰی اور ھَبْ اور لَدُنْ کے معنے گذر چکے ہیں۔

كَلِمَةٌ۔ لغت میں تو اس کو کہتے ہیں جو کہ بولا جائے خواہ مفرد ہو یا مرکب ہو اور قرآن مجید میں اس کے معنے عموماً کلام کے ہیں۔ گو بعض مقامات پر کلام سے خاص پیشین گوئی مراد ہے اور بعض مقامات پر اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ مراد ہو جو کہ اللہ کے حکم سے پیدا ہو۔

سَیِّدٌ کے معنے عام طور پر سردار کے ہوتے ہیں۔ خواہ دینی ہو یا دنیوی اور کریم، حلیم، حسن الخلق، متقی، شریف، فقیہ عالم، راضی بالقضاء، مطاع فائق علی الاقران، متوکل، عظیم الہمت، غیر حاسد، اپنی قوم پر فائق بالخیر، مالک واجب الاطاعت بھی صحابہ اور تابعین اور آئمہ لغت سے مروی ہیں۔

حَصُوْرٌ۔ حَصْرٌ سے ہے، جس کے معنے بندش کے ہیں۔ پس جو معیوب باتوں سے طبعاً متنفر اور بچنے والا ہے وہ حصور ہے۔ اور نکاح سے ارادۃً بچنے والے اور عنین کو بھی کہتے ہیں۔

عَاقِرٌ۔ بانجھ۔ رَمْزٌ۔ اصل میں تحرک کو کہتے ہیں اور اشارہ پر بھی بولا جاتا ہے۔

عَشِیٌّ۔ دن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔ اکثر نے تو زوال سے غروب تک محدود کیا ہے اور بعض نے عصر سے رات کے پہلے پہر کے گذرنے تک بتایا ہے۔

اِبْکَارٌ۔ سویرے کو کہتے ہیں اور صبح صادق سے چاشت کے وقت تک اس کی حد بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ:

تم کہو کہ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو کہ اللہ تم سے پیار کرے اور تمہارے قصور معاف کرے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم کہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ سو اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم اور آل عمران کو جہانوں (اور لوگوں) پر چن لیا ہے۔ یہ ایک قابل تعریف ذرّیت ہے جو کہ ایک دوسرے سے ہیں اور اللہ سننے والا ہے۔ (یاد کرو) جبکہ عمران کی عورت نے کہا کہ اے میرے رب میں نے تیرے لئے وہ نذر مانا ہے جو کہ میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد ہو گا سو تو مجھ سے قبول کر یقیناً تو سننے والا جاننے والا ہے۔ تو جب اس نے اس (لڑکی) کو جنا تو کہا اے میرے رب میں نے اس کو لڑکی جنا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کہ اس نے جنا ہے اور (محرر لڑکوں سے) کوئی لڑکا اس لڑکی کی مانند نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو دھتکارے ہوئے شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

تو اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول کیا اور اس کو اچھی طرح اگایا اور زکریا کو اس کا خبر گیر بنایا۔ جب زکریا اس کے پاس عبادت خانہ (یا بالا خانہ یا حجرہ) میں جاتا تھا تو اس کے پاس کچھ رزق پاتا تھا۔ اس نے کہا اے مریم تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

وہاں پر زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ اے میرے رب تو اپنی طرف سے مجھے پاکیزہ اولاد دے۔ بے شک تو دعا سننے والا ہے تو فرشتوں نے اسے پکارا جبکہ وہ عبادت خانہ میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ یقیناً اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کہ تصدیق کرنے والا ہو گا اللہ کی طرف سے ایک کلام کی (یا خدا کے حکم سے پیدا ہونے والے کی یا ایک پیشین گوئی کی) اور سردار اور (بدیوں سے) روکا ہوا (یا رکنے والا) اور سنوار والوں میں سے ایک نبی ہو گا۔ اس نے کہا اے میرے رب کس طرح میرے لئے لڑکا ہو گا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بی بی بانجھ ہے۔ اس نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس نے کہا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشان مقرر کر۔ اس نے کہا تیرے لئے یہ نشان ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر اشارہ (یا تحرک) سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور تسبیح کر شام اور صبح۔

تفسیر:

چونکہ اصل بات تو اہل کتاب کی نسبت شروع تھی اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ [1] الخ (آل عمران:25) کے ساتھ ان کی بدیوں کی جڑھ بتا کر فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ [2] الخ (آل عمران:26) کے اخروی عذاب اور قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ [3] الخ (آل عمران:27) کے ساتھ دنیوی عذاب بتایا تھا اور جہاد کے ذکر پر بالطبع لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ [4] (آل عمران:29) کا ذکر آ گیا تھا اس لئے خداوند تعالیٰ نے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الخ فرما کر ایک تو ان کے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ والے خیال کی تردید فرمائی ہے۔

دوم دنیوی اور اخروی عذاب سے بچنے کا اصل گر بتایا ہے۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ [5] (المائدۃ:19) اور جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [6] (البقرۃ:166)

1۔ ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)
2۔ جب ہم... انہیں جمع کریں گے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ (تفسیر صغیر)
3۔ تو کہہ اے اللہ جو سلطنت کا مالک ہے۔ (تفسیر صغیر)
4۔ مومن... کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ (تفسیر صغیر)
5۔ ہم اللہ کے بیٹے (ہیں) اور اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
6۔ سب سے زیادہ اللہ (ہی) سے محبت کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ضرور ہوتے ہیں۔ اور عذاب سے بچنے کی بھی یہی ترکیب ہے کہ انسان اللہ سے محبت کرتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اس سے اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے جیسا کہ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ[1] (البقرۃ:223) اور یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ[2] (البقرۃ:196) وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان کے پہلے دعویٰ اَحِبَّآءُ کی نسبت تو خداوند کریم نے تردید فرمادی تھی کہ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ[3] (المائدۃ:19) تو جب ان کی موجودہ محبت کار آمد نہ ہوئی تو فرمایا کہ) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو (تو میں اس کا پیارا رسول ہوں جو کہ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ[4] (النساء:65) کے مطابق واجب الاطاعت و محبت ہوں اور اگر وہ حقیقی محبت حاصل کرنی چاہتے ہوں کہ جس سے اللہ کے محبوب بن کر اور احباء ہو کر نجات یافتہ اور لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ[5] (آل عمران:25) کے حقیقی مصداق ہو جاؤ۔) تو میری اطاعت کرو تا کہ اللہ تم سے پیار کرے اور تم دنیوی اور اخروی عذاب سے نجات پاؤ۔ اور اس اتباع سے) اللہ تمہارے قصور معاف کر دے (کیونکہ) اللہ (ایسے لوگوں کو) بخشنے والا ہے۔

(اور پھر خالی گناہ ہی نہیں معاف کرتا بلکہ اس اتباع سے بڑھ چڑھ کر نیک پھل بھی دے گا۔ کیونکہ) وہ بہت مہربان ہے۔ (پھر فرمایا کہ تم ان کو خوب طرح سمجھا دو کہ) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (عذاب سے بچنے اور اس کے انعامات حاصل کرنے کا ایک یہی ذریعہ ہے) سو اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا (تو پھر گویہ اپنے منہ سے اَحِبَّآءُ اللّٰہِ بنیں پر جس طرح پہلے رسولوں کے نافرمان اللہ کے نافرمان ہو کر اللہ کے غضب کے ماتحت آکر معذب ہوئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہوں گے۔ اور چونکہ اطاعت رسول کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی نافرمانی پر عذاب سے ڈرایا تھا لہٰذا مناسب ہوا کہ اس کے بعد گذشتہ انبیاء کے فرمانبرداروں اور ان کے نافرمانوں کا حال بیان کیا جائے اور خصوصاً حضرت مسیحؑ کے اتباع اور منکرین کا حال بلحاظ مخاطبین ضرور کیا جائے۔ چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ

---

[1] ۔ اللہ ان سے جو اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں یقیناً محبت کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ احسان کرنے والوں سے یقیناً محبت کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[3] ۔ تو کہہ دے کہ پھر وہ تمہارے قصوروں کے سبب سے تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4] ۔ ہم نے کوئی رسول (بھی) سوائے اس غرض کے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے نہیں بھیجا۔ (تفسیر صغیر)
[5] ۔ ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)

سے شروع کیا اور اخیر میں مسیحؑ کے زبان سے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ[1] (آل عمران:51) ذکر کر کے فرمایا کہ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔[2] (آل عمران:56)

نیز نبی کریمؐ کی اطاعت سے انکار کرنے کی بڑی وجہ ان کے لئے یہی تھی کہ آپ اسرائیلی نہیں ہیں۔ چنانچہ بار بار ان کا یہ سوال ذکر ہوا ہے اور مختلف آیتوں میں اس کی تردید کی گئی ہے تو یہاں پر بھی اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ) بے شک اللہ ہی نے (نہ کسی شخص یا قوم نے) آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیم اور آل عمران (کو اپنے اپنے زمانہ کے اور اور) لوگوں پر چنا ہے (اور اس قابل تعریف) ذرّیت کو سوچو جو کہ ایک دوسرے سے تھی۔

(پس نہ تو ان کا انتخاب اللہ کے سوا کسی اور نے کیا تھا اور نہ قواعد وراثت اس میں جاری ہوئے تھے۔ حالانکہ سب پہلے آدمؑ کی اولاد ہیں اور پھر نوحؑ کی اور پھر ابراہیمؑ کی اولاد بہت پھیلی اور ان میں سے انبیاء کا بڑا سلسلہ ہوا اور پھر آل ابراہیمؑ میں سے آل عمران کو چنا اور موسیٰ اور ہارونؑ کو چنا۔ اسی طرح دوسرے عمران کی آل سے مریمؑ پر فضل کیا اور مسیحؑ کو رسول بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم اور نوحؑ پر لفظ صاحب سلسلہ اور صاحب شرع ہونے کی مناسبت کے باعث آل نہیں بڑھایا۔ کیونکہ سب ان کی اولاد ہیں۔ اور ابراہیمؑ اور عمران پر بڑھایا ہے۔

اور مفسرین میں سے بعض نے عمرانؑ سے حضرت موسیٰؑ کے والد مراد لئے ہیں اور اکثروں نے مابعد کے قرینہ سے حضرت مریمؑ کے والد مراد لئے ہیں۔ تو جب اللہ ہی انتخاب کرنے والا ہوا اور قوانین وراثت کا دخل نہیں تو پھر انتخاب اللہ کس پر مبنی ہے۔ تو بتایا کہ ان کی باطنی استعداد اور جوش اصلاح اور سچے اخلاص اور پکی استقامت پر اور دعوت الی الحق اور دعائے ہدایت پر ہے اور فرمایا کہ ان کو) اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور چونکہ اصل کلام اہل کتاب کے ساتھ تھی اور ان کے دونوں گروہ حضرت مسیحؑ کی محبت اور بغض سے گمراہ تھے تو اس لئے اس مجمل انتخاب کے بعد آل عمران کے انتخاب کی ایسے طرز پر تفصیل کی

[1] ۔ اس لئے تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اے عیسیٰ! میں تجھے (طبعی طور پر) وفات دوں گا اور تجھے اپنے حضور عزت بخشوں گا اور کافروں (کے الزامات) سے تجھے پاک کروں گا اور جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ (تفسیر صغیر)

جس سے ان کو یہ بتایا ہے کہ جب ہم بنی اسرائیل سے انتخاب کرتے تھے تو ان میں اس کے ذرائع اور اسباب بھی موجود تھے۔ یہاں تک کہ ان کی بعض عورتوں میں وہ کمالات ہوتے تھے جو کہ اب تمہارے کسی مرد میں بھی موجود نہیں ہیں تو فرمایا کہ یاد کرو۔)

جبکہ عمران کی عورت نے کہا (مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا نام حَنّہ تھا) کہ اے میرے رب بے شک میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے کہ جو میرے پیٹ میں ہے۔ (وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے اور کاموں سے) آزاد کیا ہوا ہو گا۔ سو تو (اس کو) مجھ سے قبول فرما۔ (کیونکہ) یقیناً تو (دعاؤں کا) سننے والا (اور اخلاصوں کو) جاننے والا ہے۔ تو جب اس نے اس کو جنا (تو) کہا اے میرے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنا ہے۔ (اس لئے اس نے یہ افسوس کیا کہ وہ جانتی تھی کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے عموماً لڑکے ہی آزاد کئے جاتے تھے نہ لڑکیاں۔ پر خداوند کریم نے جملہ معترضہ کے طور پر بتایا ہے کہ اس کا یہ افسوس لاعلمی کے باعث تھا۔) اور اللہ اس کو خوب جانتا تھا جو کہ اس نے جنی تھی (کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ مُحَرَّرٌ ہو بھی جاوے گی۔ اور اس کا مُحَرَّرٌ کرنا لڑکے کے مُحَرَّرٌ کرنے سے بڑھ کر قابل قدر ہے اور سردار کاہن بھی اس کو قدر کی نظر سے قبول کریں گے اور علاوہ بریں وہ باکمال اور مکالمہ الٰہیہ سے مشرف اور خدا کے مسیح کی والدہ ہو گی اور اسی بات کو بیان کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) نہیں کوئی (محرر شدہ) لڑکا اس (محرر شدہ) لڑکی کی مانند۔

(اور بعض مفسرین نے ان دونوں جملوں کو اِمرأۃ عمران کا مقولہ بھی بنایا ہے اور کہا ہے کہ پہلے جملہ کے ساتھ اس نے یہ بتایا کہ جو میں نے جنی ہے وہ میری غرض کے مطابق نہیں ہے۔ اور دوسرے میں یہ بتایا ہے کہ مرد عورت سے اچھا ہی ہوتا ہے اور انہوں نے کہا کہ دوسرے جملہ کے معنے گو بظاہر الٹ ہوتے ہیں۔ پر ایسی عبارت کے کبھی ایسے معنے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ[1] (الاحزاب:33) اور اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ[2] (النحل:18) میں ہیں اور حضرت مولٰنا خلیفہ المسیح نے پہلے ہی طریق کو اختیار

[1]۔ اے نبی کی بیویو! اگر تم اپنے مقام کو سمجھو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ پھر (بتاؤ تو سہی کہ) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتا۔ (تفسیر صغیر)

فرمایا ہے البتہ دوسرے جملہ کے معنے یہ فرمائے ہیں کہ تمہارے مردوں میں سے کوئی اس عورت کی مانند نہیں ہے۔ اور اب جو اس لڑکی کی نسبت آرزو ہے اس کے پورا کرنے کی استدعاء کے لئے اِمرأۃ عمران نے یہ بھی کہا کہ) بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ (مطلب یہ کہ تو اس کو اسم با مسمّٰی اور اس نام کی مصداق بنا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کی زبان میں مریم کے معنے عابدہ زاہدہ کے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نام کے بیان سے تقرب الی اللہ مقصود تھا۔ لیکن یہ بالکل درست نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ نام اس کا خاص میں نے رکھا ہے جس کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس کا والد فوت ہو گیا ہے۔ پس اس کا تو خود ہی متولی ہے اور یہ بھی بہت بعید بات ہے۔ اور جو بات اظہار نام میں کنایۃً عرض کی تھی اب اس کو صراحۃً عرض کرتی ہے کہ) یقیناً میں اس کو اور اس کی ذریّت کو (جو بعد میں ہو) ہانکے ہوئے شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

مسِ شیطان سے حفاظت:

(مفسرین لوگ اس موقعہ پر وہ روایتیں لکھا کرتے ہیں جن میں آتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے۔ لہٰذا وہ بچہ اس وقت زور سے چلّاتا ہے مگر مریمؑ اور اس کا بیٹا کیونکہ مریم کی والدہ نے اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا الخ کہا تھا اور پھر قاضی عبدالجبار وغیرہ کو کوستے ہیں جنہوں نے ان کو خلاف قرآن مجید خیال کر کے رد کر دیا ہے اور زمخشری وغیرہ سے بھی ناراض ہوتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ اگر ان کو صحیح بھی مانا جائے تو پھر ان کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک مولود کے اغواء کی طمع شیطان کرتا ہے۔ مگر مریم اور اس کے بیٹے کی نسبت اس نے نہیں کی کیونکہ وہ معصوم تھے اور اسی طرح اور بھی جو جو معصوم ہیں ان سے وہ ناامید رہا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی جب دیکھا کہ اس میں حضرت سید الرسلؐ بلکہ سب انبیاءؑ کی توہین اور قرآن مجید کی شہادت کی مخالفت ہے۔ تو حضورؑ نے ان کے یہ معنے کئے ہیں کہ مریمؑ اور مسیحؑ کی تخصیص اس زمانہ کے بنی اسرائیل اور یہود کی نسبت ہے۔ نہ سب لوگوں یا انبیاءؑ کی نسبت۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے یہاں پر ایک بہت لطیف نکتہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ مریمؑ کی

والدہ اکیلی نے اگر مریمؑ کی پیدائش کے بعد اس کے شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا کی ہے تو ہمارے پیارے ہادیؐ نے ہم کو حمل سے بھی پہلے صحبت کے وقت میاں بی بی دونوں کو حکم دیا ہوا ہے کہ یہ دعا کرو کہ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔[1]

(صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ حدیث نمبر 3271)

میں تعجب سے کہتا ہوں کہ ہمارے مولوی صاحبان اس قدر بھی نہیں سوچتے کہ اگر والدۂ مریمؑ کی یہ دعا قبول ہوئی تھی تو کیا سید الرسلؐ اور ان کی امت خیر الامم کے کسی فرد کی کبھی یہ دعا نہ قبول ہوئی اور نہ ہو گی اور سید الرسلؐ نے باوجود اس کے جاننے کے کہ یہ دعا کبھی بھی قبول نہ ہو گی۔ پھر بھی یہ لغو دعا سکھا دی۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اس کے بعد فرمایا کہ) اللہ نے اس کو اچھی طرح سے قبول کیا۔

مریمؑ کی کفالت اور زکریاؑ کا اولاد کے لئے دعا کرنا:

(اور اسی کا یہ اثر ہوا کہ ان کے مفتیوں اور سرداروں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور ہیکل کے صدر نے اس کو لے لیا) اور اللہ نے اس کو اچھی طرح اگایا (اور پرورش کی۔ سو اس کی والدہ کے یہ دونوں خطرے تو رفع ہو گئے۔ اب رہی اس کی خبر گیری اور نگرانی اور ذمہ واری تو فرمایا کہ) اللہ نے اس کا ذمہ وار اور نگران زکریا کو بنا دیا۔

(جس کا حال سب جانتے ہیں کہ وہ کیسا برگزیدہ بندہ تھا جس کی تربیت کا اثر مریم پر نہایت عمدہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس کا ادنیٰ اثر یہ تھا کہ) زکریا جب کبھی اس کے پاس حجرہ میں آتا تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ رزق پا کر کہتا (جیسا کہ ننھے بچوں کو پیار سے کہا کرتے ہیں کہ) اے مریم یہ تمہارے لئے کہاں سے آیا ہے) تو وہ (بجائے اس کے کہ کہے کہ آپ کے ہاں سے یا فلاں شخص کے ہاں سے جیسا کہ بظاہر ہوتا تھا) کہتی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (اور باوجود بچپن اور بے کس ہونے کے وسعت رزق نصیب ہونے کی خداوند کریم نے وجہ بتائی کہ) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ (تو مریمؑ کے اس عارفانہ اور محققانہ

[1]۔ اے میرے اللہ! شیطان سے ہمیں بچائے رکھیو اور شیطان کو اس سے دور رکھیو جو تم نے ہمیں عطا فرمانے کا ارادہ کیا ہے۔ (از مرتب)

جواب سے زکریا کے دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور اس لئے پیدا ہوا کہ خدا کے برگزیدہ بندے اور انسانوں کی طرح جسمانی اور دنیوی رنگ میں جانشین ہونے کے لئے اولاد نہیں چاہتے بلکہ وہ اس لئے چاہتے ہیں کہ ان کی روحانی وارث ہو۔ اس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۔ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا[1]۔ (مریم:6-7)

حصول اولاد کی غرض کیا ہونی چاہئے:

ہمارے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بعض اوقات اولاد کے لئے دعا کی عرض کی جاتی تو حضورؑ فرماتے تھے کہ اول تو تم خود قابل نمونہ بنو اور پھر اولاد کی خواہش کرو کیونکہ اولاد انسان کے اخلاق وصفات کی وارث اور نمونہ ہوتی ہے۔ تو جب حضرت زکریاؑ نے اپنی پالک میں یہ نور الٰہی ملاحظہ فرمایا تو ان میں یہ شوق پیدا ہوا کہ اب خداوند عالم مجھے وہ جانشین دے۔ جو کہ میرا اور آل یعقوبؑ کا روحانی وارث ہو تو) وہاں پر زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا (اور) کہا اے میرے رب تو مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عنایت کر بے شک تو دعا کو بہت سننے والا ہے۔

(هُنَالِكَ (وہاں پر) فرما کر یہ بتایا ہے کہ اس دعا کی تحریک مریمؑ کے جواب سے ہوئی تھی۔ اور دعا میں هَبْ الخ کو لا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اولاد کے اسباب اور اس کی قابلیت ندارد ہے اور اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ کے ساتھ اجابت کی تحریک اور دعا کرنے کی علت ظاہر کی ہے اور قرآن مجید میں تین جداجدا طریقوں پر ان کی یہ دعا مذکور ہوئی۔ نمبر 1 یہ نمبر 2 لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا[2] (الانبیاء:90) نمبر 3 فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۔ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۔[3] (مریم:6-7) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بڑے جوش سے بار بار یہ دعا کی تھی۔ اور اس کی قبولیت بتانے کے لئے فرمایا کہ) اس دعا پر فرشتوں نے اسے پکارا اور

---

[1]۔ تو مجھے اپنے پاس سے ایک دوست (یعنی بیٹا) عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب (سے جو دین و تقویٰ ہم کو ورثہ میں ملا ہے اس) کا بھی وارث ہو۔ اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ (وجود) بنائیو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک دوست (یعنی بیٹا) عطا فرما۔ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب (سے جو دین و تقویٰ ہم کو ورثہ میں ملا ہے اس) کا بھی وارث ہو۔ اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ (وجود) بنائیو۔ (تفسیر صغیر)

وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ جو کہ اللہ کی طرف سے ایک کلام یا پیشین گوئی کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور ہر قسم کی بدیوں سے بچنے والا (یا راز دار) اور سنوار والوں سے ایک نبی ہو گا۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہنے کی وجہ:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ پکارنے والا فرشتہ تو ایک جبرائیلؑ ہی ہے لیکن تعظیم کے لئے لفظ جمع کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یا ایک کا فعل سب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی توجیہیں ذکر کی ہیں لیکن میرے خیال میں مفسرین کا یہ طریق نہایت غلط ہے کہ از خود ایک قاعدہ گھڑ کر پھر اس پر کلام الٰہی میں ہیر پھیر شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر ہی اگر کوئی ان سے دریافت کرے کہ بالخصوص جبرائیل ہی کا آنا یا پکارنا یا بشارت دینا کہاں سے ثابت ہوتا ہے تو ہرگز اس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے بلکہ قرآن مجید سے صاف ثابت ہے کہ ایسے بشارات اور انذار کے موقعوں پر بہت بہت فرشتے بھی آتے رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بیٹے کی بشارت دینے اور قوم لوط کی نسبت عذاب کی خبر دینے کے لئے جو آئے ان کی نسبت خداوند کریم نے یوں فرمایا ہے وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ۔ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ۔ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ۔ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔[1] (ھود:70 تا 74) پس یہاں سے جماعت کا آنا

[1]۔ اور ہمارے فرستادے یقیناً ابراہیم کے پاس خوشخبری لائے تھے (اور) کہا تھا کہ (ہماری طرف سے آپ کو) سلام ہو۔ اس نے کہا (تمہارے لئے بھی ہمیشہ کی) سلامتی ہو۔ پھر (وہ) ایک بھنا ہوا بچھڑا جلدی سے لے آیا۔ پس جب اس نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس (کھانے) تک نہیں پہنچتے تو (اس نے) ان کے (اس) فعل کو غیر معمولی سمجھا اور اس (فعل) سے خطرہ محسوس کیا۔ (اس پر) انہوں نے کہا (کہ) تو خوف نہ کر۔ ہمیں تو لوط کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور اس کی بیوی (بھی پاس ہی) کھڑی تھی۔ اس پر وہ بھی گھبرائی تب ہم نے اس کی تسلی کے لئے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب (کی پیدائش) کی بشارت دی۔ اس نے کہا ہائے میری ذلت! کیا میں (بچہ) جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی (ہو چکی)

اور بولنا اور بشارت دینا۔ سب کچھ ثابت ہے۔ اور لکھا ہے کہ یحییٰ کے نام میں اس کے زندہ رہنے اور بڑا ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

کلمہ سے مراد:

اور مفسرین نے کلمہ سے عام طور پر حضرت عیسیٰؑ لئے ہیں اور کہا ہے کہ ان کو کلمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بن باپ محض کلمۂ کُنْ کے ساتھ پیدا ہوئے تھے لیکن میں پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اب پھر بتا دیتا ہوں کہ عربی زبان میں کلمہ کلام کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں ہے وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ[1] (سورۂ تحریم:13) اور بہت سی آیتوں میں آیا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:۔ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا...لَبِيْدٌ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ۔[2]

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب الشعر حدیث نمبر 3757)

اور اسی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیحؒ نحویوں کی اس بات کو ناپسند فرمایا کرتے ہیں کہ وہ کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں اور کبھی کلمہ سے پیشین گوئی بھی کلام الٰہی میں لی جاتی ہے۔

بیٹے کی بشارت ملنے پر زکریاؑ کا تعجب کرنا اور مفسرین کا ظلم:

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت یحییٰؑ چونکہ نبی تھے اس لئے انہوں نے کلام الٰہی کی بھی تصدیق کی تھی اور بہت سی پیشین گوئیوں کی بھی تصدیق کی تھی جن میں سے ایک حضرت مسیحؑ والی پیشگوئی بھی ہے تو جب فرشتوں نے زکریاؑ کو دعا کی نسبت یہ بشارت سنائی تو) وہ بولے کہ اے میرے رب کس طرح میرے لئے نوجوان بچہ ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے۔ اور میری بی بی بانجھ ہے۔

ہوں اور میرا خاوند بھی بڑھاپے کی حالت میں ہے۔ یہ یقیناً عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کیا تو اللہ کی بات پر تعجب کرتی ہے' اے اس گھر والو تم پر (تو) اللہ کی رحمت اور اس کی (ہر قسم کی) برکات (نازل ہو رہی) ہیں (پس تمہارے لئے تو یہ بات عجیب نہیں ہونی چاہیے) وہ یقیناً بہت ہی تعریف والا (اور) بزرگ شان والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[1]۔ اور اس نے اس کلام کی جو اس کے رب نے اس پر نازل کیا تھا تصدیق کر دی تھی۔ اور اس (خدا) کی کتابوں پر بھی ایمان لائی تھی اور (ہوتے ہوتے ایسی حالت پکڑ لی تھی کہ) اس نے فرمانبرداروں کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ سب سے سچی بات جو لبید کی بات ہے سنو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ (از مرتب)

(مفسرین نے اس پر بڑی طویل بحث کی ہے کہ جب حضرت زکریاؑ قدرت کاملہ الٰہیہ پر پورا یقین رکھتے تھے اور اسی وجہ سے پہلے انہوں نے خود باوجود اس حالت کے بیٹے کے لئے دعا کی تھی تو پھر اب وہ بشارت ولد کی نسبت یہ بات کیوں کہتے ہیں کہ میرے لئے کس طرح بیٹا ہو گا الخ۔ (پس حسن نے کہا ہے کہ ان کا یہ سوال محض اس بات کے دریافت کرنے کے لئے ہے کہ اسی موجودہ حالت میں بیٹا ہو گا جو کہ بیٹے کے منافی ہے یا کہ یہ حالت بدل جاوے گی اور پھر بیٹا ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کا یہ کہنا محض قدرت الٰہیہ کی بڑائی کے اظہار کے لئے ہے اور بعض کا خیال ہے کہ بشارت کے وقت ان کو معلوم نہ ہوا تھا۔ کہ وہ متبنّٰی کے طور پر ملے گا یا اپنی نسل سے اس لئے انہوں نے یہ سوال کیا اور بعض کا خیال ہے کہ جب پیاری چیز کا وعدہ ملا کرتا ہے تو اکثر لوگ اس کی نسبت ایسی بات کرتے ہیں۔ جس سے پھر اس چیز کی نسبت دوبارہ وعدہ کا ذکر ہو تو آپ نے بھی اسی وجہ سے یہ کہا ہے۔

اور بعض نے یہ ظلم کیا ہے کہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بشارت کے بعد شیطان نے آکر ان کو کہا تھا کہ یہ رحمانی بشارت نہیں بلکہ شیطان نے آپ سے تمسخر کیا ہے تو اس وجہ سے ان کو بشارت میں اشتباہ پیدا ہو گیا تھا اور اس کے رفع کرنے کے لئے یہ کہا تھا حالانکہ بات بڑی آسان تھی کیونکہ انبیاءؑ ایک طرف خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے باوجود اس حالت کے انہوں نے دعا کی جرأت کی اور بڑی عقد ہمت اور جوش سے دعا کی دوسری طرف وہ سلسلہ اسباب کو بھی لغو نہیں خیال کرتے بلکہ اس کے نہایت پابند ہوتے ہیں اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کی زندگی سے خوب ملتا ہے کہ خداوند کریم سے فتح اور غلبہ اور عصمت کی بار بار بشارت ملتی ہے اور باوجود اس پر یقین کامل رکھنے کے پھر بھی تہیّہ اسباب میں کس قدر جدوجہد کیا جاتا ہے اور اسی خیال سے حضرت زکریاؑ نے یہ عرض کی تا کہ موجودہ حالت کے عوض جو کہ بارآور ثابت نہیں ہوئی جو مفید اور بار آور ہو اس کی ہدایت ہو جائے۔

نیز انسان ایسی خوشی کے وقت کا قبل از وقت علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو جب کوئی نئی صورت بتائی جاتی ہے تو اس کا موجود ہو جانا اس خوشی کے وقت کی علامت ہوتا ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ جب ان کو کوئی نئی صورت ہدایت نہ ہوئی تو فوراً انہوں نے رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَۃً عرض کر دیا جو ان کے دلی منشاء کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اگر کسی کو اس سے تسلی نہ ہو اور اس کی تسلی روایت ہی پر موقوف ہو تو وہ یوں تسلی کر لے کہ دعا اس وقت کی تھی جبکہ ان کے اپنے قویٰ بھی درست تھے اور ان کی بی بی کی نسبت بھی یاس و نومیدی متیقن نہ ہوئی تھی۔

اور بشارت اس وقت ملی تھی جب کہ وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ اور اہلیہ کی نسبت بھی یاس و ناامیدی یقینی ہو گئی تھی۔ جیسا کہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ دعا اور بشارت میں چالیس سال (اور دوسری روایت میں ساٹھ سال) کا عرصہ تھا اور ظاہر ہے کہ 60-40 سال میں بہت فرق آجاتا ہے تو خداوند تعالیٰ نے یا فرشتہ نے جواب میں) کہا کہ اسی کی مانند اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ (یعنی جس کام کو اللہ کرنا چاہتا ہے گو وہ لوگوں کی نظروں میں عادۃً نہ ہو سکتا ہو لیکن قادر مطلق خارق عادت کے طور پر اس کو کر لیتا ہے اور اس کا تمہیں پورا علم اور تجربہ حاصل ہے۔ جس سے اس موجودہ امر کے ہو جانے کا بھی تمہیں پتہ لگ سکتا ہے۔ اور اس جواب سے گو حضرت زکریاؑ کی یہ غرض پوری نہ ہوئی کہ اس خوشی کے وقت کا کچھ علم حاصل ہو لیکن دوسرے امر کی نسبت ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے اس کے کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو جس طرح وہ چاہے گا اس کو خود کر دے گا اس میں تم کو کسی زائد تدبیر یا سعی کی نہ ضرورت ہے اور نہ تمہارا یہ کام ہے کہ اس کے اسباب اور طریقوں سے واقف ہو لیکن امر دوم گو بیان نہیں ہوا پر اس کے دریافت سے ممانعت بھی نہیں ہوئی تھی۔

زکریاؑ کا کوئی علامت مقرر کروانا اور مفسرین کی اعجوبہ پسندی:

جیسی کہ امر اول سے ہوئی ہے تو اس وجہ سے دوبارہ امر دوم کی نسبت بالخصوص علیحدہ بالتصریح) عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے (اس خوشی کے وقت کی) کوئی علامت مقرر کر دے (تو خداوند علیم و حکیم نے جواب میں) فرمایا کہ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن لوگوں سے باتیں نہ کرو مگر اشارہ سے۔ اور اپنے رب کو بہت یاد کر۔ اور تیسرے پہر اور سویرے (اس کی) تسبیح کہے۔ (چونکہ مفسرین اعجوبہ پسند بہت ہیں اور خصوصاً آیت کو تو اعجوبہ بنانے کے سوا وہ چھوڑتے ہی نہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس صاف بات

کو یوں بیان کیا ہے کہ علامت یہ تھی کہ ان کی زبان بالکل بند ہو جاوے گی اور کوئی بات نہ کر سکے گی مگر ذکر اور تسبیح برابر کرتی رہے گی بلکہ یہ بھی روایت کر دیا ہے کہ ان کی زبان اس قدر سوج گئی تھی کہ منہ میں نہ سما سکتی تھی لیکن اصل بات یہ ہے کہ کسی امر کی علامت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ اعجوبہ رنگ کی ہو اور نہ یہاں پر عبارت اس بات پر دال ہے کہ وہ کلام پر قدرت ہی نہ رکھیں گے۔ مگر ذکر و تسبیح پر قادر رہیں گے۔

لَا تُكَلِّمُ سے مراد:

بلکہ لَا تُكَلِّمَ کا لفظ اسی پر دال ہے کہ وہ کلام کر تو سکیں گے۔ پر اپنے اختیار اور ارادہ سے نہ کریں گے اور ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں گے۔ اور صوفیائے کرامؒ نے اپنا صحیح اور آزمایا ہوا تجربہ لکھا ہے اور حضرت مولٰنا خلیفہ المسیحؑ سے بارہا ہم نے سنا ہے کہ دنیوی کلام سے خاموش ہو کر ذکر الٰہی کی کثرت قویٰ جسمانیہ کو اعلیٰ درجہ کی قوت بخشتی ہے۔ میرا اپنا چشم دید معاملہ ہے کہ میرے ایک ہم درس طالب العلم کی شادی ہوئی اور چند دن کے بعد جب میں نے اس کو بہت غم زدہ پایا تو میں نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میری شادی ہو گئی ہے۔ اور مجھ میں قوت رجولیت نہیں ہے اس لئے میں سخت مغموم اور پریشان ہوں۔ میں نے کہا علاج کرو اس نے کہا مجھے شادی سے پہلے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا اس لئے بہت کچھ علاج کیا ہے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا تب میں نے اس کو ایک باخدا شخص کے پاس جانے کے لئے کہا جو میرا شیخ تھا اور حضرت اقدس سے پہلے میں انہی کی بیعت میں تھا تو وہ چلا گیا اور جب کچھ عرصہ کے بعد مجھے ملا تو دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اب میں بالکل تندرست ہوں حضرت پیر صاحب نے میرے لئے دعا بھی کی تھی اور مجھے اسم الٰہی کا وظیفہ بتایا تھا۔

یہاں تک تو حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ کا حال بالطبع بیان ہوا کیونکہ اصل ذکر تو یہاں پر آل عمران کے اصطفاء کا تھا لیکن جب حضرت مریمؑ کے بیت المقدس میں رہ کر پرورش پانے کا ذکر ہوا تو خداوند تعالیٰ نے ان کے نگران کا حال بیان فرمایا کہ وہ ایسا تھا اور پھر بتایا کہ زکریاؑ کو جب مریمؑ کی حالت معلوم ہوئی تو ان کو بھی اولاد کا شوق پیدا ہوا اور خداوند تعالیٰ نے ان کو ایسا بیٹا دیا کہ جس طرح زکریاؑ مریمؑ کے روحانی بزرگ تھے اسی طرح وہ مریم کے بیٹے کے

روحانی بزرگ ہوئے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو عظیم الشان موعود الٰہی ہوتے ہیں۔ نیک لوگ ان کے زمانہ کا شوق کیا کرتے ہیں۔ جیسا متی باب 17 / 13 میں خود حضرت مسیحؑ کا قول لکھا ہے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سے نبی اور راستبازوں نے آرزو کی کہ جو تم دیکھتے ہو دیکھیں، پر نہ دیکھا اور جو تم سنتے ہو سنیں پر نہ سنا۔

پس معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ چونکہ عظیم الشان موعود تھے اور بنی اسرائیل کے نیک لوگ ان کی انتظار میں تھے اور حضرت زکریاؑ کو جب مریم کی نسبت ایسا محسوس ہوا کہ اس موعود کی والدہ ہو گی۔ چنانچہ ابن جریر میں ایک روایت ہے کہ حضرت مریمؑ کے ساتھ ایک یوسف نام لڑکا بھی وہاں پر رہتا تھا تو جب ان دونوں کا پانی ختم ہو جاتا تو وہ مشکیں لے کر پانی کے لئے جاتے تو اس وقت فرشتے حضرت مریم کی طرف آتے اور یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ[1] الخ (آل عمران:43) کہا کرتے تھے۔ تو جب حضرت زکریاؑ نے یہ دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یقیناً مریم کی عجیب و غریب شان ہے۔ اور دوسری طرف اپنے عمر رسیدہ ہونے کو دیکھا تو یہ شوق پیدا ہوا کہ خداوند تعالیٰ مجھے اولاد دے جو اس کا زمانہ پائے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ان کو ایسا بیٹا دیا کہ جو والد کی طرح حضرت مسیحؑ کا روحانی بزرگ ٹھہرا جیسا کہ عیسائیوں کے مسلّمات سے ہے اور ان کی انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے حضرت یحییٰؑ کی بیعت کی اور جب تک ان کی بیعت نہ کی تھی۔ تب تک روح القدس آپ پر نازل نہ ہوئی تھی لیکن جونہی بیعت کی تو روح القدس کبوتر کی شکل میں آپ پر اتر آیا۔ تو خداوند تعالیٰ نے مریمؑ اور مسیحؑ کے روحانی بزرگوں کو مسیح کے حالات کے ابتداء میں بیان کر کے عیسائیوں کو یاد دلایا ہے کہ مریم اور مسیحؑ اگر خدا یا خدا کے رشتہ دار ہوتے تو انسان نگرانوں اور روحانی بزرگوں کی ان کو کیا ضرورت ہوتی بلکہ پھر تو وہ اوروں کے مربی اور روحانی بزرگ ابتداء سے ہوتے۔ اسی بات کی طرف بیان اصطفاء کے ابتداء میں ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ فرما کر اشارہ فرمایا ہے کہ جس طرح یہ برگزیدہ لوگ ایک دوسرے کی نسل اور رشتہ سے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے سے فیض یافتہ ہیں۔

[1]۔ اے مریم! اللہ نے یقیناً تجھے برگزیدہ کیا ہے اور پاک کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

سو جس طرح آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور اس کی اولاد کے برگزیدہ لوگ خدا یا خدا کے بیٹے اصطفاء سے نہیں ہوئے۔ اسی طرح مریمؑ کا بیٹا مسیحؑ بھی خدا یا خدا کے رشتہ دار نہیں ہوسکتے۔ اور یہ زد اس لئے عیسائیوں پر وارد ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ اپنے ایسے خلاف عقل مسائل میں شتر مرغی چال رکھتے ہیں کہ جس پہلو پر زد کرو وہ اس کو چھوڑ کر دوسرے پہلو کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جب مسیحؑ کے حقیقی ابن اللہ ہونے پر زبردست اور دندان شکن اعتراض ہوں تو فوراً مجازی بیٹا اور متبنّٰی ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں اور اس پر اعتراض ہو تو حقیقی کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ پر عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ یحییٰ کے بپتسمہ لینے کے بعد جب کبوتر کی شکل میں روح القدس اتری تھی اسی وقت سے شان الوہیت ان میں آئی تھی اور اسی وقت سے وہ ابن اللہ ٹھہرے اور اسی وقت سے وہ اپنے آپ کو ابن اللہ کہنے لگے اور لوگوں میں اس کی منادی کرنے لگے تھے۔ تو اس صورت میں مذکورہ بالا زد ان پر ایسی وارد ہوتی ہے جس کا ہرگز ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور نہ آج تک انہوں نے اس کا کوئی جواب دیا یا دے سکا ہے۔

آیت 43 تا 55: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ

مُّسْتَقِيْمٌ۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

اُقْنُتِيْ۔ قُنُوْتٌ سے ہے، جس کے معنے بار بار بیان ہو گئے ہیں۔

اور سَجْدَةٌ علاوہ مشہور معنوں کے فرمانبرداری اس کے اصلی معنے ہیں اور کبھی اس سے نماز لی جاتی ہے۔

اسی طرح رُكُوْعٌ۔ علاوہ مشہور معنوں کے اصلی معنی عاجزی و تواضع کے ہیں۔ کبھی اس سے نماز مراد ہوتی ہے۔

اَنْبَآءٌ۔ نَبَأٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنے خبر کے ہیں۔

يُلْقُوْنَ۔ اِلْقَاءٌ سے ہے، ڈالنا۔

اَقْلَامٌ۔ قَلَمٌ کی جمع ہے۔ قلم کے اصلی معنے کاٹنے کے ہیں اور اب لکھنے کی قلم کو کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان تیروں کو بھی کہتے ہیں جو کہ قرع اندازی اور فال بینی کی غرض سے ڈالے جاتے ہیں۔

يَخْتَصِمُوْنَ۔ اِخْتِصَامٌ سے ہے، خصومت اور جھگڑا کرنا۔

كَلِمَةٌ کے معنے کلام کے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور بعض کا قول ہے کہ بشارت کو بھی کلمہ کہتے ہیں۔ اور کلمہ کے معنے کسی شخص یا انسان کے ہرگز نہیں آئے۔

وَجِيْهًا۔ وَجَاهَةٌ سے بنا ہوا ہے۔ جس کے معنے عزت و شرف اور قدر و منزلت کے ہیں۔ اور اصلی معنے منہ رکھنے کے ہیں۔

مَهْدٌ۔ اس کو کہتے ہیں جو کہ بچہ کے سونے کے لئے جگہ بنائی جاتی ہے۔

كَهْلٌ۔ كُهُوْلَةٌ سے ہے اور كَهْلٌ کامل جوان کو کہتے ہیں۔

منتخبات العربیہ میں لکھا ہے۔ اِبْنُ عِشْرِیْنَ فَحْلٌ وَابْنُ ثَلٰثِیْنَ کَھْلٌ وَابْنُ اَرْبَعِیْنَ مُعْتَدِلٌ وَابْنُ خَمْسِیْنَ مُرْتَحِلٌ [1] اور بخاری میں اس کے معنی حَلِیْمٌ (عقل مند) کے لئے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قولہ تعالیٰ اذ قالت الملائکۃ...)

اور بعض اس کے معنی بوڑھا ہونے کے بھی کرتے ہیں۔

یَمْسَسْ۔ مَسِیْسٌ سے ہے، جس کے معنے ہاتھ لگانے اور چھونے کے ہیں۔

قَضٰی۔ قَضَاءٌ سے ہے۔ فیصلہ کرنا اور حکم دینا، پورا کرنا اور ادا کرنا اور کبھی بمعنے ارادہ بھی آتا ہے۔

اَخْلُقُ۔ خَلْقٌ سے ہے۔ جس کے معنے اندازہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ [2] (الحشر:25) اور ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [3] (البقرۃ:30) میں بھی یہی معنے ہیں اور اس شعر میں یہی معنے لئے گئے ہیں کہ

؎ لَاَنْتَ تَفْرِیْ مَا خَلَقْتَ وَبَعْ ضُ الْقَوْمِ یَخْلُقُ ثُمَّ لَا یَفْرِیْ [4]

اور بمعنے مطلق پیدا کرنے اور سوا سبقت مثل کے پیدا کرنے کے آتا ہے اور کبھی بمعنے لائق اور مستحق ہونے اور بمعنے از خود گھڑنے اور افتراء کرنے کے آتا ہے۔

طِیْنٌ۔ کیچڑ اور خالی مٹی پر بھی بولتے ہیں۔

ھَیْئَۃٌ کے معنے مہیا کرنے یا مہیا کی ہوئی چیز کے ہوتے ہیں اور کبھی اس کے معنے ظاہری حالت اور شکل کے ہوتے ہیں۔

طَیْرٌ۔ پرندہ۔ اَنْفُخُ۔ نَفْخٌ سے ہے، پھونکنا۔

اُبْرِئُ۔ اِبْرَاءٌ سے ہے۔ جس کے معنے تندرست کرنے اور بری کرنے کے ہیں۔

اَکْمَہُ۔ جو دن کو دیکھے اور رات کے وقت نہ دیکھ سکے، اعنی شبکوری والا۔ یا جو اندھا ہو جائے۔ یا مادرزاد اندھا ہو۔

---

[1] ۔ بیس سالہ کو فحل اور تیس سالہ کو کہل اور چالیس سالہ کو معتدل اور پچاس سالہ آدمی کو مرتحل کہتے ہیں۔ (از مرتب)

[2] ۔ (حق یہی ہے کہ) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا موجد بھی ہے۔ اور ہر چیز کو اس کی مناسب حال صورت دینے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ وہ (خدا) وہی (تو) ہے جس نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ تم جو سوچتے ہو کر گزرتے ہو اور بعض لوگ تجاویز کرتے رہتے ہیں مگر انہیں عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ (از مرتب)

اَبْرَصُ۔ اس کو کہتے ہیں۔ جس کو برص کی بیماری ہو یعنی اس کے بدن پر سپید داغ ہوں۔

تَدَّخِرُوْنَ۔ اِدِّخَارٌ سے ہے۔ جو ذخیرہ کے لفظ سے بنا ہوا ہے۔ جمع کرنا۔

اَطِیْعُوْنِ۔ حقیقت میں تین لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک اَطِیْعُوْا جس کے معنے ہیں اطاعت کرو۔ دوم حرف نون۔ جس کو نحوی لوگ نون وقایہ کہا کرتے ہیں۔ اس کے معنے کچھ نہیں ہوتے۔ جس فعل کے آخر میں غُلَامِیْ، کِتَابِیْ والی یاء لگاتے ہیں تو اس کے آخر اور یاء سے پہلے یہ نون لگا دیا کرتے ہیں۔ سوم یاء جو مقدر ہے اور نون کی زیر اس پر قرینہ ہے۔

اَحَسَّ۔ اِحْسَاسٌ سے ہے اور وہ حَسٌّ سے ہے۔ جس کے معنے کاٹنے اور کسی حس (آنکھ، کان، زبان، ناک، ہاتھ) کے ساتھ معلوم کرنے کے ہیں۔

اَنْصَارٌ۔ نَصِیْرٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنے مددگار کے ہیں۔

حَوَارِیُّوْنَ۔ حَوَارِیٌّ کی جمع ہے، جس کے معنے ہیں کسی شخص کا خاص آدمی اور خاص مددگار اور اس کی اصل تحویر ہے۔ جس کے معنے سفید کرنے کے ہیں۔ اسی وجہ سے مفسرین نے حواریوں کو دھوبی لکھا ہے۔ حالانکہ اس کا ثبوت ان کے پاس نہیں۔

مَکَرُوْا اور مَکَرَ، مَکْرٌ سے ہے، جس کے معنے لغت میں سوائے کسی بناوٹ اور تاویل کے خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں، نہ فریب اور دغابازی کے، جیسا کہ یہ لفظ اردو اور فارسی وغیرہ میں ان معنوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہاں خفیہ تدبیریں دو قسم کی ہوتی ہیں، اچھی اور بری۔ پس جہاں پر لفظ مَکْرٌ سے وہ خفیہ تدبیر مراد ہو جو کہ بری ہو تو خالی مَکْرٌ کا لفظ اس پر دلالت نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ لگایا جاوے گا جو کہ برا ہونے پر دلالت کرے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ۔[1] (فاطر:44)

ترجمہ:

اور (یاد کرو) جبکہ ان فرشتوں نے کہا او مریم یقیناً اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور (موجودہ) لوگوں کی عورتوں پر تجھے برگزیدہ کیا ہے۔ اے مریم تو اپنے رب کے لئے عبادت (یا دعا یا فرمانبرداری) کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ

[1]۔ اور بری تدبیر اس کے کرنے والوں کو ہی ہلاک کیا کرتی ہے۔ (تفسیر صغیر)

رکوع کر۔ یہ غیب کی خبروں سے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تم ان کے پاس نہ اس وقت تھے جبکہ وہ اپنی قلمیں ڈالتے تھے کہ کون ان میں سے مریم کا ذمہ وار ہو۔

اور نہ تم اس وقت ان کے پاس تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے۔ جبکہ فرشتوں نے کہا تھا کہ او مریم اللہ اپنی طرف سے ایک کلام (یا پیشین گوئی) کے ساتھ تجھے بشارت دیتا ہے کہ اس (مبشر بہ) کا نام المسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا ہو گا اور (اللہ کے) مقرب بندوں سے ہو گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا بچپن کے بستر میں اور کامل جوان ہونے کی حالت میں۔ اور سنوار والے لوگوں سے ہو گا۔ اس نے کہا تھا اے میرے رب کس طرح (یا کہاں سے) میرے لئے بچہ ہو گا۔ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔

اس نے فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب کسی امر کا پختہ ارادہ کرتا ہے تو بس اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو کتابت اور حکمت (امثال) اور توریت اور انجیل سکھائے گا۔ اور (وہ اس کو) بنی اسرائیل کی طرف رسول (بنائے گا۔)

(یہ خبر دیتا ہوا کہ) بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں کہ بے شک میں تمہارے لئے پرندوں کے تیار کرنے کی مانند کیچڑ سے تیار کروں گا۔ پھر میں اس میں پھوکوں گا سو وہ پرندہ ہو جائے گا اور میں اندھوں اور برص والوں کو چنگا کروں گا۔ اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کروں گا اور میں تمہیں اس پر آگاہ کروں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

یقیناً اس میں تمہارے لئے ضرور ہی نشان ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور تصدیق کرنے والا اس کی جو میرے آگے ہے۔ (اعنی توریت کی) اور تاکہ تمہارے لئے اس میں سے کچھ حلال کروں جو تم پر حرام کیا گیا ہے۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لایا ہوں۔ سو تم اللہ سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔

سو جب عیسیٰؑ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کہ اللہ کی طرف (نظر کرکے) کون میرے مددگار ہیں۔ (تو) حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے

ہیں۔ اور تم گواہ رہو کہ یقیناً ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو کہ تو نے نازل فرمایا اور ہم اس رسول کے متبع ہوئے ہیں۔ سو تو ہم کو گواہوں (یا نیک نمونہ ہونے والوں) کے ساتھ لکھ دے۔ اور انہوں (مخالفوں) نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ پر اللہ سب خفیہ تدبیریں کرنے والوں سے بہتر ہے۔

تفسیر:

آل عمران کے اصطفاء میں جن دو اصطفاؤں کا ذکر یہاں پر کرنا تھا۔ ان میں سے پہلا تو حضرت مریمؑ کا اصطفاء تھا۔ لیکن اس کے ذکر سے پہلے خداوند تعالیٰ نے ان کے کچھ ابتدائی حالات بیان فرمادیئے تاکہ ایک طرف تو یہ معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے جب مریمؑ کے اصطفاء کا ارادہ فرمایا تو کس طرح ان کو ایسے نیک والدین کے گھر میں پیدا کیا۔ جنہوں نے پہلے ہی سے ایسی مشکل نذر مانی اور پھر اس کو ایفاء کیا اور پھر کس طرح خداوند تعالیٰ نے مریمؑ کی اس پاک گھر میں پرورش کی اور کس طرح زکریاؑ جیسے عظیم الشان بندے کی کفالت وتربیت کا مریمؑ پر فضل کیا۔ اور دوسری طرف ابتداء ہی سے انہی امور کے ساتھ مریمؑ کی الوہیت کا ابطال اور انسانیت کا اثبات بھی سمجھنے والوں کے لئے کافی طور پر ہو جائے اور اسی بیان میں حضرت زکریاؑ کی دعا کا ذکر بھی اسی وجہ سے کیا تاکہ ایک طرف تو یہ ثابت ہو کہ وہ کیسا اللہ کے لئے بنا ہوا تھا کہ بیٹا بھی اس نے تب ہی مانگا۔ جبکہ مریم کی پرورش سے ان کو یہ ثابت ہو گیا کہ میرا بیٹا میرے قویٰ سے کن باتوں کی وراثت لے گا۔

اور دوسری طرف مریم کے بیٹے کی الوہیت کے ابطال کی طرف بھی اشارہ ہو۔ کیونکہ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا[1] (آل عمران:39) سے جیسا امر اول ثابت ہوتا ہے ایسا ہی اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے وارث اس لئے مانگا تھا کہ جس طرح میں مریمؑ کا مربی اور روحانی باپ ہوا ہوں۔ اسی طرح میرا بیٹا مریمؑ کے موعود بیٹے کا روحانی باپ ٹھہرے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے اور مسیحی لوگ اقرار کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ کے

[1]۔تب زکریا نے... پکارا۔ (تفسیر صغیر)

ہاتھ پر مسیحؑ نے بیعت اور توبہ واستغفار کی تھی اور جب تک ایسا نہ ہوا تھا تب تک مسیحؑ پر روح القدس نہ اتری تھی۔ لیکن بیعت ہوتے ہی کبوتر کی شکل میں روح القدس مسیحؑ پر نازل ہوئی اور تعجب کی بات اور اس سب معمّٰی کی چابی یہ ہے کہ مسیحی صاحب اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے پہلے مسیحؑ کو ابن کے لفظ سے کبھی نہیں پکارا گیا تھا۔ اور اس کے ہوتے ہی روح القدس نے کبوتر کی شکل میں نزول کر کے مسیحؑ کو ابن کا خطاب دیا ہے۔ جس سے مسیحیوں کا یہ بہانہ بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ جسم تو بشریت والا تھا لیکن روح الوہیت اور ابنیت رکھتی تھی۔

کیونکہ یحییٰؑ روحانی ہی مربی تھا تو جب یہ ابتدائی باتیں ذکر ہو چکیں تو اب اصل اصطفاء اول کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم یقیناً اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور پاک کیا ہے۔ (اور اس چن لینے سے یہی مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اپنا قرب اور شرف مکالمہ عطا فرمایا اور یہ اصطفاء جیسا کہ ان عورتوں کی نسبت ہے جن کو یہ شرف مکالمہ اور قرب الٰہی حاصل نہ تھا ایسا ہی بہت سے ایسے مردوں پر بھی ہے جن کو یہ شرف اور فضل حاصل نہ تھا۔ پر اس کے بعد وہ فرشتے آپ کو یہ کہہ کر کہ) تجھے ان لوگوں کی عورتوں پر چن لیا ہے۔ (اس بات کی بشارت دیتے ہیں کہ تجھ پر خداوند کریم نے ایک ایسا فضل اور انعام بھی کیا ہے جو کہ عورتوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مرد اس میں شریک نہیں اور وہ موعود بیٹے کی والدہ بننا ہے جیسا کہ آگے خود انہی فرشتوں کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے۔

یہاں پر مفسرین نے دو بحثیں کی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت مریمؑ نبیہ تھیں یا نہ۔ تو بعض نے مکالمۂ ملائک کی وجہ سے ان کو نبیہ کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ قرآن مجید میں مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا[1] الخ (یوسف:110) آیا ہے اور اجماع بھی اسی پر ہے کہ نبی مرد ہی ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے آپ نبیہ نہ تھیں اور پہلوں نے پھر اس کا جواب دیا کہ اجماع کا دعویٰ غلط ہے اور آیت مذکورہ میں رسالت کی غیر مردوں سے نفی ہے نہ نبوت

[1]۔ اور تجھ سے پہلے (بھی) ہم (لوگوں کی رہنمائی کے لئے ہمیشہ) انہی (دنیا کی) بستیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو... رسالت دے کر بھیجتے رہے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

کی۔ پر حق یہی ہے کہ ایسی بحثوں میں انسان بالکل نہ پڑے۔ پہلے محقق بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے کہ جن بزرگوں کی نسبت بعض قرائن سے نبوت و رسالت کا خیال پیدا ہوتا ہو۔ لیکن قرآن مجید اور مخبر صادق سے ان کے نبی اور رسول ہونے کی تصریح نہ آئی ہو ان کی نسبت نفی یا اثبات کی بحث ہی نہ کرنی چاہیے۔ اور حضرت خلیفہ المسیحؑ کی زبانی بھی میں نے یہی سنا ہے۔ اور حق بھی یہی ہے کیونکہ محض ایک دو دفعہ کے الہام یا فرشتوں کی رویت سے انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ایک دو نسخوں کے جاننے سے طبیب نہیں کہلا سکتا۔

باقی رہی الہاموں اور مکالموں اور پیشین گوئیوں کی وہ کثرت اور عظمت کہ جس کی وجہ سے نبی کا اطلاق درست ہو سکتا ہے اس کا علم خداوند تعالیٰ ہی کو ہے ہمیں تو نہ اس کے وجود کا علم ہے اور نہ اس کے عدم کا اور نیز الہام اور پیشین گوئیوں کی کثرت و عظمت کے علاوہ اصلاح خلق اللہ کے لئے اور ان کی دعوت الی الحق کے لئے مامور ہونا بھی ایک ضروری امر ہے کہ جس کا ہمیں وجوداً اور عدماً کچھ علم نہیں تو پھر باوجود اس کے ہم کس طرح ایسے خطرناک مسئلہ میں فیصلہ دیں۔ جس کے دونوں پہلو خطرناک ہیں کیونکہ نبی کا انکار بھی کفر ہے۔ اور غیر نبی کو نبی قرار دینا بھی گمراہی اور افتراء ہے۔

کیا مریمؑ تمام عورتوں سے افضل تھیں؟

اور دوسری بحث یہ اٹھائی ہے کہ حضرت مریمؑ افضل ہیں۔ یا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اور حضرت خدیجہؓ تو بعض نے تو عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ سے مطلقاً سب عورتوں پر ان کی افضلیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض نے حضرت عائشہؓ اور فاطمہؓ اور خدیجہؓ کی افضلیت کی حدیثوں پر نظر کر کے یہاں پر تخصیص کی ہے اور کہا ہے کہ یہاں پر ان کے زمانہ کی ہی عورتیں مراد ہیں اور بس۔ لیکن اس مسئلہ میں حق یہی ہے کہ جب تک کسی کی نسبت کلام الٰہی میں یا مخبر صادق کے کلام میں کھلا کھلا یہ نہ آیا ہو کہ فلاں فلاں سے عند اللہ افضل ہے۔ تب تک اس کی جرأت نہ چاہیے۔ قرآن مجید نے صاف بتادیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] (الحجرات:14) اور اَتْقٰی کا علم بجز عالم الغیب کے اور کسی کو نہیں جب تک

[1]۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (تفسیر صغیر)

کہ وحی نہ بتائے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جزوی فضیلتیں ہوتی ہیں کہ جن کا ذکر آجاتا ہے اور ان سے اصل افضلیت مطلوبہ میں نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ نقصان اور میں بتا چکا ہوں کہ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ میں (علاوہ اس کے کہ اس وقت، بلکہ اس ملک یا خاص بنی اسرائیل کی عورتیں مراد ہیں۔ جیسا کہ بارہا بتایا گیا ہے۔)

اصطفاء سے یہ مراد ہے کہ اس زمانہ کی نسبت جو خداوند تعالیٰ کا موعود نبی تھا۔ اور خاص بنی اسرائیل کے لئے موعود تھا اور سلسلۂ خلفاء موسویہ کا آخری موعود تھا۔ جس کی نسبت معلوم نہ تھا کہ کون اسرائیلن عورت آپ کی والدہ ہونے کا فخر اور انعام حاصل کرے گی اور ہر ایک اسرائیلن عورت کی نسبت اس کا احتمال ہو سکتا تھا۔ تو خداوند کریم نے مریمؑ پر یہ فضل کیا ہے کہ اس کی والدہ ہونے کا انعام اور فخر اس کو دے دیا اور کسی اور اسرائیلن کو یہ انعام اور فخر نہ دیا اور بس۔ تو اب ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس موعود کی والدہ ہو جانے سے ان کو خاتم النبیین سید ولد آدم اور افضل الرسل محمدؐ رسول اللہ کی ازواج مطہرات یا ان کی بَضْعَةٌ[1] فاطمۃ الزاہراء پر کیونکر افضلیت ثابت ہو گئی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

جنابہ مریمؑ کو جس زمانہ میں یہ بشارت دی گئی تھی۔ وہ یہ زمانہ تھا کہ جس زمانہ میں عام بنی اسرائیل اور خصوصاً یہود کی مذہبی حالت بہت ہی بگڑی ہوئی تھی۔ جو لوگ ان کی تاریخ کے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس سے پہلے ان میں ایسی خرابی کبھی نہ آئی تھی خصوصاً ان کے علماء اور پیشوایان دین تو (بجز ماشاء اللہ کے) تکبر کے تھیلے اور فرائض مذہبی کی معانی کے سند یافتہ بلکہ سند دینے والے تھے۔ انجیل میں جناب مسیحؑ اسی وجہ سے ان کو کنچنیوں سے بدتر اور سؤر اور کتے قرار دیتے ہیں۔ ان کی بزرگی اور پیشوائی کا نشان ہی یہ ہوتا تھا کہ ہر ایک بات میں اور خصوصاً ادائے مراسم مذہب میں دوسرے خدا کے بندوں سے نرالا ڈھنگ ہوتا تھا اور ہر ایک امر میں ان کے لئے کوئی خاص خصوصیت ہوا کرتی تھی۔ تو جب فرشتوں نے جنابہ مریمؑ کو برگزیدہ ہونے اور کسی ایسے فضل کے لئے چنا جانے کی خبر دی جو کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو سکتا ہے۔ تو اس خاص فضل وانعام کے بتانے سے

[1] ۔ لخت جگر۔ (از مرتب)

پہلے ہی اس وقت کے بزرگوں کے طرز و طریق سے بچانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کہ) اے مریم تو اپنے رب کی ہمیشہ عبادت کرتی رہو۔

(جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے اور امام راغب نے اس کو پسند کیا ہے۔ یا نماز میں لمبا قیام کیا کر، جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے کہ یا عبادت میں اخلاص رکھا کر۔ جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا ہے۔ یا دعا کیا کر، پر عمدہ معنے اول اور اخیر ہیں۔ اور سجدہ کیا کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کر۔

(مفسرین نے ان تینوں حکموں کا مجموعہ نماز قرار دی ہے اور پھر خود اعتراض کیا ہے کہ سجدہ کو رکوع پر کیوں مقدم کیا ہے پھر کسی نے جواب دیا کہ شاید ان کی نماز میں رکوع مقدم ہی ہو کسی نے کہا کہ سجدہ کی افضلیت بتانے کے لئے اور کسی نے یہ درافشانی کی کہ اس بات کے بتانے کے لئے کہ حرف **واو** ترتیب کے لئے نہیں اور پھر خود مفسرین ہی نے ان وجوہات تقدیم کو رد بھی کر دیا ہے۔

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے کیا معنے ہیں؟

اور پھر دوسری بحث یہ کی ہے کہ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے کیا معنے ہیں۔ کسی نے کہا کہ باجماعت نماز کا حکم ہے کسی نے کہا کہ اس کے معنے ہیں کہ رکوع کرنے والوں کی مانند تو بھی رکوع کر۔ اور پھر ہر ایک فریق نے دوسرے کے معنوں کی تردید کی ہے اور پھر یہ بحث بھی کی ہے کہ قنوت اور سجدہ کے ساتھ تو مَعَ الْقَانِتِيْنَ اور مَعَ السَّاجِدِيْنَ نہیں فرمایا اور رکوع کے ساتھ مَعَ الرّٰاكِعِيْنَ فرمایا ہے سو اس کی کیا وجہ ہے۔ تو بعض نے کہا کہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے یہ لگایا ہے کہ جن لوگوں کی نمازی میں رکوع نہیں ان کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

اور بعض نے کہا کہ شاید اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کہ نماز میں رکوع نہ کرتے ہوں گے اور دوسرے وہ جو کہ رکوع کرتے ہوں گے تو خداوند کریم نے رکوع کے حکم کے ساتھ یہ لگا کر یہ بتایا کہ تم رکوع والوں کے ساتھ ہو نہ ان کے ساتھ جو کہ رکوع نہیں کرتے۔ اور پھر ان دونوں باتوں پر بھی نظر غور کرنے سے تشفّی حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس ساری تحقیق کی بنا اس پر ہے کہ مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ یہود کی نماز

اہل اسلام کی نماز کی طرح قیام، رکوع، سجدہ اور قومہ، جلسہ، قعدہ، اور تکبیر، تحمید، قرأت، دعا، سلام سے مرکب اور مرتب نماز تھی اور اہل اسلام ہی کی طرح وہ بھی باجماعت ادا کرنے پر مامور تھے۔ حالانکہ یہود دنیا میں موجود ہیں، ان کی کتاب اللہ اور ان کی احادیث کی کتابیں موجود ہیں اور ان کی نماز کی کیفیت ان کی کتابوں کے علاوہ دوسری قوموں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہے اور ان سب ذرائع سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نماز اہل اسلام کی طرح نہ تھی۔ پس ان الفاظ سے نماز لینا اور اس کو ان ارکان کا مجموعہ قرار دینا اور پھر ان میں کسی خاص ترتیب کا ادعا کرنا درست نہیں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ پہلے ارشاد کے ساتھ تو دائمی اطاعت یا دعا یا یاد اور تعظیم الٰہی کے لئے لمبا قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرے کے ساتھ ایک اور خاص اور مستقل اور ان کی معروف عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کو رکوع کہا جاتا ہے جس کا ان کے ہاں ایک خاص طریق ہے۔ اور اس کے ساتھ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ فرما کر یہ بتایا ہے کہ زمانہ حال کے بزرگوں اور مذہبی پیشواؤں کی طرح نہ ان عبادات میں غفلت کرنا اور نہ کوئی علیحدہ طرز اور خاص طریق اور امتیاز رکھنا اور معیت سے کوئی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ ہی مل جائیں۔ بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[1] (التوبۃ:119) میں ہے۔ اور یہ معیت سب ہی امور میں ہے۔ نہ کہ خاص رکوع میں کیونکہ رَاكِعِيْنَ بھی سجدہ کیا کرتے تھے۔ لیکن عبارت کا طرز ہی یہ ہے کہ ایسے مقام پر سب کے ساتھ معیت ذکر نہیں ہوا کرتی۔ اور سجدہ کو مقدم کرنے سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ جدا جدا مستقل عبادتیں ہیں۔ اس کے بعد اس فضل اور انعام کا بیان ہونا چاہیے تھا۔ جس کی نسبت عورتوں کے ساتھ مخصوص ہونا بیان کیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ اس بیان اور تفصیل کے ذکر میں ہی دوسرے اصطفاء آل عمران کا بھی بیان ہو جاتا تھا مگر ابھی پہلے اصطفاء آل عمران کی نسبت ایک ایسی بات باقی تھی کہ جس کے سوا وہ اہم ترین مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا جو کہ اس اصطفاء کے یہاں پر ذکر کرنے کی اصل غرض اور اصلی باعث تھا اور وہ مسیحؑ اور ان کی والدہ کی

[1]۔ صادقوں (کی جماعت) کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

الوہیت کی تردید ہے۔ لہٰذا اس مخصوص بالنساء فضل کے بیان کے ذکر سے پہلے اس اہم اور ضروری تتمہ کو یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

حضرت مریمؑ کی کفالت اور انکی الوہیت کی بیخ کنی:

تفصیل اس کی یہ ہے کہ میں نے اصطفاء اول کے بیان میں بیان کیا ہے کہ حضرت زکریاؑ کے جنابہ مریمؑ کے لئے جسمانی اور روحانی مربی اور کفیل ہونے سے اور جنابہ مریمؑ کے محتاج کفالت وتربیت ہونے سے ان کی الوہیت کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور یہ بالکل ایک کھلی اور سچی بات ہے۔ لیکن احتمال بلکہ متیقن الوقوع تھا کہ شرک کا دلدادہ خصم جو کہ بدیہیات سے انکار کر کے شرک جیسی بے دلیل و بے بنیاد بلکہ مخالف عقل و نقل چیز کے پیچھے پڑتا ہے وہ اس بات سے جرأت کر کے (کہ آخر ان امور کی روایتوں اور تاریخوں کا مبدأ اور مرجع تو ہم اہل کتاب ہی ہیں اور کسی اور کو تو ہماری مخالفت کا کسی طرح سے حق حاصل ہی نہیں۔)

مسئلہ کفالت ہی سے انکار کر دے تو اس کی بندش کے لئے فرمایا کہ) یہ غیب کی خبروں سے ہے جس کو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ تم ان کے پاس نہ تھے۔ جبکہ وہ اپنے کانے ڈال رہے تھے کہ کون مریمؑ کا کفیل بنے اور نہ تم اس وقت ان کے پاس تھے۔ جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ (اس میں یہ بتایا کہ نہ تم اس وقت پاس تھے اور نہ ہی فریق مقابل اس وقت موجود تھا۔ سو اب اگر وہ تمہاری بات کی تصدیق کریں تب تو ان پر حجت قائم ہوئی اور اگر وہ انکار کریں تو ان کے انکار کی بناء تو انسانی روایت پر ہو سکتی ہے۔ اور تمہارے بیان کی بناء وحی الٰہی پر ہے اور انسانی روایت وحی کا مقابلہ ہر گز نہیں کر سکتی۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ تم مفتری ہو یا کہ خدا کی وحی تم پر ہوتی ہے۔ تو اول وہ اس طرف آئیں گے ہی نہیں اس لئے کہ وہ اس بحث کا تجربہ کر چکے ہیں اور ان کے دل یقین کر چکے ہیں کہ یہ کتاب خداوند تعالیٰ کی وحی ہے اور اگر آئیں گے تو اس میں ان پر حجت پوری ہو گی۔

نیز اس میں آنحضرت ﷺ کو ہمت دلائی ہے کہ جب یہ تمہاری دیکھی سنی بات نہیں بلکہ خدا کی وحی ہے تو پھر تم اس سے مت ڈرو کہ فریق مقابل اس سے انکار ہی نہ کر دے کیونکہ جب خداوند تعالیٰ کا منشاء ہے تو خود ان کے انکار کا بندوبست کرے گا۔ اور اسی وجہ

سے یہاں پر باقی قصہ کو چھوڑ کر محض کفالت اور اس پر قرعہ اندازی اور مخاصمت ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ نیز اس میں نفس اصطفاء مذکور کے عظیم الشان ہونے کو ظاہر کیا ہے کہ بیت المقدس کے چڑھاوے کے خورد سال بچوں کو کون شوق سے لیتا تھا اور کہاں ان کو زکریاؑ جیسا عظیم الشان کفیل نصیب ہوا کرتا تھا۔ پر مریمؑ پر چونکہ ہمارا خاص فضل تھا اس لئے وہ عجیب نظارہ تھا جبکہ وہ اس کی کفالت پر قرعہ اندازی ہو رہی تھی اور جبکہ اس پر لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اگر تم وہاں پر موجود ہوتے تو نہایت تعجب کرتے۔

ہمارے مفسرین نے ان آیات کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل بتایا ہے اس طور پر کہ گویا خداوند کریم نے ان کو فرمایا ہے کہ ہمارے رسول نے تم کو ایک امر کی خبر دی ہے۔ جس کی نسبت تم بخوبی جانتے ہو کہ اس نے نہ وہ کسی کتاب میں پڑھا ہے اور نہ کسی دوسرے سے سیکھا ہے۔ تو اب یہی احتمال باقی ہے کہ اس نے خود مشاہدہ کیا ہو اور یہ بھی بدیہی طور پر منفی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خبر وحی کے ذریعہ سے ہے لیکن سمجھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ نہ یہ کوئی طریق استدلال ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اثبات کے لئے ایسے تکلفات کے ارتکاب کی ضرورت قرآن مجید کے بینات اور واقعات کی شہادات نے باقی چھوڑی ہے۔

اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے اصطفاء مخصوص بالنساء کا بیان شروع کیا ہے۔ جس میں آل عمران کے دوسرے اصطفاء کا بیان بھی تبعاً ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ) جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم یقیناً اللہ تجھے بشارت دیتا ہے۔ (پاک) کلام کے ساتھ جو کہ اس کی طرف سے ہے کہ اس بشارت دیئے ہوئے کا نام المسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ (یہ تو میں نے بار بار بتایا ہے کہ کلمہ کلام عرب میں اور بالخصوص کلام وحی میں کلام کو یا کبھی خاص پیشین گوئی والے کلام کو کہا جاتا ہے اور بشارت کے بعد جو مبشر بہ ذکر ہوا کرتا ہے۔ اس پر بھی حرف باء آیا کرتا ہے۔ جیسا کہ پ26 ع19 میں فرمایا ہے۔ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ[1] (الذاریات:29) اور کبھی بشارت کے ساتھ اس پر حرف باء آتا ہے۔ جو کہ اس بشارت کا ذریعہ اور طریقہ ہوتا ہے۔

[1]۔ اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ (تفسیر صغیر)

جیسا کہ پ14 ع4 میں آیا ہے۔ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ۔ قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ۔[1] (الحجر:55-56) اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ کلام بشارت کا آلہ اور ذریعہ ہے نہ مبشر بہ۔ اور اس ذریعہ کو محض یقین لانے کے لئے ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے بِکَلِمَۃٍ کے بعد مِنْہُ بھی ذکر کیا ہے تاکہ فرشتے یہ ظاہر کر دیں کہ جیسا افتراء وغیرہ کا احتمال نہیں۔ ایسا ہی غلط فہمی کا بھی احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ ہم تم کو خداوند تعالیٰ کا کلام ہی سنا دیتے ہیں۔ اور مبشر بہٖ کو بِغُلَامٍ کی طرح یہاں پر اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ بعد میں جو کچھ اس کی نسبت بتایا جاتا ہے وہ مبشر بہ کی تعیین اور اظہار کے لئے کافی ہے۔ اور اِسْمُہٗ کی ضمیر مبشر بہٖ کی طرف پھرتی ہے جو کہ پہلے کلام سے صاف صاف مفہوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمْ میں ھُمْ کا مرجع پہلے صراحۃً مذکور نہ تھا۔

پر پہلے کلام سے وہ مفہوم ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے مفسرین نے (جیسی کہ ان کی عادت ہے کہ حضرت مسیحؑ کے لئے الفاظ کے نرالے معنے گھڑا کرتے ہیں۔ جیسے کہ ان کے لئے سب انبیاءؑ بلکہ سب مخلوق سے نرالی صفات اور احوال و افعال بتایا کرتے ہیں۔) حضرت مسیحؑ کے حق میں کلمہ کے یہ معنے کئے ہیں کہ جو محض کلمہ کُنْ کے ساتھ پیدا کیا جائے اور کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت مسیحؑ ایسے ہی پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے کلمہ سے وہی مراد ہیں اور حرف باء مبشر بہٖ پر داخل ہوا ہے۔ اور اِسْمُہٗ کی ضمیر کلمہ کی طرف پھرتی ہے اور پھر خود ہی خیال آیا ہے کہ ضمیر تو مذکر ہے اور کلمہ مؤنث ہے تو مولوی صاحبان کو خاموش کون کرائے انہوں نے اس کا یہ جواب دے دیا کہ گو مؤنث ہے پر معنے اس کے یہاں پر چونکہ مذکر ہیں اس لئے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔ اور یہ نہ خیال کیا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں کلمہ اور کلمات کے کیا معنے ہیں۔

اور جہاں بالخصوص حضرت جنابہ مریمؑ کی نسبت سورۂ تحریم کے اخیر میں وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ[2] (التحریم:13) آیا ہے۔ کیا وہاں پر اگر یہ مبشر کلمات مراد نہیں تو کیا کلمہ کُنْ

---

[1]۔ اس نے کہا (کہ) کیا تم نے میرے بوڑھا ہو جانے کے باوجود مجھے یہ بشارت دی ہے' پس (بتاؤ کہ) کس بنا پر تم مجھے (یہ) بشارت دیتے ہو۔ انہوں نے کہا (کہ) ہم نے تجھے سچی بشارت دی ہے۔ پس تو ناامید مت ہو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور اس نے اس کلام کی جو اس کے رب نے اس پر نازل کیا تھا تصدیق کر دی تھی۔ اور اس (خدا) کی کتابوں پر بھی ایمان لائی تھی۔ (تفسیر صغیر)

کے ساتھ بہت سے پیدا ہونے والے مسیحوں پر حضرت مریمؑ ایمان لائی تھیں۔ پھر تعجب یہ ہے کہ جہاں پر دو احتمال ہوتے ہیں اگر وہاں پر کوئی ایک احتمال اختیار کرتا ہے تو یہ صاحب فوراً سوال کرتے ہیں کہ اس کی ترجیح کی کیا وجہ ہے لیکن جب خود کوئی ایک احتمال لیں تو پھر ترجیح کی وجہ فراموش کر کے اتنے ہی پر بس کر دیتے ہیں کہ لغت میں یہ معنے یا فلاں کتاب میں یہ احتمال بھی تو آیا ہے۔ ان پر لازم تھا کہ وہ بتاتے کہ کلمہ سے فلاں عبارت میں (دیکھو) چونکہ مذکر مراد تھا اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی ہے۔

پر افسوس یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کے خلاف شہادت موجود ہوتے ہوئے پھر انہوں نے اس کا خیال نہیں کیا اور وہ شہادت یہ ہے کہ خاص مریمؑ ہی کے بارہ میں ایک دوسرے مقام پر کلمہ کا ذکر آیا ہے جس سے بقول مفسرین مسیحؑ مراد ہونا چاہیے اور پھر اس کی طرف بعد میں ضمیر پھیری گئی ہے اور وہ مؤنث ہے چنانچہ پ6ع3 میں آیا ہے۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ[1] (النساء:172) جس میں هَا ضمیر مؤنث کلمہ کی طرف پھرتی ہے۔ پس اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اِسْمُهٗ کی ضمیر کلمہ کی طرف نہیں بلکہ مبشر بہ کی طرف پھرتی ہے اور یہ بھی ثابت شدہ صداقت ہے کہ کلمہ کے معنے نہ مسیحؑ کے ہیں اور نہ اس کے جو کہ کلمہ کُنْ سے پیدا ہوا ہو۔

اور یہی معنے حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے بھی پسند فرمائے ہیں اور حضرت مسیحؑ کا لقب مسیحؑ اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ حضرت مسیح جس قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے وہ زمین میں تتر بتر تھی اور اس وجہ سے ان کو دنیا میں بہت سیر و سیاحت کی ضرورت پیش آئی تھی تو ان کا نام مسیحؑ رکھا گیا۔ جس کے اصل معنے بہت سیر وسیاحت کرنے والے کے ہیں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ یشوع کا معرَّب ہے اس کے بعد فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ بھی خبر دی کہ وہ) وجیہ ہو گا دنیا اور آخرت میں اور مقربین (الٰہیہ) سے ہو گا۔ (اور اناجیل موجودہ کی رو سے گو حضرت مسیحؑ کی وجاہت دنیویہ کا اثبات مشکل ہے۔ لیکن ہمارے طریق پر ان کی دنیوی وجاہت بھی کھلی کھلی

[1] ۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا صرف (ایک) رسول اور اس کی (ایک) بشارت تھا جو اس نے مریم پر نازل کی تھی اور اس کی طرف سے ایک رحمت تھا۔ (تفسیر صغیر)

ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بعد از واقعۂ صلیب حکم الٰہی سے اور تکمیل تبلیغ کی غرض سے ہجرت کر کے افغانستان اور کشمیر میں آئے اور ان ملکوں کے بنی اسرائیل نے ان کو قبول کیا اور ان میں خداوند کریم نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو وجاہت دنیویہ نصیب کی اور بعد ازاں قرآن مجید کے اس وعدہ کے مطابق کہ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[1] (آل عمران:56) ہمیشہ دنیا میں ان کی وجاہت اس طرح قائم رکھی کہ دنیا کی سلطنت ان اقوام کو دے دی جو کہ باوجود بادشاہت اور شہنشاہ ہونے کے آپ کے نام کے آگے سر جھکاتے اور آپ کی تعظیم سے آپ کی وجاہت کا ہمیشہ ثبوت دیتے ہیں۔

مسیح موعودؑ اور مسئلہ وفات مسیحؑ:

حضرت مسیحؑ کی وجاہت کی توحد ہی ہو گئی ہے عیسائیوں نے تو آپ کو انبیاءؑ اور رسلؑ کی ذیل سے نکال کر خدائی کے تخت جلال پر بٹھلایا ہی تھا لیکن عجیب بات ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی گومنہ سے آنحضرت ﷺ کو سید الرسلؐ اور افضل الرسلؐ کہتے ہیں پر حضرت مسیحؑ کو ہر بات میں ایسا برتر بیان کرتے ہیں اور ایسی ایسی خصوصیات ان کے لئے ثابت کرتے ہیں کہ جن کے رو سے اگر وہ خدا نہیں بنتے تو کم از کم سب انبیاء ورسل سے ایک نرالی ہستی ضرور ٹھہرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب عیسائی لوگ ان کی مسلمہ خصوصیات کی رو سے ان کی الوہیت یا ان کا لَيْسَ كَمِثْلِهٖٓ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْۢبِيَاۗءِ[2] یا ان کی افضلیت ثابت کرتے ہیں تو بجز بہانہ ہا بسیار اور واہی تباہی کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

غیور خدا نے اپنی توحید اور اپنے وحید پر غیرت کھا کر اپنے وحید کے غلاموں سے ایک کو مسیحؑ بنا کر بھیجا اور اس نے دنیا پر ثابت کیا کہ یہ خصوصیات مسیح غلط ہیں پر یہ نام کے مسلمان پھر بھی باز نہ آئے۔ اس نے بینات سے ثابت کیا کہ وہ بھی اور انسانوں اور سارے انبیاءؑ کی طرح فوت ہو کر زمین میں مدفون ہوا۔ پر انہوں نے نہ مانا اور کہا کہ وہ زندہ آسمان پر

[1] ۔جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔انبیاء میں سے اس کی مانند کوئی بھی نہیں ہے۔ (از مرتب)

ہے۔ ابتداء میں وہ اپنے اس دعویٰ کے لئے عموماً تین آیتیں پیش کیا کرتے تھے۔

اول وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔[1] (النساء:160)

دوم وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا۔[2] (الزخرف:62)

سوم وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔[3] (النساء:158-159)

پر جب انہوں نے دیکھا کہ ان سے تو مطلب بر آری نہیں ہو سکتی۔ اور ان تینوں استدلالوں کا ایسا قلع و قمع کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم عوام کو دھوکہ نہیں دے سکتے تو پھر انہوں نے بجائے ان تین کے تین اور آیتوں سے مسیحؑ کے زندہ آسمان پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے۔ (1) وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ سے۔ (2) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا[4] سے (3) وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ[5] (المائدۃ:111) سے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کا مفصل جواب ہر ایک کے موقعہ پر لکھا جاوے گا۔

مسیحؑ کے لئے وَجِيْهًا کا لفظ:

اس وقت وَجِيْهًا سے طریق استدلال اور پھر اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے چونکہ یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو دشمنوں نے گرفتار کیا اور بہت کچھ ہنسی مخول بھی آپ سے کیا اور بعض توہین اور تذلیل کے کام کئے جیسا منہ پر تھوکنا اور کانٹوں کا تاج پہنانا اور پھر تمسخر سے یہودیوں کا بادشاہ کہنا اور بعد ازاں صلیب پر چڑھایا اور ہاتھوں میں کیلیں لگائیں۔ یہاں تک کہ وہ مقتول کے مشابہ ہو گئے پر خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ اور باریک در باریک اسباب سے ان کو زندہ ہی اتروالیا اور اترتے ہی ان کے مرید ان کو لے گئے اور مرہم پٹی کے بعد جب وہ اچھے ہو گئے تو خداوند تعالیٰ کے حکم خاص سے

1۔ اہل کتاب میں سے ایک بھی نہیں جو اس (واقعہ) پر اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

2۔ اور وہ (یعنی قرآن) آخری گھڑی کا علم بخشتا ہے پس تم ساعت کے متعلق شبہ نہ کرو۔ (تفسیر صغیر)

3۔ اور انہوں نے اس (واقعہ کی اصلیت) کو پوری طرح نہیں سمجھا (اور جو سمجھا ہے غلط سمجھا ہے)۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے اسے اپنے حضور میں عزت (ورفعت) دی تھی (اور وہ صلیب پر مر نہیں گیا تھا) (تفسیر صغیر)

4۔ تو لوگوں سے بچپن میں (بھی) اور ادھیڑ عمر میں (بھی روحانیت کی) باتیں کرتا تھا۔ (تفسیر صغیر)

5۔ اور جبکہ بنی اسرائیل کو (جو تیرے قتل کا ارادہ رکھتے تھے) میں نے تجھ سے روکے رکھا۔ (اس وقت) جبکہ تو ان کے پاس دلائل لے کر آیا۔ (تفسیر صغیر)

اسرائیل کی ان باقی اقوام کی تبلیغ کے لئے جو کہ تتر بتر ہو کر افغانستان اور بالخصوص کشمیر میں آباد ہو گئی تھیں۔ براہ افغانستان کشمیر میں آ گئے اور صلیب کے واقعہ کے بعد جو کہ 33 سال کی عمر میں واقع ہوا تھا مدت تک زندہ رہے۔ یہاں تک کہ 120 برس کی عمر میں وفات پا کر ملک کشمیر شہر سری نگر محلہ خانیار میں مدفون ہو گئے۔

لہٰذا ہمارے ان مولوی صاحبان کو یہ بات برداشت نہ ہو سکی جو کہ دوسرے سب انبیاءؑ اور خصوصاً سید الرسلؐ کی نسبت طرح طرح کے مصائب اور قومی ایذاء اور تمسخر واستہزاء اور تحقیر و تذلیل منبروں پر چڑھ کر بیان کیا کرتے ہیں۔ اور اسی سے قوم کے دلوں کو نرم اور آنکھوں کو تر کر کے ان کی جیبوں پر ہاتھ مارا کرتے ہیں لیکن اور خصوصیات کی طرح حضرت مسیح کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ نہ وہ ان امور میں سے کوئی ایک ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہ وہ اس کو برداشت کرتے ہیں۔ میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی زبانی سنا ہے کہ اگر ان مولوی صاحبان کے سامنے یہ بھی ذکر کیا جائے کہ حضرت مسیحؑ بیمار ہوئے تھے یا دانت نکالتے وقت ان کو اور بچوں کی طرح فلاں بیماری ہوئی تھی تو یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ اور یہ بالکل سچ ہے تو اب لگے تلاش کرنے کہ کوئی ایسا لفظ ملے جس کے رو سے حضرت مسیحؑ کو قومی استہزاء اور تحقیر سے بری ثابت کر سکیں تو تلاش کے بعد انہوں نے اس لفظ پر ہاتھ رکھا کہ یہ مسیحؑ کی وجاہت فی الدنیا کا ثبوت دیتا ہے اور استہزاء اور تحقیر اور ایذاء وجاہت کے خلاف ہیں۔

پس اس سے ایک تو ثابت ہوا کہ مسیحؑ کے ساتھ قوم نے نہ کوئی استہزاء کیا ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا انہوں نے ایذاء اور دکھ دیا ہے اور دوم اس سے یہ ثابت ہوا کہ مرزا نے جو کچھ مسیحؑ کے پکڑنے اور صلیب پر چڑھانے اور زندہ اترنے اور کشمیر میں جانے اور وہاں پر فوت ہونے کی نسبت بیان کیا ہے وہ غلط ہے اور جب یہ غلط ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ زندہ امن و امان کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے۔ میں نے بہت غور و فکر کر کے اس استدلال کو دیکھا ہے۔ مجھے تو بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوا جو کہ تمہید میں میں لکھ آیا ہوں۔ ورنہ تو سب انبیاءؑ اور خصوصاً سید الرسلؐ کی وجاہت میں کس کو شک اور کلام ہے اور پھر باوجود

اس کے قرآن مجید میں سب انبیاءؑ کی نسبت فرمایا ہے مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ [1](الحجر:12) پھر فرمایا ہے مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ [2](البقرۃ:215) اور فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ [3](الانعام:35) جس سے ان کے استہزاء اور ایذاء کا صاف پتہ ملتا ہے اور نیز جس خدائے علیم نے مسیحؑ کو وجیہ فرمایا ہے اس نے ایسی آیتوں میں آپ کا استثناء نہیں کیا جس سے وجیہ ہونے کے معنے خوب واضح ہو جاتے ہیں۔

اور علاوہ بریں يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ [4](آل عمران:22) بھی صاف موجود ہے اور ابوالانبیاء والخفاء حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے آگ میں ڈالنے کا واقعہ بھی یہی مولوی صاحبان بیان فرمایا کرتے ہیں۔ پھر جس حضرت یحییٰؑ کی نسبت قرآن مجید میں وَجِيْهًا سے بڑھ کر سَيِّدًا (آل عمران:40) فرمایا ہے۔ ان کی نسبت انہی صاحبوں کی تفسیروں اور دوسری کتابوں میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے جس کی تائید اناجیل سے بھی ہوتی ہے پھر حضرت موسیٰؑ کی نسبت بھی وَجِيْهًا (الاحزاب:70) آیا ہے آپ کو بھی کس طرح بھاگنا اور تکلیفات برداشت کرنا اور طعن و تشنیع سننا پڑا۔

شاید مولوی صاحبان کا یہ اعتقاد ہے کہ جس طرح وہ حضرت مسیحؑ کو اور انبیاء ورسلؑ کے سواء بن باپ پیدا ہونے والا پیدائش کے وقت مس شیطان سے پاک اور گود میں باتیں کرنے والا۔ پرندوں کا خالق، مردوں کو زندہ کرنے والا اور بجائے زمین پر ہجرت کرنے کے، چوتھے آسمان پر ہجرت کر کے ہزاروں سال انسانی لوازم سے خالی ہو کر زندہ رہنے والا اور دوبارہ آنے والا۔ اور پھر آسمان سے آنے والا۔ اور ساری دنیا کو مسلمان کرنے والا۔ اور

---

[1]۔ اور جو رسول بھی ان کے پاس آتا تھا' وہ اس کی ہنسی اڑاتے تھے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ انہیں تنگی (بھی) پہنچی اور تکلیف (بھی) اور انہیں خوب خوف دلایا گیا تا کہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ (کے) ایمان والے کہہ اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اور تجھ سے پہلے رسولوں کو بھی یقیناً جھٹلایا جا چکا ہے۔ پھر باوجود اس کے کہ انہیں جھٹلایا گیا اور انہیں تکلیف دی گئی وہ صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ بلاوجہ نبیوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

پھر جزیہ موقوف کر کے جبر کر کے لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا[1] (مریم:33) کے خلاف جَبَّارًا شَقِیًّا (نعوذ باللہ من ذٰلک) ہونے والا اعتقاد رکھتے ہیں اور دوسرے انبیاءؑ کو ان امور میں ان کے ساتھ شریک نہیں سمجھتے اسی طرح وجیہ ہونے کو بھی حضرت مسیحؑ سے مختص یقین کرتے ہیں اور باقی انبیاء ورسلؑ حتّٰی کہ سید ولد آدم (فداہ روحی وابی وامی) کو بھی وجیہ یقین نہیں کرتے۔ ورنہ تو پھر دوسرے انبیاءؑ اور خصوصاً سید الرسلؐ اور ابوالخفاء امام الانبیاءؑ کی نسبت استہزاء اور تکالیف اور قومی ایذاؤں کے کیوں قائل ہیں اور ان کی وجاہت سے ان کی نسبت ایسے امور کا کیوں انکار نہیں کرتے۔ اور اگر انبیاءؑ کے غلبہ اور عزت اور سیادت ووجاہت کے قائل ہیں تو پھر جو معنے ان کی نسبت ان الفاظ کے کرتے ہیں۔ وہی حضرت مسیحؑ کی نسبت بھی کریں۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت مسیحؑ کی نسبت اس کو ذکر کیوں کیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے امور کا ذکر اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوسرے ان سے خالی ہیں بلکہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ ان کی نسبت ان کے خلاف کے قائل ہوتے ہیں یا اسباب ایسے پیش آجاتے ہیں یا آجانے والے ہوتے ہیں کہ جن سے ان امور کی نفی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی ایک نبیؑ کو صادق یا پاک کہا جاتا ہے تو اس میں یہ غرض نہیں ہوتی کہ دوسرے کاذب اور ناپاک ہیں بلکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دشمن ان کو ایسا کہے گا یا کچھ اسباب ایسے پیش آئیں گے جن سے کوئی ایسا گمان کر سکے گا۔ پر خداوند تعالیٰ ان کی نسبت صداقت اور طہارت کی شہادت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ میں ان کو صادق اور ظاہر ثابت کر دوں گا۔

یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کہ جنابہ مریمؑ کو پہلے ہی سے خداوند تعالیٰ نے اس لفظ کے ساتھ بتا دیا کہ اس مبشر بہ کی نسبت بعض ایسے امور پیش آئیں گے جن کی رو سے لوگ اس کی نسبت خلاف وجاہت ثابت کرنے کی کوشش کریں گے یا ان سے خلاف وجاہت کا اندیشہ ہو گا۔ لیکن ہم اس کی وجاہت ثابت کر دیں گے۔ پس یہ ایک پیشین گوئی تھی جس میں ایک طرف دشمنوں کی وہ سب تدابیر اور کوششیں مجملاً درج ہیں جو انہوں نے آپ کے ذلیل کرنے کے لئے کرنی تھیں اور بالآخر انہوں نے کی تھیں۔

[1]۔ مجھے ظالم اور بدبخت نہیں بنایا۔ (تفسیر صغیر)

اور دوسری طرف خداوند تعالیٰ کی اس تائید پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ سے دشمنوں کی تدبیریں پاش پاش ہو جانے والی تھیں اور جس سے دنیا میں ان کی وجاہت ثابت ہونے والی تھی اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور بالآخر میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ وجاہت انبیاءؑ سے اگر یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ کسی مخالف نے کسی سے نہ استہزاء کیا ہے اور نہ ایذاء دی ہے تو پھر اس سے یہ کیونکر لازم آگیا کہ وہ فوت بھی نہیں ہوئے یا زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اور اس کے بعد وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرما کر جیسا کہ اس مبشر بہ کا مقربان الٰہی سے ہونا بتایا ہے۔ ایسا ہی اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے بعید از رحمت الٰہی ثابت کرنے کے لئے کوشش ہو گی پر باوجود اس کے ہم اس کا مقرب الٰہی ہونا دنیا پر ثابت کر دیں گے۔ اور اس کے بعد ان فرشتوں نے خداوند کریم کی طرف سے یہ بشارت بھی دی کہ) وہ لوگوں سے بچپن کے بستر میں ہونے کی حالت میں اور پھر جوان ہونے کی حالت میں باتیں کرے گا۔ (اس میں یہ بتایا کہ وہ مبشر نہ گنگ ہو گا اور نہ عام بچوں کی طرح نادان اور نہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود اور بے ہودہ باتوں میں مستغرق ہو گا بلکہ بچپن ہی میں اس کے اندر رشد اور عقلمندی کے آثار نمایاں ہوں گے۔ یہاں تک کہ بجائے بچوں کے لوگوں کے ساتھ وہ بات چیت ایسا ہی کیا کرے گا جیسی کہ کہل ہو کر کرے گا اور یہ بھی بتایا کہ وہ چھوٹی ہی عمر میں نہ مرے گا۔ بلکہ بڑا ہو گا اور کہولت کی عمر تک پہنچے گا۔

مفسرین میں سے بھی جو محقق ہیں انہوں نے یہی معنے پسند کئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی میں جو معنے پہلے لکھے ہیں ان میں وہ لکھتا ہے وَالْمُرَادُ يُكَلِّمُهُمْ حَالَ كَوْنِهٖ طِفْلًا وَّ كَهْلًا وَّالْمَقْصُوْدُ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْكَلَامِ فِيْ حَالِ الطُّفُوْلِيَّةِ وَحَالِ الْكُهُوْلَةِ وَاِلَّا فَالْكَلَامُ فِي الثَّانِيْ لَيْسَ مِمَّا يَخْتَصُّ بِهٖ وَلَيْسَ فِيْهِ غَرَابَةٌ۔

پس مفسرین مذکور نے صاف بتادیا ہے کہ مہد میں کلام کا یہ مطلب ہے کہ لڑکپن میں بھی وہ عقلمندانہ کلام ایسی کرے گا جیسی کہولت کی حالت میں اور یہ بھی بتادیا کہ اس کا قرینہ کَهْلًا ہے پس جس طرح دوسرے میں کوئی اعجوبہ نہیں اسی طرح پہلے میں بھی نہیں۔ نیز جن لوگوں نے یہ معنے کئے ہیں کہ کلام کرنے کے وقت سے پہلے کلام کرے گا اور پھر جو کلام

انہوں نے مانا ہے کہ آپ شیر خواری میں بلکہ چند روزہ پیدائش کے بعد بولے تھے۔ وہ وہ ہے جو کہ خداوند تعالیٰ نے سورہ مریم میں ذکر فرمایا ہے۔ جس میں وہ اپنی والدہ کی بریت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ۔ وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا[1] الخ۔ (مریم:31-32) تو جب ہم انصاف کی نظر سے اس کلام کو دیکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز و زکوٰۃ فرض ہونے اور کتاب اور نبوت مل جانے کے بعد کا ہے اور شیر خوارگی کے زمانہ میں ان کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ یہ تو قرآنی شہادت ہوئی اب ہم یہود اور عیسائیوں کو دیکھتے ہیں وہ دونوں شیر خوارگی کے کلام کے قائل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں۔ ان کو کچھ تو اس عادت نے کھینچا ہے جو کہ مسیحؑ کی نسبت ان کی ہے اور کچھ اعجوبہ بنانے کے خیال نے مدد دی ورنہ بات بالکل آسان تھی۔

اور جو لوگ شیر خوارگی میں بات کرنے کے قائل ہیں ان میں سے بعض تو اسی قدر قائل ہیں کہ ایک دفعہ اپنی والدہ پر سے اتہام رفع کرنے کے لئے کلام کیا تھا جو کہ سورۂ مریم میں مذکور ہے اور بعض اس قدر بڑھے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ سارے شیر خوارگی کے وقت میں باتیں کرتے رہے ہیں۔ اور کَھۡلٌ کی نسبت چونکہ مفسرین کے نزدیک زیادہ اعتبار اسی استعمال اور تعریف کو تھا کہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کے عمر والے پر بولا جاتا ہے اور دوسری طرف ان کا یہ خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب کے واقعہ کے وقت زندہ آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور صلیب کے واقعہ کی نسبت روایتوں میں یہی آیا ہے کہ حضرت مسیحؑ 33 سال کے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

لہٰذا انہوں نے کہا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کَھۡلٌ ہونے کی حالت میں پہلے تو کلام کیا نہیں لہٰذا لازم آیا کہ وہ آئندہ نازل ہو کر کہولت کی حالت میں کلام کریں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ کَھۡلٌ کی مختلف تعریفیں اور مختلف استعمال ہیں جن میں سے ایک مذکورہ بالا بھی ہے اور اس کے

[1]۔ (یہ سن کر ابن مریم نے) کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھے کتاب بخشی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے بابرکت (وجود) بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی ہے۔ (تفسیر صغیر)

سوا یہ بھی ہے کہ تیس سال کے آدمی کو بھی کَھْلٌ کہا جاتا ہے اور کتابیں تو در کنار آج کل کے مدارس میں جو منتخبات العربیہ یا نفحۃ الیمن پڑھائی جاتی ہیں ان میں یہ عبارت لکھی ہوئی موجود ہے کہ اِبْنُ عِشْرِیْنَ فَخَلٌ وَاِبْنُ ثَلٰثِیْنَ کَھْلٌ[1] الخ جس کی رو سے حضرت مسیحؑ قبل از واقعہ صلیب کَھْلٌ ہو جاتے ہیں اور پھر صحیح حدیث میں آیا ہے۔ جس کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی حضرت مسیحؑ کی عمر کی سب روایتوں سے زیادہ صحیح اور معتبر کہا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت فاطمہؓ کو فرمایا تھا کہ عیسیٰؑ ایک سو بیس (120) سال زندہ رہے تھے۔

(کنز العمال الجزاء 13 صفحہ 291 کتاب فضائل اھل البیت حدیث 37731 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جس سے ان کی وفات کے علاوہ ان کی عمر کا اور ان کے سب استعمالوں اور تعریفوں کی رو سے کَھْلٌ ہونے کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے نئے طریق کا استدلال حیات مسیحؑ پر یہ کیا گیا ہے کہ کہولت کا کلام مطلق مراد نہیں تا کہ یہ کہا جائے کہ وہ ہو چکا ہے بلکہ وہ مراد ہے جو اپنے اندر کوئی اعجوبہ رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ پہلی زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ آئندہ ہو اور وہ تب ہی ہو گا کہ وہ زندہ آسمان سے نازل ہو کر کلام کریں۔ ہم نے یہ تو پڑھا اور سنا تھا کہ کلام کا کچھ فائدہ ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن یہ ہم نے کبھی نہ پڑھا اور نہ سنا ہے کہ کلام ضرور کسی اعجوبہ پر مشتمل ہونا چاہیے اور نہ مولوی صاحبان اور کلاموں کی نسبت ایسا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔ غالباً مسیحؑ کی نسبت جو آپ کی عادت ہو چکی ہے۔ اس نے آپ سے یہ کہلایا ورنہ نہ تو یہ کوئی قاعدہ ہے اور نہ کہیں خداوند تعالیٰ کا یا آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد ہے کہ قرآن مجید کی ہر ایک خبر کو کسی اعجوبہ پر خواہ مخواہ ضرور ہی مشتمل کرنا چاہیے۔

رہا اس کے ذکر کا فائدہ تو ہم مولوی صاحب کو انہی کے مفسروں کے قول سے بتا آئے ہیں اور اگر اعجوبہ ہی بنانا ہو تو پھر اس سے بڑھ کر کیا اعجوبہ ہے کہ پیدائش سے پہلے ہی اس مبشر کی نسبت جیسے اور امور غیبیہ بتائے ہیں۔ ایسا ہی یہ بھی بتا دیا کہ لڑکپن میں فوت نہ ہو گا بلکہ بڑا ہو گا۔ یہاں تک کہ کَھْلٌ ہو گا اور نہ گنگ ہو گا اور نہ پاگل ہو گا۔ میرے خیال میں تو یہ حضرات اگر اسی قدر سوچتے کہ خداوند تعالیٰ نے یُکَلِّمُ کے بعد اَلنَّاسَ کیوں فرمایا ہے۔

[1]۔ بیس سال والا فخل اور تیس سال والا کہل کہلاتا ہے۔ (از مرتب)

تو اس سے جس طرح ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اول کے معنے شیر خوارگی میں کلام کرنے کے نہیں بلکہ لڑکپن میں عقلمندانہ کلام کرنا ہے۔ اسی طرح ان کو دوسرے کے معنے بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ اس کے وہی دو فائدے ہیں جو کہ اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد بتایا کہ) وہ سنوار والے انبیاءؑ سے ہو گا۔

(بظاہر صالح کا لفظ ایک معمولی لفظ نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک عظیم الشان عظمت اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے انبیاء ورسلؑ ابو الانبیاءؑ حضرت ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ ویعقوبؑ جیسوں کی نسبت وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ[1] (الانبیاء:73) آیا۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ[2] (النحل:123) آیا ہے اور حضرت یوسف جیسوں نے بھی اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ[3] (یوسف:102) کی دعا فرمائی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک گروہ اور درجہ کا سنوار جدا حقیقت رکھتا ہے۔ پس انبیاءؑ میں سے جو دوسروں کی نسبت صالح قرار دیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ بہت اعلیٰ مقام قرب حاصل کرنے والے اور ملاء اعلیٰ میں داخل ہونے والے ہوتے ہیں۔

افسوس ہے ہمارے مولوی صاحبان نے مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وغیرھما میں کوئی اعجوبہ نہیں نکالا حالانکہ حق تو تھا کیونکہ مسیحؑ کے ساتھ ان میں اور بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد باوجودیکہ ابھی فرشتوں کی بشارت اور پیغام کا کچھ حصہ باقی ہے۔ یہ بتانے کے لئے (کہ مریمؑ اس بشارت سے اس قدر حیران ہوئی اور ایسی انہونی بات خیال کی کہ بشارت ختم ہونے سے پہلے ہی درمیان میں ہی بول اٹھی۔) جنابہ مریم کا قول اور اس کا جواب درمیان میں ذکر فرما دیا سو فرمایا کہ) مریم نے کہا کہ اے میرے رب کہاں (یا کس طرح یا کب) میرے لئے بیٹا ہو گا۔ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ اس نے (جواب میں) کہا کہ اسی کی مانند اللہ پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا پختہ ارادہ کرتا

---

[1]۔ اور ہم نے سب کو نیک بنایا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور وہ آخرت میں (بھی) یقیناً صالح لوگوں میں سے ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ صالحین (کی جماعت) کے ساتھ ملا دے۔ (تفسیر صغیر)

ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ (پہلی کتابوں اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے ثابت ہے کہ جو لڑکیاں بیت المقدس پر چڑھائی جاتی تھیں۔ وہ نہ شادی کیا کرتی تھیں اور نہ ایسا کرنا ان کے لئے جائز ہوتا تھا۔ تو اس بنا پر حضرت مریمؑ کو آئندہ کی نسبت جو کچھ خیال آسکتا تھا۔ وہ ظاہر ہے اور گذشتہ حالت تو ان کو معلوم ہی تھی۔

پس کچھ تعجب نہیں کہ گذشتہ اور آئندہ دونوں پر نظر کرنے سے ان کے خیال میں بیٹے کی بشارت سے حیرت اور تعجب پیدا ہوا ہو۔ لیکن قرآن مجید میں گذشتہ ہی کا ذکر ہے اور آئندہ کا مطلقاً ذکر نہیں۔ جس کی وجہ سے ہم یہی کہنے کے مجاز ہیں کہ ان کے خیال میں یہی آیا کہ سوائے کسی زائد امر کے اسی حالت میں اور ابھی بیٹا پیدا ہونے کی بشارت ہے۔ حالانکہ اب تک تو مَسِّ بشر نہیں ہوا تو پھر کس طرح بیٹا پیدا ہو گا۔ تو جواب ملا کہ جس طرح یہ پیدائش تمہاری سمجھ میں نہیں آتی اور مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح خداوند حکیم و قدیر کی اور پیدائشیں بھی ہیں۔ جو تمہاری سمجھ اور قدرت سے باہر ہیں۔ پر خدا تو وہ ہے کہ جس چیز کا وہ پختہ ارادہ کر لیتا ہے۔ تو بس اس کے ہو جا کہنے ہی سے اس کے ہونے کے جس قدر اسباب اور ضروریات ضروری ہوتے ہیں۔ وہ سب مہیا ہو کر اور سب موانع رفع ہو کر وہ چیز ہو ہی جاتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کے بن باپ پیدا ہونے یا نہ ہونے کی نسبت لوگوں میں بہت بڑا نزاع ہے اور انشاء اللہ میں بھی اپنی سمجھ کے مطابق قرآن مجید کے ان الفاظ پر بحث کروں گا کہ جن سے ان کے بن باپ پیدا ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے اور چونکہ یہاں پر وہ الفاظ نہیں آئے۔ اس لئے یہاں پر اس بحث کو نہیں شروع کیا جاتا۔ یہاں پر اگر وہ بیٹا ہونے سے تعجب کرتی ہیں تو حضرت زکریاؑ بھی تعجب کرتے ہیں۔ اور اگر ان کو كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ جواب ملتا ہے تو حضرت زکریاؑ کو بھی كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ[1] (آل عمران:41) جواب دیا گیا ہے۔ اور رہا كُنْ فَيَكُوْنُ تو ہم دیکھتے ہیں کہ سب اشیاء اسی الٰہی ارشاد کے ماتحت پیدا ہوتی ہیں اور وہ سب کی سب بے اسباب اور دفعۃً نہیں پیدا ہوتیں بلکہ كَذٰلِكَ کے وہ معنے کئے جاویں جو کہ اوپر

[1] ۔ اللہ ایسا ہی (قادر) ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

ذکر ہوئے ہیں اور جو کہ مفسرین نے پسند کئے ہیں۔ تب تو یہ عام مشاہدہ اور عام خلق اشیاء کی مانند ٹھہرے گا۔ اور كَذٰلِكَ کے اور معنے بھی کئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ایسی ہی قدرت والا اللہ ہے جو جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ تو پھر كُنْ فَيَكُوْنُ سے عام طریق خلق کے مطابق ٹھہرتا ہے۔ بہر حال یہاں پر کوئی ایسا لفظ نہیں جس پر کچھ بحث کی جائے۔

اس سوال وجواب کے بعد پھر بشارت کا باقی حصہ یوں بیان فرمایا کہ) اللہ اس کو کتاب اور پکی باتیں اور توریت اور انجیل سکھائے گا۔ اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول (بنا کر) بھیجے گا کہ میں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشان لایا ہوں۔ (کتاب کے معنے، جیسے کتاب ہوتے ہیں، ایسے ہی لکھنے کے بھی ہوتے ہیں اور یہاں پر چونکہ توریت وانجیل کا بعد میں ذکر آگیا ہے۔ اس لئے محققین نے اس کے معنے لکھنے کے لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور ابن جریج سے بھی یہی مروی ہیں۔ اور جبائی اور بعض اور نے اس سے توریت و انجیل کے سوا بعض اور انبیاءؑ کا کوئی صحیفہ لیا ہے۔ اور بعض نے ال جنسی قرار دے کر جنس کتاب لی ہے۔ اور حکمت سے پختہ اور مفید ترین امور مراد ہوتے ہیں۔

اور انجیل کے معنے بشریٰ کے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض روایتوں میں حضرت مسیحؑ کی انجیل کا نام بشوریٰ آیا ہے اور جس طرح عیسائی لوگ حضرت یحییٰؑ (جن کو وہ یوحنا کہتے ہیں) کی اصل غرض مسیحؑ کی بشارت دینی بتاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کی بعثت کی اصل غرض انجیل اور قرآن مجید سے یہی ثابت ہوتی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی بنی اسرائیل کو بشارت دینے اور ان سے آپ کی اتباع کا عہد لینے کے لئے آئے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے زندگی میں بھی بشارت دی اور جدائی کے وقت بھی کہا کہ میرا جانا ہی بہتر ہے۔ تاکہ وہ آئیں جو کہ مجھ سے افضل اور قوی تر ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید نے بھی ان کو مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ[1] الخ (الصف:7) کے عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اس کے بعد اس آیت اور نشان کو بیان فرماتے ہیں۔ جس کی انہوں نے بِاٰيَةٍ کے مفرد لفظ کے ساتھ خبر دی تھی اور اسی مفرد کے ملحوظ رکھنے سے یہ امر حل ہو جاتا ہے کہ بعد میں

[1]۔ ایک ایسے رسول کی بھی خبر دیتا ہوں۔ (تفسیر صغیر)

جو مختلف امور بظاہر ذکر ہوں گے۔ حقیقۃً وہ اسی ایک نشان کی مختلف تشریحیں ہوں گی نہ کہ مختلف امور بلکہ وہ مختلف تمثیلیں ہوں گی۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ تمثیل سے کلام کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے مفصل لکھا ہے۔ اور وہ تمثیلیں اس ایک نشان کے بیان کے لئے یہ بتائیں ہیں کہ) میں تیار کروں گا۔ تمہارے لئے کیچڑ سے پرندہ کے طریقے پر۔ (یا پرندہ کے مہیا اور درست کرنے کی مانند) پھر میں اس کیچڑ میں پھونکوں گا۔ تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والا ہو جائے گا۔ (پھر اسی کو دوسری تمثیل میں یوں بیان فرمایا کہ) میں اندھوں اور برص والوں کو چنگا کروں گا۔ (پھر تیسری تمثیل میں اسی کو یوں فرمایا کہ) میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کروں گا (اور ان کے بعد اصل مقصد کی طرف انتقال ذہن کرانے کے لئے فرمایا کہ) میں تم کو اس کی خبر دوں گا۔ جو کہ تم کھاتے ہو اور جس کو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ (اور اخیر میں اس بات کی تائید کے لئے کہ یہ سب ایک ہی نشان ہیں نہ جدا جدا تا کہ اصل مطلب کے فہم میں غلطی نہ ہو فرمایا کہ) یقیناً ہی اس مذکور میں تمہارے لئے نشان ہے اگر تم مومن ہو۔

(بات تو بالکل واضح اور آسان تھی کہ ہر ایک چیز اور ہر ایک شخص کی صداقت اور گہراپن کا اصلی اور حقیقی اور زبردست نشان اور آیت یہی ہے کہ جس اثر اور تاثیر اور ثمرہ کا اس میں دعویٰ کیا جاتا ہے۔ وہ اس سے ظاہر اور مترتب ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر اور مسلمۂ کل ہے۔ تو اس بنا پر نبی اور رسول کا اصلی اور حقیقی نشان یہ ہو گا کہ جس کمال کا وہ مدعی ہے اور ساری دنیا موافق اور مخالف اس کمال کو بخوبی جانتی ہے۔ وہ اس میں پایا جائے، اور وہ کمال دو جزئوں سے مرکب ہے نمبر 1۔ یہ کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے روحانی تزکیہ کے لئے علوم حقہ حاصل کر کے دنیا کو بتائے۔ نمبر 2۔ یہ کہ اس میں ایسی قوت قدسیہ ہو کہ جس کے ساتھ وہ ان کو جو کہ اس کے اتباع کو اختیار کریں، خارق عادت طور پر تزکیہ کر کے اور ان علوم حقہ کی اتباع کی ان میں سچی روح پھونک کر خداوند تعالیٰ کی طرف ان کی رفتار کو ایسا تیز اور درست کر دے کہ جس کی نظیر دوسروں میں نہ ہو۔ اگر ہو تو اسی کے ہم رنگوں کی اتباع میں ہو۔

اسی مجموعہ کمال کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اپنی دعا میں یوں بیان کیا ہے کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ[1] (البقرۃ:130) اور پھر جب ان کی دعا قبول ہوئی۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کی نسبت یوں خبر دی کہ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[2] (الجمعۃ:3) اور اس کمال کو یا اس کی کسی جزو کو کبھی احیاء اموات اور کبھی اسماع اموات وغیرہ تمثیلات اور عنوانات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کے اسی کمال کی نسبت ایک مقام پر فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ[3] (الانفال:25) اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ۔[4] (النمل:81)

مسیحؑ تمثیلات میں ضرب المثل:

اور پھر حضرت مسیحؑ تو تمثیلات میں ضرب المثل ہی ہیں۔ تو حضرت مسیحؑ نے جس ایک نشان کا بیان کرنا تھا وہ یہی کمال تھا۔ جس کو پہلے تو یوں بتایا کہ جس طرح ایک پرندہ بے جان اور بے حس و حرکت انڈے کو ایک خاص طریق سے تیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک زندہ اور حس و حرکت والا بلکہ اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی خاکی انسان کو بشرطیکہ وہ اپنی اصل کیچڑ کی طرح قابلیت بھی رکھتا ہو تیار کروں گا اور پھر اس میں ایسی روحانی زندگی والی روح پھونگ دوں گا کہ وہ خدا کی طرف پرواز کرنے والا ہو جاوے گا۔

اور میں بتا چکا ہوں کہ خلق کے معنوں میں سے ایک گھڑنے اور تیار کرنے کے ہیں اور هَيْئَةٌ کی نسبت مفسرین ہی نے لکھا ہے کہ یہ مصدر ہے۔ جس کے معنے مہیا اور درست اور تیار کرنے کے ہیں۔ اور پھر جو معنے آیت کے وہ کرتے تھے (کہ میں پرندے کی شکل

---

[1] ۔اے ہمارے رب! (ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو) انہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔وہی خدا ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو جب کہ وہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے پکارے۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔تو ہرگز مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو ہی (اپنی) آواز سنا سکتا ہے۔ (خصوصاً) جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

کی مانند کیچڑ سے بنا کر اس میں پھونکوں گا، تو وہ پرندہ ہو جاوے گا۔) ان کے مناسب یہ مصدری معنے نہ ہوتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ یہ ہے تو مصدر۔ پر بمعنے اسم مفعول، یعنی تیار کی ہوئی چیز کے ہے۔

لیکن الحمد اللہ کہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو وہ معنے بتائے کہ لفظ قرآنی کو اپنے اصلی معنوں سے پھیرنے کی ان میں ضرورت نہیں پڑتی اور نہ حضرت مسیحؑ کو انبیاء کی جماعت سے نکال کر خداوند تعالیٰ کی کسی خاص صفت میں شریک کیا جاتا ہے اور نہ ہی ایک نشان کو بیان میں بہت نشان بنایا جاتا ہے۔ مفسرین نے تو یہ کمال کیا ہے کہ مذکورہ بالا معنے کر کے کہہ دیا ہے کہ وہ کیچڑ کا بت حقیقت میں پرندہ ہو جاتا تھا اور پھر ان میں سے بعض نے تو کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد مر جایا کرتا تھا۔ لیکن بعض نے یہ فرق نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بعض کا خیال ہے کہ چمگادڑیں انہی کی مخلوق ہیں اور دوسری تمثیل میں اسی کمال کو اس طور پر بیان کیا کہ اندھوں اور برص والوں کو میں چنگار کروں گا۔ اور تیسری میں اسی کو اس طرح بیان کیا کہ میں مردوں کو زندہ کروں گا۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اِحْیَاءٌ کے وصف کو اپنے لئے مختص فرمایا ہے اور باوجود اس کے پھر انبیاءؑ کی طرف بھی اس کو نسبت کیا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کے لئے اس کے اور معنے ہیں اور پھر ہم اپنے علماء اور مفسرین کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مسیحؑ کے سوا دوسرے انبیاءؑ بلکہ خصوصاً سید ولد آدم اور افضل الرسل کے لئے بھی احیاء سے وہ احیاء نہیں مراد لیتے جو خداوند تعالیٰ سے مخصوص ہے بلکہ اس سے روحانی احیاء مراد لیتے ہیں۔

اور اسی طرح انبیاءؑ کو روحانی طبیب ساری دنیا جانتی اور کہتی ہے۔ پس معنے تو ہم نے بھی وہی کئے ہیں جو کہ دوسرے مفسرین نے کئے ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ ہم نے وہ روحانی احیاء لیا جو کہ وہ بھی دوسروں کے لئے لیا کرتے ہیں اور جس سے خداوند تعالیٰ کی وصف خاص میں کسی کی شرکت نہیں لازم آتی اور نہ ایک آیت کا چار آیتیں بننا لازم آتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے طرز کلام کے نہ سمجھنے سے مسیحیوں نے بھی اپنی کتابوں میں جو کچھ بنایا ہے۔ سو بنایا ہے اور ہمارے علماء نے بھی جو کچھ لکھا ہے سو لکھا ہے اور قرآن مجید تو چونکہ

عالم الغیب خدا کا کلام ہے۔ جو کہ پہلے سے جانتا تھا کہ لوگ فلاں مقام پر فلاں غلطی یا فلاں اعتراض کریں گے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ اس کے ازالہ کا بندوبست پہلے سے کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے اٰیَۃٌ کو اول اور آخر مفرد رکھ کر غلط بیانی کی جڑھ کاٹ دی اور پھر اس کے علاوہ دوسری محکمات پر نظر کی جائے۔ تب تو بات بالکل ہی واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد روحانی جماد بننے یا روحانی اندھے یا مبروص بننے یا میت ہو جانے کے اسباب اور ان کے ازالہ کے طریق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان سے روحانی معنے مراد ہیں نہ جسمانی۔ اخیر میں فرمایا کہ) میں ان چیزوں کی نسبت تم کو خبر دوں گا جو کہ تم کھایا کرتے ہو اور جو کہ تم ذخیرہ کیا کرتے ہو۔ (اور یہ خبر بھی وہی ہو سکتی ہے جو کہ انبیاءؑ ورسل کی شان کے ساتھ مناسب ہے۔ نہ وہ جو کہ نجومی اور رمالوں اور کاہنوں کی شان سے متعلق ہے۔

اور ظاہر ہے کہ انبیاء کا یہی طریق ہے کہ وہ ان ناجائز اور ناپسندیدہ کاموں اور کھانوں اور پینوں اور کمانے کے طریقوں وغیرہ اعمال وعقائد اور اخلاق پر متنبہ کیا کرتے ہیں۔ جو کہ انسان کی روحانیت کے جمود اور مریض اور ہلاک کرنے اور خداوند تعالیٰ کے ناراض کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور ان سے منع کر کے بجائے ان کے وہ عقائد اور اعمال واخلاق بتایا کرتے ہیں۔ جو کہ روحانی حرکت و پرواز اور صحت و حیات کے موجب اور الٰہی رضامندی کے باعث ہوا کرتے ہیں اور چونکہ یہود لوگ علاوہ اور دوسری اعتقادی اور اعمالی اور اخلاقی خرابیوں کی حرام خوری میں بہت ترقی کر گئے تھے۔ اور جب مال وجاہ ہی ان کی اکثر خرابیوں کی جڑھ تھی۔ لہٰذا بالخصوص یہاں پر ان کے کھانوں اور مالوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اور مفسرین نے جس طرح پہلے تینوں جسمانی رنگ میں لے کر جدا جدا تین نرالی خصوصیتیں مسیحؑ کے لئے ثابت کی ہیں۔ اسی طرح یہاں پر بھی یہی لیا ہے کہ رمالوں اور کاہنوں کی طرح یہ پتہ دیں گے کہ آج فلاں نے فلاں چیز کھائی ہے اور اس کے گھر میں فلاں فلاں چیز یا اس قدر چیز ہے۔ اور اس کے بعد بتایا ہے کہ جس نشان کی یہ تمثیلیں بیان کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ نشان تو عظیم الشان ہے۔ بشرطیکہ تم ایمان لانے والے ہو، یعنی

اس کے نشان ہونے میں تو کئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن تم اپنی بے ایمانی کی وجہ سے انکار کرو گے۔ اور پھر اس کے بعد ایمان لانے کی ضرورت بتانے کے لئے اور اس کے ضمن میں ایک اور نشان بتانے کے لئے یہ بھی بتایا کہ وہ یہ بھی کہنے والا ہو گا کہ میں) مصدق ہو کر آیا ہوں۔ اس توریت کے لئے جو میرے آگے ہے (کہ تمہارے اختلاف کو مٹاؤں اور تمہیں حق بتاؤں) اور تا کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو حلال کروں جو کہ تم پر حرام کی گئی ہیں۔ (یعنی خدا نے تو حرام نہیں کی تھیں لیکن جاہل رہبانوں اور فقیہوں نے وہ حرام کر دی ہیں۔)

مصدق کی نسبت میں بارہا بتا چکا ہوں کہ ایک یہ معنے ہیں کہ ان پیشین گوئیوں کو سچا کرنے والا ہوں جو کہ پہلی کتاب میں اس عہدہ والے کی نسبت تھیں۔ دوم یہ کہ مرورِ زمانہ سے اس کے معانی اور مطلب میں بہت کچھ غلطی اور اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ جس کا فیصلہ اور ازالہ ناممکن تھا۔ جب تک خداوند تعالیٰ خود کسی کو علم دے کر اور اپنی تائید سے مؤید کر کے اس کے لئے مامور نہ کرے۔ سو جس طرح بالادست حکام کی تصدیق کے سوا کاغذات قابل عمل نہیں رہتے۔ اسی طرح پہلی کتاب بھی اس مصدق کی تصدیق کے سوا قابل عمل نہیں رہتی۔ تو جس طرح اس کتاب کی پیشین گوئیوں کے مطابق آنے والے کے انکار سے اس کتاب کا انکار اور اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جیسے کہ آجکل یہود مسیحؑ کی آمد ہی سے منکر ہو رہے ہیں۔ تو اسی طرح دوسرے معنوں والے مصدق کی تسلیم کے سواء بھی اس کتاب پر عمل درآمد قابل قبولیت نہیں رہتا۔

تو اس وجہ سے حضرت مسیحؑ اپنے دونوں معنوں سے مصدق ہونے کا ذکر کر کے اپنے پر ایمان لانے کی ضرورت بتاتے ہیں اور حلت و حرمت کے ذکر کو بھی اسی وجہ سے ذکر کیا ہے تا کہ یہ ثابت ہو کہ جب اہم امور میں دست اندازی ہوئی ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ پہلی کتاب پیشین گوئیوں کے مطابق ثابت ہو جانا یا اس کے اختلافات کا فیصلہ اور غلطیوں کا کماحقہ ازالہ کر دینا بھی ایک عظیم الشان نشان ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد پھر فرمایا ہے کہ) ضرور مَیں تمہارے پاس ایک (دوسرا) نشان تمہارے

رب کی طرف سے لایا ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (اور دوسرا نشان میں نے اس واسطے کہا ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو دوبارہ نکرہ لایا جائے۔ جیسا کہ یہاں پر اٰیَۃٌ کو لایا گیا ہے۔ تو اس سے دوسری چیز مراد ہوتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی صریح قرینہ اوّل ہی ہونے کا موجود نہ ہو۔ جیسا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَۃً میں صاف قرینہ موجود ہے کہ اس سے پہلی ہی اٰیَۃٌ مراد ہے۔

جب حضرت مسیحؑ اپنا دعوٰئے رسالت اور اس کی آیات اور اپنے پر ایمان لانے کی ضرورت بتا چکے تو اب اپنی رسالت کا اصل مدعا اور اپنے پر ایمان لانے اور اپنی اطاعت کی اصل غرض بیان کرتے ہیں کہ) بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ لہٰذا تم اسی کی سچی فرمانبرداری کرو۔ ہاں یہی سیدھی راہ ہے (یعنی مجھ پر جو فضل اور انعام ہوئے ہیں جو کہ اس وقت تم دوسرے لوگوں میں نہیں پاتے۔ وہ میرے رب نے مجھ پر کئے ہیں اور میرا رب اللہ ہی ہے اور تمہارا رب بھی اللہ ہی ہے۔ سو تم پر اگر یہ فضل نہیں ہوا تو اسی وجہ سے کہ تم نے اس کو اپنا رب نہیں پہچانا اور اگر زبانی طور پر مانا بھی ہے تو عملی طور پر تم نے اس کو اپنا رب نہیں قرار دیا۔ کیونکہ جیسا رب کا یہ کام ہے کہ جو کچھ خیر انسان کو ملے اس سب کا دینے والا وہی ایک ہو۔

اسی طرح بندے اور رب والے کا یہ کام ہے کہ وہ ایک اسی کی فرمانبرداری میں رہے دوسرے کسی کی بھی اگر وہ کسی امر میں فرمانبرداری کرے تو اسی وجہ سے کرے کہ اس کے رب نے اس کو یہ حکم دیا ہے۔ پر تم تو وہ ہو جن کی نسبت صادق آتا ہے کہ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] (التوبۃ:31) اس وجہ سے تم ان خاص فضلوں سے محروم ہو جو کہ وہ اپنے بندوں پر بندہ ہونے کی حیثیت سے کیا کرتا ہے۔ لہٰذا تمہیں لازم ہے کہ تم بھی اسی کی سچی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر بھی وہ فضل ہوں جو بندوں پر بندہ ہونے کی وجہ سے ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور ان کے حاصل کرنے کی یہی سیدھی اور بے تکلیف و بے خطر راہ ہے۔ جس طرح حضرت مسیحؑ کے اس بیان میں جو بات خصوصیت سے ملحوظ رکھنی ہے اور جس کے مطابق نتیجہ بعد میں آنے والا ہے۔ وہ وہ امور ہیں جن سے ان کی

[1]۔ انہوں نے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

الوہیت کا ابطال ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میں ان کا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ بھی نتیجہ کے نکالنے کیلئے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد ان کی تبلیغ دعوت کے بعد کے کچھ ایسے حالات بیان فرمائے جاتے ہیں۔ جن سے ان کے پہلے حال کی طرح ایک تو ان کی الوہیت کا ابطال ہوتا ہے۔ دوسرا ان کا اصطفاء ثابت ہوتا ہے تو فرمایا کہ) اس کے بعد جب عیسیٰؑ نے ان سے کفر تاڑ لیا تو کہا کون اللہ کی طرف نظر کر کے میری مدد کرنے والے ہیں۔ (اور یہ بھی کہ اللہ کی طرف بلانے والے کون میرے مددگار ہیں۔) کیونکہ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ کے دونوں معنے صحیح اور درست ہیں اور قوم کا کفر تاڑنے کے بعد ان دونوں باتوں کی ضرورت بھی پیش آگئی تھی۔ اول تو اس لئے کہ انہوں نے اپنے کفر پر مصر ہونے کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کے دکھ دینے، بلکہ قتل کرنے اور لعنتی قرار دینے کے لئے صلیب دے کر قتل کرنے کی ٹھان لی تھی۔ جیسا کہ سب انبیاءؑ کے لئے یہ پیش آتا رہا ہے۔ سو اس وجہ سے ضرورت تھی کہ کوئی ان کے مددگار بھی ہوں۔

چنانچہ جیسا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ یہود کے اس منصوبہ سے بچنے اور بچانے کا ظاہری ذریعہ بھی یہی انصار ہوئے تھے اور اس آیت سے اس بیان کی صاف صاف تائید ہوتی ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے یہاں پر یہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ آنے والے نتیجہ کے ترتب میں اس کو بھی دخل ہے۔ نیز اس سے مسیحؑ کا غایت درجہ کا عجز ثابت ہو کر ان کی الوہیت کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ اور دوم اس طرح کہ حضرت مسیحؑ چونکہ سب بنی اسرائیل کی طرف آئے تھے اور تاریخ اور بائبل سے ثابت اور دنیا کو مسلم ہے کہ اس وقت اس ملک کے بنی اسرائیل کی 12 قوموں میں سے چند ہی ایک جو نہایت کمزور تھیں۔ اس ملک میں رہ گئی تھیں اور باقی سب اس سے پہلے تتر بتر ہو کر دوسرے ملکوں میں چلی گئی تھیں۔

جن کی نسبت [1] اب یقین کیا گیا ہے کہ وہ اس وقت افغانستان اور کشمیر وغیرہ بلاد میں آکر آباد ہو گئی تھیں۔ تو جب حضرت مسیحؑ ان میں تبلیغ کر چکے اور حجت پوری کر دی اور چند ایک کے سوا باقی کفر پر مصر ثابت پائے گئے۔ تو اب ضروری ہوا کہ حضرت مسیحؑ اپنے اتباع

[1] ۔ نوٹ: دیکھو مسیح ہندوستان مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (از رسالہ تعلیم الاسلام)

کے سنبھالنے اور باقی میں دعوت جاری رکھنے کا کام کسی کے سپرد کر کے خود دوسری اقوام بنی اسرائیل کی دعوت کا حق ادا کرنے کے لئے ان کے بلاد میں جائیں اور نیز ان کے آئندہ کے شر سے بھی محفوظ ہوں۔ تو اس لئے اور اس غرض سے آپ نے انصار طلب کئے تو فرمایا کہ) حواریوں نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ (یعنی اللہ کے رسول کی مدد کرنا یا اللہ کے دین کی اشاعت میں مدد دینا۔ چونکہ الٰہی مدد ہے۔ لہٰذا ہم بخوشی امداد کا وعدہ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ بیان کیا کہ) ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اور تو گواہ رہو (یا تو گواہی دے) کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ (یعنی تو ہم کو اس خدمت کے لئے قبول فرما کر ایمان کے دعوے میں صادق، یعنی فرمانبردار ہونے کی شہادت ہمیشہ کے لئے عِنْدَاللّٰہِ اور عِنْدَالنَّاسِ قائم کر دے۔

پھر جس طرح حواریوں کے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ۔ اِنَّا مُسْلِمُوْنَ کہنے سے جس طرح ان کے اعتقاد کا پتہ ملتا ہے۔ اسی طرح یہ بتانے کے لئے کہ وہ مسیحؑ کے لئے کسی قسم کی الوہیت تجویز نہ کرتے تھے اور نہ اس کو الٰہی کاموں میں دخیل جانتے تھے۔ فرمایا کہ حواریوں نے اس کے بعد یہ دعا کی کہ) اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو کہ تو نے نازل فرمایا ہے اور ہم نے (تیرے) اس رسول کا اتباع اختیار کیا ہے۔ سو تو ہم کو ان میں لکھ (مقرر فرما) جو کہ (دوسرے لوگوں کے لئے) نمونہ ہوتے ہیں (یا جو کہ تیرے نازل کئے ہوئے کی حقانیت اور تیری ذات و صفات اور تیرے رسول کی رسالت کی لوگوں کے آگے قول و فعل سے شہادت دینے والے ہوتے ہیں۔)

(اور شاہد کے یہ دونوں معنے آتے ہیں اور یہ دونوں یہاں پر مراد ہو سکتے ہیں۔ اور ان کا خداوند تعالیٰ سے اس امر کی دعا مانگنا باوجودیکہ مسیحؑ ان میں موجود تھا۔ صاف دکھاتا ہے کہ مسیحؑ کو الوہیت کے کاموں میں کسی قسم کا دخیل اور متصرف ہرگز وہ نہ خیال کرتے تھے۔ اس کے بعد مسیحؑ کے واقعہ صلیب کی طرف بالاجمال اشارہ کرنے کے لئے (جو کہ آپ کے عجز کا صریح نشان ہے) فرمایا کہ) انہوں نے (جن سے کفر تاڑا تھا) خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ نے بھی ان سے خفیہ تدبیر کی۔ پر اللہ سب خفیہ تدبیریں کرنے والوں سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

(اس میں اس سارے واقعہ کی نسبت اشارہ ہے۔ جو کہ حضرت مسیحؑ کے قتل اور

مصلوب کرنے کے لئے یہود نے اور ان کے مقابلہ میں جو خداوند تعالیٰ نے آپ کے قتل سے بچانے اور صلیب سے زندہ اتارنے کے لئے کیا تھا اور بعد اتارنے کے تا صحت ان کے مخلصوں کے پاس حفاظت کے ساتھ رکھا تھا اور بعد صحت عنایت کرنے کے باسلامت ان کو دوسرے بنی اسرائیل کی تبلیغ کے لئے کشمیر اور افغانستان بھیج دیا تھا۔ اور پھر اسی اجمالی اشارہ کو بیان کرنے کے لئے آگے فرمایا کہ

آیت 56 تا 64: اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ۔

تشریح الفاظ:

مُتَوَفِّیْكَ۔ تَوَفِّیٌ سے ہے۔ جو کہ لفظ وفات سے ہے۔ یہ لفظ جب ذی روح کے لئے آتا ہے اور فاعل وہ ہو جو کہ قبض روح کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے معنے بجز قبض روح کے اور کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اور پھر اگر نَوْمٌ وغیرہ کوئی صریح قرینہ ساتھ مذکور ہو۔ تب تو وہ قبض روح مراد ہوتا ہے۔ جس کے بعد پھر روح دنیا میں واپس آسکتی ہے۔ پر جب یہ قرینہ مذکور نہ ہو۔

تب اس سے وہ قبض روح مراد ہوتا ہے کہ جس کے بعد روح پھر اس دنیا میں نہیں آسکتی۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے دونوں باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى[1] (الزمر:43)

اور حضرت امام بخاریؒ نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ[2] (المائدۃ:118) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کر کے مُتَوَفِّيْكَ کے معنے مُمِيْتُكَ کئے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن باب ماجعل اللہ من بحیرۃ...)

تاکہ ثابت ہو کہ تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے بھی اَمَتَّنِيْ (تو نے مجھے مار دیا) ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث لائے ہیں کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ میں حوض کوثر پر لوگوں کو پانی پلاتا ہوں گا۔ اس وقت میرے صحابہؓ میں سے کچھ لوگ میری طرف آنا چاہیں گے اور فرشتے میرے اور ان کے درمیان میں حائل اور روک ہو جاویں گے۔ تب میں کہوں گا کہ اَصْحَابِيْ اَصْحَابِيْ (یہ میرے ساتھی ہیں) تو وہ کہیں گے کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ) وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔

(صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم... حدیث 3349)

(تو میں بھی ویسا ہی کہوں گا۔ جیسے کہ صالح بندے عیسیٰؑ نے کہا ہے کہ میں ان پر نگران تھا۔ جب تک کہ میں ان میں تھا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی نگہبان تھا ان پر۔) جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے بجز موت کے ساتھ قبض روح کرنے کے اور کچھ نہیں۔ تو جب آنحضرت ﷺ کے لئے یہ معنے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اس کے یہی معنے ہیں تو ظاہر ہے کہ

---

[1]۔ اللہ ہر شخص کی روح اس کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی (اس کی روح) اس کی نیند کے وقت (قبض کرتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا حکم جاری کر چکا ہوتا ہے اس کی روح کو روکے رکھتا ہے اور دوسری کو ایک مدت مقررہ کے لئے واپس کر دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ (تفسیر صغیر)

جب اس کے یہ معنے ہیں تو پھر مُتَوَفِّيْكَ کے بھی یہی معنے ہیں۔ باقی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں آئے گی۔

اَحْكُمُ۔ حُكْمٌ سے ہے۔ فیصلہ کرنا اور حکم دینا۔

يُوَفّٰى۔ تَوْفِيَةٌ سے ہے۔ جو وَفَاءٌ سے ہے۔ پورا کرنا اور پورا دینا۔

اُجُوْرٌ۔ اَجْرٌ کی جمع ہے، مزدوری۔

نَتْلُوْ۔ تِلَاوَةٌ سے ہے۔ پڑھنا۔

ذِكْرٌ۔ نصیحت، یادداشت اور قرآن مجید کا نام بھی ہے کیونکہ وہ وعظ و نصیحت ہے اور فطرتی امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وہ یاد دہانی بھی ہے۔

مَثَلٌ۔ حالت۔

مُمْتَرِيْنَ۔ اِمْتِرَاءٌ سے ہے اور وہ مِرَاءٌ سے ہے۔ جس کے معنے عموماً جھگڑنے کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا[1] (الکہف:23) ہاں اِمْتِرَاءٌ کے معنے کبھی شک کرنے کے بھی آئے ہیں۔ لیکن چونکہ اصل معنے جھگڑنے کے ہیں اور اس کے بعد فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ الخ آیا ہوا ہے۔ جس کے معنے یقیناً جھگڑنے کے ہیں۔ تو وہ بھی اس کا زبردست قرینہ ہے کہ یہاں پر اس کے معنی بجز جھگڑنے کے اور کچھ بھی ہرگز نہیں ہیں۔

تَعَالَوْا۔ یہ امر ہی آتا ہے ماضی مضارع نہی وغیرہ افعال اس سے نہیں آتے اور اس کے اصل معنے تھے اوپر آؤ۔ لیکن اب اس کے معنے ہو گئے ہیں، آؤ۔

نَبْتَهِلْ۔ اِبْتِهَالٌ سے ہے۔ جس کے معنے گڑگڑا کر مانگنے کے ہیں اور اسی سے مباہلہ کا لفظ بھی ہے۔

نَجْعَلُ۔ جَعْلٌ سے جس کے معنے بنانے اور رکھنے اور ڈالنے کے بھی آتے ہیں۔

لَعْنَةٌ۔ خداوند تعالیٰ اور اس کی رحمت سے ہمیشہ کے لئے دور کر دینا۔

قَصَصٌ۔ یہ لفظ دو طور پر آتا ہے ایک قَصَصٌ ق کی زبر کے ساتھ۔ دوم قِصَصٌ ق کی

[1]۔ پس تو ان کے متعلق مضبوط بحث کے سوا کوئی بحث نہ کر۔ (تفسیر صغیر)

زیر کے ساتھ۔ تو اول بمعنے بیان کرنے کے ہے اور دوم قصہ کی جمع بمعنے قصہ کہانیوں اور افسانوں کے ہے اور یہاں پر اول ہے نہ ثانی۔

ترجمہ:

جب کہ اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں خود تیری روح کو قبض کرنے والا۔ (تجھ کو وفات دینے والا۔) اور تجھے بلند کرنے والا اور تجھ کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا۔ ان سے جو کہ کافر بنے ہیں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوئے ہیں۔ ان کو ان لوگوں پر جو تیرے منکر بنے ہیں قیامت کے دن تک فوقیت (غلبہ) دینے والا ہوں۔ پھر میری ہی طرف تمہارا رجوع ہو گا۔ تو میں تمہارے درمیان ان امور میں فیصلہ کروں گا کہ جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

سو جو لوگ کافر بنے تھے۔ تو میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اور ان کے لئے کوئی مددگاروں سے نہ ہو گا۔

ولیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوارنے والے عمل کے ہیں۔ سو ان کو ان کے اجر پورے پورے دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (اور نہ کرے گا)۔ اس (دور کے بیان) کو یعنی نشانوں اور مضبوط نصیحت (اور یاد دہانی) کو ہم تجھے سناتے ہیں۔

بے شک عیسیٰ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت جیسی ہے کہ اس نے اس کو مٹی سے تیار کیا تھا پھر کہا تھا کہ ہو، سو وہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ حق تیرے رب کی طرف سے (کھل چکا) ہے۔ لہٰذا آئندہ تم جھگڑا کرنے والوں سے نہ ہو۔

سو جو کوئی تم سے اس میں اس کے بعد جھگڑا کرے کہ تمہارے پاس اس کے علم سے (کافی حصہ) آچکا ہے۔ تو تم کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو بلائیں۔ پھر گڑگڑا کر دعا کریں (یا لعنت کی دعا کریں یا مباہلہ کریں۔) تو اللہ کی لعنت جھوٹوں پر ڈالیں۔ بے شک یقیناً یہ حق بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی متصرف معبود نہیں ہے اور بے شک یقیناً اللہ ہی بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ سو اگر وہ پھر جاویں تو یقیناً اللہ مفسدوں کو جاننے والا ہے۔

تفسیر:

(پہلے سے اس قدر تو معلوم ہو گیا تھا کہ انہوں نے مسیحؑ کے خلاف کوئی بری تدبیر خفیہ طور پر کی تھی اور یہ بھی کہ خداوند تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں آپ کے مفید کوئی خفیہ تدبیر فرمائی تھی۔ اور یہ بھی کہ ان کی وہ مخالفانہ تدبیر کام نہ آئی اور خداوند تعالیٰ کی تدبیر غالب اور مفید پڑی تھی۔ لیکن اس سے زائد یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کیا وہ ان کو کوئی معمولی تکلیف مثل قید، استہزاء، مار پیٹ اور جلاوطنی کے دیتے تھے یا کہ وہ مارنے اور ہلاک کرنے کی تھی۔ اور نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر وہ ہلاکت ہی کی تھی۔ تو پھر اس سے ان کی نبوت و رسالت اور ان کے سلسلہ پر بھی کوئی برا اثر ڈالا چاہتے تھے۔ یا محض ان کی ذات ہی کا قتل کرنا ان کا مقصود تھا۔ تو ان باتوں کی طرف کسی قدر توجہ دلانے اور اشارہ کرنے کے لئے اس وقت اور اس واقعہ کی نسبت حضرت مسیحؑ کو جو تسلی بخش پیشین گوئی دی گئی، وہ یہاں پر ذکر فرمادی اور فرمایا کہ وہ خفیہ تدبیر اس وقت ہوئی تھی۔)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے عیسیٰ ضرور میں خود تجھے وفات دینے والا ہوں۔ (یعنی انہوں نے عیسیٰؑ کے قتل کرنے کا ایسا سخت منصوبہ باندھا تھا کہ جس سے عیسیٰؑ کو اپنی ہلاکت کا قریباً یقین ہو گیا تھا۔) جیسا کہ پیشین گوئی کے اول میں لفظ اِنِّیْ لانے سے معلوم ہوتا ہے۔ تو جب وہ اس سے نہایت مضطرب اور پریشان ہو کر ہم سے التجاء اور دعا کرنے لگا تو ہم نے بڑے زور سے اسے کہا کہ وہ تجھے ہرگز قتل نہ کر سکیں گے۔ بلکہ ہم خود ہی تجھ کو طبعی موت سے وفات دیں گے اور یہاں پر بجائے مسیحؑ کے عیسیٰ کے نام سے اس لئے ذکر فرمایا کہ مسیح عہدۂ رسالت کے لحاظ سے نام ہے اور اس لحاظ سے کوئی نبی اور کوئی نہیں رسول مرا کرتا بلکہ وہ بشریت کے لحاظ سے مرا کرتے ہیں۔ جس کے لحاظ سے حضرت مسیحؑ کا نام عیسیٰؑ تھا۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ ضرور میں) تجھے بلند کرنے والا ہوں۔ (یعنی وہ تو اس قتل کے منصوبہ سے تجھے ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انبیاءؑ کی سب سے بڑی ذلت یہی ہے کہ ان کی نبوت و رسالت اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر کوئی حرف آجائے۔ اور ان بے دین یہود نے ایسا ہی کرنا چاہا بھی تھا۔ کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ مسیحؑ کے سلسلہ کی تخم ریزی

اس قدر اور اس طور پر ہو چکی ہے کہ اب اس کا روکنا محال ہے۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ اب بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں کہ مسیحؑ کی رسالت کے ابطال کے لئے کوئی ایسی زبردست شہادت پیدا کی جائے جس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہم اس کی اتباع سے روک سکیں۔ ورنہ تو اگر مسیحؑ مر بھی جائے یا جلاوطن بھی کیا جائے تو بھی اس کا سلسلہ پھیلنے سے اب نہیں رک سکتا۔

اس طرف بائبل میں انہوں نے یہ بھی پڑھا ہوا تھا کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہ جو صلیب دیا جائے تو وہ لعنتی ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ منصوبہ باندھا کہ مسیحؑ کو بذریعۂ صلیب قتل کیا جائے۔ تاکہ وہ جھوٹا نبی اور لعنتی ثابت ہو جائے۔ تو حضرت مسیحؑ کو گو اپنے خالی قتل سے بھی خوف واضطراب ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ساتھ ہی ان کو ان کے اس منصوبہ اور اس غرض اور منشاء کا علم ہوا تو وہ بہت سخت پریشان ہوئے کہ یہ قتل ہی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ سخت ترین ذلت بھی ہے۔ تو خداوند تعالیٰ نے جس طرح فقرہ اولیٰ کے ساتھ تسلی دی کہ تم قتل نہ ہو گے۔ اسی طرح فقرہ ثانیہ کے ساتھ یہ بھی تسلی دی کہ تم ہر گز ذلیل نہ ہو گے اور نہ لعنت کی موت مر کر نیچے گرائے جاؤ گے۔ اور نہ ہم سے اور ہماری رحمت و فضل سے دور کئے جاؤ گے۔ بلکہ ہم تم کو عزت و رفعت اور قرب و منزلت اور شوکت و عظمت دیں گے۔

اور پھر چونکہ مقدر یہ تھا کہ آپ کو وہ بدبخت پکڑ کر صلیب پر چڑھائیں۔ یہاں تک کہ آپ مردوں اور مقتولوں کے مشابہ ہو جاویں۔ بلکہ وہ آپ کو مقتول اور مردہ خیال کر لیں۔ لیکن باوجود اس کے خداوند تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنی خاص قدرت اور مذکورہ بالا انصار اللہ کے ذریعہ سے آپ کو زندہ اتار کر، تا صحت ان انصار اللہ کے پاس پوشیدہ رکھ کر ان کو ثواب خدمت عطاء کرے اور بعد ازاں ان کے شر سے محفوظ رہنے اور دوسری اقوام اسرائیلیہ کی تبلیغ کے لئے افغانستان اور ملک کشمیر کی طرف ہجرت کریں۔

چنانچہ انجیل کی بعض عبارتوں سے صاف پتہ ملتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو اس کے وقوع سے پہلے ہی خداوند تعالیٰ نے خبر دے دی تھی۔ چنانچہ ان کا یہ کہنا بھی اسی پر دال ہے کہ ان حرامکاروں کو بجز یونسؑ نبی والے معجزہ کے اور کچھ نہیں دکھایا جائے گا۔

کیونکہ یونس نبیؑ مچھلی کے پیٹ میں نہ مر کر داخل ہوئے تھے اور نہ زندہ ہو کر باہر آئے تھے۔ بلکہ زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی باہر آئے۔ ہاں دوسروں کی نظروں میں وہ مردہ اور مردہ کے مشابہ ہو گئے تھے۔ بلکہ پیشین گوئی کے طور پر اس سارے واقعہ کا مفصل بیان بعض پہلی کتابوں میں درج ہے۔

چنانچہ 22 زبور کو عیسائیوں نے تو بالاتفاق مسیحؑ کے اس واقعہ کی نسبت پیشین گوئی تسلیم کیا ہوا ہے۔ پر آج دوسرا کوئی بھی اگر اس واقعہ کے حالات سے واقف ہو اور پھر وہ 22 باب زبور کو پڑھے تو اس کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے سوا یہ کسی اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس طویل بیان سے میں نمونہ کے لئے چند کلمات یہاں پر لکھتا ہوں۔ وہ یہ ہیں آیت 16 سے آگے ہے۔

''شریروں کی گروہ میری احاطہ کرتی ہے۔ وہ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے۔ میں اپنی سب ہڈیوں کو گن سکتا ہوں۔ وے مجھے تاکتے اور گھورتے ہیں۔ وے میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں۔ اور میرے لباس پر قرع ڈالتے ہیں۔ پر تو اے خداوند دور مت رہ۔ اے میری توانائی جلد میری مدد کے لئے آ۔ میری جان کو تلوار سے بچا۔ میری وحیدہ کو کتّے کے ہاتھ سے، ببر کے منہ سے اور بھینسوں کے سینگوں سے مجھے رہائی دے۔ تو نے میری سن کے بچایا ہے۔ میں اپنے بھائیوں میں تیرا نام بیان کروں گا اور مجمع میں تیرا ثنا خواں ہوں گا... اے یعقوب کی ساری نسل تم اس کی بزرگی کرو۔ اے اسرائیل کی ساری اولاد تم اس کا ڈر مانو الخ۔'' (زبور باب 22 آیت 16 تا 23)

پہلا حصہ تو صاف دکھاتا ہے اور مسیحیوں کو مسلم ہے کہ مسیحؑ کے واقعۂ صلیب کے متعلق ہے اور بس۔ اور آخری حصہ صاف بتاتا ہے کہ مسیحؑ کی دعاء قبول ہوئی اور اس نے قتل سے نجات پائی اور موت کا پیالہ ٹل گیا اور یہ بھی کہ پھر مسیحؑ دشمنوں کے آگے نہیں۔ بلکہ اپنے بھائیوں میں خداوند کی تعریف کرے گا اور اسرائیل کے بعض مختصر لوگوں کے آگے نہیں۔ بلکہ دشمنوں کے سوا باقی سب اقوام اسرائیل کے آگے ثناخوانی کرے گا۔ میں نے ایک دفعہ ایک بہت بڑے پادری صاحب کے آگے اس کو پیش کیا تھا۔ تو نہ وہ اس سے انکار

کر سکا کہ یہ مسیحؑ کی نسبت نہیں اور نہ اس سے کہ اس سے مسیحؑ کا زندہ بچنا اور دوسروں کو تبلیغ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اس نے کہا تھا کہ یہ ایسا سوال ہے جس سے عیسائی مذہب تباہ ہوتا ہے اور آج تک نہ کسی نے یہ سوال کیا ہے اور نہ کسی کو اس کا جواب آتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو اس کا علم ہوا ہو گا۔ تو گو ان کو اپنی زندگی کا یقین ہوا ہو گا۔ لیکن اس خطرہ سے ضرور پریشان ہوئے ہوں گے کہ اس طریق پر نجات پانے سے تو لوگ مجھے مقتول اور مصلوب ہی یقین کریں گے۔ جس سے میری سخت ذلت ہے۔ کیونکہ سب مجھے جھوٹا نبی اور لعنتی قرار دیں گے۔ تو اس خطرہ کے رفع کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے ان کو خبر دے دی کہ ہم جس طرح تم کو حقیقت میں لعنت و ذلت سے بچائیں گے۔ اسی طرح) تم کو کافر بننے والوں سے (یعنی ان کے اس الزام اور طعن بلکہ اور طعنوں سے بھی) پاک کرنے والے ہیں۔

(پھر باوجود اس کے بشریت اور شوق ہدایت کے باعث یہ خطرہ باقی رہا کہ گو بعد عائد ہونے اس الزام کے خداوند تعالیٰ مجھے پاک بھی فرمادے۔ پر اس میں شک نہیں کہ میرے اتباع اس سے ضرور دب جائیں گے اور سخت روک پیدا ہو جاوے گی تو خداوند تعالیٰ نے اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم تمہارے تابعداروں کو تمہارے مخالفوں پر قیامت تک غلبہ دینے والے ہیں۔

(سو یہ پیشین گوئی جس طرح مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ[1] (آل عمران:55) کو بیان کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کے عجز اور خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار کرتی ہے اور یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اس کے پیشین گوئی ہونے کی حیثیت تھا۔ لیکن یہ آیت ایک اور طریق سے آج کل معرکۃ الآراء بنی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت عام اہل اسلام چونکہ مسیحؑ کو جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئندہ وہ خود آسمان سے زندہ نازل ہو کر مذہب حق کو جبراً ساری دنیا میں پھیلائیں گے۔ اور کوئی ایک مخالف بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہٰذا وہ ان آیتوں سے تو ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں

[1]۔ انہوں نے (یعنی مسیح کے دشمنوں نے) بھی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیریں کیں۔ (تفسیر صغیر)

کہ جن کے رو سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سب انبیاءؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اور جن سے بالخصوص حضرت مسیحؑ کا فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کے معنوں میں بھی قسم قسم کے ہیر پھیر کر کے اپنا پیچھا چھوڑاتے ہیں۔

وفات مسیحؑ کی سب آیتوں سے اصل دلیل تو سورۂ مائدہ کی آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] (المائدۃ:118) ہے۔ لیکن اور بہت سی آیتیں ہیں۔ جو اس کی مؤید ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اصل دلیل کا مفصل بیان تو اس آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہو گا۔ یہاں پر اس قدر اس کا خلاصہ بتا دینا مناسب ہے کہ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں خداوند تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حضرت مسیحؑ سے ایک سوال ہو چکا ہے یا قیامت کو ہو گا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تثلیث کی تعلیم تو نے اپنی قوم کو دی ہے۔ اور اس کا جواب جو کہ حضرت مسیحؑ کی طرف ذکر کیا ہے۔ اس کا صریح خلاصہ یہ ہے کہ میں نے یہ تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ایسے امور کی نسبت جب تک میں ان میں رہا ہوں۔ تب تک میں ان کی نگہبانی کرتا رہا ہوں۔ اس وقت تک تو یہ تثلیث ان میں نہیں ہوئی۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ اس کے بعد تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ جس سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت مسیحؑ کا بیان ہے کہ میری وفات پہلے ہوئی ہے اور تثلیث اس کے بعد کوئی ہے۔

پس یہ قبلیّت وبعدیت وہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے بیّن طور پر وفات ثابت ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جب وفات پہلے اور تثلیث بعد ہوئی۔ تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ تثلیث اس وقت موجود ہے۔ پس جو وفات اس سے پہلے بموجب جواب حضرت مسیحؑ کے ضروری ہونی چاہیے، وہ بھی ضرور ہو چکی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت بھی قوم نصارٰے میں تثلیث موجود تھی۔ لہٰذا فرمایا کہ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔[2] (النساء:172)

پس ثابت ہوا کہ بیان مسیحؑ کے مطابق جو وفات اس کے پہلے ہے۔ وہ نزول قرآن سے پہلے ہو چکی تھی۔ اس کے جواب میں ہمارے مخالف دو راہ اختیار کیا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ

---

[1]۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ (یوں) نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (اس امر سے) باز آجاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے پورا لینے اور بمع جسم عنصری قبض کر لینے کے ہیں۔ پس یہ تو وہ جواب ہے جو کہ توفی کے معنوں کی تحقیق سے بالکل رد ہو جاتا ہے اور سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کسی ذی روح کی توفی کے ان معنوں میں آنے کی ہر گز کوئی نظیر اور مثال یہ لوگ نہ دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ توفی تو بمعنے موت ہے اور توفیت ماضی بھی ہے۔ پر ماضی تو اس کو کہتے ہیں کہ وقت تکلم سے پہلے زمانہ میں ہونے پر دلالت کرے تو چونکہ یہ کلام قیامت میں بولیں گے۔ اس لئے اس سے یہ لازم آیا کہ قیامت سے پہلے کسی وقت میں مسیحؑ کی وفات ہو نہ یہ کہ اس وقت سے پہلے یا نزول آیت کے وقت سے پہلے۔

تو جب مسیحؑ آسمان سے زندہ نازل ہو کر زمین پر اسلام پھیلا چکیں گے تو پھر فوت ہو جاویں گے۔ اور وہ فوت ہونا بھی قیامت سے بہر حال پہلے ہی ہو گا۔ جس کو وہ قیامت کے دن تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ سے بیان کریں گے۔ تو اس کا جواب وہ ہے جو کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ ماضی بولنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت سے یا نزول کے وقت سے پہلے وہ فوت ہوں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ماضی یا مضارع سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو نزول قرآن سے پہلے وفات ہونا اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ قیامت کو جو جواب دیں گے۔ اس میں وہ صاف بیان کرتے ہیں کہ میری وفات پہلے ہوئی اور تثلیث پرستی میری قوم میں بعد میں آئی تو اب ان کے مصدقۂ قرآنی اور مصدقۂ خداوندی جواب سے ہمیں ضرور ماننا پڑا کہ تثلیث بعد میں ہوئی اور وفات اس سے پہلے ہوئی اب واقعہ ہم کو بتاتا ہے کہ تثلیث جس طرح اس وقت ہے۔ نزول قرآن کے وقت بھی اسی طرح تھی۔ تو بموجب مصدقہ بیان مذکور کے ضروری ٹھہرا کہ مسیحؑ کی وفات اس وقت سے بلکہ نزول قرآن کے وقت سے بھی پہلے ہو۔

پس ثابت ہوا کہ مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ میں اپنے احمدی بھائیوں کو توجہ اور بہت توجہ دلاتا ہوں کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرح اسی آیت کو اصل دلیل قرار دیا کریں۔ اور اس سے اسی طریق پر استدلال کیا کریں جس طریق پر کہ حضرت امام علیہ السلام نے کیا ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آج تک اس طریق استدلال کا کسی مخالف نے کچھ بھی

جواب نہیں دیا۔ جس سے اس کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ بڑے بڑے اہل علم بھی اس کو چھوڑ کر اور اور دلائل کی طرف اپنے مناظروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور بعض اس دلیل کو لیتے ہیں۔ لیکن طریق (یعنی قبلیت وفات اور بعدیت تثلیث) کے ساتھ استدلال نہیں کرتے اور پھر مشکلات میں پڑتے ہیں۔

رہی یہ آیت تو اس سے اس طور پر دلیل مذکور کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں پر خداوند تعالیٰ نے چار خبریں دیں۔

نمبر 1۔ میں خود تیری روح کو قبض کروں گا۔

نمبر 2۔ تجھے رفعت دوں گا۔

نمبر 3۔ کفار کے الزاموں سے پاک کروں گا۔

نمبر 4۔ تیرے اتباع کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب کروں گا۔

تو اس میں شک نہیں کہ اخیری تینوں خبریں واقع ہو چکی ہیں۔ اور ہمارے مخالف بھی ان کے وقوع کے قائل ہیں۔ پس اس سے لازم آیا کہ جو ان سے پہلی خبر ہے۔ وہ بھی ضرور واقع ہو گئی ہو گی۔ اور اس کے وقوع سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔

ہمارے مخالفین نے اس کے تین طریق سے جواب دیئے ہیں۔

نمبر 1 یہ کہ مُتَوَفِّيْكَ کے معنے موت کے نہیں بلکہ پورا لینے بجسم عنصری قبض کرنے کے ہیں۔ اس کی تردید تو وہی ہے جو پہلے بتائی گئی ہے۔

نمبر 2۔ مُتَوَفِّيْكَ اسم فاعل ہے۔ جو بمعنے حال اور استقبال بھی ہوتا ہے۔ پس اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ وفات ہو گی نہ یہ کہ ہو گئی اور ہم بھی قائل ہیں کہ آئندہ ہو گی۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ہم نے اس کے بمعنے ماضی ہونے سے استدلال نہیں کیا۔ بلکہ مابعد کی خبروں کے وقوع سے اس کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔

نمبر 3۔ یہ کہ مُتَوَفِّيْكَ بے شک بمعنے وفات دینے کے ہیں۔ لیکن یہاں پر ان خبروں کے درمیان حرف و آیا ہے اور واؤ ترتیب پر دال نہیں ہوتی۔ بلکہ جائز ہوتا ہے کہ بعد کی چیز پہلے ذکر ہو اور پہلے کی چیز بعد میں ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ

النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ [1](الاحزاب:8) وغیر ذٰلک۔ تو جس طرح اس آیت میں مِنْكَ کو لفظوں میں پہلے ہے۔ لیکن اصل میں مِنْ نُوْحٍ کے بعد ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی گو مُتَوَفِّيْكَ لفظوں میں پہلے ہے لیکن حقیقت میں رَافِعُكَ کے بعد ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے وسے تو استدلال نہیں کیا تا کہ تم یہ کہو کہ یہ ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے تو اس سے استدلال کیا ہے کہ کلام الٰہی اور کلاموں کی طرح نہیں کہ ہم جو چاہیں اس میں تقدیم و تاخیر کر دیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں صاف صراحۃً یہود کے ایسا کرنے کو تحریف جیسے قبیح ترین نام سے یاد کیا ہے۔ اور اس کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ [2](النساء:47) اور يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ [3](المائدۃ:42) جس کے بجز اس کے اور کوئی معنے نہیں۔ اور یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ ہاں حرف واؤ جہاں پر ہو وہاں پر تقدیم و تاخیر جائز ہے۔ اور پھر جب آنحضرتؐ سے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی نسبت دریافت کیا گیا کہ پہلے کس سے شروع کریں تو باوجود یکہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ [4](البقرۃ:159) میں حرف واؤ ہی ہے۔ پر آپ نے یہی فرمایا کہ اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ۔ [5]

(سنن النسائی کتاب مناسک الحج باب القول بعد رکعتی الطواف حدیث نمبر 2962)

جس سے واؤ والا بہانہ بالکل نفی ہو جاتا ہے۔ ہاں جہاں پر خداوند تعالیٰ اپنے قول یا فعل سے خود بتاوے کہ بعد کی چیز پہلے ہے۔ تو وہاں پر تقدیم و تاخیر کا قبول کرنا از خود نہیں بلکہ الٰہی حکم کے ماتحت ہے۔ مثلاً مِنْ نُوْحٍ کو اگر کوئی پہلے کہتا ہے تو واقعہ کی شہادت سے جو خداوند تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور قرآن مجید کی صریح شہادت سے جیسا فرمایا کہ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ [6](النساء:164) و غیر ذٰلک اور یہ بھی ہمارا

---

[1]۔ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے نبیوں سے ان پر عائد کردہ ایک خاص بات کا وعدہ لیا تھا اور تجھ سے بھی (وعدہ لیا تھا) اور نوح... سے بھی۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ (خدا کی) باتوں کو ان کی جگہوں سے ادل بدل دیتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ وہ (خدا کی) باتوں کو ان کے (اپنے) ٹھکانے (پر رکھے جانے) کے بعد (ان کی اپنی جگہ سے) ادل بدل دیتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے نشانات میں سے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ تم اسی جگہ سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔ (از مرتب)

[6]۔ جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) تمام انبیاء پر وحی (نازل) کی تھی، یقیناً تجھ پر (بھی) ہم نے وحی (نازل) کی ہے۔ (تفسیر صغیر)

دعویٰ نہیں کہ خدا مجبور ہے کہ بعد کی چیز کو پہلے ذکر نہیں کر سکتا۔ تاکہ اس کے خلاف ثابت کرنے کی کوئی کوشش کرے۔ جیسا کہ مثال مذکور کے لانے سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ جہاں جہاں کسی کلمہ کو رکھتا ہے۔ تو سوائے اس کے کسی دوسرے کو اختیار نہیں کہ وہ اس میں پس وپیش کرے اور بس۔ تو جب یہ بات ثابت ہے تو پھر جب تک مولوی صاحبان یہ نہ بتائیں کہ فلاں آیت میں خداوند تعالیٰ نے مُتَوَفِّيْكَ کو بعد اور رَافِعُكَ کو پہلے بتایا ہے۔ تب تک ان کو تقدیم و تاخیر کا اختیار نہیں یا کم از کم ہم ایسا نہ کر سکتے ہیں اور نہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔

ہاں ان کے ایسا کرنے سے ہم ان کو ان احادیث کا مصداق ضرور تسلیم کر لیویں گے۔ جو نبی کریم ﷺ نے آخری زمانہ کے اپنی امت کے لوگوں کی نسبت فرمائی ہوئی ہے اور باوجود ایسا اختیار نہ ہونے کے ہم کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ چونکہ علیم و حکیم ہے اور وہ پہلے سے جانتا تھا کہ تشابہ بالیہود کی پیشین گوئی کے سچا کرنے کے لئے کچھ لوگ یہاں پر تَحْرِيْفُ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهَا کریں گے۔ اس لئے اس نے ان کلمات میں ایسا نظام رکھا ہے کہ وہ مُتَوَفِّيْكَ کو اپنے محل سے اٹھا کر بعد میں کسی محل پر بھی نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً رَافِعُكَ اِلَيَّ کے بعد تو اس لئے انہوں نے رکھا تھا کہ رَافِعُكَ تو پورا ہو چکا ہے اور اس کے پورا ہونے سے جو اس کے اول ہو۔ اس کا بھی واقع ہو جانا لازم آتا تھا تو بعینہٖ یہ بات اب بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ رَافِعُكَ کی طرح مُطَهِّرُكَ بھی واقع ہو چکا ہے۔ تو اس کے وقوع سے اس مُتَوَفِّيْكَ کا وقوع بھی لازم آئے گا۔ جو کہ اس سے پہلے ہے۔ اسی طرح اگر مُطَهِّرُكَ کے بعد رکھو تو بھی یہی لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جو جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وہ بھی واقع ہو چکا ہے اور اس کے وقوع سے توفّی کا وقوع لازم آئے گا۔ جو اس سے پہلے ہے۔ تو اب یہی رہا کہ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے بعد رکھا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ان کی توفّی قیامت کے دن ہو۔ جس دن کہ باقی سب زندہ کئے جاویں گے اور یہ بھی باطل ہے۔

پس ثابت ہوا کہ نہ یہ ان کو اختیار ہے اور نہ وہ اٹھا کر اس کو بعد میں کسی محل پر رکھ سکتے ہیں۔ بہت حیرانی کی بات ہے کہ عیسائیوں نے تو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور اللہ بنایا تھا۔ پر

ہمارے اہل اسلام بھی یہاں تک بڑھے کہ ہر ایک امر میں مسیحؑ کے لئے کوئی نرالی خصوصیت لگا کر انبیاءؑ کی ذیل سے نکال کر خدائی تک تو پہنچایا ہی تھا۔ پر غضب تو یہ کیا کہ الفاظ میں بھی مسیحؑ کے لئے وہ خاص معنے لیتے ہیں جو کہ اوروں کے لئے نہیں لیتے۔ الفاظ تو وہ چیز ہیں کہ جو ان کے معنے ہیں وہی ہیں۔ یہ نہیں کہ مَاءٌ کے معنے پانی اور ضَرْبٌ کے معنے مارنا اور حَجَرٌ کے معنے پتھر ہمیشہ لئے جاویں۔ پر جب زید کے لئے ان کا استعمال ہو تو ان کے معنے سیب اور کھانا اور خوشبو ہو جاویں۔ یہاں تک کہ علم کے معنے اگر جاننے کے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم کے معنے بھی جاننے ہی کے ہوں گے۔ گو کیفیت اور ہی ہو۔ لیکن لفظ کے معنے نہ بدلیں گے۔

پر مسیحؑ کی کچھ ایسی شان ہے کہ وہی لفظ جب اور انسانوں یا خصوصاً نبیوں کے لئے کبھی استعمال ہوتا ہے۔ تو اس کے ہمیشہ ایک معنے لئے جاتے ہیں۔ پر وہی مسیحؑ کے لئے استعمال ہو جائے تو بس اس کے معنے کچھ اور کے اور ہی ہو جاتے ہیں۔ توفّی کے لفظ کی نسبت تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ اوروں کے لئے حتی کہ سید ولد آدم اور افضل الرسلؐ کے لئے بھی اس کے معنے قبض روح کے لئے جاتے ہیں۔ پر جب مسیحؑ کے لئے آئے خواہ بعینہٖ اسی عبارت میں آئے کہ جس میں سید الرسلؐ کے لئے بمعنے قبض روح آیا تھا۔ تو اس کے وہ معنے ناجائز اور حرام ہو جاتے ہیں اور ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کے معنے پورا کر لینے۔ بجسم عنصری قبض کرنے کے لئے جاویں۔ اور اسی طرح لفظ کَلِمَۃٌ وغیرھما کا ذکر گذر چکا ہے۔

لفظ رفع کا احادیث میں استعمال:

پر اب ایک اور لفظ بتاتا ہوں۔ وہ ہے رَافِعُكَ اِلَیَّ یہ لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے جیسا رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا[1] (مریم:58) اور رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[2] (البقرۃ:254) وغیرہ اور حدیثوں میں بھی آیا ہے۔ جیسا مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ۔[3]

(کنز العمال جلد 3 صفحہ 49 کتاب الاخلاق باب التواضع حدیث نمبر 5717۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

---

[1]۔ ہم نے اسے نہایت اعلیٰ مقام تک پہنچایا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ان میں سے بعض کے (فقط) درجات بلند کیے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ نوٹ: حدیث میں اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ کے الفاظ ملے ہیں۔ جب بندہ اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے ساتویں آسمان تک رفعت بخشے گا۔ (از مرتب)

اور آنحضرتؐ کی نمازوں کی دعاؤں میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ وَارْفَعْنِیْ اور سب میں رفع درجات اور علو مراتب اور قرب الٰہی اور عزت و عظمت کے معنے لئے ہیں۔ اور کسی ایک میں بھی بجسم عنصری آسمان پر اٹھانے کے معنے ہرگز نہیں کئے۔ پر مسیحؑ کے لئے یہی کئے ہیں۔ اور پہلے لینے ناجائز قرار دیئے ہیں۔ لیکن تف ہے، ایسے ایمان پر کہ سید الرسلؐ اور ان کے صحابہؓ اور خلفاءؓ اور امت کے صلحاءؒ تو پانچ وقتہ نماز میں دو سجدوں کے درمیان وَارْفَعْنِیْ کی دعاء کریں اور کوئی بھی ان میں سے بجسدہ العنصری کسی آسمان پر نہ رکھا جائے اور جس مسیحؑ کی نسبت ایک دفعہ بھی وَارْفَعْنِیْ کی دعا وہ ثابت نہیں کر سکتے۔ وہ صدہا سال سے چوتھے آسمان پر ڈٹے رہیں۔ پھر جس حدیث میں سَمَاءٌ سَابِعٌ کا لفظ موجود ہے۔ اس میں بھی یہ معنے نہ لئے جاویں لیکن مسیحؑ کے لئے باوجودیکہ سَمَاءٌ کا لفظ مطلقاً نہیں آیا، اس کے لئے یہ لئے جاویں۔ یہ کہانی بہت لمبی ہے اور سخت دردناک ہے۔

پھر اس پیشین گوئی کے بعد مسیحؑ کو یہ بھی بتایا کہ پھر اسی پر بس نہ ہو گی۔ بلکہ اس کے بعد) پھر تم سب کا رجوع میری ہی طرف ہو گا۔ تو میں تمہارے درمیان ان امور میں فیصلہ کروں گا کہ جن میں تم آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ پھر جو کافر ہوئے تو میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے کوئی بھی مددگاروں سے نہ ہو گا۔ و لیکن جو ایمان لائے اور انہوں نے سنوار والے کام کئے تو وہ ان کو ان کے پورے اجر دے گا۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (اور نہ کرے گا۔)

(اس میں یہ بتایا ہے کہ اسی پر بس نہ ہو گی۔ کہ تمہارا قتل اور ذلت اور طعن سے بچاؤ کیا جائے بلکہ پھر وہ وقت آئے گا کہ ہم خود اختلافات کا فیصلہ کریں گے۔ اور یہ نہیں کہ یہ فیصلہ قیامت ہی کے دن پر رہے۔ بلکہ وہاں پر بھی ہو گا اور اس دنیا میں بھی ہو گا کہ ہم اپنی تائیدات اور راستبازوں کے ذریعہ سے تمہاری صداقت اور تمہارا اس لعنتی موت وغیرہ سے پاک رہنا دنیا پر روشن کر دیں گے اور شریروں کو دنیا اور آخرت میں عذابِ شدید دے کر دنیا پر ان کا شریر ہونا ثابت کر دیا جاوے گا اور یہی دنیا ان کے لئے جہنم ہو جاوے گی۔ اور تیرے اتباع کو

دنیا و آخرت میں وہ اجر ملیں گے۔ جن سے ان کی صداقت ظاہر ہو گی۔ پر چونکہ ان کو ان کے اجر ملیں گے۔ اس لئے اعمال صالحہ کا ہونا ضروری ہے۔ پر جو اتباع کا دم بھریں گے، پر ظالم ہوں گے اور اعمال صالحہ سے تہی دست ہوں گے۔ ان کو خداوند تعالیٰ پسند نہ فرمائے گا۔

اور چونکہ آنے والا بیان جن امور کے ذکر کو چاہتا ہے، وہ حضرت مسیحؑ کے متعلق ذکر ہو چکے ہیں اور اب نتیجہ ذکر ہونے والا ہے۔ تو ان حالات کے ذکر سے جو اصل غرض ہے اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تاکہ عام طریق کے موافق سامعین ان کو کہانی نہ خیال کر لیں، نتیجہ سے پہلے ہی فرمادیا کہ) یہ (دور و دراز کے حالاتِ مسیحؑ کہ) ہم تجھے یہ سناتے ہیں، جو کہ نشانوں اور پُر حکمت (اور مضبوط) ذکر (یاد دہانی۔ وعظ و نصیحت) سے ہے۔ (یعنی ہماری شان سے بعید ہے کہ ہم دور و دراز کے قصے سنائیں۔ یہ حالات ہم نے محض اس لئے ذکر فرمائے ہیں کہ آنے والے وعدے اور نتیجہ کے لئے یہ منجملہ ان نشانوں کے ہیں جن سے وہ بپایہ ثبوت پہنچتا ہے اور پھر یہ کوئی کچی اور بے ثبوت باتیں بھی نہیں۔ بلکہ یہ بڑی پکی اور یقینی باتیں ہیں۔ اور مخاطب ان کو جانتا اور مانتا ہے اور گو ہم نے مختصر جیسی بات کی ہو۔ پر اس کو وہ ساری تفصیل یاد دلاوے گی۔

مفسرین نے اس کے یہ بھی معنے کئے ہیں کہ یہ تیری نبوت کے نشانوں سے ہے۔ جیسا کہ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ[1] الخ (آل عمران:45) کی تفسیر میں گذرا اور نیز یہ ذکرِ حکیم یعنی قرآن مجید سے ہے۔ اور یہ بھی کئے ہیں کہ یہ آیات کلام اللہ اور قرآن مجید سے ہے۔ لیکن اوّل کا ثبوت ندارد ہے اور دوسرے کا فائدہ یہاں پر کچھ نہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کیا پر حکمت کتاب ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ[2] (آل عمران:34) سے لے کر اب تک جو جو احوال بیان فرمائے، جن کے نتیجہ کے آئندہ آنے کی میں خبر دیتا آیا ہوں۔ وہ نتیجہ اب بیان فرمایا کہ) بے شک عیسیٰؑ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت جیسی ہے کہ اس نے اس کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کے بعد اس کو کہا کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔

(مفسرین نے اس سے آدم علیہ السلام ہی لیا ہے اور مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ

---

[1]۔ تو ان کے پاس نہ تھا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اللہ نے آدم اور نوح (کو) اور ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کو یقیناً سب جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ (تفسیر صغیر)

بن باپ پیدا ہوئے تو ایسا ہونا نہ کچھ بعید ہے اور نہ اس سے وہ خدا یا ابن خدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آدم بھی تو مٹی سے بن باپ پیدا کئے گئے تھے اور اللہ نے ان کو کُنْ کہا تھا تو وہ ہو گئے تھے۔ تو اسی طرح عیسیٰؑ کا حال بھی ہے۔ لیکن اس وقت تک باوجود غور و فکر کے میری سمجھ میں یہ نہیں آیا۔ کیونکہ نہ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ کے یہ معنے ہیں کہ وہ بن باپ تھا اور نہ کُنْ فَيَكُوْنَ کے یہ معنے ہیں اس لئے کہ سب انسانوں کے لئے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ[1] (المومن:68)، (الانعام:3)[2] اور وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ[3] (فاطر:12) وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ[4] (الروم:21) اور ایک خاص انسان کے لئے بھی جو بنی آدم سے ہے۔ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ[5] (الکہف:38) آیا ہے۔

اور كُنْ فَيَكُوْنَ تو قرآن سے ثابت ہے کہ ہر ایک چیز کے لئے ہے۔ جن میں باپ والے بھی داخل ہیں اور ابھی حضرت یحییٰؑ کی نسبت آیا ہے جو کہ حضرت زکریاؑ کے فرزند ہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آدم کا بیٹا بھی آدم ہے۔ جیسا کہ انسان کا بیٹا انسان ہے تو خداوند کریم نے عیسیٰؑ کے لوازم بشریہ اور اصطفاء کے ساتھ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا[6] الخ (آل عمران:34) بیان کر کے یہ بتایا ہے کہ اول تو عیسیٰؑ میں جو کمال تھا وہ اس اصطفاء کی بدولت تھا۔ جس میں آدم اور آدم کے بہت سے فرزند شامل ہیں۔ تو اس کمال میں وہ اللہ تعالیٰ کے آگے آدم اور بنی آدم کی مانند ہے اور بس اور پھر یہ کمال مشترک اگر اس کا ذاتی ہوتا یا ان کا اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو پھر بھی الوہیت یا ابنیت اللہ کی کچھ وجہ ہوتی۔ پر جس طرح ان کا کمال (یعنی اصطفاء) جب خداوند تعالیٰ نے چاہا تو فرمایا کہ ہو جا تو ہوتا رہتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ اسی طرح مسیحؑ کا اصطفاء بھی جب چاہا تو فرمایا کہ ہو تو ہوا اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ غلبۂ اتباع والا اصطفاء قیامت تک ہوتا رہے گا۔

---

[1]۔ وہی ہے جس نے تم کو (پہلے دور میں) مٹی سے پیدا کیا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اس حوالہ میں مِنْ طِيْنٍ کے الفاظ ہیں۔ (از مرتب)
[3]۔ اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ اور اس کے نشانات میں سے (ایک) یہ (نشان) بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (تفسیر صغیر)
[5]۔ کیا تو نے اس (ہستی) کا انکار کر دیا ہے جس نے تجھے (اولاً) مٹی... سے پیدا کیا۔ (تفسیر صغیر)
[6]۔ اللہ نے آدم اور نوح (کو)... فضیلت دی تھی۔ (تفسیر صغیر)

اگر ہمارے مفسرین عِنْدَ اللّٰہِ کے لفظ پر غور کرتے تو ان کو ضرور ماننا پڑتا کہ یہ تشبیہ بے باپ ہونے میں نہیں بلکہ اصطفاء اور قدر و منزلت اور اس تعلق میں ہے۔ جو ان کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ تھا اور گو مقام یہی چاہتا تھا کہ فَکَانَ کہا جاتا۔ پر ایک تو اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ امور ان کے ذاتی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا ان کے وفات پانے کے بعد بھی بعض ظاہر ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ اور دوم اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ بنی آدم کے لئے یہ سلسلہ آئندہ کے لئے بھی جاری رہے گا۔ فَیَکُوْنُ فرمایا سو یہ وہ نتیجہ ہے جس کے لئے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی سے اب تک بیان ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عجز وغیرہ دلائل عدم الوہیت وابنیت مسیحؑ کے علاوہ مذکور ہوئے ہیں۔

سب انسان آدم کی اولاد ہیں:

الوہیت کی دلیل بھی کوئی نہیں کیونکہ اس اصطفاء ہی کی وجہ سے ان کی نسبت یہ ادعاء کیا جاتا ہے اور وہ دلیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں آدم اور بنی آدم بھی شریک ہیں اور خدا ہی نے یہ ان کو بھی دیا ہے اور مسیحؑ کو بھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ) یہ حق تیرے رب کی طرف سے (ظاہر ہو چکا) ہے۔ سو تو جھگڑا کرنے والوں سے نہ ہو۔

(مفسرین نے اس کے معنے شک کرنے والوں کے کئے ہیں اور پھر اس کے واسطے توجیہات بناتے رہے ہیں۔ لیکن فَلَا تُمَارِ فِیْھِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاھِرًا[1] (الکہف:23) میں مِرَآءً اور لَا تُمَارِ کے معنے جھگڑے کے لئے ہیں اور اسی مِرَآءً سے مُمْتَرِیْنَ بھی ہے۔ اور نیز فَمَنْ حَآجَّکَ کا اس کے بعد آنا صاف بتاتا ہے کہ یہاں پر اس کے معنے جھگڑنے کے سواء اور نہیں۔ یعنی اب یہ حق براہین کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے کھول دیا ہے۔ اور مباحثہ محض اسی غرض کے لئے ہوا کرتا ہے تو جب باوجود حق کے کھل جانے کے کوئی مقابلہ کرے تو تم اس سے مت جھگڑو۔ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ تحصیل حاصل ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت خلیفہ المسیح والمہدیؑ نے یہاں پر یہ معنے فرمائے کہ یہ کتاب

[1]۔ پس تو ان کے متعلق مضبوط بحث کے سوا کوئی بحث نہ کر۔ (تفسیر صغیر)

حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ کیونکہ اس سورۃ کے ابتداء میں فرمایا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ[1] (آل عمران:4) پھر جب جھگڑا منع ہوا تو اب اگر کوئی جھگڑا کرے تو کیا اس کے آگے انکار یا خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ یا کیا کرنا چاہیے تو فرمایا کہ) سو بعد اس کے کہ تیرے پاس علم سے (اس قدر) آچکا ہے۔ اگر کوئی اس حق میں جھگڑے تو تم کہو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو اور پھر گڑ گڑا کر دعا کریں تو جھوٹوں پر خداوند تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔ (اس دعا کو اسلامی اصطلاح میں مباہلہ کہتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے جو خود اس کا نتیجہ بتایا ہے۔ وہ لعنۃ اللہ ہے، یعنی خداوند تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جانا۔ جس کا اثر قیامت میں تو جو کچھ ہو گا ہو گا۔ پر اس دنیا میں بھی پوشیدہ نہیں رہتا کیونکہ وہ لعنۃ اللہ ہوتی ہے، نہ شیعوں کی لعنت کہ جس کا نتیجہ دوسری جانب فوز المرامی اور ان کے لئے گندہ دہانی ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نجران کے چند عیسائی آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں آئے تھے۔ بعض روایتوں میں آٹھ اسقف آئے ہیں اور بعض میں بارہ تھے۔ جن میں ان کا رئیس اعظم (جس کو سیّد کہا کرتے تھے) اور وزیر و مشیر (جس کو عاقب کہا کرتے تھے) بھی دونوں موجود تھے۔ تو یہ آیتیں ان کے لئے نازل ہوئیں اور جب وہ باوجود حق معلوم کر لینے کے ایمان نہ لائے تو پھر مباہلہ کی دعوت دی گئی۔ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کو۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے کو اور حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے کو اور حضرت عثمانؓ اور ان کے بیٹے کو اور حضرت علیؓ اور ان کے بیٹوں کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے جب نکلے تو ان کے سردار سیّد نے کہا کہ واللہ تم نے جان تو لیا ہے کہ یہ نبی اور مرسل ہے۔ تو اگر تم اس کے ساتھ مباہلہ کرو گے۔ تو تمہاری بیخ کنی ہو جاوے گی۔ تو انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مباہلہ نہ کیا۔

(تفسیر فتح البیان جلد دوم صفحہ 256 سورۃ آل عمران المکتبۃ العصریۃ بیروت 1996ء)

[1]۔ اس نے تجھ پر یہ کتاب حق پر مشتمل اتاری ہے۔ (تفسیر صغیر)

اس کے بعد فرمایا کہ واللہ) یقیناً یہ حق بیان ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی متصرف معبود نہیں اور یقیناً اللہ ہی (حقیقی) عزت (وغلبہ) والا اور حکمت (اور پکی باتوں) والا ہے۔ تو اگر یہ لوگ (حق سے) پھر گئے تو (ہم ثابت کر دیں گے کہ) بے شک اللہ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی حق تو اب کھل چکا ہے۔ پر اب بھی اگر یہ نہ مانیں گے۔ تو ہم اپنی عزت وحکمت سے ان کو ذلیل اور مغلوب کر دیں گے۔ اور ان مفسدوں کو سزا دے کر ثابت کر دیں گے کہ ہم مفسدوں کو خوب جانتے اور ان کو ناپسند کرتے ہیں۔)

آیت 65 تا 72: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

تَعَالَوْا۔ تَعَالَ کی جمع ہے۔ جس کے اصل معنے تو اوپر آنے کے تھے اور اب مطلق آنے کا امر ہے۔

اَرْبَابًا۔ رَبٌّ کی جمع ہے۔

تُحَآجُّوْنَ۔ مُحَاجَّةٌ سے ہے۔ ایک دوسرے کے مقابلہ میں حجت پیش کرنا اور جھگڑنا اور حجت بازی کرنا۔

حَاجَجْتُمْ بھی اسی مُحَاجَّۃٌ سے ہے۔

حَنِیْفٌ کے معنے عام طور پر مفسرین مائل اور ٹھڑے اور جھکنے والے کے کیا کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ معنے بظاہر مذمت کے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ پر صادق نہ آسکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مائل الی الحق کے معنے کئے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا حکیم الامت خلیفہ المسیحؑ بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ مفسرین کی یہ غلطی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اَحْنَفُ اس کو کہتے ہیں جس کے پاؤں ٹھڑے ہوں تو اس وجہ سے انہوں نے حَنِیْفٌ کے معنے بھی یہی کر دیئے۔ حالانکہ اَحْنَفُ کے معنے مستقیم کے تھے اور تفاول کے طور پر اس پر بولا گیا تھا۔ پس حق یہ ہے کہ حَنِیْفٌ کے معنے مستقیم کے ہیں۔

اَوْلٰی۔ وَلِیٌّ سے ہے اور اس کے معنے اَقْرَبُ، اَحَقُّ اور اَخَصُّ کے ہوتے ہیں۔

وَلِیٌّ۔ آقا اور متولی اور نگران حال اور دوست مددگار۔

وَدَّتْ۔ وُدٌّ سے ہے۔ پسند کرنا اور چاہنا اور محبت کرنا۔

تَلْبِسُوْنَ۔ لَبْسٌ سے ہے۔ خلط کرنا اور پردہ ڈالنا اور پوشیدہ کرنا۔

تَکْتُمُوْنَ۔ کِتْمَانٌ سے ہے۔ چھپانا اور پوشیدہ کرنا۔

ترجمہ:

کہ اے کتاب والو! ایک بات کی طرف تم آجاؤ جو کہ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ ہم کسی چیز کو شریک بنائیں۔ اور نہ ہم سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب بنائیں۔ تو اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان (فرمانبردار) ہیں۔ اے کتاب والو! تم ابراہیم (کے حق) میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ توریت و انجیل تو اس کے بعد ہی اتاری گئی ہیں۔ کیا (تم یہ کہتے اور جانتے ہو۔) پھر سمجھتے نہیں۔ ہاں تم وہ (نادان) ہو جو اس میں جھگڑے ہو کہ جس کا تمہیں علم تھا۔ تو اس میں تم کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ابراہیمؑ نہ یہود تھا اور نہ نصرانی تھا۔ ولیکن وہ استقامت والا مسلم (فرمانبردار) تھا اور

مشرکوں سے نہ تھا۔ بے شک سب لوگوں سے ابراہیمؑ کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے یقیناً اس کا اتباع کیا ہے اور یہ نبی اور جو کہ ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا دوست (ومددگار) ہے۔ اہل کتاب کے ایک گروہ نے پسند کیا تھا کہ تم کو بہکا دیں۔ حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو بہکاتے ہیں۔ اور محسوس تک نہیں کرتے۔ اے کتاب والو! تم کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مشاہدہ کرتے (یا شہادت دیتے) ہو۔ اے کتاب والو! تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملاتے (چھپاتے) ہو۔ اور حق کو پوشیدہ رکھتے ہو۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو۔

تفسیر:

جب مباحثہ میں ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کر دیا اور مباہلہ سے ان پر اتمام حجت بھی کر دیا تو ایسے وقت میں حق جُو طبائع چونکہ حق کو قبول کیا کرتی ہیں لہٰذا ان کو حق کی دعوت کی جاتی ہے پر چونکہ ان حالات سے ثابت ہو چکا تھا کہ تعصب مذہبی اور حمیت قومی ہی ان کے لئے مانع تھی۔ لہٰذا ان کو مد نظر رکھ کر حکیمانہ طریق پر ان کو ان کے فخریہ خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے فرمایا کہ اے اہل کتاب! تم ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ ہم اس کے ساتھ کسی شے کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب بنائیں۔

دونوں کے درمیان اصولی اور مسلمہ بات:

(یعنی تم سے ہم کوئی ایسی بات نہیں منوانی چاہتے جو کہ تمہارے مسلّمات کے خلاف یا نئی ہو بلکہ ہم تو تم کو ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں جو کہ تمہاری کتاب میں موجود ہے اور اصولاً تم اس کو مانتے ہو۔ لیکن پھر اس کے خلاف کرتے ہو۔ تو جب تمہاری کتاب میں وہ موجود ہے تو تمہارا اہل کتاب کہلانا اس امر کا مقتضی ہے کہ ضرور تم اس پر آجاؤ اور اگر قومی حمیت مانع ہے تو وہ بات کوئی ہماری ہی نہیں بلکہ وہ تو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے تو اگر تم ہماری وجہ سے نہیں مانتے تو اپنی بات ہونے کی حیثیت سے اس پر آجاؤ۔ پھر وہ بات بتائی کہ وہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر اس کی خلاف ورزی کی خرابی ظاہر کرنے کے لئے دوسرے عنوان سے اسی کو بیان فرمایا کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی چیز کو شریک نہ بنائیں یعنی

چونکہ غیر اللہ کی عبادت سے شرک لازم آتی ہے اور اس کی تمہاری کتاب میں نہایت تاکید سے اور بڑی وضاحت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔ لہٰذا تم غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔

جبکہ دین بگڑنے لگتا ہے اور غلط در غلط معنوں اور تاویلوں سے جو جو باتیں لوگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کے عادی ہو جاتے ہیں تو باوجود ان باتوں کے کھلے طور پر خرابیوں پر اور صریح ممنوع امور پر مشتمل ہونے کے ان کی نظروں میں نہ ان کی وہ خرابیاں آتی ہیں اور نہ باوجود متنبہ کرنے کے ان کے ذہنوں میں وہ امور آتے ہیں۔ لہٰذا جب تک ان کا نام نہ لیا جائے ان کا خیال ان کی طرف نہیں جاتا ہے۔

سو اس وجہ سے اسی بات کو اب تیسرے عنوان کے ساتھ بیان کیا تاکہ ان کو عبادت کے معنے بتا کر ان کو سمجھایا جائے کہ فلاں بات میں غیر اللہ کے عابد بن کر فلاں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ تو فرمایا کہ) نہ ہم سے بعض بعض کو اللہ کے سوا ربّ قرار دیں (یعنی عبادت ان اقوال و افعال کو کہتے ہیں کہ جن کے ساتھ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں میرا فرمانروا ہے اور میں اس کا فرمانبردار ہوں۔ تو ایسے فرمانروا کو معبود اور فرمانبردار کو عابد کہا جاتا ہے اور ایسا فرمانروا ایک خدا ہی ہے اور دوسرے کسی کی اگر کوئی مجازی طور پر فرمانبرداری کی جاتی ہے تو وہ محض اس وجہ سے کہ اللہ کا حکم ہے۔ اور اگر اللہ کے حکم کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری بھی مستقل طور پر کی جائے تو وہ بھی معبود بنایا گیا حالانکہ حقیقت میں دوسرا کوئی اس کا مستحق نہیں۔ تو چونکہ اہل کتاب نے اپنے بعض انبیاءؑ اور علماء اور بزرگوں کو بھی فرمانروائی کا رُتبہ دے رکھا تھا یہاں تک کہ عیسائیوں نے خداوند تعالیٰ کی اس شریعت کو کہ جو موسیٰؑ پر نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کو اس پر کاربند رہنے کا حکم دیا تھا اور صدہا نبی اس کی منادی ان میں کر چکے تھے بلکہ ان کے سب پیشوا اسی کے اِتباع سے انبیاءؑ اور اولیاءؒ بنے تھے اور خود ان کا مسیحؑ بھی اسی کی اتباع سے مسیحؑ بنا اور ساری عمر اس کی اتباع پر کاربند رہا اسی کی منادی کرتا رہا۔

عیسائیوں کا پولوس کو فرمانروا بنالینا:

پر انہوں نے ایک پولوس کے کہنے سے خدا کی شریعت کو لعنت قرار دے کر سب کو

رد کر دیا تو انہوں نے پولوس کو اپنا فرمانروا اور معبود ہی قرار نہیں دیا بلکہ خداوند تعالیٰ کی فرمانروائی کو پس پشت ڈال کر اور اس کے مقابلہ پر پولوس کے حکم کو فوقیت اور ترجیح دے کر اسی کو اللہ کے سواء اپنا معبود بنالیا۔ اسی وجہ سے ان کو کہا گیا کہ تم ان کو اللہ کے سوا اپنا ربّ قرار دے کر غیر اللہ کی عبادت کر کے مشرک بنتے ہو۔ سو ایسا نہ کرو کیونکہ تمہاری کتاب بھی شرک سے منع کرتی ہے اور تم خود بھی اصولاً اس کے قائل ہو۔

اہل کتاب کی نسبت دوسرے مقام پر آیا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] (التوبۃ:31) اور عیسائی تو اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ[2] (المائدۃ:74) اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا[3] (البقرۃ:117) بلکہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ[4] (المائدۃ:18) صاف کہتے ہی ہیں۔

اور ترمذی کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے کہا کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کیا وہ تمارے لئے حلال و حرام نہیں قرار دیتے تھے۔ اور تم ان کے اس حکم پر کاربند نہیں ہوتے تھے۔ تو اس نے کہا ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ عبادت یہی ہے۔

(سنن الترمذی کتاب تفسیر القرآن باب ومن تفسیر سورۃ التوبۃ حدیث 3095)

اس حدیث سے ہمارے بیان مذکور کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اس سے حلت و حرمت کے فتوے قیاسی طور پر دینے اور ان فتووں کی پیروی کرنے کے خطرۂ عظیمہ کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) اگر وہ (اس برابر کی بات سے) پھر جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ (یا مشاہدہ کر لو) کہ یقیناً ہم ہی مسلم (فرمانبردار) ہیں۔ (یعنی اگر وہ اس پر نہ آئیں کہ جس کی طرف ان کو بلایا گیا ہے۔ تو پھر تم ان کو کہہ دو کہ تم نے اس امر کو خوب دیکھ لیا کہ ہم ہی اس کے فرمانبردار ہیں۔ جو کہ تمہاری کتاب کا حکم ہے اور اسی سے تم پر یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جس اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ[5] (البقرۃ:129) کے لئے ابراہیمؑ نے دعا کی تھی وہ

---

[1] ۔ انہوں نے احبار اور رہبان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ اللہ یقیناً تین میں سے ایک ہے۔ (تفسیر صغیر)
[3] ۔ اللہ نے (اپنے لئے) ایک بیٹا بنالیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4] ۔ یقیناً اللہ ہی مسیح ... ہے۔ (تفسیر صغیر)
[5] ۔ اپنی ایک فرماں بردار جماعت (بنا)۔ (تفسیر صغیر)

ہم ہی ہیں اور تم نہیں کیونکہ وہ بات جو کہ ابراہیمؑ اور باقی سب انبیاءؑ مشترک طور پر لائے ہیں۔ وہ یہی بات ہے۔ جس سے تم پھر گئے ہو اور ہماری فرمانبرداری تم نے مشاہدہ کرلی ہے۔

حضرت ابراہیم کی دعا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ سے ہم مسلمان مراد ہیں:

سو جب تم نے ہمارا دونوں رنگ سے مسلم ہونا مشاہدہ کر لیا ہے تو اب تم پر شہادت حقہ ادا کرنی لازم ہو چکی ہے سو اب تم اس کو ادا کرو جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے تم اہل کتاب کو میرا گواہ قرار دیا ہے۔ اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا دین اسلام ہی تھا۔ جیسا کہ ان کی دعا اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور دوسری طرف اہل کتاب نے یہ سنا کہ اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ تو سمجھ گئے کہ انہوں نے تو ثابت کر دیا ہے کہ ہم اہل کتاب ملت ابراہیمیہ سے خارج ہیں۔ اور یہ نیا فرقہ ملّت ابراہیمیہ پر ہے اور اہل اسلام کے مسلم ہونے سے تو انکار کر نہ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ابھی اپنا مسلم ہونا حجت مسکتہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔ تو فوراً حضرت ابراہیمؑ کے اسلام سے انکار کر کے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ ہمارے مذہب پر تھے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے یہود نے تو کہا کہ ابراہیم یہودی ہی تھے۔ اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ نصرانی ہی تھے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 49 سورۃ آل عمران دار الکتب العلمیہ بیروت 1998ء)

تو اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ) اے کتاب والو! تم ابراہیم میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ توریت و انجیل تو اس کے بعد ہی نازل کی گئی ہیں۔ کیا (تم یہ کہتے ہو) اور سوچتے نہیں۔ (یعنی ہم اگر یہ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کا مذہب اسلام تھا۔ تو اس وجہ سے کہ اسلام کے معنوں اور اس کی حقیقت پر آپ کاربند تھے اور پھر اس کا اطلاق بھی وہ خود اپنے پر کرتے تھے۔ تو یہودیت اور نصرانیت کا اطلاق بھی تب صحیح ہوتا کہ یہ دونوں باتیں ان پر صادق آتیں۔ حالانکہ نہ تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ توریت و انجیل کے نزول سے پہلے کبھی ان کا اطلاق ہوا ہے اور نہ ان کی حقیقت ان میں پائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی حقیقت میں وہ امور داخل ہیں۔ جن کا وجود یقیناً اور قطعاً توریت و انجیل کے نزول سے وابستہ ہے اور ان کے نزول سے پہلے ہرگز وہ نہ تھے۔ بخلاف اسلام کے کہ اس کے معنے اور حقیقت بجز اس

کے اور کوئی نہیں کہ وحدہٗ لاشریک اللہ ہی کی فرمانبرداری اختیار کی جائے۔ اور تم جانتے ہو کہ توریت وانجیل ابراہیمؑ کے بعد اتاری گئی ہیں۔ تو پھر کس طرح ان کی حقیقت پہلے پائی جائے گی تاکہ ابراہیمؑ پر ان کی حقیقت صادق آنے سے ان کا بولنا درست ہو سکے۔

مفسرین نے مذکورہ بالا بات کو نہ سمجھنے سے لکھا ہے کہ اگر ان کا یہودی نصرانی کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ توریت وانجیل پر ایمان لائے تھے۔ تب تو وَمَا اُنْزِلَ الخ ان کی حماقت کے اظہار کے لئے ہے اور اگر ان کا یہ مطلب تھا کہ ابراہیمؑ کا دین ہمارے دینوں سے مشابہ تھا۔ لہٰذا وہ یہودی یا نصرانی ہے تو تب مَا اُنْزِلَ الخ کے ساتھ یہ جواب دیا گیا ہے کہ پھر توریت وانجیل کے نازل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ غلط ہے اور ٹھیک وہی ہے جو کہ ہم نے اللہ کے فضل سے لکھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ) تم تو وہ نادان ہو کہ (ابھی) تم اس میں جھگڑے تھے کہ جس کا تم کو علم ہے۔ (یعنی اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنانے میں جس کی ایک شاخ مسیحؑ کی الوہیت وابنیت بھی ہے۔ اور تم کو خوب علم تھا کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور یہی تمہاری حماقت اور ضد کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔ یا یہ کہ ابھی تم نے اس میں مباحثہ کیا تھا۔ جس میں تمہیں علم کا دعویٰ بھی ہے۔ اور اس میں بھی لاجواب ہوئے تھے۔) تو اب تم اس میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ یعنی کیا وہ کافی نہ تھا۔ یا اس سے یہ سبق حاصل نہ ہوا تھا کہ ہم ان کے مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اور پھر اس کی وجہ بتائی کہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ ابراہیمؑ کے بارہ میں ان کا دعویٰ صریح غلط ہے اور وہ غلطی بالکل کھلی ہے فرمایا کہ) ابراہیمؑ نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی تھا ولیکن وہ صراط مستقیم پر قائم رہنے والا مسلم (فرمانبردار) تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔ (یعنی جس طرح یہودیت ونصرانیت کی کھلی علامت اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بنانا ہے اسی طرح ابراہیمؑ کے بین ترین احوال سے یہ ہے کہ مشرک تو کیا مشرکوں سے تعلق بھی نہ رکھ سکتا تھا۔ جیسا کہ ان کا اپنی قوم اور اپنے بزرگوں سے اظہار بیزاری اور قطع تعلق کرنا مشہور ترین واقعات سے ہے۔ تو جب یہ

بتادیا گیا کہ وہ یہودی و نصرانی نہ تھے۔ بلکہ کسی طرح کی شرک کرنے والے نہ تھے اور حنیف اور مسلم تھے اور اس سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ پھر کون سا فرقہ ان کے ہمرنگ اور ان کے قریب تر ہے۔ تو اس کے بتانے کے لئے فرمایا کہ اس سے ثابت ہے) کہ بے شک سب سے زیادہ قریب ابراہیمؑ سے وہی لوگ ہیں جو کہ اس کے تابع ہوئے۔ (اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین شرک کی وجہ سے ان کے اَتباع نہیں۔ پس ان کے اَتباع ان کی امت کے لوگ تھے جو حقیقۃً ان کی اطاعت اختیار کرتے تھے۔)

اور یہ نبیؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ (اور جیسا کہ قرآن مجید کا طرز ہے کہ اہم ترین دعادی کے سب دلائل کے بعد نشانات و تائیدات الٰہیہ سے بھی فیصلہ کیا کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر یہ فرما کر کہ) اللہ مومنوں کا متولی (اور مددگار اور دوست) ہے۔

(بتادیا کہ ابراہیمؑ کا تو اللہ ولی تھا اور اس کی خارق عادت تائید کر کے اس کو کامیاب بنایا تھا اور اس کے دشمنوں کو ناکام کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جو ابراہیمؑ کا ہمرنگ ہو گا اس کے ساتھ بھی اللہ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔ لیکن ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اللہ جس طرح ابراہیمؑ کا ولی ہوا تھا۔ اسی طرح اب مومنوں کا ہو گا۔ (اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ان کی اس غرض کو ظاہر فرمایا کہ وہ کیوں ایسا غلط دعویٰ کرنے پر آمادہ ہوئے کہ ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی تھا۔ تو بتایا کہ) کتاب والوں سے ایک گروہ نے چاہا تھا کہ تم کو گمراہ کر دے۔ (یعنی ان کی غرض یہ تھی کہ ابراہیمؑ کی عظمت اہل اسلام کے دلوں پر خصوصاً بنی اسماعیل کے دلوں پر بہت ہے۔ تو جب ہم اہل کتاب یہ کہیں گے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے۔ تو ان کو اسلام کی حقانیت میں شک پڑ جائے گا اور اس سے مرتد ہو جاویں گے۔

لیکن بتایا کہ) وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ بناتے ہیں اور محسوس تک بھی نہیں کرتے (یعنی اوّل تو ان کا یہ غلط خیال ہے کہ کسی اور کے اسلام میں ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسلام کو مانا ہے۔ بلکہ انہوں نے براہین و آیات سے مانا ہے۔ لہٰذا کسی کے داخل ہونے یا نکلنے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دوم ان کے دلوں میں ابراہیمؑ کی عظمت اسلام ہی کی وجہ سے ہے اور بس۔

سوم ان کے دلوں میں ابراہیمؑ کی عظمت اور اسلام پر ہونے کا یقین ایسا نہیں کہ تمہارے کہنے سے وہ زائل ہو جائے۔ لہٰذا وہ تو اس سے گمراہ نہ ہوں گے پر ایسی کارروائیوں سے یہ خود ہی گمراہی پر جم رہے ہیں۔ لیکن ان کو پتہ تک نہیں ہوتا۔

اس کے بعد ان کو ایسی نصیحت فرمائی جو کہ تہدید پر مشتمل ہے اور فرمایا کہ) اے کتاب والو! تم اللہ کی آیتوں (یا نشانوں) کا کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تم (ان کی) گواہی دیتے (یا ان نشانوں کو مشاہد کرتے) ہو (اور تم جانتے ہو کہ ایسا کرنے والوں کا کیا حال ہوتا رہا ہے اور کیا ہو گا۔ اور فرمایا کہ) اے کتاب والو! تم کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو۔ (تاکہ حق مشتبہ ہو جائے) اور حق کو چھپاتے ہو (اور باوجود ضرورت کے اور دریافت کرنے کے اور شہادت کے موقعہ کے اس کو بتاتے نہیں۔) حالانکہ تم جانتے ہو (حق کو بھی اور حق پوشی اور حق کو باطل سے ملانے کی سزا کو بھی اور باوجود سمجھانے کے باز بھی نہیں آتے۔)

آیت 73 تا 81: وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ

تَدْرُسُوْنَ۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

وَجْهٌ۔ منہ کو کہتے ہیں اور کبھی اس کے معنے طرف اور ابتداء کے بھی ہوتے ہیں۔

هُدٰى۔ ہدایت۔

يُحَاجُّوْكُمْ۔ مُحَاجَّةٌ سے ہے۔ جس کے معنے جھگڑے اور جھگڑے میں غالب آنے کے بھی ہوتے ہیں۔

ذُوْ۔ والا۔ تَأْمَنْ۔ اَمَنٌ اور اَمَانَةٌ سے ہے۔ جس کے معنے امین بنانے اور سمجھنے کے ہیں۔

قِنْطَارٌ کے معنے اور مقدار بیان ہو چکے ہیں۔

دُمْتَ۔ دَوَامٌ سے استمرار اور ہمیشگی کرنا۔

اُمِّيّٖنَ۔ ان پڑھ اور مکہ کا رہنے والا۔

سَبِيْلٌ۔ راستہ، وجہ اور کبھی حرج اور عتاب اور مذمت کے معنے بھی دیتا ہے۔

خَلَاقٌ۔ حصہ اور نصیب۔

يَلْوٗنَ۔ لَيٌّ سے ہے۔ جس کے معنے اینٹھنے، مروڑنے، پھیرنے اور ڈھیل کرنے کے ہیں۔

تَحْسَبُوْا۔ حُسْبَانٌ سے ہے۔ شمار اور خیال کرنا۔

رَبَّانِيٌّ کے معنے گذر چکے ہیں۔ تَدْرُسُوْنَ۔ دَرْسٌ سے ہے۔ پڑھنا، پڑھانا۔

ترجمہ:

اور کتاب والوں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم دن کے ابتداء میں اس پر ایمان لاؤ جو کہ ان پر نازل کیا گیا ہے۔ جو مومن بنے ہیں اور اس کے اخیر میں انکار کر دو شاید کہ وہ لوٹ آئیں اور ایمان نہ لاؤ پر ان لوگوں ہی کے لئے جو کہ تمہارے دین کے تابعدار ہیں۔ تم کہو کہ یہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اس لئے تاکہ کسی کو وہ کچھ (انعامات سے) دیا جائے جو کہ تم کو دیا گیا تھا یا کہ تمہارے ربّ کے پاس تم پر حجت قائم کریں۔ تم کہو کہ بے شک فضل اللہ

کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ چاہتا ہے اسی کو یہ دیتا ہے اور اللہ وسعت والا۔ علم والا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور کتاب والوں سے کچھ وہ ہیں کہ اگر تو اس کو مال کے ڈھیر پر تو امین بنائے تو وہ اس کو تیرے آگے ادا کرے گا اور کچھ وہ ہیں کہ اگر تو اس کو ایک اشرفی پر امین بنائے تو وہ اس کو تیرے آگے ادا نہ کرے گا مگر اس حالت میں کہ تو اس پر کھڑا رہے یہ اس وجہ سے کہ یقیناً وہ کہتے ہیں کہ ہم پر اِن اَن پڑھوں (یا مکی لوگوں کے بارہ) میں کوئی وجہ (مذمت کی یا کوئی حرج) نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

ہاں جس نے اللہ کے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک اللہ متقیوں کو پسند کیا کرتا ہے۔ جو لوگ کہ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑا مول لیتے ہیں۔ یقیناً ان کے لئے آخرت میں نہ کوئی حصہ ہو گا اور نہ اللہ ان سے بات کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔

اور ان میں سے ایک گروہ ہے کہ یقیناً وہ کتاب کے ساتھ اپنی زبانوں کو اینٹھتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب سے شمار کرو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہوتا۔ اور وہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہوتے ہیں۔

کسی انسان کی شان سے نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے۔ اور اس کے بعد وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم اللہ کے سواء میرے بندے ہو جاؤ۔ ولیکن تم ہو جاؤ خدائی لوگ اسی کی مطابق کہ تم کتاب پڑھاتے تھے اور اس کے موافق کہ تم درس و تدریس دیتے تھے۔ اور نہ وہ تم کو یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ربّ بنالو۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلم (فرمانبردر) تھے۔

تفسیر:

جب یہ ذکر ہوا کہ ابراہیمؑ کے یہودی یا نصرانی کہنے سے ان کا یہ منشاء تھا کہ اہل اسلام بلکہ خصوصاً عربوں اور بنی اسماعیل کو گمراہ کریں اور تین وجوہات سے یہ بات بعید معلوم ہوتی تھی۔

1۔ کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے شخص پر وہ افتراء کرنے کی کب جرأت کر سکتے ہیں، آخر اہل کتاب ہیں۔ 2۔ صحابہؓ کے وہ بخوبی واقف تھے کہ وہ کیسے راسخ الاعتقاد ہیں۔ پس ایسی بات سے وہ کب امید کر سکتے تھے کہ وہ گمراہ ہو جاویں گے۔ پھر خصوصاً جبکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ ہماری حرکات کے باعث ہم سے بد ظن بھی ہیں۔

3۔ جب یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت پر پورا یقین تھا محض بعض روکوں کے باعث رکے ہوئے تھے تو پھر وہ کس طرح کسی کو اسلام سے پھیرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا خداوند حکیم نے یہاں پر ان کی ایک اور ایسی ہی تدبیر یہاں پر ذکر فرمادی تاکہ خیال مذکور رفع ہو جائے تو فرمایا کہ) اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا (یعنی اپنے ساتھیوں اور اَتباع کو) کہ تم دن کے ابتداء میں اس پر ایمان لے آؤ جو کہ ان مومن کہلانے والوں پر اتارا گیا ہے (یعنی قرآن مجید پر) اور دن کے اخیر میں اس کا انکار کر دو تاکہ وہ بھی رجوع کر لیں۔ (کیونکہ وہ خیال کریں گے کہ یہ اہل علم لوگ اسلام میں داخل ہو کر پھر پھر گئے ہیں تو ضرور انہوں نے اس میں کوئی نقص دیکھا ہو گا تو اس سے ان میں بھی تذبذب پیدا ہو جاوے گا۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی خطرہ تھا کہ جب یہ لوگ نمائشی مومن بن کر اہل اسلام سے ملیں گے تو کہیں ان کی باتیں سن کر یہ بھی ہاتھ سے نہ چلے جائیں تو اس لئے ان کو تین اصول انہوں نے پہلے ہی سے بتائے۔

1۔ یہ کہ) تم ایمان نہ لاؤ (یعنی کسی کی بات پر نہ یقین لاؤ اور نہ اس کو تسلیم کرو۔) مگر ان کے لئے جو کہ پہلے سے تمہارے دین کے تابع ہوں۔

(دوم یہ کہ تم اس کو بھی نہ مانیو کہ کسی اور کو وہ دیا جاسکتا ہے جو کہ تم کو دیا گیا ہے یعنی نبوت اور کتاب۔

3۔ یہ کہ اس کو بھی نہ مانیو کہ تمہارے رب کے پاس کوئی دوسرے لوگ تم پر حجت میں غالب آسکیں گے۔

بات نہ ماننے کا فائدہ تو ظاہر ہی ہے اور ان جیسا دیئے جانے کا انکار اس لئے لکھا کہ اہل کتاب کے مقابلہ میں موسیٰؑ جیسے نبی وغیرہ کا ذکر کیا جاتا تھا اور حجت میں غالب آنے

کی نفی اس لئے کی کہ اتمام حجت کے بعد کہا جاتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کے سامنے تم کیا جواب دو گے اور اس سے ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوتا تھا۔ تو ان دونوں باتوں کے اثر سے بچانے کے لئے انہوں نے پیش بند کر دی۔ اور اس سے وہ استبعاد بھی رفع ہو جاتا ہے کہ جو اپنے پر دوسروں کے گمراہ کرنے کے لئے کفر اختیار کرنے پر تیار ہو وہ دوسرے کی کیا پرواہ کریں گے۔ اور جو اپنے واقفوں کو اپنی ذات سے دھوکہ دینے کے لیے تیار ہوں وہ ابراہیمؑ کے ساتھ کیوں نہ دیں گے اور ان کے اس فعل سے بیّن طور پر گمراہ کرنے کا ارادہ بھی ثابت ہو گیا۔ تو خداوند تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ یہی ہدایت یقیناً اللہ کی ہدایت ہے۔ (اور اللہ کی ہدایت سے کوئی نہیں پھیر سکتا۔ جیسا کہ ہر قل والی حدیث میں صاف آیا ہے کہ سچی ہدایت اور سچا ایمان جب دل میں جاگزین ہوتا ہے۔ تو اس کو برا جان کر کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری کتاب الجھاد والسیر باب دعا النبیؐ... حدیث 2941)

پھر بتایا کہ یہ ہدایت ہم نے تمہارے فخر کے توڑنے کے لئے نازل کی ہے۔ تا کہ کسی کو وہ دیا جائے۔ جو کہ تم کو دیا گیا ہے۔ یا تا کہ تمہارے ربّ کے پاس حجت میں وہ تم پر غالب آجائیں۔

(مفسرین نے اس کی کئی ترکیبیں اور کئی معنے کئے ہیں۔ پر حق یہ ہے کہ اَنْ یُّؤْتٰی الخ ان کے قول کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے اور قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ جملہ معترضہ ہو جائے۔ جیسا کہ آگے کا قُلْ بتاتا ہے کہ اس سے پہلے بھی ان کا کوئی قول ہو۔ جیسا کہ پہلے قُلْ سے پہلے ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قُلْ کے نیچے داخل ہو یا اِنَّ الْھُدٰی کی خبر ہو۔ اور ھُدَی اللّٰہِ الْھُدٰی کا بدل ہو۔ اور یا ھُدَی اللّٰہِ خبر ہو اور اَنْ یُّؤْتٰی اس کی علت ہو۔ اور میں نے بتایا ہے کہ ایسے مقام میں سب معانی درست ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی وجہ بتائی کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کہ کسی دوسرے کو وہ کچھ نہیں مل سکتا جو کہ اہل کتاب کو ملا ہے۔

تو فرمایا کہ) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کو یہ دیتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔ (یعنی نبوت و شریعت فضل سے اور وہ کسی کا حق یا ورثہ نہیں ہوتا۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کے قبضہ اور اختیار میں ہوتا ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے اس کو وہ دیتا ہے۔ اور اس کے پاس کچھ کمی بھی نہیں کہ نہ دے سکے کیونکہ وسعت والا ہے۔

ہاں فضل کے لئے بھی کوئی قابل چاہیے تو خداوند تعالیٰ علیم ہے۔ وہ قابل کو بھی خوب جانتا ہے۔ پھر کسی دوسرے کو وہ کیوں نہ دے سکے۔ اس کے بعد یہ فرما کر کہ) اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (یہ بتایا ہے کہ جو کچھ ان کو دیا ہے وہ کسی کو دینا تو کیا اللہ اس نبی پر اور اس قوم پر فضل عظیم کر کے اپنی رحمت کے ساتھ سب کے درمیان سے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جب اہل کتاب ایسے بُرے ہو گئے ہیں تو خداوند تعالیٰ ان پر یہ رحمت و فضل کیوں کرتا ہے۔ کہ اس اسلام میں داخل فرما کر اپنے حبیبؐ کے صحابہؓ میں داخل کرتا ہے جن کے لئے بڑے بڑے فضلوں کا وعدہ ہے۔

اور نیز ان کی وہ خرابی بتانے کے لئے کہ جس کی وجہ سے وہ محروم ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ) کتاب والوں سے کچھ وہ ہیں کہ اگر ان کے پاس مال کا ڈھیر تم امانت رکھو تو بھی وہ اس کو تمہارے آگے ادا کر دیں گے اور کچھ ان میں سے وہ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھو تو وہ اس کو تمہارے آگے ادا نہ کریں گے مگر اس حالت میں کہ تم ان پر قائم رہو۔ (یعنی پیچھے لگے رہو۔ اس میں یہ بتایا کہ نبوت و شریعت کے لئے امین ہونا از بس ضروری ہے۔ اس امانت ہی کے نہ ہونے سے وہ تحریف کتاب، تلبیس حق بالباطل اور کتمان حق افتراء علی اللہ اور افتراء کذب اور تحلیل و تحریم از خود کر لیتے ہیں۔ سو اگر ان میں کوئی نبی آئے بھی تو انہوں نے اس کے احکام کے پہنچانے میں وہی کرنا تھا جو کہ عہد عتیق اور عہد جدید کے ساتھ مدت دراز سے کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے دینار امانت کے واپس نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اُمّیوں میں ہم پر کوئی حرج اور مذمت نہیں ہے۔

(پھر اس سے جو بات لازم آتی ہے۔ ترقی کے طور پر اس کو بیان فرمایا کہ) اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہوتے ہیں (کہ یہ اللہ پر جھوٹ ہے اور یہ بھی کہ اس کی بدترین سزا ہے۔ تو جو انہوں نے نفی کی تھی کہ اُمّیوں میں ہم پر کوئی حرج نہیں۔ اس کی نسبت فرمایا کہ)

ہاں (حرج ضرور ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ کتب سابقہ سے یہ قاعدہ تم کو بخوبی معلوم ہے کہ) جس نے (اپنے یا اللہ کے) عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا سو (چونکہ) یقیناً

اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ (لہٰذا وہ اس سے محبت کرے گا۔ پر اس کے بالمقابل) جو لوگ کہ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑا مول لیتے ہیں۔ (یعنی تھوڑے سے طمع اور فائدے کی امید سے عہد عتیق اور عہد جدید کی اور اپنی ان قسموں کی مخالفت کرتے ہیں جو کہ انہوں نے اس عہد پر قائم رہنے اور عمل کرنے کے لئے کی ہوتی ہیں۔) یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا قیامت کے دن (جو کہ رحم کا دن ہو گا اور جس میں رحم کی اشد ضرورت ہو گی) اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ (یعنی گناہ معاف نہ ہوں گے اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُمّی ہوں یا کوئی ہو۔ جب عہد عتیق کے حکم کے خلاف اس کا مال امانت دبایا تو ضرور ہی عذاب شدید ہو گا۔ اس کے بعد اس افتراء علی اللہ کو اور کھول کر بیان فرمایا جو کہ ان کے مذکورہ بالا فتوے سے لازم آتا تھا تو فرمایا کہ) یقیناً ان میں سے ایک گروہ ہے۔ جو یقیناً اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ اینٹھتا ہے۔ تاکہ تم اس کو اس کتاب سے خیال کرو (یعنی جب کتاب پڑھتے ہیں۔ تو اس میں اپنی طرف سے کچھ مطلب کی عبارت بنا کر کتاب اللہ کے لب ولہجہ سے اس کو پڑھتے ہیں۔ اور ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ تم اس کو کتاب اللہ کی عبارت خیال کرو۔) حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہوتا۔

(اور پھر اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ صراحۃً بھی) وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہوتے ہیں (کہ یہ اللہ پر افتراء ہے اور ایسا کرنے والا اظلم الناس اور عذاب شدید کا مستوجب ہوتا ہے جب ان کے افتراء علی اللہ کا ذکر ہوا تو یہ بتانے کے لئے کہ اصل مسئلہ کہ جس کی طرف ان کو بلایا تھا اور انہوں نے اس کے خلاف اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] (آل عمران:65) پکڑنے پر اصرار کیا تھا تو اس کے خلاف کی بناء بھی اس افتراء پر ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ یہ افتراء علی اللہ ہے اور اس میں اِفْتِرَاءٌ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ[2] ہے۔) فرمایا کہ) کسی

[1] ۔ اللہ کو چھوڑ کر رب (بنانا) (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اللہ کے نیک بندوں اور نبیوں اور رسولوں پر افتراء (از مرتب)

انسان کے لئے شایاں نہیں تھا کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے اور پھر وہ (اس منصب کے اس قدر دور ہو جائے کہ) لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کے سوا میرے بندے (پرستار، عبادت کرنے والے) بن جاؤ۔ ولیکن (وہ یہ کہے گا) کہ ہو جاؤ تم خدائی لوگ (یا فقیہ، یا متقی عالم، یا حکیم عالم، یا مدبّر عالم۔ یہ تفسیریں آثار میں منقول ہیں۔)

اس سبب سے کہ تم کتاب کو پڑھاتے رہے ہو اور اس سبب سے (بھی) کہ تم اس کو تکرار کرتے رہے ہو۔ (یعنی چونکہ کتاب میں یہی تعلیم تم پڑھتے پڑھاتے رہے ہو کہ خدائی لوگ بنو نہ کسی اور کے۔ لہٰذا وہ تم کو اگر حکم کرے گا تو یہی کرے گا۔ نہ یہ کہ میرے بندے بنو۔) اور نہ یہ حکم دے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ربّ بنالو۔ کیا بعد اس کے کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) تھے۔ وہ تم کو کفر کا حکم دے گا (یعنی وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ اور نہ خداوند تعالیٰ انتخاب نبی میں غلطی کھا سکتا ہے۔ اور نہ وہ دیدہ و دانستہ ایسے شخص کو نبی بنا سکتا ہے۔ پس یہ صاف ان کا افتراء علی الانبیاءؑ والصلحاء ہے اور بس۔

آیت 82 تا 92: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

اِصْرًا کے معنے گذر چکے ہیں۔ اور یہاں پر عہد کے ہیں۔

یَبْغُوْنَ۔ بَغْیًا سے ہے، چاہنا۔ اَسْبَاطٌ کے معنے مفصل گذر چکے ہیں۔

اَحَدٌ کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے کہ یہ بمعنے جماعت ہے اور نفی کے بعد یا کل کے مقام پر آنے کے لئے مخصوص اور اَحَدٌ بمعنے ایک کے مغائر ہے۔

یَبْتَغُ۔ اِبْتِغَاءٌ سے ہے جو کہ بَغْیٌ اور بُغْیَۃٌ سے بنا ہوا ہے۔

خٰلِدِیْنَ۔ خُلُوْدٌ سے ہے۔ جس کے معنے بتائے گئے ہیں کہ ہمیشہ کے نہیں۔ بلکہ مدت دراز تک رہنے کے ہیں۔

یَنْظُرُوْنَ۔ نَظْرٌ سے ہے۔ بمعنے مہلت دینے یا دیکھنے کے۔

مِلْأٌ۔ پُر کرنا اور پُری۔

اِفْتَدٰی۔ فِدْیَۃٌ اور فِدَاءٌ سے ہے۔ جان کا بدلہ دینا۔

ترجمہ:

اور (یاد کر) جب کہ اللہ نے نبیوں کا معاہدہ لیا کہ ضرور کتاب و حکمت سے جو کچھ کہ میں نے تم کو دیا ہو۔ پھر تمہارے پاس رسول آئے۔ جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو کہ تمہارے پاس ہے۔ تو بہر حال ضرور ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ہی تم اس کی مدد کرو گے۔ اس نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد تم نے پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا۔ اس نے فرمایا سو تم گواہ رہو (یا گواہی دیتے رہو۔) اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں گا۔

تو جو اس کے بعد پھر جائیں گے تو وہی پکے حکم عدولی کرنے والے ہوں گے۔ کیا وہ (اس کی حکم عدولی کر کے) پھر اللہ کے دین کے مغائر (مخالف) چاہیں گے۔ حالانکہ اسی کے لئے وہ سب چیزیں جو زمین اور آسمانوں میں ہیں طوعاً و کرہاً۔ (خوش و ناخوش) منقاد (فرمانبردار) ہیں اور اس کی طرف پھیرے جاویں گے۔

تم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو کہ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو ابراہیمؑ و اسمٰعیل اور اسحٰق و یعقوب اور (ان کی) ذریت پر اتارا گیا ہے۔ اور جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور (باقی) انبیاء کو اپنے ربّ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ ہم ان سے کسی جماعت میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے (اللہ کے) لئے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی اسلام کے مخالف کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جاوے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں سے ہو گا۔

اللہ ان لوگوں کو کس طرح ہدایت دے جو کہ اپنے ایمان کے بعد کافر بنے ہیں اور انہوں نے گواہی دی تھی کہ یقیناً یہ رسول (برَ) حق ہے اور کھلے کھلے نشانات (بھی) ان کو مل چکے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (بلکہ) یہ لوگ تو یقیناً ان کی جزا یہ ہوتی ہے کہ ان پر اللہ اور سب فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہوتی ہے مدتوں اس میں پڑے رہتے ہیں نہ ان سے عذاب تخفیف کیا جاتا ہے اور نہ ان کو مہلت دی جاتی (یا نہ بنظر رحمت ان کی طرف دیکھا جاتا) ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی سو بے شک اللہ بخشنے والا نیک بدلہ دینے والا ہے۔

یقیناً جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر بنے اور پھر کفر میں بڑھ گئے۔ ان کی توبہ قبول نہ ہو گی اور وہی گمراہ ہیں۔ بے شک جو لوگ کافر بنے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو ان میں سے کسی سے (بھی) زمین کی پُری کا سونا ہر گز قبول نہ کیا جاوے گا۔ اگرچہ وہ اس کو اپنی جان کے بدلہ میں دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگاروں سے نہیں ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ جو کچھ اہل کتاب کو دیا گیا وہ کسی دوسرے کو دینا کیا بلکہ جس کی نسبت یہ اس قدر دیئے جانے سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ اللہ اس کو اپنی رحمت کے ساتھ سب سے مخصوص کرے گا اور ان پر اگر فضل کیا تھا تو اس پر فضل عظیم کرے گا۔ تو اب ایک اور امر کو ذکر فرما کر اس رحمت خاصہ اور فضل عظیم کا پتہ دیتا ہے اور وہ یہ بتایا ہے کہ یاد کرو جبکہ ہم نے سب انبیاءؑ سے (ان کے اپنے اپنے زمانہ میں) پختہ عہد لیا تھا کہ کتاب و

حکمت سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہو اور (گو اس وقت خیال ہو سکتا ہے کہ ہم کو کسی کی کیا ضرورت ہے لیکن) پھر تمہارے پاس کوئی ایسا رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ (بلحاظ اس کی پیشگوئی کے اور اصول میں متحد ہونے کے اور غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے کے۔) تو ضرور ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ (الخ اور پھر اس پر پختہ عہد و پیمان لینے کا ذکر کر کے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور گواہی دیتے رہو اور میں بھی گواہوں سے ہوں گا۔

اس کی تفسیر میں یہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا ہے اور یہ بالکل حق ہے اور یہی مطلب لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ[1] کا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ 59 سورۃ آل عمران دار الکتب العلمیۃ بیروت 1998ء)

البتہ آپ کا نام نہیں لیا گیا۔ جیسا کہ آئندہ کے اخبار کا طریق ہے بلکہ وصف مصدق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ سب معنوں کے لحاظ سے جامع طور پر حضور ہی پر صادق آتا ہے۔ اور اس سے ہر ایک نبی کی امت پر اس ایمان کی ضرورت بتانی مقصود تھی اور شہادت کے بعد پھرنے والوں کے فسق کا ذکر کر کے بتایا کہ تم بھی گواہی دے دو اور میں بھی كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا[2] (النساء:80) کے مطابق گواہی دیتا رہوں گا۔ اور باوجود ان شہادتوں کے پھر اگر کوئی پھرے گا تو وہ پورا باغی قرار پا کر مورد عذاب ٹھہرے گا۔

پھر بتایا کہ جب مصدق کے آنے پر اللہ کا دین وہی ہوتا ہے جو کہ مصدق پیش کرتا ہے تو پہلا دین مخلوط ہونے کی وجہ سے بشہادت اللہ غیر اور مخالف دین اللہ ہو جاتا ہے۔ پس کس طرح یہ لوگ اس مخالف دین اللہ کو لیتے ہیں اور اللہ کی عظمت کا خیال نہیں کرتے جس کی اتباع سب کو طوعاً یا کرہاً کرنی پڑتی ہے اور آئندہ اسی کی طرف رجوع کئے جاویں گے۔ اس کے بعد دین اللہ کی تعیین کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الخ پر ایمان لائے ہیں اور ہم اس کے مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

---

[1] ۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنی پڑتی۔ (از مرتب)

[2] ۔ اللہ خوب اچھا گواہ ہے۔ (تفسیر صغیر)

(یعنی سب انبیاءؑ کا دین اسلام ہی تھا۔ لہٰذا ہم تمہاری طرح نہ ان میں تفریق کرتے ہیں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنا کر ان کے دین اسلام سے باہر ہوتے ہیں بلکہ ہم اس ہی کے لئے مسلم (فرمانبردار) ہیں۔ یعنی ہم ان کے دین اسلام پر ہیں۔ جو دین اللہ ہے تو جب یہ ثابت ہوا کہ جس دین اللہ پر سب انبیاءؑ آئے ہیں وہ اسلام ہے اور اس کا مخالف دین اللہ نہیں ہے تو فرمایا کہ) جو اسلام کے مغائر کوئی دین چاہے گا۔ تو اللہ اس سے اس کو قبول نہ فرمائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین سے ہو گا۔

جب اسلام کی حقانیت ثابت ہو گئی تو اب ان کے اس عذر کو توڑنے کے لئے کہ اگر ہم پر اس کی حقانیت کھلتی تو ہم ضرور مان لیتے فرمایا کہ) اللہ کس طرح ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو کہ ایمان کے بعد کافر ہوں۔ (الخ یعنی حق تو ان پر کھلا پر انہوں نے تسلیم نہ کیا اور ظالم اور لعنتی بن کر ہدایت سے محروم ہوئے۔ تو چونکہ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ پھر جو لوگ اہل کتاب سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ) مگر وہ لوگ جو اس کے بعد رجوع لائے اور انہوں نے اصلاح کی تو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔

(یعنی وہ لوگ گو پہلے موسیٰ اور دوسرے انبیاءؑ پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے منکر بھی ہوئے ہوں۔ پر جب ان کو نبی کریم ﷺ کی صداقت کا علم ہوا تو پھر انہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی لہٰذا ان کو بخشا گیا۔ پر) جو کافر ہوئے بعد اپنے ایمان کے پھر کفر میں بڑھ گئے۔ (یعنی باوجود نبی کریم ﷺ کی صداقت کے معلوم کرنے کے پھر بھی کفر اور عناد پر مصر رہے۔ ان کی توبہ قبول نہ ہو گی۔ (کیونکہ وہی ظالم اور خدا اور فرشتوں اور پاک لوگوں کے لعنتی ہیں۔ لہٰذا وہ توبہ ہی نہ کریں گے کہ قبول ہو کیونکہ) یہی لوگ گمراہ ہیں۔ (ان پر گمراہ ہونے کا حکم لگ چکا ہے۔ اور یہ کفر ہی پر مریں گے۔) اور جو کافر ہوئے پھر کفر پر ہی مرے تو ان سے زمین کی پُری (کے برابر) سونا نہ قبول کیا جاوے گا۔ اگر وہ اپنی جان کے بدلہ میں دیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا اور کوئی ان کے لئے مددگاروں سے نہ ہو گا۔

آیت 93 تا 102: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

تشریح الفاظ:

تَنَالُوْا۔ نَیْلٌ سے ہے، پانا۔ حِلٌّ۔ حلال۔

وُضِعَ۔ وَضْعٌ سے ہے، رکھنا۔ مقرر اور تیار کرنا۔
بَکَّۃُ۔ مَکَّۃُ (شَرَّفَھَا اللّٰہُ) یا خاص مقام مسجد حرام۔
اٰمِنٌ۔ امن والا۔ حِجُّ۔ قصد اور قصد حج۔
تَصُدُّوْنَ۔ صَدٌّ سے ہے، روکنا۔
عِوَجٌ۔ ٹیڑھا۔ یَعْتَصِمُ۔ اِعْتِصَامٌ سے ہے۔ مضبوط پکڑنا۔

ترجمہ:

تم ہر گز نیکی کو نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ تم اس سے (اللہ کے راستہ میں) صرف کرو۔ (جس سے) تم پیار کرتے ہو۔ اور جو تم (اللہ کی راہ میں) صرف کرتے ہو۔ سو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہوتا ہے۔ سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ بجز اس کے جو یعقوب نے اپنے پر توریت کے نزول سے پہلے حرام کیا تھا۔ تم کہو سو توریت کو لاؤ، پھر اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو۔ تو جنہوں نے اس کے بعد اللہ پر افتراء کیا تو وہی ظالم ہوں گے۔ تم کہو کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ سو ابراہیم کے دین کے متبع بنو جو استقامت والا ہے اور وہ مشرکوں سے نہ تھا۔

بے شک پہلا گھر جو کہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ یقیناً وہی ہے جو کہ مکہ (معظمہ) میں ہے۔ بابرکت اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ اس میں کھلے کھلے نشان ہیں۔ (جن میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ اور ان لوگوں پر اس گھر کا (حج کے لئے) قصد کرنا ہے۔ اس (پر) جو اس کی طرف راستہ کی طاقت رکھتا ہے۔ اور جو کافر ہو اسو اللہ یقیناً سب لوگوں سے بے نیاز ہے۔

تم کہو اے کتاب والو تم کیوں اللہ کی آیتوں (نشانوں) کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ اس پر شاہد ہے جو تم کرتے ہو۔ اے کتاب والو! تم کیوں اللہ کی راہ سے ان کو روکتے ہو جو ایمان لاتے ہیں۔ تم اس کو ٹیڑھا چاہتے ہو حالانکہ تم گواہ (نمونہ) ہو اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔ اے ایمان والو! اگر تم ان میں سے کسی گروہ کی تابعداری کرو جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنادیں گے۔ اور تم کس طرح

کافر بنو گے حالانکہ تم وہ ہو جن پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے سو ضرور وہ سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

تفسیر:

اس کے بعد ان کی سب خرابیوں کی جڑھ اور ان کی اصلاح کا طریق بتانے کے لئے فرمایا کہ) تم کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔ جب تک (الخ۔ یعنی ان کی سب خرابیوں کی جڑھ مال وجاہ اور خواہشات کی محبت ہے اور خداوند تعالیٰ کی رضا مندی ان کے للہ ترک کرنے اور اپنے محبوبات کو اللہ کی راہ میں صَرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز پہلے تو ان کے ملعون اور محروم التوبہ ہونے کا ذکر تھا۔ تو بعد اس کے اس کو ذکر کر کے بتایا کہ محبوبات کو اللہ کے لئے صَرف کرنے سے توبہ کی توفیق حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسا حدیث میں آیا ہے ہے کہ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ۔[1]

(مسلم کتاب الایمان باب بیان الحکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ حدیث 323)

اور محبوبات کے للہ ترک کرنے کی مثال ان کے بزرگوں میں دکھانے کے لئے اس کے بعد حضرت یعقوبؑ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اور گو اس کی ہزاروں مثالیں تھیں۔ اور سب سے بیّن اور مشہور ترین حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا ذبح کرنا تھا۔ پر چونکہ یعقوبؑ کے اس واقعہ سے اہل کتاب نے ایک افتراء علی اللہ کیا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے انہوں نے اسلام پر اعتراض کیا تھا اور اصل بیان ان کے افتراؤں اور دین حق کے متعلق ان کے اعتراضوں کے بیان اور ان کی تردید میں تھا۔ لہٰذا بالخصوص یعقوبؑ کے اس واقعہ کو ذکر کیا اور فرمایا کہ) کہ سب طعام (جن کو اہل اسلام حلال جانتے ہیں) بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے۔ سوائے اس کے جس کو یعقوبؑ نے توریت کے نزول سے پہلے اپنے پر حرام کر دیا تھا۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ ثابت کیا کہ ہم ہی دین ابراہیمؑ پر ہیں جو کہ اسلام ہے تو یہود نے اعتراض کیا کہ اگر تم دین ابراہیمؑ پر ہو تو پھر اونٹ کا دودھ اور گوشت کیوں کھاتے ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ پر یہ حلال تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ

[1]۔ تم نے ماضی میں جو اچھے کام کئے تھے انہی کی وجہ سے تو تم نے اسلام قبول کیا ہے۔ (از مرتب)

نہیں جو کچھ ہم حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ ابراہیمؑ و نوحؑ اور سب انبیاءؑ پر حرام تھا۔ تو پھر ان کے جواب کے لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں اور جواب کی تقریر واضح ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنے پر کیا حرام کیا؟

رہا یہ کہ اسرائیل نے کیا حرام کیا تھا اور کیوں کیا تھا۔ تو اوّل تو اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ وہ حقیقت میں حرام تو ہے ہی نہیں۔ پر مفسرین نے مختلف روایتیں لکھی ہیں۔ مجاہد نے لُحُوْمُ الْاَنْعَامِ[1] کہا ہے۔ اور ابن عباس نے گردے اور کلیجی کی دو نوکیں اور چربی سوائے پیٹھ کے۔ اور عطاء سے مروی ہے کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ۔

(تفسیر الدر المنثور جلد دوم صفحہ 250 سورۃ آل عمران زیر آیت کل الطعام کان... الخ، دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

اور تحریم کی وجہ ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اس سے شفا ہو تو اَحَبُّ الطَّعَامِ[2] نہ کھاؤں گا۔ اور آپ کو یہ چیزیں زیادہ محبوب تھیں۔ لہٰذا ترک کر دیں۔ اور ان کی دوسری روایت میں ہے کہ چونکہ آپ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور ایک دن اونٹ کے گوشت سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ نے اس کو اپنے پر حرام کر دیا تھا۔ اور حسن نے کہا ہے کہ یہ تحریم تعبد اور زہد اور ترکِ لذات کے طور پر تھی۔

اور کتاب پیدائش ب 32 میں گو یعقوب کی عرق النساء کا خالی ذکر ہے۔ پر تعبد اور زہد کے طور پر حرام کرنا ہی قرآن مجید کے بیان کے ساتھ زیادہ موزون ہے اور اونٹ کے گوشت اور دودھ والا اعتراض صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ اور توریت کے نزول سے پہلے حرام کرنا اس لئے فرمایا کہ اگر وہ واقعہ میں حرام ہوتا۔ تب تو اس میں محرمات سے وہ بھی شمار ہوتا۔ سو اس کا ان میں شمار نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ میں حرام نہ تھا۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ ابراہیمؑ کے مخالف تو تم ہو یہ فرمایا کہ) اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ سو تم ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کرو۔ (الخ یعنی اس کو حلال یقین کرو۔ جیسا کہ ابراہیمؑ اس کو حلال سمجھتا تھا۔ اور نیز

---

[1] ۔ مویشیوں کے گوشت۔ (از مرتب)

[2] ۔ سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا۔ (از مرتب)

ابراہیمؑ موحد تھا، مشرک نہ تھا۔ پس تم بھی توحید اختیار کرو اور شرک کو چھوڑو۔ اس کے بعد ان کا ایک اور خلاف بتایا۔ اور چونکہ اس کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی اعتراض کیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا معبد:

لہٰذا اس کو علیحدہ مستقل طور پر بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (الخ یعنی ابراہیمؑ کا معبد تو مسجد حرام ہے جس سے تم روگردان ہو۔ اور یہ کوئی غلط العوام ہی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے اس میں بیّن نشان موجود ہیں۔ جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔ یعنی ابراہیمؑ کا وہاں پر رہنا اور اپنی اولاد کو وہاں پر رکھنا۔ نیز وہ پتھر جو کہ تصویری زبان سے آج تک مقام ابراہیم کی گواہی دیتا ہے۔

دوم یہ کہ جو اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ سو ایک طرف ابراہیمؑ کی دعا پر نظر کی جائے پھر ارد گرد کی بے امنی اور مکہ کے امن کو دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہے۔

سوم حج ہے کہ ابراہیمؑ نے کیسے جنگل بیابان کی نسبت یہ دعا کی تھی اور پھر کس طرح اس کی قبولیت کا اثر سال بسال ہزارہا لوگوں کو دور و دراز سے جمع کر کے دکھایا جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ) جو (باوجود ان بیّن نشانوں کے) پھر بھی انکار کرے تو اللہ لوگوں سے بے نیاز ہے۔ (یعنی سزا دینے میں وہ کسی کے اسرائیلی وغیرہ ہونے کی پروا نہیں کرتا۔ اور پھر دو دفعہ ان کو مخاطب کر کے ان کے مستوجب سزا ہونے کی دو وجہیں بتائی ہیں۔

نمبر 1۔ اٰیات بیّنات کا انکار کر کے وہ شرارتیں کرنی جن کو وہ جانتے ہیں۔

نمبر 2۔ باوجود شہداء اللہ ہونے کے الٹا لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا۔ اور تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کے تین معنے ہو سکتے ہیں۔

نمبر 1۔ تم راستہ چاہتے ہو ٹھڑی ہونے کی حالت میں۔

نمبر 2۔ تم راستہ کو اس حالت میں چاہتے ہو کہ وہ ٹھڑا ہو۔

نمبر 3۔ تم اس راستہ کے لئے ٹھڑا پن چاہتے ہو۔

اس کے بعد مومنوں کو بتایا کہ) اگر تم اہل کتاب میں سے کسی فریق کی اطاعت اختیار کروگے تو ضرور وہ تمہارے ایمان کے بعد تم کو کافر کر دیں گے۔ (یعنی یہ شہداء نہیں بلکہ یہ لوگ گمراہ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں پر مت اعتبار کرو۔ اور پھر بتایا کہ تم کو ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جن کی وجہ سے) تم کفر کو لو۔ حالانکہ تم کو آیات اللہ سنائی جاتی ہیں۔ اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے (الخ۔ یعنی تم کو صراطِ مستقیم تو مل چکا ہے۔ اب اس کو مضبوط پکڑنے کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر وہ نہ ملا ہوتا تو پھر تلاش کرنی بجا ہوتی۔)

آیت 103 تا 110: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

تشریح الفاظ:

تُقٰتِهٖ۔ تقویٰ۔ اَلَّفَ۔ تَاْلِيْفٌ سے ہے۔ جوڑنا اور الفت ڈالنا۔

اَصْبَحْتُمْ۔ اِصْبَاحٌ سے ہے۔ صبح کرنا، صبح کے وقت میں داخل ہونا اور ہو جانا۔

شَفَا۔ کنارہ۔ حُفْرَةٌ۔ گڑھا۔

اَنْقَذَ۔ اِنْقَاذٌ سے ہے۔ نکالنا، بچانا۔

اُمَّۃٌ کے بہت سے معانی بتائے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک معلم الخیر کے بھی ہیں۔
مَعْرُوْفٌ ومُنْکَرٌ کے معنے بھی گذر چکے ہیں۔
تَبْیَضُّ۔ تَسْوَدُّ۔ اِبْیِضَاضٌ اور اِسْوِدَادٌ سے ہیں۔ جو کہ بَیَاضٌ اور سَوَادٌ سے ہیں۔ سپید اور سیاہ ہونا۔

ترجمہ:

ہاں اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے بچو جیسا کہ اس سے بچنے کا حق ہے۔ اور ہر گز نہ مرو پر مسلم (فرمانبردار) ہونے ہی کی حالت میں۔ اور اللہ کے رسّے کو سب مضبوط پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔ اور اس کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر (ہوئی) ہے۔ جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی سو تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا (اللہ کرے) کہ تم ہدایت پاؤ۔ تم میں کچھ نیکی کے معلم ہوں جو نیکی کی طرف بلائیں اور دستور کے موافق کا حکم دیں اور (جو دستور اور شرع سے) ناآشنا (ہو اس) سے منع کریں۔ اور وہی کامیاب ہونے والے ہوں گے۔

اور ان کی مانند نہ بنو جنہوں نے تفرقہ کیا اور اس کے بعد اختلاف کیا کہ ان کے پاس کھلی کھلی باتیں آچکیں۔ اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کہ کچھ منہ سپید ہوں گے اور کچھ منہ سیاہ ہوں گے۔ سو جن کے منہ سیاہ ہوئے (ان کو کہا جاوے گا۔) کیا تم اپنے ایمان کے بعد کافر بنے۔ سو تم عذب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ اور جن کے منہ سپید ہوئے۔ سو اللہ کی رحمت میں وہ رہ پڑنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ تجھے سناتے ہیں۔ اور اللہ لوگوں کے لئے ظلم نہیں چاہتا۔ اور اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب امور پھیرے جاویں گے۔

تفسیر:

مومنوں کو اہل کتاب کے دھوکوں سے بچنے کا حکم دے کر تقوی اللہ میں ترقی

کرنے کا ارشاد فرمایا جو کہ ان کی شر سے بچنے اور ہر ایک بری راہ سے بچنے اور حق پر ثابت قدم رہنے کا اصل ذریعہ اور ایک ہی حقیقی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے اس کے بعد یہ فرمایا کہ) تم نہ مرو پر مسلم ہونے کی حالت میں۔ (یعنی تقوی اللہ میں لگا رہنا ہی خاتمہ بالا سلام ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد گمراہی کے ایک دوسرے خطرناک باعث سے بچنے کی ہدایت فرمائی کہ) تم سب کے سب اللہ کے رسّے (کتاب اللہ اور دین اسلام) کو مضبوط پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔

(صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اس سے ناامید ہو چکا ہے کہ عرب میں پھر بت پرستی اور شرک ہو۔ لیکن وہ چھیڑ چھاڑ کی تاک میں ہے۔

(سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی التباغض حدیث 1937)

اور حقیقت میں کچھ تو اسی تقوی اللہ کی کمی سے اور زیادہ تر اس تفرقہ سے اہل اسلام پر یہ یہود والے دن آئے ہیں۔ پر کاش کہ اب بھی سمجھیں کہ یہ تفرقہ مضر ہے اور یہ بجز اس کے نہ کبھی رفع ہوا ہے اور نہ ہو گا اور نہ ہو سکے گا کہ ایک ہی امام کے عَلَم کے نیچے آجاویں۔ خصوصاً جس کو خداوند کریم نے خود قائم کیا ہو۔

وحدت:

چنانچہ اسی بات اور اسی وحدت کے گُر کو بتانے کے لئے اس کے بعد یہ پاک ارشاد ہوتا ہے کہ) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو کہ تم پر ہوئی ہے۔ جب کہ تم (آپس میں ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی۔ سو تم اللہ کے فضل سے بھائی ہو گئے (الخ۔ یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے کہ جنگوں اور دشمنیوں سے کس دوزخ میں تھے۔ اور پھر جب تم میں وحدت ہوئی تو ایک طرف تو اس دوزخ سے بچے دوسری طرف خداوند تعالیٰ کے کیا کچھ فضل و کرم تم پر ہوئے اور دوم یہ کہ جب تک رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور حَبْلُ اللهِ الْمَتِيْنِ[1] تم میں نہ تھے۔ تب تک باوجود قوم کی سرگرم کوششوں کے عداوت و مخالفت کی آگ ذرہ بھی کم نہ ہو سکی۔ پر جب تم نے حَبْلُ

[1]۔ اللہ کی مضبوط رسی (از مرتب)

اللہ کو پنجہ مارا اور رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کے عَلَم کے نیچے آئے تو کس طرح تمہارے ملک کی عداوت کی بھٹی سرد ہو کر وہ وحدت کا گلزار بن گیا اور تم دشمنوں سے بھائی بن گئے۔ سو اس کو یاد رکھو اور آئندہ موقعہ پر اس سے کام لو۔

پھر بتایا کہ) ہم نے (سب ضروری اور تمہارے مفید اور کار آمد) باتیں کھلی کھلی (اس کتاب میں) بیان تو کر دی ہیں۔ (لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ) تم میں سے کچھ لوگ نیکی سکھلانے والے ہوں (الخ یعنی لوگوں کو تفرقہ وغیرہ اسباب ضلالت وخسران سے منع کرتے رہیں اور اتفاق وغیرہ امور کی ہدایت اور سعادت دارین کا حکم کرتے رہیں۔ تو ایسے لوگ ضرور دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوتے رہیں گے۔ اور یہی کامیابی ان کے داعی الی الخیر ہونے کا نشان ہو گی۔

اس کے بعد تفرقہ کے بد اثر کا نقشہ سامنے لا کر ان کو اس سے سخت نفرت دلانے کے لئے فرمایا کہ) تم ان (یہود اور بنی اسرائیل) کی طرح نہ بنو جنہوں نے تفرقہ کیا (الخ یعنی جنہوں نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کس طرح اسی دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوئے اور کیسی سخت تکلیفوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس اخروی عذاب کی اس دنیوی عذاب کے ساتھ ان کے لئے خبر دی گئی تھی وہ بھی ضرور ان کو ایسا ہی پہنچے گا جیسا کہ یہ دنیوی پہنچا ہے۔ اور جنہوں نے تفرقہ نہیں کیا وہ کس طرح دنیا میں سرخرو ہوئے اور کس عزت وعظمت اور آرام سے انہوں نے زندگی بسر کی ہے۔ جس سے ان کے اس اخروی اجر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ جس کا اس کے ساتھ ہی ان کو وعدہ دیا گیا تھا۔

اور پھر اخیر میں بتایا کہ) ہم نے تم کو حق بتایا ہے اور ہماری یہ باتیں ایک وقت آئے گا کہ اس کتاب کی صداقت کی نشان ٹھہریں گی اور اس وقت یہ قوم یہ خیال کرے گی کہ ہم پر خدا نے یہ مصیبت کیوں ڈالی ہے۔ پر یاد رکھو کہ خدا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے اس نے پہلے سے تم کو بتا دیا ہے کہ تفرقہ نہ کرنا اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ ورنہ تم پر بھی وہی وارد ہو گا جو یہود پر ہوا ہے۔ اور پھر بتایا کہ گو اس وقت تم تعجب کرو گے کہ ایسی ترقی یافتہ قوم کس طرح ذلیل ہو گی پر یاد رکھو کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے

اور سب امور اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔ پس وہ جیسا ان میں چاہتا ہے۔ ویسا ہی تصرف کرتا ہے اور ویسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا خلیفہ المسیحؑ نے ایک عجیب نکتہ انہی آیتوں کی تفسیر میں فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اور جماعت مفلحین کی علامت قرآن مجید اور واقعات سے یا یوں کہیے کہ خداوند تعالیٰ کے قول و فعل سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ ایک ہی امام کے زیر سایہ ہوں اور ان کا ایک ہی ہادی ہو۔ اور ان کے مقابل کی علامت یہ ہے کہ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى[1] (الحشر:15) اور جس طرح حضرت مسیحؑ کی جماعت کے مقابلہ میں متفرق یہود کے فرقے تھے اور آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی جماعت کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے متفرق فرقے تھے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ کی جماعت کے مقابلہ میں دوسرے متفرق فرقے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

[1]۔ تو ان کو ایک قوم خیال کرتا ہے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

آیت 111 تا 121: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔

تشریح الفاظ:

اَذًی۔ تھوڑا سا ضرر اور بد گوئی۔

بَاؤُ کے معنے گذر چکے ہیں کہ رجوع، ہلاکت اور استحقاق کے ہیں۔

اٰنَاءٌ۔ اِنٌیٌ بمعنے طرف کی جمع ہے۔

صِرٌّ۔ سخت سردی۔ بِطَانَةٌ۔ راز دار۔ اور خاص۔

یَاْلُوْنَ۔ اَلْوٌ سے ہے۔ کوتاہی، منع کرنا، ترک کرنا۔

خَبَالٌ۔ وہ فساد جو کہ اضطراب پیدا کرنے والا ہو۔

عَنِتُّمْ۔ عَنَتٌ سے ہے۔ سخت مشقت اور ضرر۔

بَدَتْ۔ ظاہر ہونا۔ اَفْوَاهٌ۔ فُوْهٌ کی جمع ہے، منہ۔

عَضُّوْا۔ عَضٌّ سے ہے۔ دانتوں سے کاٹنا۔

اَنَامِلُ۔ انگلیوں کے سرے۔

تَسُؤْ۔ سُوْءٌ سے ہے۔ دکھ دینا، غم ناک اور حزین کرنا۔

ترجمہ:

تم اچھے معلم الخیر ہو گئے جو کہ لوگوں کے (فائدہ کے) لئے نکالے گئے ہو۔ دستور والے امر کا حکم دیتے ہو۔ بے دستورے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔ اور اگر کتاب والے ایمان لاتے تو ضرور ان کے لئے (بھی) بہتر ہوتا۔ (لیکن) ان میں سے (تھوڑے) ایمان لانے والے ہیں اور اکثر ان کے حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ وہ تم کو کچھ ضرر نہ دیں گے۔ بجز بد گوئی (یا خفیف تکلیف) کے اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جائیں گے۔ اور پھر ان کو مدد نہ دی جاوے گی۔ ان پر ذلت ماری گئی ہے جہاں کہیں کہ پائے جائیں۔ مگر اللہ کے رسّے کے ذریعہ سے اور لوگوں کے رسّے کے ذریعہ۔ اور اللہ کی طرف سے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں (یا غضب کے ساتھ رجوع لائے ہیں۔ یا ہلاک ہوئے ہیں) اور ان پر مسکنت ماری گئی ہے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ یقیناً اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور (اس میں) حد سے بڑھتے جاتے تھے۔ (پر) وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب سے ایک جماعت قائم ہے کہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں وہ پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور دستور والے امر کا حکم دیتے ہیں۔ اور بے دستورے کام سے منع کرتے ہیں اور بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور وہ سنوار والوں سے ہیں۔ اور وہ بھلائی سے جو کچھ کرتے ہیں۔ تو وہ (اس کے اجر سے) محروم نہیں کئے جاتے۔ اور اللہ متقیوں کو خوب جاننے والا ہے۔

جو کافر بنے ہیں ان کو ان کے مال اور اولاد اللہ سے کچھ (بھی) نہ بچائیں گے۔ اور وہ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔ اس کی حالت جو وہ اس کے نزدیک زندگی میں صَرف کرتے ہیں۔ اس ہوا کی حالت کی مانند ہے۔ جس میں جلانے والی سردی ہو (اور) ان لوگوں کی کھیتی کو پہنچے۔ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو۔ پھر وہ اس کو تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ ولیکن (بات تو یہ ہے) کہ وہ (خود) اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم اپنے غیر سے راز دار مت بناؤ۔ جو کہ تمہاری ضرر رسانی میں کمی نہیں کرتے (اور نہ کریں گے)۔ (اور) انہوں نے تمہاری مشقت کو پسند کیا ہے۔ اور بغض ان کے مونہوں سے یقیناً ظاہر ہو چکا ہے۔ اور جس کو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ وہ بہت بڑا ہے۔ ہم نے ضرور تمہارے (فائدہ کے) لئے آیتیں بیان کر دی ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ ہاں تم وہ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم ساری کتاب پر ایمان لاتے ہو۔ اور جب وہ تم کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدہ جاتے ہیں تو تم پر غضب سے پپوٹے کاٹتے ہیں۔ تم کہو کہ تم اپنے غصے سے مر جاؤ۔ اللہ یقیناً سینوں والی (باتوں) کو خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم کو کوئی بھلائی چھوئے تو وہ ان کو غمناک کرتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی چھوئے تو اس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی خفیہ تدبیر تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے گی۔ اللہ یقیناً اس پر احاطہ کرنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تفسیر:

چونکہ مومنوں کو پہلے ثبات علی الاسلام کا ارشاد فرما کر اس کی یہ وجہ بتائی تھی کہ تم کو صراط مستقیم کی ہدایت تو ہو چکی ہے۔ پس اہل کتاب سے دریافت کرنے کی کون سی ضرورت ہے۔ تو اب اس وجہ سے بڑھ کر ایک اور اعلیٰ درجہ کی وجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ جس امت کی نسبت پہلے سے سب قوموں میں ہم نے مشہور کرایا ہوا تھا اور تم نے بھی سنا ہوا تھا کہ وہ خیر الامم ہو گی اور لوگوں کے لئے نکالی جائے گی الخ اور پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس کی مصداق کون قوم بنے گی۔ اور ہر ایک قوم چاہتی تھی کہ وہ ہم ہی ہو جائیں اور سب سے زیادہ یہی اہل کتاب اس کے مدعی تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے بزرگوں کی ایک جماعت دار ہجرت کے قرب وجوار میں آکر آباد ہوئے تھے۔

پر خداوند تعالیٰ نے تم پر فضل کیا کہ اہل کتاب وغیرہم تو اس سے محروم ہو گئے اور) تم خیر امت (اچھے نیکی سکھلانے والے) ہو گئے جو کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے

نکالی گئی ہے۔ (اپنے وطن سے۔ حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے لکھا ہے کہ اس کے اول مصداق مہاجرین علیہم الرضوان ہیں یا ظاہر کی گئی اور وہ فائدہ یہ بتایا کہ) معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے منع کرتے ہو۔ (اور اس سب کمال کی جڑھ اور بناء بتانے اور یہ بتانے کے لئے کہ صمیم قلب اور اخلاص سے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ فرمایا) تم اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ (اور یہ بتانے کے لئے کہ اہل کتاب اس فخر و امتیاز سے محروم ہیں۔ فرمایا) اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (پر وہ محروم رہے۔ لیکن چونکہ اس سے ایمان لانے والے اہل کتاب کے ایمان کی بظاہر نفی ہوتی تھی۔ تو اس لئے قاعدہ کلیہ بتایا کہ) تھوڑے سے ان میں سے مومن ہیں اور اکثر ان میں سے حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ (یعنی قومی تعریف و مذمت میں کثرت کا لحاظ ہوتا ہے۔

پھر بتایا کہ ہدایت یا کمال کی وجہ سے تو تم کو اہل کتاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم ان کے ضرر سے ڈر کر ایسا کرنا چاہو تو اس کی نسبت بھی تم کو بتا دیتے ہیں کہ) ہرگز یہ تم کو بجز بد گوئی کے اور کچھ ضرر نہ دے سکیں گے۔ اور اگر جنگ کریں گے تو تم سے پیٹھیں پھیر جاویں گے۔ اور پھر مدد بھی نہ دیئے جاویں گے۔ (چنانچہ بعینہٖ ایسا ہی ان کے ساتھ ہوا اور باوجود بڑی بڑی امیدوں کے اور بڑی سر توڑ کوششوں کے مدد نہ ملی۔

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ) ان پر ذلت ماری گئی ہے (الخ۔ یعنی اسلام لے آویں یا رعیت بن کر لوگوں سے امن لے کر کہیں رہ سکیں گے۔ ورنہ قتل و جلا وطن ہی ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ باوجود اس قدر عرصہ دراز گذر جانے کے اب تک یہی حال ہے۔ اور پھر ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ کے ساتھ اس کی وجہ بتائی ہے۔ اور اس کی تفسیر مفصل گذر چکی ہے۔ اور چونکہ گذشتہ بیان سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ گو اہل کتاب سے کچھ مومن بھی ہیں۔ لیکن تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وغیرہ کے ساتھ جو فضائل اس امت کے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مصداق اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہو سکتا۔ گو وہ مومن بھی بن جائے تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ برابر نہیں۔ اہل کتاب سے ایک گروہ استقامت والا ہے۔ (الخ مفسرین نے اس کے یہی معنے کئے ہیں اور شان

نزول یہ لکھا ہے کہ ایمان لانے والے یہود کی نسبت یہود نے کہا تھا کہ یہ شریر اور کمینے لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے آباء کا مذہب چھوڑ کر نیا مذہب قبول کیا ہے اور اس صورت میں مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ کی بجائے مِنۡهُمۡ آنا چاہیے تھا۔ پر اہل کتاب کے کرتوتوں اور ان مومنین کے باوجود ان میں سے ہونے کے پھر بھی یہ خوبیاں رکھنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس کو رکھا ہے۔ اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اہل کتاب خیرِ امت کے لوگوں سے برابر نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب سے ایک ہی تھوڑا گروہ ایسا ہے۔ الخ اور ان معنوں کے رو سے مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ہی لانا چاہیے تھا اور مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ فرما کر بتایا ہے کہ وہ بھی ان میں داخل ہیں اور مَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ الخ فرما کر بتایا ہے کہ اس کی بناء قومیت پر نہیں بلکہ اعمال خیر اور تقویٰ پر ہے۔

اور مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ الخ میں یہ بتایا ہے کہ گو وہ بھی ظاہر مال و جان صرف کر رہے ہیں۔ جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ ان کے ان اعمال کا ان کو بھی اجر ضرور ملے گا، لیکن بتایا کہ چونکہ وہ حق کی مخالفت میں یہ کچھ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے یہ اعمال برباد جائیں گے۔ اور کوئی اجر ان کو نہ ملے گا۔

غیر کو رازدار دوست بنانے کی ممانعت کی وجہ:

اور جب اہل کتاب میں سے بعض کے ایمان لانے کا ذکر ہوا اور صحابہؓ لوگوں کے ایمان کے بہت حریص تھے اور اسی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق اور راہ و رسم اور دوستانہ رکھا کرتے اور بڑھایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ مومن ہو جائیں تو اب ان کے ایمان کی امید سے ان کے ساتھ یہ تعلق بڑھانے کی امید پیدا ہوتی تھی اور حقیقت میں یہ تعلق بڑھانا بہت خطرناک تھا۔ لہٰذا یہ فرما کر کہ) اے ایمان والو! تم اپنے غیر سے راز دار دوست مت بناؤ (الخ اس سے نہ بالکل منع کیا اور نہ عام اجازت دی۔ بلکہ حد بست کر دی کہ راز و نیاز تک تعلق کو نہ بڑھاؤ اور اس سے ورے ورے نیک سلوک بے شک کرو۔

اور اس کی بہت سی وجہیں بیان کیں۔ جن کا خلاصہ ایک وہ عداوت اور بغض ہے کہ باوجود تمہاری محبت کے ان کے بغض میں کمی ہو کر محبت پیدا نہیں ہوتی اور دوم نفاق۔ اور تم

جس کتاب کے سب حصوں پر ایمان لائے ہو اس میں تم کو بتایا گیا ہے کہ ایسے بغض اور نفاق والے حقیقی ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتے۔

اور ان کے اس بغض اور نفاق کے نشان بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اور اخیر میں وَاِنْ تَصْبِرُوْا الخ فرما کر یہ بھی بتادیا کہ تم اگر ان کے ایمان کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کے ضرر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہو تو پھر بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہم نے تم کو بتادیا ہوا ہے کہ یہ لوگ بجز بد گوئی کے اور کچھ ضرر تم کو نہ دے سکیں گے۔ لیکن اب ہم تم کو یہ بھی بتادیتے ہیں کہ تمہارا ان کے ضرر سے محفوظ رہنا بھی اسی شرط پر ہے کہ تم ایسے امور سے صبر کرو اور بچو۔ کیونکہ پھر اللہ جو کہ ان کی خفیہ تدبیروں کا واقف ہے۔ ان کی تدبیروں کو تباہ کر کے تم کو محفوظ رکھے گا۔

آیت 122 تا 130: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

غَدَوْتَ۔ غُدْوَةٌ سے بنا ہوا ہے۔ جس کے معنے دن کے اول حصہ میں آنے جانے اور کام کرنے کے ہیں۔

تُبَوِّئُ۔ تَبَوُّءٌ سے ہے۔ جس کے معنے منزل پر اتارنے اور بسانے اور جگہ تیار کرنے کے ہیں۔

مَقَاعِدُ۔ مَقْعَدٌ کی جمع ہے۔ بیٹھنے کی جگہ۔

هَمَّتْ۔ هَمٌّ سے ہے۔ قصد کرنا۔

تَفْشَلَا۔ فَشْلٌ سے ہے۔ ضعیف اور بزدل ہونا۔

بَدْرٌ۔ لکھا ہے کہ بدر نام قوم جہینہ سے ایک شخص تھا۔ جس نے مدینہ کے چند میل کے فاصلہ پر مکہ کی طرف ایک کنواں کھودا تھا جو کہ اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور تاریخ واقدی نے بدر اس جگہ کا نام بتایا ہے اور بعض نے وادی کا نام کہا ہے۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ ایک بازار تھا۔ بہر حال یہ وہ بدر ہے۔ جہاں پر آنحضرت ﷺ کی پہلی لڑائی قریش کے ساتھ ہوئی ہے اور قریش کے صنادید کو قتل کرا کے اور اسلام کو خارق عادت فتح دے کر اس واقعہ کو فرقان اور اس دن کو یوم الفرقان بنایا اور اہل اسلام کی ذلت کو عزت سے اور کفار کی عزت کو ذلت سے مبدل کیا تھا۔ باقی قصہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے۔

یُمِدُّ۔ اِمْدَادٌ سے ہے۔

فَوْرٌ۔ اصل میں ہنڈیا کے جوش مارنے کو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے غضب پر بھی بولا جاتا ہے اور پھر جلدی پر اور اس حال پر جس میں دیر اور ڈھیل نہ ہو بولا جاتا ہے۔

مُسَوِّمِیْنَ۔ مُسَوِّمٌ کی جمع ہے۔ جو کہ تَسْوِیْمٌ سے ہے۔ چیز کی علامت کا ظاہر کرنا۔ اور علامت لگانا۔

طَرَفًا۔ اصل میں تو کنارہ کو کہتے ہیں اور جماعت اور اشراف لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے۔

یَکْبِتُ۔ کَبْتٌ سے ہے۔ جس کے معنے غیظ و غضب دلانے اور غم میں ڈالنے کے ہیں اور ذلیل کرنے اور ہلاک کرنے، بہکانے، منہ کے بل گرانے، لعنت کرنے اور جگہ پر دکھ پہنچانے کے لئے بھی آتا ہے۔

اَوْ یَتُوْبَ۔ ایسے مقام پر اَوْ کے معنے یا، یا مگر، یا یہاں تک کے ہوا کرتے ہیں۔

ترجمہ:

اور جب کہ تو سویرے چلا اپنے گھر والوں سے تم مومنوں کو جنگ کے لئے بیٹھکوں پر اتار (یا بٹھلا یا تیار کر) رہے تھے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جبکہ تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی کا قصد کیا۔ اور اللہ ان دونوں کا متولی تھا۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اور یقیناً ہی اللہ نے تم کو بدر میں مدد دی حالانکہ تم ذلیل تھے۔ سو تم اللہ سے بچو تا کہ تم شکر کرو۔ جبکہ تو مومنوں کو کہتا تھا کہ کیا تمہیں یہ کفایت نہ کرے گا

کہ تمہارا رب تم کو تین ہزار (اوپر سے) اتارے ہوئے فرشتوں کے ساتھ مدد دے، ہاں ضرور (کفایت کرے گا۔)

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ اپنے اس غضب کے سبب سے (یا اپنی اس تیزی سے) تم پر آجائیں تو تمہارا رب تم کو پانچ ہزار نشان دار (یا بھیجے ہوئے) فرشتوں کے ساتھ مدد کرے گا۔ اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا پر تمہارے لئے بشارت اور تاکہ تمہارے دل اس کے ساتھ اطمینان پکڑیں۔ اور مدد نہیں پر غالب باحکمت اللہ کی طرف سے تاکہ ان سے شرفاء کی جماعت (یا کسی جماعت) کو کاٹ دے جو کافر بنے ہیں۔ یا ان کے جگر جلادے (یا ان کو ذلیل کردے، یا بھگادے، یا غضب دلائے۔) تو وہ ناکام لوٹ جائیں۔

تیرے لئے (ان کے) معاملے سے کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ کہ وہ (اللہ) ان پر (اپنی رحمت کے ساتھ) لوٹ آئے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یقیناً وہ ظالم ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے۔ اور وہ سب کچھ جو کہ زمین میں ہے جس کے لئے چاہے اس کو بخش دیتا ہے اور جس کو چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

جب یہ ذکر آیا کہ تم صبر اور تقویٰ کرو تو ان کی خفیہ تدبیریں تم کو ضرر نہ دیں گی۔ جس سے دو باتیں معلوم ہوتی تھیں۔

نمبر 1۔ یہ کہ ان کے کرنے پر ضرر نہ ہوگا۔

نمبر 2۔ ان کے نہ کرنے پر ضرر ہوگا۔

اور مومن گو خدا کی سب باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پر تجربہ اور مشاہدہ سے یقین کا وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ جس سے طمانینت اور جوش عمل حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد دو واقعوں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے ان دو امروں کا تجربہ اور مشاہدہ یاد دلایا جاتا ہے اور ان دو امروں سے گو پہلا اس جنگ سے ثابت ہوتا تھا جو کہ پہلے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور دوسرا اس سے جو بعد میں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ دوسرا امر اشارۃً پہلے بیان ہوا تھا۔ نیز ترتیب طبعی بھی یہی ہے کہ پہلے کوشش ہوتی ہے کہ انسان ضرر سے بچے اور بعد ازاں کامیابی اور فتح

کی کوشش ہوتی ہے۔ اس لئے دوسرے امر کے ثابت کرنے کے لئے بعد کے واقعہ کو پہلے ذکر کر کے فرمایا کہ یاد کرو یعنی اس کا ثبوت اس وقت کے یاد کرنے سے ملتا ہے۔) جب کہ تو سویرے اپنے گھر والوں سے چلا مومنوں کو جنگ کے لئے بیٹھکوں پر اتارتا (تعیین کرتا) تھا۔ جب کہ تم میں سے دو گروہوں نے چاہا تھا کہ بزدلی دکھائیں۔ اور اللہ ان دونوں کا متولی تھا۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

جنگ احد کی طرف اشارہ:

(یہ جنگ احد کی طرف اشارہ ہے جس میں قریش مکہ کی فوج جو کہ تین ہزار تھی اور سات سو ان میں سوار تھے۔ بدھ کے دن آکر احد پہاڑی کے پاس اتری تھی۔ اور جمعرات کا دن وہاں پر ہی وہ ٹھہرے رہے اور نبی کریم ﷺ کی اپنی رائے یہی تھی کہ ہم مدینہ سے باہر نہ جائیں۔ اور عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس منافقین بھی اسی پر زور دیتا تھا۔ لیکن اس جنگ کے شہیدوں میں سے بعض نے اس پر زور دیا کہ باہر جا کر ان کے ساتھ لڑنا چاہیے۔ چنانچہ آپ زرہ پہن کر جب نکلے تو پھر لوگ پشیمان ہوئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی جب زرہ پہن لے تو پھر جنگ کے سوا نہیں اتار سکتا۔

(سیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 299 باب ذکر مغازیہ ﷺ، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

تو جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر سے تیار ہو کر ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ جن میں کل دو سو سوار تھے احد کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے یہاں پر ایک نکتہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ شیعہ سنیوں میں جو اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں نزاع ہے۔ اس نزاع کو یہ آیت فیصلہ کر دیتی ہے کیوں کہ تاریخ اور مغازی اور کتب سیر سے ثابت ہے کہ اس آیت میں جن اہل بیت سے نبی کریم ﷺ کی روانگی بیان ہوئی ہے۔ وہ حضرت عائشہؓ ہی ہیں نہ بالخصوص چار تن پاک۔ پہلے تو راستہ ہی میں سے عبداللہ بن ابی تہائی لوگ لے کر واپس ہو گیا کہ میری رائے کے کیوں خلاف کیا ہے۔

پھر جب لشکر کو ترتیب آپ نے دی اور تیر اندازوں پر عبداللہ بن جبیر کو امیر مقرر

کر کے ایک مقام پر ان کو تعیین کیا اور حکم دیا کہ خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب ہوں تم نے کسی حالت میں ہمارے حکم کے سوا اس مقام کو نہ چھوڑنا۔ اوراسی طرح باقی لشکر کو بھی ترتیب دیا اور لشکر کے دونوں جناح (بازو) پر بنی سلمۃ قوم خزرج سے اور بنی حارثہ قوم اوس میں سے مقرر فرمائے۔

اور انہی بنی سلمۃ اور بنی حارثہ نے بزدلی کا خیال کیا تھا۔ پر خداوند تعالیٰ نے پھر ان کو استقامت دے دی۔

حدیثوں اور تاریخوں میں ہے کہ ہفتہ کے دن صبح سویرے حضورؐ نے یہ ترتیب دی۔

(شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 389 باب غزوۃ احد، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1996ء)

اور دوسری طرف ابو سفیان نے بھی اپنی فوج کو ترتیب دی اور ان کی فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار عکرمۃ بن ابو جہل تھا اور دوسرے دستہ کا خالد بن ولید کماندار تھا۔ تو جب لڑائی شروع ہوئی تو تھوڑی دیر کے بعد کفار کے لشکر کو ہزیمت ہو گئی۔ اور تیر اندازوں نے کفار کے زن و مرد کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر غنیمت کا لالچ کر کے میدان میں اترنا چاہا اور ان کے امیر نے آنحضرت ﷺ کا تاکیدی حکم سنا کر باصرار منع کیا۔ لیکن بجز چند آدمیوں کے اور سب نافرمانی کر کے اتر آئے تو کفار نے بھاگتے ہوئے۔ جب اسلامی لشکر کا پیچھا تیر اندازوں سے خالی پایا تو لوٹ کر پیچھے اور آگے سے ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اس طرف نبی کریم ﷺ کے چہرے مبارک پر ایک تیر اور ایک پتھر ایسا زور کا پڑا کہ آپ کا منہ زخمی ہو گیا اور ایک دانت ٹوٹ گیا اور آپ ایک گڑھے میں گر گئے۔ دوسری طرف ایک شیطان ابن قمئہ نے پکار کر ابو سفیان کو کہا کہ محمدؐ مارا گیا اور میں اس کو مار کر آیا ہوں اور اس آواز نے مسلمانوں کے دل اور بھی کمزور کر دیئے۔

لیکن حضرت علیؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ابو بکرؓ آپ کے پاس ہی رہے۔ اسی طرح سعد بن ابی وقاص اور طلحہ وغیرھم ثابت قدم رہے۔

(شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 418 باب غزوۃ احد، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1996ء)

اور حضرت مولانا خلیفہ المسیحؑ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جب آنحضرت ﷺ کی

حقیقی موت تسلیم نہ کر سکے تھے اور تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے تھے۔ تو پھر قتل ہونا کس طرح تسلیم کر کے بھاگ سکتے تھے۔ جس سے ان کا ثابت قدم رہنا صاف ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کھلبلی میں بہت سے صحابہؓ اور بڑے بڑے بہادر حضرت حمزہؓ جیسے کام آئے اور حضرت حمزہؓ کی میت کو مثلہ کیا گیا اور ہندہ اہلیہ ابو سفیان نے اپنے باپ اور چچا اور بھائی کے قتل کے جوش سے آپ کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تو اس اثنا میں کعب بن مالک صحابی نے آنحضرت ﷺ کو پہچان کر مُردوں کے ڈھیر میں سے اٹھایا اور آواز دی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔ تب پھر صحابہؓ جمع ہوئے اور کفار اپنی جان بچا کر اپنے قیام گاہ میں چلے گئے۔ اور دوسرے حملہ کی تاب نہ دیکھ کر راتوں رات واپس چلے گئے۔

پس یہ وہ واقعہ ہے کہ صبر و تقویٰ کی خلاف ورزی سے سخت تکلیف اٹھائی ہے۔ اور وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا فرما کر بتایا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کا ولی تھا تو پھر ان کو بزدلی نہ دکھانی چاہیے تھی۔ بلکہ اللہ پر توکل کرنا چاہیے تھا۔ اور امر اول کے ثابت کرنے کے لئے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ الخ فرما کر جنگ بدر کا ذکر کیا ہے جس کا قصہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اور جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ اور صبر اختیار کرنے سے کس طرح خداوند تعالیٰ نے دشمنوں کے ضرر سے ان کو محفوظ رکھ کر خارق عادت طور پر نصرت اور فتح نصیب کی۔

اور علاوہ ازیں وہ بات یاد دلائی ہے جو کہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر میں صحابہؓ کو فرمائی تھی۔ اور یہ وہ بات ہے جس کا کچھ ابتدائی حصہ سورہ انفال میں بدیں الفاظ ذکر کیا ہے کہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ[1] (الانفال:10) اور درمیانی حصہ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ کے ساتھ اور آخری حصہ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ کے ساتھ یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

[1]۔(اور اس وقت کو بھی یاد کرو) جبکہ تم اپنے رب سے التجائیں کرتے تھے۔ اس پر تمہارے رب نے تمہاری دعاؤں کو سنا (اور کہا کہ) میں تمہاری مدد ہزاروں فرشتوں سے کروں گا جن کا لشکر کے بعد لشکر بڑھ رہا ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

یعنی جنگ بدر میں جب تم نہایت مضطرب ہو کر فریاد کر رہے تھے۔ تو اس وقت ہم نے بشرط تقویٰ ایک ہزار فرشتہ کے ساتھ مدد دینے اور پھر بشرط تقویٰ وصبر تین ہزار فرشتوں کے ساتھ اور بشرط تقویٰ وصبر اور ان کے جوش اور تیزی کے ساتھ آنے کے پانچ ہزار کے ساتھ مدد دینے کا وعدہ دیا تھا۔ اور جب تم نے ان شرطوں کو پورا کیا تھا تو ہم نے بھی اس وعدہ کو پورا کیا تھا۔ اور بہت سے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اس دن بہت سے صحابہؓ کو کشفی رنگ میں فرشتے متمثل ہو کر دکھائی دیئے ہیں۔ اور جن کو یہ آنکھیں اور یہ کان نہیں ان کو حق اعتراض بھی نہیں جیسا کہ نابینے اور بہرے کو رؤیت اور سماعت پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

اور لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر وہ انعام ہوں جن کے تم شکر گذار بنو۔ اور پھر فرشتوں کے بھیجنے کی حکمت بشارت اور اطمینان قلب کو بتایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اصل نصرت تو عزیز و حکیم اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ اور آگے اس نصرت کا ثمرہ بتایا ہے کہ وہ یہ ہے کہ اللہ کافروں کے سر برآوردہ گروہ کو ہلاک کر دے اور دوسروں کو ذلیل اور ناکام واپس کر دے۔ ایسے محل پر لفظ او تنویع (اقسام بیان کرنے کے لئے) آیا کرتا ہے۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ اور تو اور ہی ہیں۔ سید الرسلؐ کے لئے بھی یہ قدرت نہیں ہے کہ کسی کو ضرر پہنچائے یا کسی کو ضرر سے بچائے بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی پر رجوع برحمت [1] کر کے اس کو بچالے یا اس کے ظلم کے سبب سے اس کو کچھ عذاب دے تو فرمایا کہ (اے نبی) تیرے لئے اس معاملہ سے کچھ بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی ان پر (برحمت) رجوع کرے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ وہ یقیناً ظالم ہیں۔

(اور اس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو کہ زمین میں ہے۔ وہ بخش سکتا ہے جس کے لئے چاہے اور عذاب دے سکتا ہے جس کے لئے چاہے اور اللہ بخشنے والا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ (یعنی جب یہ اس کی صفت ہے۔ تو ضروری ہے کہ وہ بعض کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کرے۔ مالک ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے۔

[1] ۔(تفسیر القرآن جلد 5 نمبر 3 صفحہ 201 تا 300 بابت ماہ جولائی، اگست، ستمبر 1910ء)

تفسیروں میں آیا ہے کہ جنگ احد میں جب آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو مثلہ شدہ دیکھا تو آپ نے اس رنج کے باعث چاہا تھا کہ ہم بھی ان کے ساتھ ایسا کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض میں آیا ہے کہ بعض مشرکوں نے جب دھوکہ دے کر آنحضرتؐ سے چند صحابہؓ کو ساتھ لیا اور پھر ان سب کو قتل کر دیا تھا تو آپ نے کچھ دن ان کے لئے نمازوں میں بد دعا کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی تو آپ رُک گئے۔ اسی وجہ سے مفسرین نے اس کی تفسیر میں اختلاف لکھا ہے۔ پر شان نزول کچھ ہی ہو اس کے یہاں پر رکھنے کا یہی مطلب ہے جو پہلے بیان ہوا ہے۔ اور انہوں نے اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ کے اور اور معنے بھی کئے ہیں۔ پر عمدہ یہی ہیں جو کہ ہم نے لکھے ہیں۔

آیت 131 تا 144: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

رِبّو کے معنے گذر چکے ہیں۔

سَرَّآءُ۔ آسائش، فراخی، خوشی، سرور۔

ضَرَّآءُ۔ سختی، تنگدستی، مشقت اور فقر۔

كَاظِمِيْنَ۔ كَاظِمٌ کی جمع ہے۔ كَظْمٌ سے ہے۔ جس کے اصل معنے مشک کے مُنہ کو باندھنے اور بھر جانے کے ہیں۔ اور اب اس کے معنے غصہ اور غضب کو پی جانے اور دبا دینے کے ہیں۔

فَاحِشَةٌ۔ فُحْشٌ سے ہے۔ بخل، بے حیائی اور قباحت کا کُھلا کُھلا ہونا۔

سُنَنٌ۔ سُنَّةٌ کی جمع ہے۔

لَا تَهِنُوْا۔ وَهْنٌ سے ہے۔ سست اور ضعیف ہونا۔

اَعْلَوْنَ۔ اَعْلٰی کی جمع ہے۔

قَرْحٌ۔ زخم اور زخم کا درد۔

نُدَاوِلُ۔ مُدَاوَلَةٌ سے ہے۔ ایک سے دوسرے کی طرف نقل کرنا۔

يُمَحِّصُ۔ تَمْحِيْصٌ سے ہے۔ جس کے معنے ہیں۔ عیب سے پاک کرنا۔

يَمْحَقُ۔ مَحْقٌ سے ہے۔ مٹانا اور کھرچ دینا۔

ترجمہ:

اے وے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم چند گُنا بڑھایا ہوا سود نہ کھاؤ۔ اور اللہ سے بچو تا ہو کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آگ سے بچو جو کہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرو تا ہو کہ تم رحم کئے جاؤ۔ اور تم اپنے رب کی طرف سے بخشش

اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی فراخی آسمانوں اور زمین (کی فراخی) ہے جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو کہ فراخی اور تنگی میں (اللہ کے لئے) صَرف کرتے ہیں۔ اور جو غصہ کو دبانے والے اور لوگوں سے معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ مخلصوں کو پسند کرتا ہے۔ اور جو کہ جب وہ کوئی کھلی قباحت والی بات کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے قصوروں کی مغفرت چاہتے ہیں اور قصوروں کی مغفرت اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے۔ اور وہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے ہوں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزاء مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں رہ پڑنے والے ہیں۔ اور (یہ) کام کرنے والوں کی بہت اچھی مزدوری ہے۔ تم سے پہلے طریقے گذر چکے ہیں سو تم زمین میں پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کس طرح انجام ہوا ہے۔ یہ لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت اور وعظ ہے متقیوں کے لئے۔ اور نہ سُست ہو اور نہ کڑھو۔ اور تم ہی بلند ہونے والے ہو اگر تم مومن ہو۔ اگر تم کو زخم پُہنچا ہے تو ضرور ان لوگوں کو (بھی) اس کی مانند زخم پُہنچا ہے۔

اور ان دِنوں کو ہم لوگوں میں ہاتھ بہ ہاتھ پھیرتے رہتے ہیں (تاکہ تم فتح کی خوشی اور صبر کا اجر حاصل کرو) اور تاکہ اللہ ان کو ممتاز کرلے جو کہ ایمان لائے ہیں اور تاکہ تم سے کچھ نمونے (یا گواہ) بنائے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ وہ مومنوں کو خالص کردے اور کافروں کو مٹادے۔ کیا تم نے خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان کو ممتاز نہیں کیا جو کوشش کرتے ہیں اور نہ اب تک ان کو ممتاز کیا ہے جو کہ صبر کرنے والے ہیں اور یقیناً تم موت کے ملنے سے پہلے اس کی آرزو کیا کرتے تھے۔ سو تم نے ضرور اس کو دیکھ لیا ہے اور تم دیکھ رہے (یا انتظار کر رہے) ہو۔

تفسیر:

کلام میں کچھ حصہ تو اصل ہوتا ہے اور کچھ بالتبع کسی فائدہ کیلئے لایا جاتا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ

اُمَّةٍ[1] (آل عمران:111) کے ساتھ مخاطب کر کے اہل کتاب کی ایذاء رسانی پر متنبہ کر کے لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی[2] الخ (آل عمران:112) کی پیشین گوئی کی تھی اور پھر یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ[3] (آل عمران:119) اور وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا[4] (آل عمران:121) فرما کر اس حفاظت اور نصرت کی پیشین گوئی کی شرط بتائی اور اس کے بعد کے رکوع میں اسی کا ثبوت ذکر کیا ہے اور اس شرط میں گو عام تقویٰ کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی امر و نہی باہر نہیں رہتا۔

لیکن چونکہ بعض ایسے امورِ تقویٰ بھی تھے کہ جن کے کرنے اور نہ کرنے کا پیشین گوئی مذکور یعنی جنگی کامیابی اور ناکامی پر اثر براہ راست پڑتا تھا لہٰذا ان کو یہاں پر ذکر کیا ہے۔ تو جس طرح لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً الخ فرما کر یہ بتایا تھا کہ اگر تم اپنا راز دار بناؤ گے تو پھر وہ تم کو ضرر پہنچائیں گے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسی طرح فرمایا کہ) اے ایمان لائے ہوئے لوگو! تم کئی گنا بڑھائے جانے والے سود کو نہ کھاؤ۔ (الخ۔ ہمارے پیارے امام و مقتدیٰ حضرت خلیفۃ المسیحؑ والمہدیؑ حرمت سود کی بڑی دو ہی وجہ بتایا کرتے ہیں۔

حرمت سود کی دو بڑی وجوہات:

نمبر 1: یہ کہ ایمانی مروت اور جفاء کشی کے خلاف ہے کیونکہ ایمانی مروت کا تقاضا ہے کہ وہ محتاجوں کو اپنا مال سوائے کسی عوض کے دے اور اگر ایسا نہ کر سکے یا دوسرا اس طرح قبول نہ کر سکے تو سوائے کسی نفع کے قرضہ حسنہ کے طور پر دے دے۔ اور فائدہ تب لے کہ اس کے مقابلہ میں کسی نقصان کا متحمل ہو اور کچھ مشقت بھی کرے۔ اور سودی نفع چونکہ نہ کسی نقصان کا احتمال اپنے ساتھ رکھتا ہے اور نہ کسی مشقت کے مقابلہ میں ہے اور پھر علاوہ بریں ایسی زیادتی پر مبنی ہے۔ جس کی کوئی حد ابتداء میں معین نہیں ہو سکتی اور ممکن ہوتا ہے کہ چند در چند گنا بڑھ جائے اور اسی برائی کی طرف اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔

---

[1]۔ تم (سب سے) بہتر جماعت ہو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ یہ (لوگ) معمولی ایذا دہی کے سوا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اے ایماندارو! اپنے لوگوں کو چھوڑ کر (دوسروں کو) راز دار دوست نہ بناؤ۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی (مخالفانہ) چال تمہیں کچھ (بھی) نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (تفسیر صغیر)

نمبر 2: یہ کہ علاوہ اس کے کہ تجربہ گواہ ہے کہ سود خوار اقوام طبعاً بزدل ہو جاتی ہیں بڑی قوی اور واضح بات ہے کہ سود خوار اپنی اسامیوں کی تباہی کبھی نہیں چاہتا۔ چنانچہ ہماری بعض اسلامی سلطنتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں کہ ان کے ملازمین اور عہدہ دار اور رعایا ایک دوسری قوم سے سود لیتے تھے اور جب وہ قوم حملہ آور ہوئی تو اس سود کی وجہ سے انہوں نے اپنی سلطنت کی نہ مدد کی اور نہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ نہایت ذلت کے ساتھ ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

نیز سود خوار کی جب تک کوئی زبردست طاقت محافظ نہ ہو۔ تو ضرور اس کی زندگی معرض خطرہ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس کی صریح ترین مثال اس زمانہ کے یہود ہیں کہ ان کا پیشہ سود خواری ہے۔ تو جس ملک میں کچھ عرصہ رہتے ہیں تو اس ملک کے لوگوں کی طرف ان کے سودی قرضے بہت ہو جاتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس وجہ سے ان پر کوئی برائے نام الزام لگا کر ان کا قتل عام شروع کر کے بالآخر ان کو جلاوطن کر دیتے ہیں۔

اور اسی نمبر 2 کی خرابی کے لئے ممانعت سود کو جنگ کی بحث میں ذکر کیا ہے اور اسی بات کے نہ سمجھنے سے مفسرین اس کے بحث جنگ میں ذکر کرنے سے بہت حیران ہوئے ہیں اور اس کی وجہ مناسبت یہ بیان کی ہے کہ جہاد میں انفاقِ مال کا حکم تھا اور وہ مال کے کمانے کو چاہتا تھا اور اس کا سہل ترین اور بہت نفع والا طریق سود کا معاملہ خیال ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس کو یہاں پر منع کر دیا۔ اور یہ بہت دُور کی مناسبت ہے۔

اور علاوہ مذکورہ بالا مناسبت کی وجہ سے یہاں پر ذکر کرنے کے ایک اور بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ وہ بات ہے جو کہ حضرت مسیح موعودؑ نے سودی روپے کی نسبت فرمائی تھی کہ ایسے احتیاج کے زمانہ میں جس کے پاس ایسا روپیہ ہو وہ اس کو اشاعت اسلام پر لگادے۔ سو ایک طرف لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا فرمانا دوسری طرف جنگ کی بحث میں ذکر کرنا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سود کا معاملہ منع ہے۔ لیکن اگر کسی کے پاس ایسا روپیہ ہو تو وہ اس کو خود نہ کھائے بلکہ ایسے احتیاج کے وقت میں جہاد اور اشاعت دین پر صَرف کر دے۔

اور اَضْعَافًا الخ سے بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مطلق سود منع نہیں بلکہ وہی منع ہے

جو کہ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ہو لیکن چونکہ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[1] (البقرۃ:276) میں مطلق سود کو حرام کر دیا ہے اس لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ کا بیان ہے تا کہ اس کی قباحت کا اظہار ہو چنانچہ آثار میں آیا ہے کہ وہ لوگ سودی قرضہ کی تاریخ مقرر کر دیتے تھے تو جب تاریخ پر اداءنہ ہو سکتا تو روپیہ زائد کر کے میعاد بڑھاتے تھے یہاں تک کہ چند در چند گنا زائد ہو جاتا تھا۔ لیکن میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ یہ کوئی رِبٰی کے مفہوم سے زائد چیز نہیں کہ قید شمار ہو بلکہ سود کے مفہوم میں یہ غیر معین زیادتی درج ہے۔ لہٰذا ہر ایک سود اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ہو سکتا ہے گو کوئی سودی قرضہ جلد ادا ہو کر اس حد کو نہ بھی پہنچ سکے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) اس آگ سے بچو جو کہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(یعنی ان کے ضرر سے بچ کر کامیاب اور منصور ہونے کے لئے تقویٰ ضروری ہے کیونکہ جس طرح یہ نار آخرت سے بچاتا ہے اسی طرح نار حرب سے بھی بچاتا ہے کیونکہ یہ دونوں نار غیر متقی کے اعلیٰ ترین افراد یعنی کفار کیلئے تیار کی گئی ہیں۔ پھر فرمایا کہ) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا ہو کہ تم رحم کئے جاؤ (اور اس رحم سے وہی دنیوی اور اخروی رحم و کرم مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ انسان سے ضرور اس اطاعت میں قصور بھی ہو جاتا ہے لہٰذا) تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف جلدی کرو (اور چونکہ وہ مغفرت جنت دنیوی اور جنت اخروی کی شکل میں ملنے والی تھی۔ لہٰذا تفسیر کے طور پر فرمایا) اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین ہے جو کہ متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(پھر متقیوں کے بعض صفات چونکہ اس فضل کے موجب تھے تو فرمایا کہ) جو اپنے مالوں کو فراخی اور تنگی میں (فی سبیل اللہ) صَرف کرتے ہیں۔ (یعنی اس فضل کے لئے انفاق بھی ضروری چیز ہے) اور جو کہ غصہ کو دبانے والے ہوتے ہیں۔ (یعنی غضب پر قابو رکھنا اور مغلوب الغضب نہ ہونا بھی ضرر سے بچنے اور مظفر و منصور ہونے کے لئے ضروری ہے) اور جو کہ لوگوں سے معاف کرنے والے ہوتے ہیں (یعنی سریع الانتقام نہیں بلکہ بردبار ہونا ضروری ہے) اور اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔ (یعنی یہ لوگ محسن ہیں۔ لہٰذا وہ خداوند

[1] ۔ اور (اللہ نے) سود کو حرام کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

تعالیٰ کے محبوب ہیں اور ظاہر ہے کہ محبوب کی حفاظت اور بھلائی مطلوب ہوتی ہے) اور جو کہ جب کوئی کھلی قباحت والا کام کرتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کے لئے معافی چاہتے ہیں۔

(یعنی جس طرح قصور کے ظہور سے پہلے مغفرت بدیں معنے مانگتے تھے کہ ہم بدیوں سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح اس کے ظہور کے بعد غافل نہیں ہوتے۔ بلکہ فوراً خدا کو یاد کر کے ڈر جاتے ہیں اور اس کی معافی مانگتے ہیں یعنی اس فضل کیلئے یہ استغفار بھی ضروری ہے) اور کون ہے کہ اللہ کے سوا قصوروں کی مغفرت کرے۔ (یعنی قصوروں سے یا قصوروں کے بد نتائج سے محفوظ رکھے) اور جو کرتے ہیں اس پر اصرار نہیں کرتے۔ اس حالت میں کہ وہ جانتے ہوں یہ وہ ہیں جن کا اجر اللہ کی طرف سے مغفرت اور باغ ہیں۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ رہ پڑنے والے ہیں ان میں۔ اور کام کرنے والوں کی یہ بہت اچھی مزدوری ہے (یعنی ان کاموں کا ثمرہ آخرت کے جنت ہیں اور ان کے ثبوت کے لئے اس دنیا میں بھی ان کو وہ ملک دیئے جاویں گے جو کہ جنت ہیں اور جیحون، سیحون اور دجلہ و فرات ان میں بہتی ہیں۔

اور اس سارے کے ثبوت کے لئے فرمایا کہ) تم سے پہلے یقیناً طریقے گذر چکے ہیں۔ سو تم زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ مکذبوں کا کیا انجام ہوا ہے (الخ یعنی علاوہ پیشین گوئی کے یہ ہدایت اور نصیحت بھی ہے۔ لیکن اس سے فائدہ وہی اُٹھائیں گے جو کہ عذاب الٰہی سے بچنا چاہتے ہیں۔ اور جنگ احد کے موقعہ پر چونکہ مومنوں کو سخت تکالیف پہنچی تھیں اور ایسے وقت میں طبعاً انسان کسی قدر سُست ہو جایا کرتا ہے۔ تو ان کے چُست کرنے کے لئے فرمایا کہ) نہ سُست ہو اور نہ گھبراؤ اور تم ہی بلند ہونے والے ہو۔ اگر تم مومن (الخ یعنی اگر ایمان کے وعدہ کے مطابق عمل درآمد رکھو گے تو ضرور تم ہی غالب ہو گے اور اس غلبہ کے مقابلہ میں اس تکلیف پر حزن کیا اور سُست ہونا کیا۔ نیز اگر تم کو تکلیف پُہنچی ہے تو ان کو بھی ایسی ہی تکلیف پُہنچی ہے۔ پھر رنج اور سُستی کیسی۔

دنوں کو باری باری دینے کا فلسفہ:

اور پھر اس کا فلسفہ بتایا کہ ان دنوں کو ہم باری باری ہر ایک کو دیا کرتے ہیں۔

اور دوسری حکمت یہ ہے کہ ایسی تکلیفوں کے ساتھ مومن ممتاز کئے جاتے ہیں اور پھر وہ آئندہ نسلوں کے لئے نیک نمونہ بنائے جاتے ہیں۔

سوم یہ کہ ظالم ان کو دُکھ دے کر پکے ظالم ٹھہریں تا کہ اپنے ظلم کی پاداش میں تباہ ہوں۔

چہارم یہ کہ ایسی تکلیفوں کے ساتھ مومن پاک صاف کئے جاتے ہیں۔

پنجم یہ کہ اس طریق سے کفار کو بھی کچھ طمع رہتی ہے اور بار بار حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ آخر وہ مٹائے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے (اس علم کے ساتھ) تم سے ان کو نہیں جانا جنہوں نے کوشش کی ہے اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا ہے (کہ جس پر جزاو سزا کا دارومدار ہے جو کہ بندہ کے عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

اور دوسرے علم کے ساتھ گو وہ عمل کے صدور سے پہلے بھی جانتا تھا۔ لیکن جزاو سزا اس پر مرتب نہیں ہو سکتی۔ اور فرمایا کہ) تم موت کے ملنے سے پہلے موت کی آرزو کرتے تھے۔ سو تم نے وہ دیکھ لی اور تم دیکھ رہے ہو۔ (یعنی جب تک ابتلاء نہ پیش آئے تو ہر ایک راست باز اور ثابت قدم ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن جب موقعہ پیش آتا ہے تو بہت کم راست باز ثابت ہوتے ہیں۔ جنگ بدر میں جو شریک نہ ہوئے تھے۔ وہ جنگ اور شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے تو جب احد کا واقعہ پیش آیا تو بہت سے گھبرا گئے۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کی طرف وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے۔

اور حضرت مولٰنا خلیفۃ المسیحؓ نے یہ معنے فرمائے ہیں کہ تم نے موت اور شہادت کی آرزو اس کے ملنے سے پہلے کی تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے موت کی آرزو اور لقاء عدو کی آرزو منع فرمائی ہے۔ تو چونکہ تم نے اس کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ اس لئے تم نے اس کو دیکھ لیا اور دیکھ رہے ہو۔

آیت 145 تا 149: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انْقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ. وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ. وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ. وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ. فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ.

تشریح الفاظ:

خَلَتۡ۔ خُلُوٌّ سے ہے۔ گذرنا، مرنا، خالی اور اکیلا ہونا۔

اَعۡقَابٌ۔ عَقۡبٌ کی جمع ہے۔ ایڑی۔

رِبِّيُّوۡنَ۔ رِبِّيٌّ کی جمع ہے اور بنی اسرائیل اپنے علماء اور فقہاء کو رِبِّيٌّ کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حسانؓ کے شعر میں ہے۔

اِذۡ مَعۡشَرٌ تُجَافَوۡا عَنِ الۡقَصۡـ ـدِ اَمَلۡنَا اِلَيۡهِمۡ رِبِّيَّا[1]

وَهَنُوۡا۔ وَهۡنٌ سے ہے۔ ضعف اور سُست ہونا۔

[1]۔ تفسیر در منثور میں اَمَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِبِّيَّا کے الفاظ ملے ہیں۔ ترجمہ: جب قبائل نے میانہ روی سے پہلو تہی کی تو ہم نے جماعتوں کو ان کی طرف موڑ دیا۔ (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جزء 4 صفحہ 55 آل عمران دار ھجر بیروت) (از مرتب)

اِسْتَكَانُوْا ۔ اِسْتِكَانَةٌ سے ہے، جو کہ كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا سے ہے۔ طلب کرنا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے کوئی ہو۔ اور ازھری نے اس کو كَانَ يَكِيْنُ كَيْنَةٌ سے کہا ہے۔ جس کے معنے بُری حالت میں واقع ہونے اور ذلیل کرنے کے ہیں۔ اور بعضوں نے اس کو سُكُوْنٌ سے کہا۔ اور کہا ہے کہ یہ اِسْتَكَنَ تھا۔ الف اشباع کا ہے اور معنے ذلیل ہونے کے ہیں۔

اِسْرَافٌ ۔ تَجَاوُزٌ عَنِ الْحَدِّ اور خطاء۔

ترجمہ:

اور محمدؐ رسول ہی ہے جس سے پہلے سب رسول گذر (فوت ہو) چکے ہیں۔ کیا تو اگر وہ فوت ہو گیا یا وہ قتل کیا گیا تو تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے۔ اور جو کوئی اپنی دو ایڑیوں پر لوٹے گا تو وہ اللہ کو ہر گز کچھ ضرر نہ دے گا۔ اور ابھی اللہ شکر گذاروں کو بدلہ دے گا۔ اور کسی جی کیلئے نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے سواء مرے مقرر شدہ لیکھ ہے۔ اور جو دنیا کا اجر چاہے گا ہم اس کو اس سے کچھ دے دیں گے۔ اور جو کوئی آخرت کا اجر چاہے گا ہم اس کو (بھی) اس سے دے دیں گے۔ اور ابھی شکر گذاروں کو اللہ بدلہ دے گا۔

اور بہت سے نبی ہیں کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے لوگ لڑے ہیں۔ سو نہ وہ اس کے باعث سے سُست ہوئے جو ان کو اللہ کی راہ میں پہنچا اور نہ وہ ضعیف ہوئے اور نہ وہ (دشمنوں کے آگے) ذلیل ہوئے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور ان کی بات یہی ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہمارے قصور اور ہمارے کام میں ہمارا حد سے تجاوز کرنا معاف کر دے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور ہم کو کافر لوگوں پر نصرت دے۔ سو اللہ نے ان کو دنیا کا اجر اور آخرت کا اچھا اجر دیا اور اللہ مخلصوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر:

چونکہ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[1] (آل عمران:144) میں ان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ تھا جو کہ احد کے موقعہ پر ان سے ظاہر ہوئی تھی۔ اس لئے اس کے بعد اُس

[1]۔ سو (اب) تم نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا ہے کہ اس کا سب حسن و قبح تم پر ظاہر ہو گیا ہے۔ (پھر اب بعض کیوں گریز کر رہے ہیں) (تفسیر صغیر)

سبب اور باعث کا ابطال فرمایا جس کو انہوں نے اپنی کمزوری کا باعث قرار دیا تھا تو فرمایا کہ) محمدؐ تو وہی رسول ہے جس سے پہلے کے سب رسول گذر چکے ہیں۔ (یعنی تم اپنی کمزوری کی یہ وجہ بیان کرتے ہو کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ یہ اس کمزوری کی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ خدا تو ہیں ہی نہیں کہ ان کی موت محال ہو اور نہ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے خلاف موت واقع ہونے سے یہ دعویٰ باطل ہو جائے۔ بلکہ آپ تو رسول ہی ہیں۔ اور پھر کوئی نئے رسول نہیں کہ ان کا حال معلوم نہ ہو۔ بلکہ آپ سے پہلے بہت رسول ہوئے ہیں۔ جن کے حالات دنیا پر روشن ہیں۔

اور پھر یہ بھی نہیں کہ ان پہلے رسولوں میں سے تو کوئی ایک موت سے بچ رہا ہو یا اس کی موت کے بعد اس کا دین ردّی اور منسوخ ہو گیا ہو۔ بلکہ آپ سے پہلے کے سب رسول گذر چکے ہیں۔ اور ان کے دین دنیا میں موجود ہیں) تو کیا اگر یہ رسول مر جائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے۔ اور جو کوئی اپنی دو ایڑیوں پر لوٹے گا سو وہ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے گا۔ اور عنقریب اللہ شکر گذاروں کو اجر دے گا۔ (یعنی جہاد سے روگردانی تو اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ دین کا ابطال ہو جائے۔ لیکن یہ تو باطل ہے۔ لہٰذا باوجود دین کے قائم ہونے کے اگر کوئی اس سے روگردان ہو گا تو اللہ کا نہیں بلکہ اپنا نقصان کرے گا۔

پر جو شخص اس کے برعکس دین کو ایک نعمت اور فضل الٰہی خیال کر کے ہر ایک تکلیف کو اس کی شکر گذاری میں منظور کرے گا تو خداوند تعالیٰ آخرت میں تو اجر دے ہی گا۔ پر اس جہان میں بھی جلد تر اس کو کامیاب اور مظفر و منصور فرمائے گا۔

وفات مسیح:

یہ آیت کریمہ بھی حضرت مسیحؑ کی وفات پر بڑی صاف اور کُھلی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں اسی کی ہمرنگ دوسری آیت حضرت مسیحؑ کے بارہ میں آئی ہے کہ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] (المائدۃ:76) اس آیت کریمہ میں تو

[1]۔ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھا' اس سے پہلے رسول (بھی) فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

سب مولوی صاحبان تسلیم کرتے ہیں کہ مسیحؑ سے پہلے سب رسول گذر گئے یعنی مر گئے ہیں۔ نہ گذرنے سے موت کے سوا کوئی اور قسم کا گذرنا لیتے ہیں اور نہ یہ کہ ان سے پہلے کے رسول سب نہیں گذرے بلکہ بعض گذرے ہیں اور یہ اس لئے کہ مسیحؑ سے پہلے کے رسولوں میں حضرت مسیحؑ داخل نہیں۔ پر جب یہ آیت پیش ہو تو چونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے رسولوں کی نسبت وہی الفاظ آئے ہیں۔ جن میں حضرت مسیحؑ داخل ہیں اور ان معنوں سے دوسروں کے ساتھ حضرت مسیحؑ کی بھی وفات ثابت ہوتی ہے۔

لہٰذا مولوی صاحبان بالخصوص اس آیت کریمہ میں وہ معنے نہیں لیتے جو کہ اسی کی ساتھ کی دوسری آیت میں لیتے ہیں بلکہ دوراہوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لیتے ہیں۔ اول یہ کہ دوسرے رسول کون ہیں کہ ہمارے خداوند مسیح کے ساتھ کسی لفظ کے معنوں میں شریک ہو سکیں۔ کیا وہ آپ کے صفات اور افعال میں کبھی شریک ہوئے ہیں کہ لفظوں کے معنوں میں بھی شریک ہوں۔ بلکہ خَلَتْ کے معنے ہیں گذرنے کے اور گذرنا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مر کر اور یہ اعداء مسیح کو نصیب ہو اور آپ کے سوا باقی سب رسولوں کا گذرنا اسی طرح ہوا ہے۔ اور دوسرا ڈیوٹی پوری کر کے بقید حیات ایک جگہ سے تبدیل ہو کر یا ترقی پا کر دوسری جگہ یا دوسرے عہدہ پر چلا جانا اور جناب مسیحؑ کی شان رفیع کے یہی موزون ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی شان میں یہی لیا جائے گا۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ ہم یہ صورت نہیں اختیار کر سکتے کیوں کہ جب خداوند مسیح کی صفات اور افعال میں کوئی شریک نہ ہونے سے معانی الفاظ میں بھی کوئی ان کا شریک نہیں ہو سکتا۔ تو پھر الفاظ میں کوئی کس طرح ان کا شریک ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت مذکورہ میں خَلَتْ کے لفظ میں تو دوسرے ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ گو ان کے لئے معنے اور ہی لئے گئے ہیں۔ پر ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے اور کہتے ہیں کہ خَلَتْ کا لفظ ہی مسیح پر بولنے کے قابل نہیں۔ لہٰذا اَلرُّسُلُ اس آیت میں جو آیا ہے۔ اس سے کل گذشتہ انبیاءؑ مراد نہیں۔ تاکہ مسیح بھی ان میں داخل ہو۔ بلکہ بعض مراد ہیں جس میں مسیحؑ کے سوا اور سب ہی

بغیر استثناء شخصے داخل ہیں۔ اگر نہیں تو ایک خداوند مسیح ہی نہیں۔ اور جو بعض اس سے باہر ہیں۔ وہ تنہا ایک وحدہٗ لا شریك حضرتنا ہی ہیں اور بس۔ سچ ہے کہ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ[1] اور اسی کو کسی نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

ع بے حیا باش ہر چہ خواہی کن[2]

یہ بندگان خدا نہ تو اس بات کو دیکھتے ہیں کہ کتب لغت میں اس کے معنے موت اور وفات کے لکھے ہوئے موجود ہیں اور نہ اس کو کہ اس کے بعد متصل حرف فاء تفصیل کے لئے لاکر خَلَتْ کی تفسیر اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ کے ساتھ کرکے صاف بتادیا ہے کہ یہاں پر اس کے معنے بجز وفات اور قبض روح کے اور کچھ نہیں۔ اور نہ خلیفہ بلا فصلؓ کے پہلے فتویٰ اور صحابہ کرامؓ کے پہلے اجماع کا کچھ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیثوں میں صاف آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو بعض صحابہؓ کا یہ خیال تھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے کہ جو کہے گا کہ آپ فوت ہوگئے ہیں۔ تو مَیں اُس کا سر جُدا کر دوں گا۔ تو اسی اثناء میں جب حضرت ابو بکرؓ باہر سے تشریف لائے تو آپ نے چند اور کلمات فرمائے اور پھر یہی آیت کریمہ پڑھی تو اس کے پڑھتے ہی حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اپنے خیال کو چھوڑ کر آپ کی وفات کو فوراً تسلیم کر لیا اور صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت ہم ایسا معلوم کرتے تھے کہ گویا یہ آیت کریمہ ابھی نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت... حدیث 1241)

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب قول النبیؐ لو کنت متخذ اخلیلا حدیث 3667)

اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر اس سے پہلے انبیاءؑ کی موت ثابت نہ ہوتی یا بعض ان میں سے اس موت سے مستثنیٰ ہوتے۔ تو پھر کس طرح وہ اس سے آپؐ کی وفات تسلیم کرتے۔ بلکہ اس سے تو ان کا خیال اور پختہ ہوتا کہ جب فلاں تبدیلی کے ساتھ گذرا ہے اور مرا نہیں یا بعض موت کے ساتھ گذرنے سے باہر ہیں۔ تو پھر ہمارے سید الرسلؐ کیوں نہ ہوں۔

اور نہ اس بات کو سوچتے ہیں کہ اگر یہ دونوں راستے درست ہوتے اور محض بناوٹ اور

[1]۔ جب تجھے شرم نہیں آتی تو تو جو چاہے وہ کر۔ (از مرتب)

[2]۔ بے حیائی اختیار کر لو پھر جو چاہے کرو۔ (از مرتب)

حیلہ سازی اور حجت بازی پر مبنی نہ ہوتے تو پھر ان میں واقعہ کے لحاظ سے مسیحؑ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی تو شریک اور حصہ دار ہو سکتا۔ اور پھر ظاہر ہے کہ ان دونوں راہوں پر جیسا حضرت ابو بکرؓ کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن مجید کا وہ مدعا بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ جس کے لئے یہ آیت لائی گئی ہے۔ کیونکہ آپ تو سید الرسلؐ ہونے کے مدعی تھے۔ تو جب ایک بھی موت سے بچ کر تبدیل ہو اور آپ کے لئے ایسا نہ ہو تو یہ اس دعویٰ کے صریح خلاف ہے۔ تو جب ان کے ضعف کی ایسی وجہ کا ابطال فرما دیا۔ تو اب اس کا ابطال کیا جاتا ہے جو کہ ایسے ضعفوں کی عموماً وجہ ہوا کرتی ہے۔ اور وہ ہے موت کا خوف تو فرمایا کہ) کسی جی کیلئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے سوا مر جائے یہ مقرر تاریخ کا لیکھ ہے۔

(اور یقیناً یہ وہ بات ہے کہ اس کا پورا یقین اور اس کا ذہن میں ملحوظ ہونا ایسی سب کمزوریوں کے لئے اعلیٰ ترین علاج ہے۔ پر اس کے یہ معنے نہیں کہ اسباب کا بالکل خیال نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ تہیُّہ اسباب حسب مقدور کر کے پھر ان کو جرأت اور دلیری کے ساتھ قادر مطلق پر اعتماد کر کے استعمال کرے اور نیز اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ نبی کریمؐ کی نسبت تم نے جب ایسا سنا تھا تو اس کو باور ہی کس طرح کر لیا تھا۔ کیونکہ تم ایک طرف یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ رسولؐ کے اس وقت قتل ہونے سے اسلام پھر دنیا میں ہر گز قائم نہیں رہ سکتا۔

اور دوسری طرف تم کو بتایا جا چکا ہے کہ خداوند تعالیٰ اسلام کو اس وقت دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اس رسولؐ کے ہاتھ سے اُس کو قائم کرے گا اور ساتھ ہی اس رسول کی حفاظت اور فتح و نصرت کے وعدے بھی تم سُن چکے ہو تو جب خدا کا یہ منشاء تم کو معلوم تھا۔ تو پھر اس کے خلاف تو اسی وقت ہو سکتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کے منشاء کے سوا بھی کوئی مر سکتا۔ لیکن کوئی جی بجز منشاء الٰہی کے نہیں مر سکتا۔ اور پھر ثابت قدمی کے لئے جہاد کے ثمرہ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ) جو کوئی دنیا کا اجر چاہے گا۔ تو ہم اس کو اس سے دیں گے۔ اور جو کوئی آخرت کا اجر چاہے گا تو ہم اس کو اس سے دیں گے (یعنی دنیوی اور) اُخروی ترقی اور عظمت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان دونوں سے جو کوئی چاہے گا۔ ہم اس کے ذریعہ سے اس کو وہ دیں گے۔ پر چونکہ انسان کو جو کچھ بذریعۂ اسباب

حاصل ہوتا ہے۔ اس کو اسباب اور محنت کا ثمرہ سمجھتا ہے اور الٰہی عطیہ ہونے کا اس کو خیال کم آتا ہے لہٰذا فرمایا کہ) عنقریب اللہ شکر گذاروں کو جزا دے گا۔

(قرآن مجید سے ثابت ہے کہ شکر زیادت نعمت کا موجب ہے۔ پس ضروری ہے کہ جو مومنوں میں سے شکر گذار اور نعمت الٰہیہ کی قدر کرنے والے ہوں۔ ان کو بہت کچھ عنایت فرمائے۔ تو بتایا کہ شکر گذاروں کو ہم جو کچھ دیں گے۔ وہ ہمارے دینے کا بین ثبوت ہو گا اور تم بہت جلد اس ثبوت کو دیکھ لو گے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ان کو پہلے انبیاءؑ کے ساتھیوں کا حال سنا کر استقامت کی طرف متوجہ کیا ہے تو فرمایا کہ) بہت سے نبی ہیں کہ ان کے ہمراہ ان کے بہت سے اتباع نے (یا بہت سی جماعتوں نے یا بہت سے علماء وفقہاء نے) جنگ کئے ہیں۔ سو نہ وہ اس کے سبب سے سُست ہوئے جو کہ اللہ کے راستہ میں ان کو پُہنچا تھا اور نہ وہ ضعیف ہوئے اور نہ وہ ذلیل بنے۔ (یعنی جنگ میں جو جو تکالیف ان کو پیش آئیں۔ ان سے نہ ان کے ارادہ میں کچھ سُستی ہوئی اور نہ ان کی سعی میں کوئی ضعف آیا اور نہ اس نے دشمن کے آگے کسی قسم کی ذلت برداشت کرنے پر ان کو مجبور کیا۔ بلکہ وہ صابر اور مستقل اور مستقیم رہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ نے ان کو کامیاب کیا کیونکہ) اللہ صابروں سے پیار کرتا ہے۔

(اور اس کے بعد یہ بتانے کیلئے کہ ان کو یہ صبر و استقلال کس طرح حاصل ہوا تھا۔ فرمایا کہ اس کی موجب) ان کی یہی بات تھی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہمارے گذشتہ قصوروں کے بد نتائج سے اور آئندہ قصوروں سے ہم کو بچالے اور ہمارے اس معاملہ میں ہماری عہد شکنی اور اس کے بد نتائج سے بھی ہم کو بچالے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور ہم کو ان کافر لوگوں پر نصرت دے۔ تو اللہ نے (اس وجہ سے) دنیا کا ثواب اور آخرت کا ثواب ان کو دے دیا (کیونکہ ان امور میں وہ مخلص اور محسن تھے) اور اللہ مخلصوں (یا احسان کرنے والوں) سے پیار کیا کرتا ہے۔

آیت 150 تا 156: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا

مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

سُلْطَانٌ۔ سَلَاطَةٌ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے حلاوت کے یا اس چیز کے ہیں کہ جس کے ساتھ چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ بادشاہ اور حجت کے ساتھ انسان اپنے مقاصد و مطالب کی طرف پہنچتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو سُلْطَانٌ کہتے ہیں۔

مَأْوٰی۔ اَوٰی۔ یَأْوِیْ سے ہے۔ جس کے معنے لَوٹنے اور جگہ اور پناہ لینے کے ہوتے ہیں۔ یعنی پناہ لینے اور لَوٹنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔

تَحُسُّوْنَ۔ حَسٌّ سے ہے۔ جس کے اصل معنے ایسے دُکھ دینے کے ہیں کہ جس سے اس کی کوئی حِس ضائع اور تباہ ہو جائے اور عام طور پر بمعنے مارنے اور کاٹنے کے آتا ہے۔

فَشِلْتُمْ۔ فَشْلٌ سے ہے۔ جس کے معنی بزدلی اور ڈرنے اور گھبرانے کے ہیں۔

یَبْتَلِیَ۔ اِبْتِلَاءٌ سے ہے اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ اِبْتِلَاءٌ کے اصل معنے یہ ہیں کہ کسی کو اچھائی یا برائی اس لئے پہنچانی تا کہ اس کی جو حالت دوسرے لوگوں پر مخفی ہے وہ ان پر ظاہر ہو جائے۔

تُصْعِدُوْنَ۔ اِصْعَادٌ سے ہے۔ اور اس کے معنے عام پر لوگ اوپر چڑھنے کے کیا کرتے ہیں۔ لیکن امام راغب اور دیگر ائمہ لغت نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کے معنے مطلق تیز چلنے اور دوڑنے اور دُور جانے کے ہیں خواہ اوپر ہو یا نیچے۔ اور امام فراء نے کہا ہے کہ اِصْعَادٌ ابتداء سفر کو کہتے ہیں جیسا کہا جاتا ہے اَصْعَدْنَا مِنْ مَّكَّةَ یعنی ہم مکہ سے چلے اور اس سے جدا ہوئے۔

تَلْوٗنَ۔ لَیٌّ سے ہے، پھرنا۔ گَیٌ کے معنے ہیں، تا کہ۔

اَمَنَةً۔ امن۔ نُعَاسٌ۔ اونگھ۔

یَغْشٰی۔ غَشْیٌ سے ہے۔ بمعنے ڈھانپنے کے۔

اَهَمَّتْ۔ اِهْمَامٌ سے ہے۔ جو کہ هَمٌّ سے بنا ہوا ہے، غمناک کرنا اور غم میں ڈالنا۔

هٰهُنَا میں هَا تو وہی حرف تنبیہ ہے جو کہ هٰذَا وغیرہ اسماء اشارات میں ہوتا ہے اور هُنَا بمعنے یہاں مکان کا اسم اشارہ ہے۔

بَرَزَ۔ بُرُوْزٌ سے ہے، باہر نکلنا اور میدان میں جنگ کے لئے نکلنا۔

مَضَاجِعٌ۔ مَضْجَعٌ کی جمع ہے۔ جس کے اصل معنے پہلو کے بل لیٹنے کی جگہ۔ لیکن مطلق لیٹنے کی جگہ پر بولتے ہیں یعنی گرنے کے مقام۔

یُمَحِّصَ۔ تَمْحِیْصٌ سے ہے، صاف کرنا۔

اِسْتَزَلَّ۔ اِسْتِزْلَالٌ سے ہے، جو کہ زَلَّةٌ سے بنا ہوا ہے۔ جس کے معنے پھسلانے اور لغزش دینے کے ہیں۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم ان کی تابعداری کروگے جو کافر بنے ہیں تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر واپس کر دیں گے سو تم خسارے والے لوٹو گے۔ بلکہ اللہ تمہارا آقا ہے۔ اور وہ سب مددگاروں سے بہتر ہے۔ ہم ابھی ان لوگوں کے دلوں میں رُعب ڈالیں گے جو کہ کافر بنے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے جس کے لئے اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں (مشرکوں) کا (یہ ٹھکانا) بہت بُرا ہے۔

اور اللہ نے ضرور تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا ہے جب کہ تم اللہ کے حکم سے ان کو کاٹتے تھے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور آپس میں جھگڑے اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی کہ اللہ نے تم کو وہ دکھایا جو کہ تم پسند کرتے ہو۔ کچھ تم میں سے وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں اور کچھ تم میں سے وہ ہیں جو کہ آخرت چاہتے ہیں۔ تو پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو پرکھ دے۔ اور ضرور ہی اس نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر (بڑے) فضل والا ہے۔ جبکہ تم دوڑے (یا چڑھے) جاتے تھے اور تم کسی پر نہ لَوٹتے تھے۔ حالانکہ یہ رسول تمہاری پچھاڑی میں تم کو پکارتا تھا۔ تو اس نے تم کو غم پر غم (کا) بدلہ دیا۔ تاکہ (آئندہ) نہ تم

اس پر کُڑھو جو تم سے ضائع ہوا اور نہ اس پر جو کہ تم کو پہنچا۔ اور اللہ ان (کاموں) کے ساتھ خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

پھر اس نے غم کے بعد تم پر امن کے لئے اونگھ نازل کی جو کہ تم میں سے ایک گروہ کو ڈھانکتی تھی۔ اور ایک گروہ کو یقیناً ان کی جانوں نے غم میں ڈال دیا تھا وہ اللہ پر ناحق جاہلیت کی بدگمانی کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کیا ہمارے لیے اس امر سے کچھ ہے۔ تم کہو یقیناً یہ امر سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ اپنے جیوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جس کو تمہارے لئے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر ہمارے لیے اس امر سے کچھ ہوتا تو ہم یہاں پر نہ مارے جاتے۔ تم کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں (بھی) ہوتے تو ضرور ہی وہ لوگ اپنے گرنے کے مواضع کی طرف نکل پڑتے جن پر مارا جانا لکھا گیا ہے اور تا کہ اللہ اس کو ظاہر کر دے جو کہ تمہارے سینوں میں ہے اور اس کو خالص کر دے جو کہ تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں والی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھرے ہیں کہ جس دن میں دونوں گروہ ملے تھے تو شیطان ہی نے ان کو لغزش دی تھی اس میں سے بعض کے سبب سے جو کہ انہوں نے کیا تھا۔ اور ضرور اللہ نے ان سے معاف کیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، تحمل والا ہے۔

تفسیر:

جب خداوند تعالیٰ نے پہلے بتادیا کہ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ کن کن قابل شرم طریقوں سے اہل اسلام کو کافر بنانا چاہتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی بتادیا کہ ان کا دین اس قدر خلط ملط ہو چکا ہے کہ بجز تصدیق مصدق کے ہر گز قابل اعتبار نہیں رہا۔ اور یہ بھی کہ اگر تم میں اللہ کا رسول نہ آتا اور اللہ کی کتاب تم پر نہ پڑھی جاتی تو پھر تم ان کی باتوں کی طرف توجہ کرتے تو کچھ بات بھی تھی لیکن اب تو کسی طرح سے تم کو ان کی ضرورت نہیں۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ اگر تم ان کا نمونہ ہی لینا چاہتے ہو تو پھر تم کو ان کا نمونہ نہ لینا چاہیئے بلکہ جس طرح تم رسول کے ساتھ ہو اسی طرح جو اہل کتاب پہلے رسولوں کے ساتھ گذرے ہیں اور انہوں نے اطاعت واستقامت کا قابل قدر نمونہ دکھایا ہے تم کو ان کا نمونہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ ان کا نمونہ تم کو سچے ایمان اور استقامت کی طرف بلائے گا۔

تو اب یہ بتاتا ہے کہ تم کو ان کا نمونہ نہ پکڑنا چاہیے کیونکہ جس طرح یہ خود ایمان اور استقامت سے دُور اور خسران مبین میں پڑے ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی ہو جاؤ گے تو فرمایا کہ) ہاں اے ایمان والو! اگر تم ان کی اطاعت کرو گے جو کہ (دیدہ ودانستہ) کافر بنے ہیں تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر واپس کر دیں گے پھر تم خسارے والے ہو کر واپس ہو گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ (آقا) ہے اور وہ سب سے بہتر مدد گار ہے (یعنی اطاعت تو آقائے خود کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کافر تمہارے آقا نہیں بلکہ آقا تمہارا تو اللہ ہی ہے لہٰذا اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اور اگر محض کسی فائدہ کی امید سے ان کی اطاعت کرنی چاہتے ہو تو اخروی فائدہ تو یوں نہیں کہ وہ تم کو کافر بناتے ہیں اور دنیوی اس لیے نہیں کہ وہ خود بھی خائب وخاسر ہیں اور ہوں گے تو جو ان کے ہمراہ ہوں گے وہ بھی خائب وخاسر ہو جادیں گے۔ اور اگر ان کے ضرر سے بچنے کے لیے یا دوسرے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرنے کے لیے کرتے ہو تو یاد رکھو کہ اللہ سب سے بہتر نصرت کرنے والا ہے۔

خداداد رُعب:

پس اس کی نصرت کے ہوتے ہوئے نہ وہ تم کو کوئی ضرر پہنچا سکیں گے اور نہ تم کو ان کی امداد ونصرت کی کچھ ضرورت رہے گی۔ کیونکہ) ابھی ہم کافروں کے دلوں میں اس سبب سے رُعب ڈال دیں گے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے کہ جس کے (شریک بنانے) پر کوئی حجت (یا قوت) نازل نہیں کی (یعنی اس کے پاداش میں کہ انہوں نے توحید کے براہین قاطعہ اور آیات باہرہ سے آنکھیں بند کر کے سوائے کسی دلیل اور حجت کے محض اتباع نفس اور ہَوا سے وحدہٗ لاشریک اللہ کے ساتھ ناچیز چیزوں کو شریک بنایا ہے ان کے دلوں میں اہل سلام کا خوف اور ڈر ڈال دیں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ يَقْذِفُ فِي قُلُوبِ أَعْدَائِيْ۔[1]

(تفسیر روح المعانی جلد 2 صفحہ 300 سورۃ آل عمران، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1]۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے جس کا اثر ایک مہینہ کی مسافت تک ہے جسے (اللہ تعالیٰ) میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ (از مرتب)

چنانچہ حضورؐ کی جنگوں میں اس کا بین طور پر مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اور پھر ظاہر ہے کہ مشرک وہم پرست تو ہوتا ہی ہے تو جب مد مقابل میں خداوند تعالیٰ کی تائید کے نشانات دیکھتا ہے جو کہ خارق عادت ہوتے ہیں تو ان سے وہ سخت مرغوب ہو جاتا ہے چنانچہ جنگ احزاب کہ جس میں کفار نے بڑی شان وشوکت اور بہت بڑی تیاری کے ساتھ بیرونی اقوام عرب کو شامل کر کے مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور مدینہ منورہ کے یہود پلید باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاہد کرنے کے کہ (باہر سے اگر کوئی دشمن شہر پر چڑھائی کرے گا تو ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے) کفار کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے عہد کیا کہ تم باہر سے لڑو اور ہم اندر سے ان مسلمانوں کی بیخ کنی کریں گے اور نبی کریم ﷺ کو کفار کی طاقت پر نظر کر کے مجبوراً شہر کے اِرد گرد خندق کھودنی پڑی۔

اس پر بھی جب حضورؐ نے ان کی بے حد کثرت اور اپنی جماعت کی نہایت قلت اور بے سروسامانی دیکھی اور دوسری طرف یہود کی شرارت کا علم ہوا تو حضورؐ کو اس قدر تردد ہوا کہ مشورہ کیا کہ کفار کے مقابلہ کے لئے بنی غطفان کو مدینہ کے محاصل کا کچھ حصہ دینا منظور کر کے ان سے مدد لی جاوے لیکن ایک انصاری بہادر نے کہا کہ کفر کی حالت میں تو ہم نے ان کو سوائے مہمان نوازی کے محاصل مدینہ سے ایک حَبہ بھی نہیں دیا تو اب دین حق اختیار کر کے ہم کس طرح ان کو دے سکتے ہیں الغرض کہ بہت ہی پریشانی کا وقت تھا پر خداوند تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کے مطابق ان مشرکوں کے دلوں میں ایک رات میں اس طرح رعب ڈالا کہ پہلے بہت زور کی بارش ہوئی اور پھر بڑے زور کی آندھی چلی اس واقعہ سے کئی ایک سرداروں کے خیمے اُکھڑ گئے اور ایک بڑے رئیس کی آگ بجھ گئی اور ان مشرکوں کے عرف میں جنگ کے موقعہ پر آگ کا بُجھ جانا شکست اور ہلاکت کا شگون سمجھا جاتا تھا۔

اور قدرت سے اس رئیس کے گھر میں چلتے وقت کوئی پریشان خواب بھی دیکھی گئی تھی۔ تو بارش اور آندھی سے عام خیال تو یہ ہو ہی گیا تھا کہ محمدؐ (فداہ ابی وامی) نے جادو کیا ہے جس کا یہ اثر ہے۔ پر اس رئیس پر اس آگ کے بجھنے نے بہت ہی اثر کیا یہاں تک کہ اس

نے اس بے چینی میں یہ خیال کر کے کہ اس ہجوم کثیر میں اگر مَیں ایک چلا گیا تو کسی کو کیا یہ علم ہو سکتا ہے اور رہنے میں اب میری خیر نہیں ہے۔ یہ خیال آتے ہی غلاموں کو حکم دیا کہ خیمہ اُکھاڑو اور ڈیرہ باندھو چنانچہ فوراً تیار ہو کر وہ تو روانہ ہو گئے۔ لیکن ان کے جانے کے بعد پاس والے ڈیروں کو بھی خبر ہو گئی تو سوائے اس کے کہ وہ کچھ وجہ دریافت کریں یہ خیال کر کے کہ یہ بڑا رئیس ہے ضرور اس کو کوئی وجہ معلوم ہوئی ہے تب ہی تو یہ یہاں سے بھاگتا ہے انہوں نے بھی خیمے اُکھاڑ کر خفیہ روانہ ہونے کی ٹھان لی۔ یہاں تک کہ سوائے کسی وجہ کے دریافت کرنے کے اسی طرح سب میدان ڈیروں سے خالی ہو گیا۔

تب اس وقت ابو سفیان سپہ سالار کے غلام کو خبر ہوئی تو اس نے ابو سفیان کو بیدار کر کے خبر دی تو اس وقت اس کو بھی اوسان باختہ ہو کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ بن پڑا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ابو سفیان اس قدر گھبرایا کہ گھوڑے کی پچھاڑی کھولنے کے سوا ہی اس پر سوار ہو کر اس کو چلاتا تھا تو غلام نے دیکھ کر اس کو ملامت کیا اور بتایا کہ گھوڑے کے پاؤں میں تو پچھاڑی باندھی ہوئی ہے وہ کس طرح چلے تب تلوار سے اس کو کاٹ کر جلدی سے بھاگا۔ میں نے رُعب کی ایک مثال بتانے کے لیے یہ جنگ خندق کا قصہ لکھ دیا ہے۔

نیکی، بدی اور عقیدہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا دو طرح سے بتانا:

مفسرین نے لکھا ہے کہ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا میں خداوند تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ایسے اصل الاصول عقیدہ کی بنا حجت اور برہان پر ہونی چاہیے تھی اور باوجودیکہ شرک کے لئے ان کے پاس کوئی حجت نہیں پھر بھی وہ اس کے معتقد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نیکی وبدی عموماً اور عقیدہ خصوصاً خداوند تعالیٰ کے بتانے اور ارشاد کرنے پر مبنی ہے اور خداوند تعالیٰ کا بتانا دو طرح ہوا کرتا ہے۔ ایک قول سے، دوم فعل سے۔

پس جس امر کا وہ اپنے کلام میں ارشاد فرمادے اس کا وہ قول اس امر کے لئے قولی حجت اور سلطان ہوتا ہے۔ اور جس کا اپنے کلام میں وہ ارشاد نہ کرے تو اس کا الٰہی منشاء کے مطابق ہونا تب ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کے لیے بیّن براہین اور حجج واقعہ میں رکھ دے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے بتادیا کہ جن کو یہ لوگ خداوند تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے

ہیں نہ تو خداوند تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کو میرا شریک مانو اور نہ ہی واقعہ میں ایسے براہین رکھے ہیں جو کہ ان کے شریک خداوند تعالیٰ ہونے پر دال ہوں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا شریک بنانا الٰہی منشاء کے مطابق نہیں بلکہ اتباع ہَوا سے ہے۔ اور اس کے بعد بتایا کہ اسی پر بس نہیں کہ ان کے دلوں میں رُعب ڈالا جائے گا۔ بلکہ اسی شرک کے باعث سے) ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں (مشرکوں) کا برا ٹھکانا ہے۔ (دوسری آیت کریمہ میں صاف آیا ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ[1] (لقمان:14) پس مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے باوجود اتمام حجت ہونے کے شرک جیسے ظلم عظیم کو نہیں چھوڑا۔ اس لیے ان کا ٹھکانا آگ ہو گی۔ دنیا میں تو حسد اور رشک کی آگ سے جلیں گے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں۔ اور چونکہ خداوند تعالیٰ کے سب نصرت وفتح کے وعدے تقویٰ اور اطاعت رسول کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں۔ گو کسی جگہ میں وہ مطلق بھی مذکور ہوں جیسا کہ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ میں مطلق وعدۂ نصرت ہے اور تقویٰ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں بیان فرمائی۔ اور ظاہر ہے کہ جہاں پر یہ شرط مذکور ہے وہاں پر بھی اس سے غفلت کا اندیشہ ہے تو جہاں پر مذکور ہی نہ ہو وہاں پر تو سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس شرط کے سَنُلْقِيْ الخ کے وعدہ میں ملحوظ ہونے اور خلاف ورزی کی صورت میں بجائے ایفاء وعدہ مذکور کے سخت خطرہ اور نقصان کے پیش آنے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فرمایا کہ) ضرور اللہ نے اپنا وعدہ تمہارے ساتھ سچا کر دیا تھا۔ جب کہ تم اس کے حکم سے ان کو قتل کرتے (یا کاٹتے یا ان کے حواس اُڑاتے) تھے۔

یہاں تک کہ جب تم بعد اس کے کہ اس نے تم کو وہ دکھا دیا جو تم پسند کرتے ہو تم بزدل ہو گئے اور اس امر میں جھگڑ پڑے اور تم نے نافرمانی کی کچھ تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور کچھ تم میں سے آخرت چاہتے ہیں۔ تو پھر اس نے تم کو ان سے پھیر دیا تا کہ (اس کے ساتھ) تمہاری (مخفی) حالت کو ظاہر کر دے۔ اور ضرور اس نے تم سے معاف کر دیا (اس کے بد نتیجہ سے تم کو بچا دیا) اللہ مومنوں پر بڑے فضل والا ہے (چنانچہ اس فضل عظیم کی وجہ سے ایسے بڑے

[1]۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (تفسیر صغیر)

قصور کے بدترین اور خطرناک اثر اور بد نتیجہ سے بچالیا اور تھوڑی چشم نمائی پر اکتفا کر دی) اور پھر صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ کی کیفیت یوں بیان فرمائی کہ) جب کہ تم سرپٹ چلے جاتے تھے (یا اوپر چڑھ رہے تھے) اور کسی پر نہیں لوٹتے تھے۔ اور یہ رسولؐ پچھاڑی میں تم کو پکار رہا تھا۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جنگ اُحد سے صحابہؓ واپس آ گئے تو بعض نے کہا کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی حالانکہ خداوند تعالیٰ نے تو ہم کو نصرت کا وعدہ دیا ہوا تھا۔ تو کہتے ہیں کہ ان کے جواب کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کے ساتھ ان کو بتایا گیا کہ اگر وعدہ تھا تو جب تک تم اس وعدہ کی شرطوں پر قائم رہے تب تک نصرت الٰہیہ تمہارے شامل حال رہی جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ تم ان کو قتل کر رہے تھے اور وہ میدان کو چھوڑ کر بھاگ پڑے تھے لیکن بھاگنے پر جب تمہارے تیر اندازوں نے رسولؐ کے نہایت مؤکد حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی اور محض غنیمت کے لالچ کی وجہ سے چاہی اور ان کے امیر نے رسول اللہؐ کا حکم یاد دلا کر جگہ چھوڑنے اور اُترنے سے منع کیا لیکن انہوں نے اس سے جھگڑا کیا اور باز نہ آئے یہاں تک کہ امیر نے تنگ آ کر کہا اچھا تمہاری مرضی لیکن مَیں اس جگہ کو نہیں چھوڑتا چنانچہ ان کا امیر اور کوئی سات اور بہادر وہاں پر جمے رہے اور باقی اس گھاٹی کو چھوڑ کر غنیمت کیلئے میدان میں آ گئے تو کفار کے سوار اور تیر انداز اس موقع کو خالی پا کر بھاگتے بھاگتے پھر پیچھے سے آ پڑے اس امیر اور اس کے ساتھ کے آدمیوں کو قتل کر کے فوج پر حملہ کر دیا اس پر تم سے بعض نے بزدلی کر کے بھاگنا شروع کر دیا۔

پس یہ ان کی بزدلی تھی جو کہ ان کے نزاع پر مبنی تھی اور ان کا نزاع ان کی نافرمانی پر مبنی تھا اسی وجہ سے پہلے فَشِلْتُمْ اور پھر تَنَازَعْتُمْ اور اخیر میں وَعَصَيْتُمْ فرمایا ہے اور یہاں سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ خداوند تعالیٰ نے جو نصرت کا جنگ اُحد میں وعدہ دیا تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں طریق صحابہؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا کہ ہم اس وقت تک ضرور ہی غالب رہیں گے جب تک کہ تم یہاں پر قائم رہو گے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ باوجود اس غلبہ اور فتح کے دیکھ لینے کے کہ جس کو تم پسند کرتے ہو پھر تم سے یہ تین امور ثابت ہوئے۔

پر رہا یہ کہ تب خداوند تعالیٰ نے وہ غلبہ اور نصرت بند کر دی تو اس کو یوں بیان فرمایا کہ) پھر تم کو ان سے پھیر دیا (یعنی جو غلبہ تم کو ان پر دیا تھا وہ روک دیا اور ان کو تمہارے قابو سے نکال دیا تا کہ تمہارے (مخفی نقص کو) ظاہر کر دے (یعنی تمہارے قابو سے کفار کو اس لیے نکال دیا تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جو نافرمانی اور نزاع اور بزدلی ہم سے ہوئی ہے یہ ہمارا بڑا بھاری قصور ہے جس کی بہت بڑی سزا ہو سکتی ہے۔ لیکن خداوند کریم نے اس کے بعد فرمایا کہ) ضرور ہم نے تم سے معاف کر دیا (یعنی جس قدر اس قصور کی سزا تھی اس قدر ہم نے نہیں دی اور تھوڑی چشم نمائی پر ہی معاف کر دیا۔

اور گو صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ اور لِيَبْتَلِيَكُمْ کی تفصیل ابھی بعد میں اِذْ تُصْعِدُوْنَ الخ کے ساتھ آتی ہے لیکن پہلے ہی سے یہ بتانے کیلئے کہ یہ پوری سزا نہیں تھی تفصیل سے پہلے عفو کا ذکر کر دیا اور پھر اس کی تفصیل بیان کی کہ) جب تم سرپٹ چلے جاتے تھے اور کسی پر نہ لوٹتے تھے اور یہ رسولؐ پچھاڑی میں تم کو پکارتا تھا (اور تم نہ کسی اور کی مدد کے لیے جھکتے تھے اور نہ رسولؐ کی طرف توجہ کرتے تھے بلکہ سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ یہ تو صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ کی کیفیت ہوئی اور لِيَبْتَلِيَكُمْ کی کیفیت یہ بتائی کہ) پھر تم کو (تمہارے اس کام کے نتیجہ اور بدلہ میں) غم پر غم دیا (کچھ تو رشتہ داروں اور ساتھیوں کے قتل کا اور کچھ باوجود غلبہ حاصل ہونے کے پھر ہزیمت اُٹھانے کا اور کچھ رسول اللہ کی تکلیف سے اور آپ کے تنہا چھوڑنے سے اور کچھ بعد کی ملامتوں سے اور کچھ ابوسفیان کے ان کی ہزیمت پر پھولنے اور للکارنے سے۔

بعض مفسرین نے بِغَمٍّ کی ب کو معیت کے لیے نہیں لیا بلکہ عوض اور بدلہ کے لیے کہا ہے کہ رسولؐ کے غم کے بدلہ میں تم کو یہ غم دیا یا کفار کے غم کے عوض جو کہ بدر میں تم نے ان کو پہنچایا تھا تم کو غم دیا ہے لیکن یہ بہت بعید معنے ہیں اور اس کے بعد مذکورہ بالا بیان کے نازل کرنے اور خصوصاً یہ بتانے کی وجہ بیان کی ہے کہ قصور تمہارا تو بہت سی سزا چاہتا تھا لیکن چونکہ اللہ مومنوں پر بڑے فضل والا ہے لہٰذا اس نے تھوڑی سی چشم نمائی پر ہی بس کر دی اور پھر تم کو معاف کر دیا اور تمہارے سخت قصور کے نہایت بُرے اور سخت نتیجہ سے تم کو بچا لیا اور وہ وجہ اور غرض یہ بتائی کہ) تا کہ تم نہ

اس پر کُڑھو جو کہ تم سے فوت ہوا ہے (یعنی وہ غنیمت اور فتح جو کہ بدر میں حاصل ہوئی تھی اسی کی مانند تم کو اُحد میں بھی حاصل ہونے لگی تھی اور پھر حاصل نہ ہوئی) اور نہ اس پر جو کہ تم کو پہنچا ہے (یعنی اُحد کے دن جو تمہارے بہادر شہید ہوئے اور کچھ مجروح ہوئے اور علاوہ اس کے پاؤں اُکھڑنے کا داغ لگا۔

اور ظاہر ہے کہ یوں تو ان امور پر ان مومنین کو سخت سے سخت رنج اور حزن حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ اس کے ساتھ اپنی نافرمانی اور نزاع اور کمزوری کا خیال کریں اور پھر ان کے اس بدترین نتیجہ اور اثر کا اندازہ کریں۔ اور پھر خداوند تعالیٰ کے اس فضل و کرم کا ملاحظہ کریں۔ جس کے ساتھ اس نے ان کے ان قصوروں کو معاف کر کے، بہت قلیل چشم نمائی کر کے، اس بدترین نتیجہ سے ان کو بچا دیا۔ تو ضروری ہے کہ پھر بجائے رنج و حزن کے سجدات شکر بجالائیں کہ خداوند کریمؐ نے ان پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ ان کے قصور عظیم سے اوروں کی طرح ان کو تباہ نہیں کیا۔

اور مفسرین کا خیال چونکہ اس بات کی طرف نہیں گیا کہ یہ مذکورہ بالا بیان کا فائدہ اور وجہ اور غرض ہے لہٰذا بعض نے تو یہ کہہ کر کہ غم کا پُہنچانا حزن نہ ہونے کا باعث نہیں ہوا کرتا بلکہ حزن اور افسوس ہونے کا باعث ہوتا ہے۔

لِکَیْلَا میں لَا کو زائد قرار دے کر یہ معنے کئے ہیں کہ اس لیے ہم نے تم کو غم پر غم دیا۔ تاکہ ضائع شدہ پر اور پُہنچی ہوئی تکلیف اور مصیبت پر حزن کرو۔ لیکن ظاہر ہے کہ زیادت خود کلامِ الٰہی کی شان سے بعید ہے۔ اور پھر خصوصاً جب یہاں پر لَا مکرر لایا گیا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی زیادت قواعد کے بھی خلاف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خصوصاً وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی عفو اس لیے کیا ہے تاکہ حزن نہ ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ قریب کو چھوڑ کر بعید کے ساتھ بالخصوص تعلق بھی غیر موزون ہے۔ اور بعض نے یہ معنے کئے ہیں کہ غم پر غم اس لیے دیا ہے تاکہ تم کو خوب عادت ہو جائے۔ اور پھر آئندہ ایسے نقصانوں سے تم کو بالکل کوئی حزن ہو ہی نہیں۔ اس کے بعد یہ فرما کر کہ) اللہ ان کاموں پر خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

(یہ بتایا ہے کہ جو تکلیف تم کو پہنچی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے تھی۔ اور یہ کہ وہ اس اللہ علیم پر مخفی نہیں رہتے کہ ان کی سزا نہ ہو۔ اور نہ ان کی حقیقت یا مقدار یا کیفیت اس پر مخفی رہ سکتی ہے کہ ان کی مقدار سزا کے اندازہ میں اس کو غلطی لگے۔ پس جو اس نے بیان کیا ہے کہ تمہارے قصوروں کی سزا تو بہت تھی، پر اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ بالکل حق اور علم واقعی پر مبنی ہے نہ تخمینہ اور اٹکل پر۔

اور جب صَرَفَكُمْ اور لِيَبْتَلِيَكُمْ کی کیفیتیں بیان ہو چکیں تو اب لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ) پھر امن کیلئے اس نے تم پر اونگھ نازل کی جو کہ ایک گروہ کو تم میں سے ڈھانپتی تھی۔ اور ایک (اور) گروہ تھا۔ جس کو اُن کی جانوں نے غم میں ڈالا ہوا تھا۔ (یعنی اپنی جانوں کے بچاؤ کے باعث سے غم میں پڑے ہوئے تھے یا یہ کہ ان کو سوائے اپنی جانوں کے اور کسی کا اہتمام نہ تھا) وہ اللہ پر ناحق جاہلیت کی سی بدگمانی کر رہے تھے (یعنی جس طرح جاہل لوگ خدائے قدوس کی شان کو نہ جاننے کے سبب سے طرح طرح کی بدگمانیاں اس پر کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ باوجود جاننے کے بلکہ باوجود مشاہدۂ آثار کے خدا پر یہ گمانی کر رہے تھے کہ یا وہ ہے ہی نہیں یا ہے پر اس نے کوئی نصرت کا وعدہ نہیں دیا اور یونہی ہم کو سُنایا جاتا ہے یا اس نے وعدہ تو کیا پر ہم کو یہاں پر لا کر خلاف وعدہ کر دیا۔

جیسا کہ آگے ان کا اپنا قول نقل کر کے خداوند تعالیٰ اس بدگمانی کا بیان فرماتا ہے کہ) وہ کہتے ہیں (آپس میں ایک دوسرے کو کہ) کیا ہمارے لیے اس امر (نصرت) سے کچھ (نصیب) ہے (یعنی ہمیں تو نصرت سے کچھ بھی نہیں ملا اور گو ابھی اس گروہ کا حال آگے اور بھی بیان ہوتا ہے۔ لیکن ان کے اس گندے قول کا جواب ساتھ ہی یہ دے دیا کہ) تم کہو کہ یقیناً یہ امر (نصرت) سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہے۔

مقتولوں کا اپنے قتل ہونے کے مقام پر آنا:

(پس جس طرح وہ چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے اختیار سے باہر ہو اور خواہ تم نافرمانی بھی کرو اور پھر بھی وہ تمہاری خواہش کے مطابق کرنے پر مجبور ہو۔ اس کے بعد اور ان کا حال کھولا کہ) وہ اپنی جانوں میں وہ کچھ مخفی رکھتے ہیں جس کو

تمہارے لیے ظاہر نہیں کرتے (اور جو بات مخفی رکھتے ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ ان میں) وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لیے اس امر سے کچھ ہوتا تو ہم یہاں پر قتل نہ ہوتے (یعنی مُنہ سے تو اپنے آپ کو مومن اور الٰہی وعدوں پر یقین رکھنے والے اور نصرت کے گواہ کہتے ہیں پر دل میں ان سب باتوں سے منکر ہیں۔ اس کے بعد ان کے اس قول کا جواب ارشاد فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ اگر تم اپنے اپنے گھروں میں ہوتے تو ضرور اپنی گرنے کی جگہوں کی طرف وہ نکل پڑتے جن پر قتل ہونا لکھا گیا ہے۔

(یعنی خواہ تم اپنی حفاظت کے لیے شہر میں اپنے گھروں کے اندر بیٹھ جاؤ تو بھی جن پر قتل ہونا مقدر اور مقرر کیا گیا ہے۔ وہ کسی نہ کسی باعث سے ضرور اپنے قتل ہونے کے مقام پر چلے ہی آویں گے۔ اور مفسرین نے اس کے اور دو معنے بھی کئے ہیں۔ ایک یہ کہ قتل سے قتال مراد ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ اگر تم گھروں میں بیٹھ جاؤ تو بھی وہ مومن کہ جن پر جنگ کرنا فرض ہے وہ تو ضرور ہی اپنے مقتل پر آجاویں گے۔

دوم یہ کہ قتل سے قتل ہونا مراد نہیں بلکہ قتل کرنا مراد ہے اور معنے یہ ہیں کہ اگر تم گھروں سے نہ نکلو تو بھی جن کافروں پر لکھا اور مقدر کیا گیا ہے کہ وہ تم کو قتل کریں وہ ضرور تمہاری گرنے کی جگہوں (یعنی تمہارے گھروں) پر آجاویں گے اور وہاں آکر تم کو قتل کر ہی دیں گے۔

پر ظاہر معنے وہ پہلے ہی ہیں۔ خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ جب خدا نے معاف کیا تو مومنوں کے دلوں میں ایک ایسا امن نازل کیا کہ ان کو اونگھ آنے لگی جو کہ بجز امن کی حالت کے ہرگز نہیں آیا کرتی۔ اور یہ محض خداوند تعالیٰ پر حُسن ظن رکھنے اور اس کے وعدوں پر ایمان رکھنے کے باعث سے تھا۔ پر منافقوں کے دلوں میں اس وقت بھی نہایت ہی گھبراہٹ اور اضطراب تھا اور یہ محض خدا پر بد ظنی کرنے اور اس کے وعدوں پر اعتماد نہ کرنے کے باعث سے تھا۔ پس جس طرح اس ابتلاء اور اس کے بعد پھر معاف کرکے امن دینے میں اور بہت سے مقاصد اور بہت سی حکمتیں خداوند تعالیٰ نے رکھی تھیں۔ اسی طرح اس میں ایک یہ مقصد بھی تھا کہ منافق گروہ ممتاز ہو جائے اور ان کے دلوں کی وہ مخفی باتیں کہ جن پر تم کو وہ مطلع نہ کرسکتے تھے۔ اس میں عام طور پر ظاہر ہو جائیں۔

اور چونکہ یہ مقصد اس گروہ کے حال کے بیان کرنے ہی سے صاف ہے۔ گویا کہ وہ ذکر ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس پر عطف کر کے آگے فرمایا کہ اس لیے تا کہ اللہ ظاہر کر دے ان باتوں کو جو کہ ان کے سینوں میں تھیں) اور تا کہ ان باتوں کو خالص کر دے جو کہ تمہارے دلوں میں ہیں۔ (یعنی جو کسی کا نقص یا کمال ہے وہ بھی کُھل جائے اور مومنوں کے دلوں میں اگر کوئی نامناسب امر ہے تو وہ رفع ہو کر خالص پاک امور رہ جاویں۔ اور بتایا کہ ابتلاء اس لیے نہیں کہ اللہ نہ جانتا تھا اور اب وہ جان لے بلکہ یہ تو جزاؤ سزا کی وجہ سے ہے۔ ورنہ تو وہ) اللہ سینوں والی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

(اس کے بعد پھر اصل مذکورہ بات کا خلاصہ ذکر فرما دیا کہ) یقیناً جو لوگ تم میں سے دونوں جماعتوں کی مٹھ بھیڑ کے دن پھر گئے تھے ان کو ان کی بعض کمائیوں کے سبب سے شیطان نے ہی پھُسلایا تھا۔ اور ضرور اللہ نے ان سے معاف کیا تھا اور اللہ مغفرت کرنے والا۔ تحمل کرنے والا ہے۔

آیت 157 تا 172: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاْ اِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى

هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَ مَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

تشریح الفاظ:

قَوْلٌ کے بعد جب حرف لام آیا کرتا ہے تو عموماً اس وقت اس کے معنے خطاب کے ہوتے ہیں اور جس پر لام ہوتا ہے وہ مخاطب ہوا کرتا ہے لیکن کبھی یہ لام بمعنے فِیْ ہوتا ہے۔ تب قول کے اپنے معنے رہتے ہیں اور خطاب کے نہیں ہوتے۔ اور قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ میں بھی لام بمعنے فِیْ ہے۔

ضَرَبُوْا۔ ضَرْبٌ کے معنے مفصل پہلے بیان ہوئے ہیں۔ اور وہاں پر میں نے لکھا ہے کہ اس کے معنے چلنے کے بھی ہوتے ہیں۔ پر جب اس کے بعد فِیْ آئے تو عموماً یہی معنے ہوتے ہیں۔

غُزًّا۔ غَازٍ کی جمع ہے۔ جو غَزْوٌ سے بنا ہوا ہے۔ جنگ کرنا۔

لَاۤ اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ میں رسم خط یوں ہی چلا آیا ہے کہ حرف لام کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے جیسا حرف نفی لا لکھا جاتا ہے پر قرأتوں سے یہی ثابت ہے کہ یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا اور فقط حرف لام مختصر زبر کے ساتھ پڑھا جاتا۔ اور اس لام کے معنے تحقیق اور قسم کے ہوتے ہیں اور یہاں پر بھی یہی معنے ہیں نہ نفی کے۔

تُحْشَرُوْنَ۔ حَشْرٌ سے ہے، جمع کرنا۔ چلانا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ میں جو مَا ہے اس کو مفسرین اس وجہ سے زائد کہا کرتے ہیں کہ جو مَا کے مشہور معنے ہیں ان میں سے یہاں پر کوئی نہیں۔ لیکن اس طور پر زائد نہیں کہتے کہ یہ لغو اور بے فائدہ ہے۔ بلکہ یہ عظمت کے اظہار کے لیے لائی جاتی ہے۔ گویا اس وقت اس کے معنے شَیْءٌ عَظِیْمٌ کے ہوتے ہیں۔

لِنْتَ۔ لِیْنٌ سے ہے، نرم ہونا۔

فَظًّا۔ فَظَاظَةٌ سے ہے۔ سخت کلامی اور برتاؤ میں قولاً یا فعلاً جفاء کاری کرنی۔

غَلِیْظَ۔ موٹا اور سخت اور غلیظ القلب سنگ دل اور بے رحم کو کہتے ہیں۔

اِنْفَضُّوْا۔ اِنْفِضَاضٌ سے ہے جو کہ فَضٌّ سے بنا ہوا ہے۔ اور فَضٌّ کے معنے تفریق کرنے اور بکھیرنے کے ہیں اور اِنْفِضَاضٌ کے معنے تفریق اور بکھرنے کے ہیں۔

یَخْذُلُ۔ خِذْلَانٌ سے ہے۔ مدد نہ دینا۔ بے مدد چھوڑ دینا۔

یَغُلَّ۔ یَغْلُلُ۔ غَلٌّ۔ غَوْلٌ سے ہے۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا۔

بَاءَ کے معنے بارہا گذر چکے ہیں۔ سَخَطٌ۔ غضب۔

مَنَّ۔ مَنٌّ سے ہے۔ احسان کرنا اور کہنا۔

ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ میں دونوں لام اقرب کے ساتھ متعلق ہیں اور گو ایک چیز کے ساتھ دو ہم معنے حرف متعلق نہیں ہوا کرتے۔ لیکن اسم تفصیل اور زیادت پر دلالت کرتا ہوا اس کے ساتھ دو کا تعلق جائز رکھا ہے۔

اَفْوَاہٌ۔ فُوْہٌ کی جمع ہے۔ مونہہ۔

قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ میں بھی لام خطاب کا نہیں بلکہ بمعنے فِیْ ہے۔

اِدْرَءُوْا۔ دَرْأٌ سے ہے۔ دور کرنا اور ہٹانا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ اِسْتَبْشَرَ سے ہے۔ خوشخبری لینا اور خوش ہونا۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو! جو ایمان لائے ہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو کہ کافر بنے ہیں۔ اور اپنے (مسلمان) بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں جبکہ وہ زمین میں سفر کرتے ہیں یا وہ غازی ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے نہ وہ مرتے اور نہ وہ قتل کیے جاتے۔ تاکہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنادے۔ اور اللہ ہی زندہ رکھتا (اور کرتا) اور مارتا ہے۔ اور اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا تم مر جاؤ تو ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

سو اللہ کی بڑی رحمت کے ساتھ تو لوگوں کے لیے نرم ہو گیا ہے۔ اور اگر تو سخت زبان سنگدل ہوتا تو ضرور تیرے ارد گرد سے علیحدہ ہو جاتے۔ سو تو اسے معاف کر اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگ۔ اور تُو ان سے اس (انتظامی) امر میں مشورہ کر۔ تو جب تُو پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر توکل کر۔ یقیناً اللہ توکل کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں۔ اور اگر تمہاری مدد چھوڑ دے گا تو پھر وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر سہارا رکھنا چاہیے۔ اور کسی نبی کی شان سے نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔

اور جو کوئی مال غنیمت میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس کو ساتھ لائے گا جو اس نے مال غنیمت سے بطریق خیانت لیا تھا۔ پھر ہر ایک جی وہ پورا دیا جائے گا جو کہ اس نے کمایا تھا اور وہ ظلم نہ کیے جاویں گے۔ کیا (تم یہ خیال کرتے ہو) تو جس نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی وہ اس کی مانند ہے جس نے اللہ کی طرف غضب کے ساتھ رجوع کیا۔ اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ کیا ہی بُرا مرجع ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک کئی درجے ہیں۔ اور اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے جبکہ ان میں انہی (کی جنس) سے ایک (عظیم الشان) رسول اُٹھایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑتا ہے اور وہ ان کو پاک کرتا ہے اور وہ کامل کتاب اور پکی باتیں سکھاتا ہے۔ اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ کیا (تم نے نہ سوچا) اور جب تم کو وہ مصیبت پہنچی جس کی دوچند تم ضرور پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا کہ یہ کہاں سے۔ تم کہو یہ تمہارے اپنے ہی پاس سے ہے۔ یقیناً اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اور جو کچھ تم کو اس دن پہنچا ہے کہ جس دن دونوں جماعتوں کا مُٹھ بھیڑ ہوا تھا تو وہ اللہ کے حکم کے ساتھ تھا۔ اور تاکہ مومنوں کو وہ جانے اور ان کو جانے جو منافق بنے ہیں۔ اور جب ان کو کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا مدافعت کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ وہ آج دن کفر کی طرف اپنے ایمان کی طرف (قریب ہونے) سے زیادہ قریب ہیں۔ اپنے مونہوں کے ساتھ وہ وہ کچھ ظاہر کرتے ہیں جو کہ ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جو کہ وہ چھپاتے ہیں۔

جنہوں نے اپنے (مسلمان) بھائیوں (کے بارہ) میں کہا اور وہ آپ بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری (بات) مانتے تو وہ نہ مارے جاتے۔ تم کہو تو تم اپنے آپ سے موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں تم ان کو مردے نہ خیال کرو بلکہ وہ زندے ہیں اپنے رب کے پاس وہ رزق دیئے جاتے ہیں اس کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے جو کہ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے۔ خوشخبری لیتے ہیں ان کے ساتھ جو کہ ان کے پیچھے سے ان کو ملے نہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کُڑھیں گے۔ خوشخبری لیتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ جو ان کے لیے ہے۔ اور اس کے ساتھ کہ یقیناً اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر:

مَیں نے غزوۂ اُحد کے بیان میں بیان کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین مکہ کی فوج کی آمد سنی اور شوریٰ کیا تو حضور کا یہی منشاء تھا کہ مدینہ سے باہر نہ جاویں۔ اور عبد اللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی اور اس نے کہا تھا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ مدینہ پر جب کسی دشمن

نے حملہ کیا ہے تو ضرور وہ ناکام واپس گیا ہے لیکن جب مدینہ والے باہر نکلے ہیں تو خیر نہیں ہوئی۔ اور دیگر مدبرین کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن کچھ لوگ جو کہ بدر کے موقعہ پر شریک نہ ہو سکے تھے وہ باہر نکلنے پر سخت زور دیتے تھے چنانچہ اصرار پر حضورؐ نے جب زرہ زیب تن کر لی تو وہ لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہو گئے کہ ہم نے کیوں آپ کی رائے کے خلاف زور دیا تھا اور عرض کی کہ ہم اپنے اصرار سے باز آئے حضور جیسا مناسب خیال فرماویں وہی کریں پر آپ نے فرمایا کہ نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ زرہ پہن کر پھر رُک جائے۔

(سیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 299 باب ذکر مغازیہ ﷺ، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

اور پھر یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کو بہت سی تکلیف اور نقصان پُہنچا بہت سے بہادر مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ پاؤں اُکھڑے۔ وغیرہ ذٰلک۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جنگ کے بعد بعض نے کہا کہ ہم کو تو خداوند تعالیٰ نے نصرت کا وعدہ دیا ہوا تھا تو ایسا کیوں ہوا۔ اور پھر کوئی اس مصیبت کی کوئی وجہ بیان کرتا اور کوئی اور بتاتا تھا خداوند تعالیٰ نے وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ [1] الخ (آل عمران: 153) کے ساتھ اس تکلیف کی وجہ مفصل طور پر بتائی تھی تاکہ نہ خداوند تعالیٰ کی نسبت ان کے دلوں میں کسی قسم کی بدظنی رہے اور نہ آئندہ ایسی غلطی کریں جس کو حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ [2] الخ (آل عمران: 153) کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کے ان مختلف خیالات کی تردید نہ ہو جائے جو کہ اس دُکھ کے اسباب کی نسبت ان کے تھے تب تک یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ اسی وجہ سے منافقوں کے گروہ کے خیالات مفصل بیان کر کے ان کی تردید کی گئی ہے۔ اور منجملہ ان مختلف خیالات کے کثرت کے ساتھ اور زیادہ قوی خیال یہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکلنے کی وجہ سے یہ تکلیف ہوئی ہے۔ اور زیادہ شہرت اور طاقت اس خیال کو ان منافقوں کے گروہ کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی کیونکہ ایک تو عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کی یہ رائے تھی اور اس کی مخالفت ہونے کی وجہ سے وہ ایک تہائی لوگوں کو راستہ سے واپس لے آیا تھا۔

---

[1] ۔ اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ یقیناً پورا کر دیا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ یہاں تک کہ جب تم نے سستی کی اور (رسول اللہ کے) حکم کے متعلق باہم جھگڑا کیا اور... نافرمانی کی۔ (تفسیر صغیر)

دوم منافقوں کا وہ گروہ جس کی نسبت قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ [1] الخ (آل عمران:155) بیان ہوا ہے ان کا بھی یہی اعتقاد اور یہی قول تھا کہ جس کی تردید لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ [2] الخ (آل عمران:155) کے ساتھ کی گئی تھی۔ تو لہٰذا اب اہل اسلام میں سے جن کا خیال (اس کی طرف گیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکلنے سے یہ مصیبت آئی ہے یا جو اس سے متاثر ہو سکتے تھے ان کو اس سے نکالنے اور بچانے کے لیے فرمایا کہ)

ہاں اے ایمان والو! تم (یہ کہہ کر یا اعتقاد رکھ کر کہ اگر ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے اور مدینہ میں ہی رہ کر لڑتے تو یہ مصیبت ہم کو نہ پہنچتی اور ہمارے بھائی قتل نہ ہوتے) ان لوگوں کی مانند نہ بنو جو کہ کافر بنے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے (مسلمان مردہ اور مقتول) بھائیوں کی نسبت کہا ہے جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا غازی ہوئے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور قتل کیے جاتے (تو خداوند تعالیٰ نے یہ بتانے کے لیے کہ ان کے اس جاہلانہ اور غلط اور خلاف واقعہ قول سے یہی نہیں کہ نہ ان بھائیوں کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے کہ جن کی نسبت انہوں نے یہ کہا ہے اور نہ خود ان کہنے والوں کو کوئی ذرہ فائدہ ہوتا ہے۔

بلکہ اس کا ان کے اپنے حق میں نہایت بُرا اثر اور نتیجہ مرتب ہوتا ہے فرمایا کہ) تاکہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بناوے۔ اور اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔ (جب اللہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور ان کا اس میں کوئی دخل نہیں تو ظاہر ہے کہ پھر اس کا فائدہ تو کچھ نہیں ہاں ایک حسرت دلانے والا فقرہ ہے پر چونکہ ان کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے سوا محیی ظاہر کیا گیا ہے اور اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں تو پھر ضرور اس کی سزا ہوگی اور سزا چونکہ ہمرنگ ہوتی ہے لہٰذا فرمایا کہ اللہ اس (کلمہ حسرت) کو حقیقت میں ان کے دلوں میں حسرت بنادے گا۔

اور اہل اسلام نے گو یہ فقرہ نہیں کہا پر چونکہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ مدینہ میں اگر ہم رہتے تو یہ مصیبت نہ آتی اور یہ ان کے قول کے مشابہ اور ہمرنگ تھا گو یہ فرق بھی

---

[1] ۔ انہیں ان کی جانوں نے فکر مند کر رکھا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اگر تم اپنے گھروں میں (بھی) رہتے تو بھی جن لوگوں پر لڑائی فرض کی گئی ہے وہ اپنے (قتل ہو کر) لیٹنے کی جگہوں کی طرف ضرور نکل کھڑے ہوتے۔ (تفسیر صغیر)

تھا کہ مومن صدق دل سے اللہ ہی کو محیی اور ممیت جانتے ہیں۔ تو اس وجہ سے خداوند تعالیٰ نے مومنوں کو فرمایا کہ تم ان کے ہمرنگ نہ بنو یعنی ان کے ہمرنگ نہ اعتقاد رکھو اور نہ زبان سے کہو کیونکہ وہ کافر ہیں اور تم مومن ہو اور چونکہ تم مومن ہو اس لیے وہ تمہاری اصلاح چاہتا ہے اور لہٰذا وہ تمہارے اعمال کی خاص نگرانی کرتا ہے اور اسی وجہ سے تم کو تنبیہ کا زیادہ خطرہ ہے۔

اور اس کے بعد یہ فرق بتانے کے لئے کہ کافر اگر کلمہ حسرت بولتا ہے تو بولے کیونکہ مرنے اور قتل ہونے پر اس کے لیے حسرت کے سوا اور کیا ہے بخلاف مومن کے کہ اس کی موت اور اس کا قتل ہونا موجب حسرت نہیں لہٰذا اس کو کلمہ حسرت مُنہ پر بھی نہ لانا چاہیے فرمایا کہ) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تم مرو (اور زبان کے قاعدہ سے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی قید مُتُّمْ کے ساتھ بھی لگتی ہے) تو اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

(یعنی حسرت کی بنا تو اعلیٰ کے بدلہ ادنیٰ ملنے یا عمدہ مفید چیز کے بے بدل چھن جانے پر ہے جو کافر کے حق میں ثابت ہے کہ دنیوی مال وجاہ اور آرام وراحت کے عوض بخیال خود کچھ نہ ملا اور واقعہ میں ملا پر عذاب۔ لیکن مومن اس سے پاک ہے کیونکہ دنیا کا ناچیز مال وجاہ اور تکلیف دہ آرام اگر گیا تو مغفرت اور رحمت الٰہیہ اور جنّت ملی جو کہ واقعہ اور اس کے خیال میں ہزار ہا درجہ اس سے بہتر ہیں۔ پر ساتھ ہی بتایا کہ ہاں خالی مومن نام رکھانے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ تقوی اللہ ضروری ہے کیونکہ) اگر تم مروگے یا قتل کیے جاؤگے تو ضرور اللہ کے آگے جمع کیے جاؤگے (یعنی احکم الحاکمین کے سامنے حساب اور جواب دہی کے لیے حاضر کیے جاؤگے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ یہ سب قصور ایسے تھے کہ جن پر حاکم ہونے کی حیثیت سے رسول بھی ضرور تم کو سزا دیتا لیکن یہ اللہ ہی کا فضل وکرم ہے کہ اس کی سزا اور سرزنش سے بھی تم محفوظ رہے جیسے کہ خداوند تعالیٰ کے معاف کرنے کے باعث سے تم پر امن نازل ہوگیا اور الٰہی سخت ترین سزا سے بچ گئے ہو۔ تو فرمایا کہ) اللہ کی رحمت کے ساتھ (اے رسول) تم ان کے لیے نرم ہوگئے ہو (یعنی خداوند تعالیٰ کا ان

لوگوں پر خاص فضل و کرم ہوا کہ ایسا رسول ان میں بھیجا ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے فطرۃً نہایت رحیم و کریم اور نرم دل بنایا ہے جو کہ ان کے قصوروں اور فروگذاشتوں پر گرفت نہیں کرتا اور پھر خود ہی اس نرم بنانے کی حکمت بیان فرمائی کہ) اگر تو سخت زبان ہوتا اور سنگدل ہوتا تو ضرور تیرے اردگرد سے یہ بھاگ جاتے (یعنی سختی تو یہ برداشت نہ کرسکتے تو آخر تجھ سے علیحدہ ہوکر دین و دنیا کی تباہی میں پڑ کر اپنا سخت نقصان کرتے۔ اور نیز اس سے ہدایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ تو جب یہ بتادیا کہ یہ نرمی اللہ کی رحمت سے ہے۔ تو اب اس کے مطابق حکم دیا کہ) تم ان سے معاف کرو اور پہلے قصور کے بد نتائج سے اور آئندہ قصوروں سے بچنے کے لیے دعا مانگو۔

(لیکن چونکہ عام اندیشہ ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحیم و کریم ہونے کے سبب سے اور کچھ سزا نہ دیں۔ پر اس فضل اور نعمت سے تو ضرور ہی محروم کر دیں گے جو کہ حضور ہمیشہ اپنے خدام کو اعزاز بخشتے تھے اور جس پر وہ انعام ہوتا تھا۔ وہ سلطنت ملنے سے بھی اس کو بڑھ کر یقین کرتا تھا اور وہ تھا مشورہ لینا۔ اور جس کا خطرہ اس وجہ سے تھا کہ حضور کی رائے کے خلاف جو مشورہ دیا گیا تھا۔ وہی تو اس سب ماجرا کی جڑھ ٹھہرا تھا۔

(اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں کا ایک اور قصور بیان فرمایا جیسا کہ اس سے پہلے یہ بیان کیا تھا۔ کہ کفار کے مشابہ تم کو یہ نہ کہنا چاہیے تھا کہ کاش مدینہ میں رہ کر لڑتے تو یہ تکلیف نہ اُٹھاتے اور وہ یہ بتایا کہ) کسی نبی کی شان سے نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔ اور جو کوئی مال غنیمت میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس کو ساتھ لائے گا جو کہ اس نے خیانت کیا ہے اور پھر ہر ایک جی کو وہ پورا دیا جائے گا جو کہ اس نے کمایا ہے۔ اور وہ ظلم نہ کیے جاویں گے۔

(جس طرح یہ روایتوں میں آیا ہے کہ مدینہ کی نسبت انہوں نے یہ کہا تھا۔ اسی طرح حدیثوں میں صاف آیا ہے کہ ان تیر اندازوں نے مال غنیمت کی وجہ سے اپنے امیر اور آنحضرت ﷺ کے حکم کے خلاف اپنے مقام کو چھوڑا تھا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد والسیر باب مایکرہ من التنازع... الخ حدیث 3039)

اور بعض میں یہ بھی آیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ جس کو کوئی چیز ہاتھ لگے وہ اسی کی ہے اور پھر ہم محروم رہ جائیں۔

پس جب مال غنیمت کا یہی حق ہے اور یہی عملدرآمد تھا کہ سب مال جمع ہو کر سب میں تقسیم ہوتا تھا جو کہ جنگ میں شریک ہوتے تھے بجز اس نفل کے کہ جو پہلے سے بطور انعام مقرر ہوتا تھا کہ جو فلاں کام کرے گا اس کو فلاں چیز دی جاوے گی۔ تو پھر کسی کا مال غنیمت کے لیے خلاف امر رسولؐ اپنے مقام کو چھوڑنا بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا کہ یا ان کا خود اس مال غنیمت کی نسبت ارادہ بالخیر نہ ہو یا نبیؐ کی نسبت یہ خیال ہو کہ وہ (نعوذ باللہ منہ) خیانت سے خلاف حق ہماری حق تلفی نہ کر دے یا دوسرے لوگوں کی طرف یہ خیال ہو کہ وہ خیانت کر کے ہمارا حق دبا لیں گے۔

تو خداوند تعالیٰ نے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ الخ کے ساتھ رسول کی شان ارفع کی نسبت اس امر کا محال اور ممنوع ہونا بیان فرمایا۔ جیسا کہ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ[1] (مریم:36) میں اپنی شان میں ولد کا ممنوع ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ اور مَنْ يَّغْلُلْ الخ کے ساتھ دوسرے دونوں خیالوں کی تردید فرمائی ہے۔ اس آیت کے اور معنے بھی مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ معنے اس مقام اور حدیثوں اور نبوت کی شان رفیع کے مناسب ہونے کے علاوہ دوسری قرأت کے بھی مطابق ہیں۔ کیونکہ نافع، ابن عامر، حمزہ، کسائی، یعقوب ائمہ قرأت کی قرأت میں اَنْ يُّغَلَّ آیا ہے۔ جس کے معنے ہیں کہ کسی نبی کی شان سے نہیں کہ وہ مال غنیمت کی خیانت کی طرف منسوب کیا جائے۔

اور حدیثوں میں مفصل بیان ہوا ہے کہ جو اونٹ بطور غلول لے گا وہ قیامت کے دن اس کو اُٹھائے ہوئے آئے گا اور وہ بولتا ہو گا اسی طرح گائے بکری وغیرہ۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی ﷺ حدیث 6636)

تُوَفّٰی کے دو معنے:

اور ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ الخ (البقرۃ:282) کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔

[1]۔ خدا کی شان کے یہ خلاف ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے۔ (تفسیر صغیر)

نمبر 1۔ یہ کہ جس طرح وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ میں ایک عام حکم بتایا ہے اسی طرح یہ بھی ایک عام بات بتائی ہے کہ قیامت کو ہر ایک کو اس کی کمائی پوری دی جائے گی۔ اور یہاں پر اس کو اس لیے بتایا کہ جس طرح پہلے حکم سے بالخصوص غلول کی نسبت ڈرایا جاتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ بالعموم اس غلول سے ڈرایا جاتا ہے اور لفظ ثُمَّ کے یہ معنے ہوئے کہ اس پہلی بات کے بعد پھر یہ بات بھی ہے۔

نمبر 2۔ یہ کہ غلول کرنے والا پہلے تو اس کو لائے گا اور پھر جن جن کا اس مال میں حق تھا اور جنہوں نے کمایا تھا ان کا حق اس غلول والے سے پورا لیا جاوے گا۔ اور یہ دونوں معنے صحیح اور مقام کے مناسب اور مراد ہیں اور دوسرے معنوں میں ثُمَّ کے معنے یہ ہوں گے کہ پہلے لائے گا اور پھر پورا کرے گا۔ اس کے بعد اسی جنگ اُحد کی نسبت بعض اور لوگوں کا بھی ایک اور نقص ذکر فرمایا کہ) آیا جو اللہ کی رضامندی کے پیچھے چلے وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو کہ اللہ کی طرف سے غضب کے ساتھ پھرا اور اس کی لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری بازگشت ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک مختلف درجے ہیں۔ اور اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ وہ کر رہے ہیں۔

(میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ ابن ابی رئیس المنافقین اپنی رائے کے خلاف ہونے سے رنج ہو کر راستہ میں سے ایک تہائی لوگوں کو ساتھ لے کر واپس ہو گیا تھا اور مومنین حضورؐ کے ساتھ گئے تھے تو ان منافقوں کی نسبت فرمایا کہ اللہ کا غضب لے کر جہنم کی طرف پھرے ہیں اور مومنین رضوان اللہ اور جنت کی طرف گئے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ خداوند تعالیٰ کا اس وقت بہت بڑا اور عام فضل نازل ہوا ہے۔ پر اس فضل سے بہرہ ور ہونے کے لیے ایمان ضروری ہے۔ اور جو اس فضل سے مُنہ پھیرتے ہیں وہ بڑے خسارہ میں پڑتے ہیں اور نیز جو اس فضل کو حاصل کر لیں ان کو پھر اس کے خلاف نہ کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ) ضرور اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ جب کہ ان میں انہی سے عظیم الشان رسولؐ اٹھایا ہے جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کامل کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ سے کسی نے تو یہ لیا ہے کہ جنوں یا فرشتوں سے نہیں بلکہ انسانوں کی

جنس سے ہے۔ کسی نے یہ کہ عربوں میں سے ہے اور کسی نے یہ کہ ان کی نسب سے ہے۔ لیکن سوائے پہلے معنوں کے دوسروں میں مومنوں کی تخصیص کرنی پڑے گی۔ اور پہلے معنوں میں بُعد بہت ہے کیونکہ سب رسول آدمیوں ہی سے آتے رہے ہیں۔ پھر ایک خاص رسول کی کیا تخصیص ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شریعت ہر فرد بشر کے لئے ہے:

لیکن اصل بات مفسرین پر مخفی رہی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے خاص فضل سے وہ مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا جس قدر رسول آئے ہیں ان کی رسالت اور شریعت مختص الوقت اور مختص القوم ہوتی رہی ہے اور وحی فطرت اور طبیعت رسول کے مطابق نازل ہوتی ہے جس سے ان کی فطرت اور طبیعت کی مناسبت بھی خاص اسی زمانہ اور قوم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور جس طرح ان کی شریعت دوسری اقوام اور دوسرے زمانہ کے لوگوں کے مناسب نہیں اسی طرح فطرتیں اور ان کی طبیعتیں بھی دوسری قوموں اور دوسرے زمانہ کے لوگوں کے مناسب نہیں تھیں بخلاف سید الرسلؐ کے کہ جس طرح آپ کی رسالت اور شریعت ہر فرد بشر کے لیے عام اور مناسب ہے۔

اسی طرح حضور کی طبیعت بھی ہر ایک کے لیے ہادی اور رہبر ہونے اور ہر ایک کی اصلاح کے لیے اعلیٰ درجہ کی مناسبت رکھنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ رب العالمین کی طرح رحمتہ للعالمین ہوئے۔ پس یہی مناسبت مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور وہ ہر ایک زمانہ اور ملک کے ہر یک مومن کے ساتھ ہے اور بالخصوص یہ فضل آپ ہی پر ہے۔ اور کوئی دوسرا رسول اس میں آپ کا شریک حال نہیں ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

بلکہ یوں سمجھو کہ یہ آیت آپ کی رسالت کا عموم ثابت کرنے اور نیز آپ کے خاتم النبیین ہونے کی اصل حکمت اور جڑھ بتانے کے لیے نازل ہوئی ہے کیونکہ فطرتی مناسبت ہی سے کوئی کسی کی بات پر گرویدہ ہوتا اور ایمان لاتا ہے سو عام مناسبت تھی تب ہی عام طریق پر ایمان لائے اور تب ہی ایسی عام شریعت کی ضرورت پیش آئی تب ہی کوئی اور شارع نبی بھیجنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

ہاں یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ اور بضعۃ الرسول حضرت فاطمہؓ سے ایک دوسری قرأت بھی ماثور ہے اور وہ ہے مِنۡ اَنۡفَسِهِمۡ جس کے معنے ہیں کہ نفیس ترین لوگوں سے اور یہی مضمون صحیح احادیث میں آیا ہے اور ہر ایک مومن کا اس پر ایمان ہے کہ جس طرح آپ اشرف المخلوقات ہیں اسی طرح آپ کا خاندان بھی طرفین سے سب سے اشرف ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ ایسا فضل شامل ہو اور آیات اللہ تمہیں سنائی جاتی ہوں اور کتاب اللہ اور حکمت تم کو سکھائی جاتی ہو اور علاوہ ان سب امور کے پھر ایسے رسول کی تو جہات کے نیچے ہو جو کہ جہاں کے لیے مزکی ہو کر آیا ہے اور تم سے ایسے قصور ہوں۔

خداوند تعالیٰ نے ان کا ایک اور قصور ذکر فرمایا کہ) کیا (اس سے تم کو اس قدر بھی سمجھ نہ ہوئی) اور جب تم کو مصیبت پہنچی کہ جس کے دوچند تم ان کو پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا کہ یہ کہاں سے (یعنی تمہارا ایسے رسول کی صحبت میں رہنا اور کفار کو بدر اور اُحد میں پہلے دو چند تکلیف پہنچانا تو اس کا مقتضی تھا کہ جب تم کو احد میں کفار کی تکلیف سے بہت کم تکلیف پہنچی تھی تو یہ نہ کہتے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی ہے بلکہ یقین کرتے کہ یہ ہماری کسی نافرمانی اور خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ خداوند تعالیٰ کی نصرت کے وعدے اور اس کے پہلے مشاہدے یقین دلاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ لہٰذا جواب یہ فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ یہ خود تمہاری ہی طرف سے ہے (جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہوا ہے۔ ورنہ تو باوجود الٰہی وعدۂ نصرت کے یہ مصیبت تب آتی کہ اللہ (نعوذ باللہ منہ) عاجز ہوتا پر) یقیناً اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے (نیز اس میں یہ بھی بتایا کہ گو اللہ تعالیٰ تمہارا بہت پاس کرتا ہے اور اس نے نصرت کا وعدہ بھی دیا تھا پر اس سے وہ تمہاری تکلیف دینے سے عاجز نہیں ہو جاتا بلکہ نافرمانی کی صورت میں وہ سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ) جو کچھ تم کو دونوں گروہ کے مُٹھ بھیڑ کے دن پہنچا ہے سو وہ اللہ کے حکم سے تھا (یعنی تمہاری نافرمانی کی سزا دینے کیلئے یہ پہنچائی ہے اور دوم اس لیے) تاکہ وہ مومنوں کو ممتاز کر دے اور تاکہ ان کو (بھی) ممتاز کر دے جو کہ منافق بنے ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفع کرو تو کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو ضرور تمہاری تابعداری کرتے۔

(مفسرین نے ان کے اس قول کے ایک تو یہ معنے کیے ہیں کہ اگر ہم اس کو لڑائی دیکھتے تو تمہارے ساتھ جاتے پر تم تو مدینہ کو چھوڑ کر تباہ ہونے کو جاتے ہو۔

دوم یہ کہ ہم کو لڑنا آتا تو تمہارے ساتھ جاتے پر ہم کو آتا نہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ منافق ہمیشہ دورُخی بات کیا کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر وہ ساتھ دیتے بھی نہیں اور ساتھ ہونا بھی ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے قول کے عمدہ اور مناسب معنے یہ ہیں کہ لڑائی کوئی بھی نہیں۔ تمہارے جاتے ہی ان بھگوڑوں نے بھاگ جانا ہے ورنہ تو ہم ضرور جاتے۔ اور دل میں یہ رکھا کہ یہ لڑائی تو نہیں بلکہ تباہی ہے کہ تم ہماری رائے کے خلاف تباہ ہونے کو مدینہ سے باہر جاتے ہو۔ اور منافق کا قاعدہ ہے کہ دونوں طرف سے بظاہر مساوی رابطہ رکھا کرتا ہے۔

پر جب ایسا موقعہ آجاتا ہے تو گو وہ پردہ ڈالنے کی کوشش تو بہت کرتا ہے پر ضرور ایک طرف ڈھلنا اس کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ) وہ آج دن کفر کی طرف اپنے ایمان کی طرف (نزدیک ہونے) سے بہت نزدیک ہیں۔ وہ اپنے مونہوں سے کہتے ہیں جو کہ ان کے دلوں میں نہیں۔ اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو کہ وہ چھپاتے ہیں۔

جنہوں نے اپنے بھائیوں کے حق میں کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری تابعداری کرتے تو وہ قتل نہ کئے جاتے۔ تم کہو سو اگر سچے ہو تو تم اپنے آپ ہی سے موت کو دفع کر دو (اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ وہ منافق اگر اپنے مقتول مسلمان بھائیوں کی نسبت حسرت اور افسوس کرتے ہیں تو کریں۔ پر تم کو تو بجائے اس کے خوش ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ) تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں مردے مت خیال کر۔ بلکہ وہ زندے ہیں اپنے رب کے پاس وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ خوش ہیں جو کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ خوشخبری لیتے ہیں جو کہ ان کے پیچھے سے ان کو نہیں ملے کہ نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ کڑھیں گے۔ وہ خوشخبری لیتے ہیں اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ اور اس کے ساتھ کہ یقیناً اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

آیت 173 تا 181: اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ۔ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ۔ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ۔ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔ وَ لَا یَحۡزُنۡکَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡکُفۡرِ ۚ اِنَّہُمۡ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَلَّا یَجۡعَلَ لَہُمۡ حَظًّا فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ۔ وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلٰی مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۫ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۚ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَکُمۡ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ۔ وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ہُوَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ شَرٌّ لَّہُمۡ ؕ سَیُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِہٖ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلّٰہِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ۔

تشریح الفاظ:

اِسْتَجَابُوْا۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے ہے۔ کسی بات کا قبول کرنا اور اطاعت کرنا۔

قَرْحٌ۔ زخم۔ حَسْبُ۔ کافی۔ نِعْمَ۔ بہت اچھا۔

خَافُوْنِ۔ اصل میں خَافُوْنِیْ ہے۔ یاء مقدر کی گئی ہے۔

اَنَّمَا نُمْلِیْ میں اَنَّ جدا ہے اور مَا جدا ہے۔ جس کے معنے جو، یا مصدر کے ہیں اور ان کا حق یہ تھا کہ جدا جدا لکھے جاتے۔ لیکن ان کی کتابت چونکہ مرکب ہی منقول ہوئی ہے۔ اس لیے اب بھی مرکب ہی لکھے جاتے ہیں۔ پس الٰہی حفاظت اسی کا نام ہے کہ اور تغیر تو کیا رسم خط میں بھی تصحیح کے لیے تغیر نہیں واقع ہوا۔

نُمْلِیْ۔ اِمْلَاءٌ سے ہے، جس کے معنے مدت کے لمبا کرنے کے ہیں اسی وجہ سے مَلَوَانِ رات دن کو کہتے ہیں۔

یَذَرُ کے معنے یَتْرُكُ کے ہیں۔ اور اس کی ماضی اور مصدر اور اسم فاعل وغیرہ استعمال نہیں ہوتے۔

یَجْتَبِیْ۔ اِجْتِبَاءٌ سے ہے۔ چننا اور برگزیدہ کرنا۔

یُطَوَّقُوْنَ۔ تَطْوِیْقٌ سے ہے۔ طوق پہنانا اور گلے میں ڈالنا۔

ترجمہ:

جنہوں نے اللہ اور اس رسول کے لیے اس کے بعد اطاعت کی ہے کہ ان کو زخم پہنچا ان میں سے ان کے لیے اجر عظیم ہے۔ جنہوں نے احسان (اخلاص) کیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ وہ کہ جن کو لوگوں نے کہا کہ بے شک لوگ تمہارے لیے جمع ہوئے ہیں۔ سو تم ان سے ڈرو۔ تو اس نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور بہت ہی اچھا کارساز ہے۔ تو وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ ان کو کسی بُرائی نے نہیں چھوا اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے

خوف کرو اگر تم مومن ہو۔ اور وہ لوگ تجھ کو کُڑھن میں نہ ڈالیں جو کہ کفر میں جلدی کرتے ہیں۔ بے شک وہ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہ کرے۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

بے شک جنہوں نے کفر کو ایمان کے ساتھ خریدا ہے وہ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دیں گے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جو لوگ کافر بنے ہیں وہ نہ خیال کریں کہ جو ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔ وہ بے شک ان کی جانوں کے لیے بہتر ہے۔ ہم ان کو اسی لیے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں۔ اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اللہ (کی شان) نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے۔

اور اللہ (کی شان) نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کرے ولیکن اللہ اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ بخل کرتے ہیں جو کہ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے وہ خیال نہ کریں کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ وہ ان کے لیے شر ہے ابھی قیامت کے دن اس کے طوق ڈالے جاویں گے جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے۔ اور اللہ ان کاموں سے خوب خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

تفسیر:

چونکہ جنگ اُحد کے واقعہ کے اخیر میں جنگ احد کے شہداء کا حال بیان ہوا تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ ان کے جو بھائی ابھی زندہ تھے ان کی نسبت خداوند تعالیٰ سے ان کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ عنقریب ان کو اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل دیا جائے گا۔

اور یہ بشارت تب پوری ہو کہ اس کے بعد عنقریب ان کو کوئی نعمت اور فضل دیا جائے۔ اور نیز جنگ احد میں چونکہ بعض سے قصور ہوئے اور ان کی اصلاح کے لیے ان کی بہت زور سے مذمت اور تردید کی گئی تھی اور خالی مذمت سے بعض اوقات بجائے اصلاح

کے دلوں میں رنج پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اور اصلاح اسی سے ہوتی ہے کہ قابل مذمت امر کی مذمت ہو اور ساتھ ہی قابل تعریف امر پر تعریف اور انعام ہو۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) جنہوں نے اللہ اور اس (کامل) رسول کی بات قبول کی (اور اس کی فرمانبرداری کی) بعد اس کے کہ ان کو زخم (جنگ اُحد کی تکلیف) پُہنچ چکی تھی۔ تو ان میں سے جنہوں نے اخلاص کیا اور تقویٰ اختیار کیا ہے ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

(تفاسیر اور کتب مغازی سے ثابت ہے کہ جب ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ احد سے واپس ہو گیا اور بہت جلد وہاں سے روانہ ہو پڑا کہ مسلمان پھر حملہ نہ کر دیں اور مسلمانوں کا بھی یہ خیال تھا کہ وہ ٹھہریں گے اور ہم پھر حملہ کریں گے تو دوسرے دن یہی مناسب سمجھا گیا کہ ان کا تعاقب کیا جائے تو حضور نے حکم دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ گئے تھے۔ وہی آج بھی ہمارے ساتھ چلیں اور جو کل نہیں گئے وہ آج ہمارے ساتھ نہ جائیں۔ تو آنحضرت ﷺ ان صحابہؓ کو ساتھ لے کر مشرکین کے تعاقب میں چلے اور حمراء الاسد جگہ جا قیام کیا۔ جو کہ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور پیر، منگل، بدھ وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ اور کفار سے کوئی نہ ملا۔

اور دوسری طرف ابوسفیان نے روحاء جگہ میں جا کر قیام کر لیا۔ اور وہاں پر انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ محمدؐ کے بڑے بڑے صحابہؓ اور بہادر تو ہم نے مار دیئے ہیں۔ تو پھر ہم ان کی بیخ کنی کئے بغیر کیوں جاتے ہیں۔ لہٰذا پختہ ارادہ ہو گیا کہ واپس ہو کر ان کی بیخ کنی کر دینی چاہیے۔ تاکہ آئندہ ان سے فراغت ہو جائے۔ تو حمراء الاسد میں معبد بن معبد خزاعی نبی کریمؐ کو ملا۔ اور بنی خزاعہ کے سب مشرک و مسلمان آنحضرتؐ کی طرف ہو گئے ہوئے تھے۔ تو معبد آپ سے رخصت ہو کر جب آگے چلا تو روحاء میں ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ تو ابوسفیان نے اس سے دریافت کیا کہ پیچھے کا کیا حال ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے محمدؐ کو دیکھا ہے کہ اس قدر عظیم الشان لشکر لے کر تمہارے پیچھے نکلا ہے کہ جس کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی اور ان کو تم پر سخت غصہ آیا ہوا ہے اور پہلی دفعہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اب وہ بھی سب ساتھ ہی ہیں۔

اس پر ابو سفیان نے اس کو ڈنڈ دے کر کہا کہ تم یہ کیا کہتے ہو تو اس نے کہا واللہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم تب کوچ کرو گے کہ سواروں کو دیکھ لو گے۔ اس پر ابو سفیان نے اپنا ارادہ واپسی کا ظاہر کیا تا کہ اہل اسلام کی تباہی کریں۔ تو اس نے کہا واللہ ایسا ارادہ نہ کر مَیں تجھے اس سے منع کرتا ہوں اور اس کے بعد ان کو اپنے وہ شعر سنائے جن میں اس نے آنحضرتؐ کے لشکر کا رعب و داب بیان کیا تھا۔ تب ابو سفیان وہاں ہی سے واپس ہو گیا اور مشرکین اس سے سخت مرعوب ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے کہ کہیں پیچھے سے آ ہی نہ جائیں۔

چنانچہ عبد القیس قبیلہ کا قافلہ مدینہ کو جاتا ہوا ان کو ملا تو ابو سفیان نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں جاتے ہو ان کو کہا کہ خوراک لانے کے لیے تو ابو سفیان نے کہا اگر تم محمدؐ تک میرا پیغام پُہنچا دو گے تو یہ مَیں تم کو بھیج دوں گا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے عزم جزم کر لیا ہے کہ تمہارے اور تمہارے اصحاب کی طرف آئیں تا کہ بیخکنی کر دیں۔ تو جب وہ نبی کریم کو حمراء الاسد میں ملے اور ابو سفیان کا پیغام سنایا تو آپ نے فرمایا کہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل[1] تو اسی واقعہ کو ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے اور عبد القیس کے قافلہ والے واقعہ کی نسبت فرمایا کہ) وہ جن کو لوگوں نے کہا تھا کہ یقیناً وہ لوگ (ابو سفیان اور اس کے ہمراہی) تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں۔ سو تم ان سے ڈرو (اور واپس ہو کر مدینہ میں پناہ لو) تو اس نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

تو وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے (اس حال میں) کہ ان کو کسی بُرائی نے نہیں چھوا۔ اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ وہ شیطان ہی ہے جو کہ اپنے دوستوں (سے) ڈراتا ہے (یعنی عبد القیس کا قافلہ) سو تم ان سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

(لیکن مجاہد، عکرمہ، اور قتادہ نے کہا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا الخ میں تو اسی اُحد کے متصل بعد کے واقعہ کا بیان ہے۔ لیکن اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ الخ بدر صغریٰ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی تفصیل یوں مروی ہے کہ جب ابو سفیان اُحد سے واپس ہونے لگا

[1] ۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ (از مرتب)

تو اس نے نبی کریم ﷺ کو پکار کر کہا تھا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان آئندہ سال موسم بدر ہے۔ اگر تم پسند کرو تو آپ نے فرمایا کہ مجھے منظور ہے۔ تو جب وہ وقت آیا تو ابو سفیان لشکر تیار کر کے نکلا تو مَجَنَّۃُ مَرِّ الظَّھْرَانِ تک یا عسفان تک پہنچا اور پھر خداوند تعالیٰ نے اس کے دل میں ایسا رُعب ڈالا کہ وہاں سے ہی واپس ہو گیا۔

لیکن وہاں پر اس کو نعیم ابن مسعود اشجعی ملا جو کہ عمرہ کرنے آیا تھا اور وہ اس وقت مشرک تھا تو ابو سفیان نے اس کو کہا کہ میں نے محمدؐ سے وعدہ کیا تھا اور یہ خشک سال ہے جس کی وجہ سے ہماری حالت اچھی نہیں۔ لہٰذا میرا ارادہ واپسی کا ہو گیا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ محمدؐ آجائے اور میں نہ نکلوں تو اس میں ان کی جرأت بڑھ جائے گی۔ لہٰذا تو مدینہ میں جا کر کسی طرح سے ان کو روک دے اور میں اس کے صلہ میں دس اونٹ سہیل بن عمرو کے ہاتھ تجھے دوں گا۔ تو جب نعیم بن مسعود مدینہ میں آیا تو اس نے اہل اسلام کو جنگ کی تیاری کرتے ہوئے پایا تو ان کو کہا کہ یہ تمہاری بہت غلط رائے ہے۔ کیونکہ پہلے وہ تمہارے ملک اور گھر پر آئے تھے تو بھی تم سے چند بھگوڑے ہی بھاگ کر بچے تھے۔ لیکن اب تو انہوں نے موسم کے لیے بہت بڑی تیاری کی ہے۔ تو اب اگر تم نکلو گے تو تم سے ایک بھی بچ کر نہ آئے گا۔ تو اس پر اکثر صحابہؓ نے جنگ کے لیے نکلنے کو ناپسند کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مَیں ضرور جاؤں گا خواہ تنہا ہی ہوں۔ تب آپ نکلے اور کچھ صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ چلے جن میں سے ستر 70 سوار تھے اور بدر میں آکر آپ آٹھ دن تک ٹھہرے رہے۔ لیکن ابو سفیان تو مجنہ یا عسفان ہی سے واپس چلا گیا تھا۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بدر میں کوئی تجارت کا قافلہ اُترا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے کچھ مال خریدا جس میں خداوند تعالیٰ نے بہت بڑا نفع دیا تو حضورؐ نے اس نفع سے بہت سامال صحابہؓ میں تقسیم کیا۔

(تفسیر معالم التنزیل (بغوی) جلد 1 صفحہ 374-375 سورۃ آل عمران مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان)

اور سدی سے مروی ہے کہ حضورؐ نے بدر میں صحابہؓ کو بہت سے روپے دیئے تھے اور انہوں نے موسم کے باعث وہاں بدر میں تجارت کی تو خداوند کریم نے ان کو بہت سا فائدہ دیا۔

(تفسیر الدر المنثور جلد 2 صفحہ 365 سورۃ آل عمران دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

اور علاوہ اور فضل الٰہی کے ایک یہ فضل الٰہی تھا جس کے ساتھ اہل اسلام واپس ہوئے تھے۔ اور چونکہ ان سب جنگوں کے موقعوں پر منافقوں نے باوجود بار بار کے وعدوں کے اہل اسلام کا تو ساتھ نہ دیا اور اُلٹے اندرونی طور پر کفار کو امداد کے وعدے دیتے رہے اور یہی حال بعض یہود کا بھی رہا جنہوں نے یہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ بیرونی دشمن کے مقابلہ میں ہم مل کر مقابلہ کریں گے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور اہل الرائے صحابہؓ کو ان اندرونی دشمنوں کا خطرہ بہت دامنگیر ہوا تو خداوند تعالیٰ نے تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ)

وہ (منافق اور یہود (جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں آیا کہ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا[1]) (المائدۃ:42) تجھے کُڑھن میں نہ ڈالیں جو کفر میں جلدی (کھسے) جاتے ہیں (یعنی گو ان کا کافر ہونا رنجدہ تو ہے پر تم کو یہ غم نہ ہو کہ وہ تم کو کچھ دُکھ دے سکیں گے کیونکہ جب تمہاری حفاظت اور غلبہ اور نصرت کا اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے اور اس کا منشاء اور مرضی ہے کہ تم کامیاب ہو اور وہ تباہ ہوں تو پھر تم کو ضرر پہنچانا گویا اللہ کو ضرر پہنچانا ہے اور) یقیناً وہ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی نصیب نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

بے شک جنہوں نے کفر کو ایمان کے بدلے خریدا وہ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (اور منافق تو بڑا ڈرپوک ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے وعیدوں سے کچھ ڈرے اور ان شرارتوں سے باز آئے لیکن چونکہ وعید سنتے سنتے مدت گذر گئی اور کچھ عذاب نہ آیا تو اس سے وہ نڈر ہو گئے اور شرارتوں پر جری ہو گئے۔

نیز اہل اسلام چونکہ دیکھتے تھے کہ آج ایک کافر اور سخت ایذادِہ ہے اور کل وہ سچا مومن اور فدائی دوست ہے تو اس سے ان کو خیال ہو سکتا تھا کہ باوجود ان کی شرارتوں کے

[1] ۔ اے رسول! جو لوگ اپنے مونہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کے دل ایمان نہیں لائے ان میں سے جو لوگ کفر (کی باتوں کے قبول کرنے) میں جلدی کرتے ہیں وہ تجھے غمگین نہ کریں اور یہودیوں میں سے بھی بعض۔ (تفسیر صغیر)

جب وہ وعید پورے نہیں ہوتے تو شاید اس میں ان کے لیے کوئی بہتری مقدر ہو۔ تو ان دونوں کے رفع کرنے کے لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ) جو کافر بنے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا یہ ان کی ذات کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو ان کو اسی لیے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ بدی میں بڑھیں اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی وہ ایمان نہ لائیں گے تاکہ عذاب سے بچ جائیں بلکہ ضرور ان کو سزا ہو گی ہاں مہلت اس لیے ہے کہ یہ نڈر ہو کر اپنے عذاب کا سامان اور بھی بڑھالیویں۔ تو جب اس حد کو پہنچ جائے گا تو پھر ضرور ان کو ذلیل کرنے والا عذاب دیا جاوے گا۔

مؤمنوں کو مشکلات پیش آنے کی وجہ:

اس کے بعد ان کے عذاب میں تاخیر ہونے کی ایک اور وجہ بیان کرنے کے لیے نیز اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے کہ جب خداوند تعالیٰ کے نزدیک مومنوں کو ضرر دینا گویا اللہ کو ضرر دینا ہے اور پھر جو کچھ دُکھ اور مصائب پیش آرہے ہیں۔ وہ الٰہی حکم اور ارادہ کے ماتحت ہو رہے ہیں تو پھر مومنوں کو یہ مشکلات کیوں پیش آئے ہیں۔ فرمایا کہ) اللہ کی شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑے رکھے کہ جس پر تم ہو یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے ممتاز کر دے (یعنی منافق مومنوں کے ساتھ ملے جُلے ہوئے ہیں۔ اور جس طرح جب تک نبی قوم میں ہوتا ہے تو اس قوم پر عذاب نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب تک مومن اور منافق مخلوط ہوتے ہیں تو منافقوں کو بھی عذاب نہیں ہوتا۔ نیز اس خلط کی حالت میں منافق بھی مومن شمار ہوتے ہیں اور لوگ عالم الغیب تو ہیں ہی نہیں۔ پس اگر اس حالت میں ان کو عذاب ہو تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ مومنوں کو اور رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ کو عذاب ہوا۔ چنانچہ بعض منافقوں کو آنحضرت ﷺ نے باوجود ان کے جاننے اور مستحق سزا ہونے کے اسی وجہ سے سزا نہیں دی تھی کہ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اب اپنے صحابہ کو قتل کر رہا ہے۔ نیز مقدر یوں ہی تھا کہ خداوند کریم ان کو مومنوں کے ہاتھ سے سزا دلائے تو اس صورت میں ان کا جاننا اور ان کا ممتاز ہونا اور بھی ضروری ٹھہرا۔ سو اب تک چونکہ امتیاز نہیں ہوا اس لیے وہ بچے ہوئے ہیں۔ اور مومنوں پر بھی ابتلاء اور تکلیف اس وجہ سے آرہی

ہیں تا کہ مخلص اور منافقوں میں کھلا کھلا امتیاز ہو جاوے جیسا کہ ان جنگوں کے موقعوں پر ہوا ہے۔ تو اب یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔

خداوند تعالیٰ مومنوں کو وحی کے طور پر یوں ہی بتا دیتا تو اس کا جواب دیا کہ) اور اللہ کی شان سے نہیں کہ تم (عام لوگوں) کو غیب پر مطلع کرے۔ ولیکن اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے (یعنی سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور تو اس کے قابل نہیں۔ اور خاص رسول اللہؐ کے بتانے اور آپ کے اَوروں کو بتانے سے مذکورہ بالا مشکلات اور اشتباہ رفع نہیں ہوتے۔ لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ بذریعہ ابتلاء ومشکلات ان کو ممتاز کیا جاوے۔ اور یہ بتانے کے لیے کہ بدون اسباب یوں ہی ان کے حالات پر مطلع ہونے کی خواہش تم کو نہ کرنی چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔ (یعنی یہ خواہش ایمان باللہ اور ایمان بالرسل کے خلاف ہے کیونکہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات پر بھی ایمان ضروری ہے اور اطلاع علی الغیب رسول کا خاصہ ہے اور اس کی صفات خاصہ پر بھی ایمان ضروری ہے اور اپنے آپ کو اس شان خاص پر خیال کرنا اس کے خلاف ہے۔ اور منافق وغیرھم جس طرح اپنی جانوں کو جہاد سے علیحدہ رکھ کر خوش ہوتے اور بغلیں بجاتے تھے کہ ہم اس تکلیف سے بچ گئے اور خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ یہ ان کی ہلاکت کا موجب ہے، اسی طرح وہ مال کے خرچنے کی نسبت بھی کرتے تھے تو اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ) جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے ساتھ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کیلئے بڑی شر ہے (اس لیے کہ) قیامت کے دن ان کو اس کا طوق پہنایا جائے گا کہ جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ہے۔

(اور پھر جن مالوں کے ساتھ بخل کرتے ہیں وہ بھی ان سے اور ان کے وارثوں سے چھن کر مومنوں کے قبضوں میں آجاویں گے جیسا کہ فرمایا کہ) اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمین کی میراثیں ہیں۔ (یعنی اشیاء میں وراثت اور نقل وانتقال جاری ہوتا ہے۔ وہ سب اخیر اللہ ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ تو ان کی ملکیتیں ابھی اللہ کی طرف رجوع ہو جاویں گی اور دوسرا کوئی اُن کا وارث نہ رہے گا۔

آیت 182 تا 190: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

تشریح الفاظ:

حَرِیْقٌ۔ حَرَقٌ سے ہے۔ جس کے معنے جلانے کے ہیں۔ تو حَرِیْقٌ کے معنے یہاں پر جلانے والی چیز کے ہیں۔

ظَلَّامٌ۔ بہت ظلم کرنے والا۔ قُرْبَانٌ۔ قربانی۔

زُبُرٌ۔ زبور کی جمع ہے۔ کتاب یا وعظ۔

زُحْزِحَ۔ زَحْزَحَةٌ سے ہے۔ دُور کرنا۔

فَازَ۔ فَوْزٌ سے ہے۔ مظفر اور کامیاب ہونا۔

تُبْلَوُنَّ۔ اِبْلَاءٌ سے ہے۔ اور وہ بَلَاءٌ سے ہے۔ جس کے معنے بہت دفعہ بیان ہو چکے ہیں۔

اَذًی۔ طعن و تشنیع اور دُکھ دینے والی باتیں۔

عَزْمٌ۔ بمعنے معزم۔ ارادہ کئے ہوئے یا ضروری۔

نَبَذُوْا۔ نَبْذٌ سے ہے۔ پھینک دینا۔

مَفَازَةٌ بمعنے فَوْزٌ۔ کامیابی اور نجات۔

ترجمہ:

ضرور اللہ نے ان کی بات کو سنا ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ یقیناً اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ ہم لکھیں گے جو کہ انہوں نے کہا ہے۔ اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا۔ اور ہم کہیں گے کہ جلانے والا (یا جلانے کا۔ یا جلانے والی چیز کا) عذاب چکھو۔ یہ اس کے ساتھ ہے جو کہ ان کے ہاتھوں نے آگے کیا ہے اور کہ یقیناً اللہ بندوں کے لیے ظلم کرنے والا نہیں۔ جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ نے ہمیں تاکید کر بھیجی ہے کہ ہم کسی رسول کے لیے ایمان نہ لائیں۔ جب تک کہ وہ ہمارے پاس قربانی لائے جس کو آگ کھالے تم کہو کہ یقیناً مجھ سے پہلے رسول تمہارے پاس بینات اور وہ لائے تھے جو کہ تم نے کہا ہے تو تم نے کیوں ان کو قتل کیا۔ اگر تم سچے ہو۔ سو اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو یقیناً تجھ سے پہلے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو کہ بینات اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔ ہر ایک جی موت کو چکھنے والا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن ہی پورے اجر دیئے جاویں گے۔

سو جو آگ سے دُور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو ضرور وہ کامیاب ہو گیا۔ اور ورلی زندگی دھوکے ہی کا اسباب ہے۔ ضرور تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے۔ اور ضرور تم ان سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ان سے جو مشرک بنے ہیں بہت سی بد گوئی سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو بے شک یہ بڑے اہم امور سے (یا بڑے کاموں کی ہمت سے) ہے۔

اور جب اللہ نے ان لوگوں کا اقرار لیا جن کو کتاب دی گئی ہے کہ ضرور تم اس کو لوگوں کے لئے بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ تو انہوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے عوض انہوں نے تھوڑا سا مول لے لیا۔ سو کیا ہی بُرا ہے جو انہوں نے خریدا ہے۔ تم ان لوگوں کو مت خیال کرو جو کہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیا ہے۔ اور وہ پسند کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ تعریف کیے جاویں جو کہ انہوں نے نہیں کیا۔ سو تم ان کو عذاب سے نجات پر نہ خیال کرو۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر:

چونکہ جہاد میں اموال صرف کرنے کا ذکر تھا جس سے بعض لوگ پہلو تہی کرتے تھے تو ان کی اس حرکت کی مذمت بیان کی گئی تھی۔ اور بعض یہود نے (کہ پہلے منافق بھی اکثر انہی میں سے تھے جن کی مذمت پہلے بیان ہوئی تھی) صرف مذکور کی ترغیب اور حکم پر نہایت گندہ اعتراض کیا تھا لہٰذا اس کے بعد اس کی مذمت بیان فرمانے کے لیے فرمایا کہ) ضرور اللہ نے ان کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔

(ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ایک دن یہود کے مدارس میں گئے اور وہاں پر بہت سے یہود جمع تھے اور ان کے علماء اور احبار میں سے ایک فنحاص نام ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور اسی کے لیے وہ جمع تھے تو حضرت ابو بکرؓ نے فنحاص کو کہا کہ اے فنحاص خدا سے ڈر اور اسلام لا۔ واللہ کہ تُو جانتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ تم اس کو توریت میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ تو فنحاص نے جواب میں کہا اے ابو بکر ہم کو اللہ کی کچھ حاجت

نہیں کیونکہ وہ ہماری طرف محتاج ہے اور ہم اس کے آگے وہ تضرع نہیں کرتے جو کہ ہم ایک دوسرے کی طرف کرتے ہیں اور اس سے بالکل بے پرواہیں اور اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا جیسا کہ تمہارا صاحب کہتا ہے اور وہ ہم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو سود دیتا ہے تو اگر وہ غنی ہوتا تو ہم کو کبھی سود نہ دیتا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اس کے مُنہ پر ایک تھپڑ لگایا اور فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو مَیں ضرور تجھے مار دیتا۔ تو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ ابو بکر نے مجھے مارا ہے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے سارا ماجرا سنایا۔ تو فنحاص نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے یہ نہیں کہا۔ تب خداوند تعالیٰ نے ابو بکرؓ کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل کی۔

(التفسیر المظہری جلد 1 صفحہ 594، تفسیر سورۃ آل عمران دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حیی بن اخطب کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیوں کہ جب خداوند تعالیٰ نے مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا[1] الخ (البقرۃ:246) نازل کیا۔ تو اس نے کہا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ حالانکہ محتاج غنی سے قرض مانگا کرتا ہے۔ اور ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ جب مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ الخ نازل ہوا۔ تو یہود نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمدؐ تیرا خدا محتاج ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے۔

بہر حال اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یُقۡرِضُ اللّٰہَ پر یہود نے تمسخر کیا ہے۔ تو خداوند کریم نے اس کی نسبت فرمایا کہ) ضرور ہم اس کو لکھیں گے جو انہوں نے کہا ہے اور ان کا انبیاءؑ کو ناحق قتل کرنا۔ اور ہم کہیں گے کہ جلانے والا عذاب چکھو۔ (لکھنے سے یہی مراد ہے کہ یہ معاف نہ ہوگا اور اس کی ضرور سزا دی جاوے گی۔

قتل انبیاء سے یہاں آپ ﷺ کا قتل مراد ہے:

اور قتل انبیاءؑ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ گو ان یہود کے بزرگ قتل کرتے رہے ہیں۔ پر چونکہ یہ اس پر راضی ہیں اس لیے ان کا قتل ان کی طرف نسبت کیا گیا۔ اور یا ان پہلے ہی یہود کی نسبت کیا ہو اور ان کے اس فعل بد کو یہاں پر محض اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا

[1]۔ کیا کوئی ہے جو اللہ کو (اپنے مال کا) ایک اچھا ٹکڑا کاٹ کر دے۔ (تفسیر صغیر)

یہ قول ان کے قتل انبیاء کے برابر ہے اور دونوں کی سزا ہم مثل ہے۔ اور حق یہی ہے کہ چونکہ خداوند تعالیٰ نے دوسری آیتوں میں صاف صاف بتایا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ چونکہ سب انبیاءؑ کے مظہر اور ان کے کمالات کے جامع اور سب کا مجموعہ ہیں۔ لہٰذا ایک آپ کا قتل سب انبیاءؑ کے قتل کے برابر ہے۔

پس یہود سے اسی زمانہ کے یہود مراد ہیں اور قتل انبیاءؑ سے ان کا آنحضرت ﷺ کا قتل کرنا مراد ہے۔ اور اس قتل کا مطلب بارہا مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا اور دوسرا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں نبیوں کو قتل کیا ہے جیسا وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ[1] الخ (النساء:158) اور ذَوْقٌ گو زبان کے چکھنے کو کہتے ہیں۔ لیکن کبھی ہر ایک حِس کے ساتھ معلوم کرنے پر بھی اس کو بولتے ہیں۔ اور چونکہ یہ قول زبان سے سرزد ہوا تھا اور سزا مناسب ہوتی ہے اس لیے ذَوْقٌ کو اختیار فرمایا ہے۔

اور میں نے بارہا بتایا ہے کہ خداوند تعالیٰ اُخروی امور کو دنیوی امور سے ثابت کیا کرتا ہے۔ تو ان کے اس اُخروی عذاب کو ثابت کرنے کے لیے فرمایا کہ) یہ (اخروی عذاب ثابت ہے)۔ اس (سزا) سے جس کو ان کے ہاتھوں نے مقدم کر دیا ہے۔

(یعنی جو ان یہود پر ضرب ذلت کی سزا دنیا میں ہے جو کہ ان کی ایسی شرارتوں سے سزاء عاجل کے طور پر ان پر وارد ہوئی یہ ان کے اُخروی عذاب کو یقینی طور پر ثابت کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً انہوں نے کوئی بہت ہی بڑی شرارت کی ہے جس کی وجہ سے اس قدر عظیم الشان سزا بالخصوص ان کو عام طور پر ہمیشہ کے لیے دی گئی ہے۔ ورنہ تو پھر (نعوذ باللہ منہ) خداوند تعالیٰ بڑا ظالم ٹھہرتا ہے کہ ان کو ناحق اس قدر بڑی اور عام اور لمبی سزا دی ہے۔ لیکن) اللہ تو بندوں کے لیے بڑا ظالم نہیں (کیونکہ وہ بالکل ظالم نہیں۔ چہ جائیکہ بڑا ظالم ہو۔

ظَلَّامٌ کے معنے:

مفسرین نے چونکہ اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس لیے انہوں نے اس کے یہ معنے کیے ہیں کہ یہ سزا ان گناہوں کے سبب سے ہے جن کو ان کو ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اس

[1]۔ اور ان کے (یہ بات) کہنے کے سبب سے کہ... مسیح... کو ہم نے یقیناً قتل کر دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

سبب سے کہ اللہ ظالم نہیں۔ کیونکہ جب ظالم نہیں تو پھر عادل ہے اور جب عادل ہے تو پھر ضرور فرمانبردار کو اجر اور نافرمان کو سزا دے گا۔ اور پھر ظَلَّامٌ کو بمعنے ظالم لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ظَلَّامٌ کو اپنے معنوں پر رکھنے سے لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ تھوڑا ظالم ہو لہٰذا اس کو بمعنے ظالم لینا چاہیے۔ حالانکہ یہاں پر بتانا یہ ہے کہ یہ سزا جو ان پر دنیا میں وارد ہے۔ ان کی شرارتوں کی وجہ سے نہیں تو پھر خداوند تعالیٰ کا ظَلَّامٌ ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نہ واقعہ میں ظالم ہے اور نہ کوئی اور۔ اور نہ وہ خود اس کو ظالم سمجھتے یا کہتے ہیں۔

اس کے بعد ان کا ایک اور افتراء ذکر فرمایا کہ) جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ نے ہم کو تاکید کر بھیجی ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس قربانی لائے جس کو آگ کھالے۔ (آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت کے انکار و ابطال کے لئے ان کا ایک یہ بھی افتراء تھا۔ حالانکہ نہ خداوند تعالیٰ نے ان کو یہ کہا ہے اور نہ یہ انبیاءؑ کے لیے کوئی علامت رہی ہے کہ وہ اپنی صداقت کے اثبات کے لیے قربانی دے اور آسمان سے ایک سپید آگ نازل ہو کر اس قربانی کو اور اس کے خون وغیرہ کو جلائے یا آسمان کی طرف اٹھا لے جائے بلکہ جس طرح فیصلوں کے لئے کہتے ہیں کہ آسمان سے ایک زنجیر لٹک جاتا تھا۔ جس کو صادق چھو لیتا تھا اور کاذب کا ہاتھ اُس تک نہ پہنچتا تھا۔ تو جس طرح یہ محض ایک افتراء ہے۔ اسی طرح یہ بھی انبیاءؑ کی نبوت کے ابطال کے لئے ان کا افتراء تھا۔

باقی اس کی اصلیت اسی قدر ہے کہ بعض امور کی نسبت بعض علامات حُسنِ ظن کے لیے مقرر ہو جایا کرتی ہیں۔ جیسا کہ اہل اسلام میں یہ مشہور ہے کہ مومن کی رنگت مرنے کے بعد زرد، چہرہ نم ناک اور ناک دہنی طرف پھری ہوئی ہوتی ہے۔ تو اسی طرح اہل کتاب میں جو سوختنی قربانی دی جاتی تھی۔ اس کی قبولیت کی یہ علامت مشہور تھی کہ آگ میں وہ اچھی طرح جل جائے اور اس وقت آگ خوب تیز ہو جائے اور اس کا شعلہ سپیدی مائل ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جو گوشت چربی والا ہو گا۔ اس کی چربی پگل کر آگ کو تیز کر دے گی اور اس کا شعلہ ضرور سپیدی مائل ہو جاتا ہے بخلاف دُبلے کے کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔

تو جیسی یہود اور دوسرے بنی اسرائیل کی عادت ہے کہ ایسی باتوں کی حقیقت تو جانتے

نہیں بلکہ معجزات کی حقیقت تو انہوں نے بالکل نہیں سمجھی اور ذرہ بھر بات کو پہاڑ بنا کر بیان کر دیتے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید یوں بتائی کہ) تم کہو کہ یقیناً مجھ سے پہلے رسول تمہارے پاس کھلے کھلے آیات (نشانات وبراہین) اور جو تم نے (ان کو) کہا تھا۔ (اور ان سے اثبات نبوت کے لیے مانگا تھا) لائے تھے تو تم نے پھر ان کو کیوں قتل کیا۔ اگر تم (اس میں) سچے ہو (کہ اگر یہ بات پوری کر دے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے۔

یعنی تم تو محض تکذیب اور حجت بازی کے لیے ایسی باتیں طلب کرتے ہو اور جب بتائی جاتی یا کی جاتی ہیں تو پھر ایمان نہیں لاتے اور یہ ہمیشہ کی تمہاری عادت ہے۔ چنانچہ پہلے انبیاءؑ کے ساتھ بھی تم ایسا ہی کرتے رہے ہو۔ اور قتل انبیاء کی بحث ہم نے مفصل بیان کر دی ہوئی ہے۔ اور گو بینات کا یہاں پر کوئی سوال نہ تھا لیکن اس بات کے بتانے کے لیے ان کو ذکر فرمایا کہ اثبات نبوت میں اصل تو بینات ہی ہیں لیکن تم نے جس طرح اپنی مانگی ہوئی چیز سے فائدہ نہ اُٹھایا اسی طرح اپنے بینات سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اور ہمارے مفسرین نے یہاں پر ایک عجیب غلطی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ توریت میں یہ شرط آئی تو ہے کہ جب کوئی رسول آئے تو جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھالے تب تک اس پر ایمان نہ لانا لیکن توریت میں جہاں یہ شرط آئی ہے وہاں پر یہ استثناء بھی آئی ہے کہ سوائے مسیحؑ اور محمدؐ کے کہ ان دو(2) پر بدون ایسی قربانی لانے کے ایمان لے آنا۔ اور اس ساری غلطی کی جڑھ یہ ہے کہ نہ انہوں نے ایمان بالغیب کی حقیقت پر غور کی ہے اور نہ معجزات کی اصلیت پر اور نہ ان اہل کتاب کی چال بازیوں اور افتراء آمیز تحریفوں پر ان کو اطلاع ہوئی ہے۔ ورنہ وہ ایسی بیہودہ گپ کو کبھی نہ تسلیم کرتے۔ اگر یہ بات حق ہوتی اور پھر آنحضرتؐ اور مسیحؑ اس سے مستثنیٰ ہوتے تو خداوند تعالیٰ ان کے دوسرے افتراؤں کی ذیل میں اس کو نہ ذکر کرتا اور پھر ضروری تھا کہ اس استثناء کو بھی ذکر کرتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ) اگر انہوں نے تیری تکذیب کی تو تجھ سے پہلے رسولوں کی (بھی) تکذیب کی گئی ہے جو کہ کھلے کھلے نشانات وبراہین اور صحیفے (یا مواعظ وزواجر) اور

روشن کتاب لائے تھے۔ (یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ سب رسولوں کے ساتھ پیش آتی رہی ہے۔ اور وہ بھی بینات وغیرہ لاتے رہے ہیں۔ اور کتاب منیر سے بعض نے توریت، بعض نے انجیل اور بعض نے صحیفے۔ اور بعض نے مطلق پاک احکام لئے ہیں جو کہ ادیان میں متواتر چلے آئے ہیں۔ اور اگر کتاب منیر سے عام دینی کتاب اور شریعت لی جائے تو کوئی دقّت باقی نہیں رہتی۔ یعنی باوجود یکہ براہین وآیات اور پاک تعلیم اور شریعت کے پھر بھی ان کی تکذیب کی گئی ہے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لیے کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ بس اس دنیوی سزا پر ہی بس ہو جاوے گی۔ فرمایا کہ) ہر ایک جی موت کو چکھنے والا ہے۔ اور قیامت کے دن ہی تم کو تمہارے اعمال کے اجر پورے پورے دیئے جاویں گے۔ تو جو آگ سے دُور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہو گیا (رہی دنیوی حالت تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کسی کی دنیوی حالت اچھی ہو تو اس کی قیامت بھی اچھی ہی ہو گی اور جس کی دنیوی حالت بری ہو تو اس کی قیامت بھی بُری ہی ہو گی بلکہ) ورلی زندگی میں تو دھوکے کا بھی اسباب ہے۔

(تو جب دنیوی حالت سے دھوکہ لگ سکتا تھا اور خداوند کریم نے اس کی اصلیت بتادی تو اب مومنوں کو اس دھوکے سے بچانے کے لیے فرمایا کہ) ضرور تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں آزمائے جاؤ گے (سوا اس سے یہ خیال نہ کرنا کہ ہماری حالت خراب ہو گئی۔ ہاں تمہارے دشمنوں سے جو کہ اس اصلیت سے ناواقف ہیں تم پر اعتراض ہوں گے کہ اگر یہ اچھے ہوتے تو یہ ابتلاء ان پر نہ آتا تو اس کی نسبت فرمایا کہ) ضرور تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور اُن سے جو کہ مشرک بنے ہیں بہت ہی بد گوئی سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ بڑے کاموں کی ہمت سے ہے۔

(عَزْمِ الْاُمُوْرِ کو بمعنے اَلْاُمُوْرِ الْمَعْزَمَةِ (وہ امور جو ارادہ کئے جاتے ہیں۔ یا وہ امور جو کہ واجب کئے ہوں) کے مفسرین نے لیا ہے۔ لیکن ان دونوں معنوں میں بہت زیادہ تاویل در تاویل اُٹھانی پڑتی ہے اس لیے عمدہ یہ ہے کہ عزم بمعنے ارادہ اور ہمت کرنے کے ہے اور اُمُوْرٌ بمعنے امور کے ہے اور معنے یہ ہیں کہ بڑے کاموں کی ہمت سے ہے یعنی ان امور پر

صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا انہی کا کام ہے جو کہ عظیم الشان کاموں کی ہمت کرنے والے لوگ ہیں اور اس کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ یہ بہت عظیم الشان امر ہے۔ اور چونکہ دنیوی زندگی کے دھوکہ ہونے کا ذکر ہوا تھا اس لئے کہ) جب ہم نے ان سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی ہے کہ تم ضرور اس کو بیان کروگے اور اس کو نہ چھپاؤ گے تو انہوں نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے عوض تھوڑا سا مول لے لیا۔ سو جو انہوں نے خرید اہے وہ کیا ہی بُرا ہے (یعنی ہمارے اس ضروری حکم اور اپنے پکے عہد کو انہوں نے اس دنیا ہی کے لالچ سے پس پشت ڈال دیا تھا۔ اور چونکہ اسی عہد کی خلاف ورزی میں بعض اوقات ان سے کوئی امر دریافت کیا جاتا تھا تو وہ حق پوشی کر کے کچھ اور کا اور ہی بتادیتے تھے اور پھر اپنی اس چال پر بجائے ندامت کے خوش ہوتے تھے اور دوسروں سے اپنی تعریف چاہتے تھے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے امام بخاریؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض یہود سے کچھ دریافت کیا تو اصل امر کو انہوں نے پوشیدہ رکھا اور کچھ اور بتادیا اور ظاہر یہ کیا کہ ہم نے اصل امر بتادیا ہے اور اس پر خوش ہوئے اور اپنی تعریف چاہی۔

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن باب لایحسبن الذین یفرحون... حدیث 4568)

تو اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ) تم ان لوگوں کو مت خیال کرو جو کہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیا ہے اور وہ پسند کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ تعریف کئے جاویں جو کہ انہوں نے نہیں کیا تو تم ان کو عذاب سے نجات پر نہ خیال کرو اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (اور اگر ان کو بعض بادشاہوں وغیرھم کے تعلقات پر سہارا ہے تو ہو) اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قادر ہے۔

آیت 191 تا 201: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ۔ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ۔ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ۔ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ۔ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ثُمَّ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ۔ لٰکِنِ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ لِّلۡاَبۡرَارِ۔ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

قُعُوْدٌ۔ قَاعِدٌ کی جمع ہے۔ بیٹھنے والا۔

جُنُوْبٌ۔ جَنْبٌ کی جمع ہے۔ پہلو۔

بَاطِلٌ۔ اس کو کہتے ہیں جو عبث اور بے فائدہ ہو۔

سُبْحَانَ۔ بمعنے تنزیہ۔

فَقِنَا۔ تین لفظوں سے مرکب ہے۔ فَ اور قِ جو کہ وَقٰی۔ یَقِیْ سے امر ہے، تو بچا۔ اور نَا سے۔

اَخْزَيْتَ۔ اِخْزَاءٌ سے ہے۔ ذلیل کرنا جو کہ خِزْیٌ سے بنایا گیا ہے۔

اَبْرَارٌ۔ بَرٌّ کی جمع ہے۔ نیکوکار۔

لَا تُخْزِ۔ اِخْزَاءٌ سے ہے۔ مِيْعَادٌ بمعنے وعدہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّ۔ غرور سے ہے۔ دھوکہ دینا۔

تَقَلُّبُ۔ اِدھر اُدھر پھرنا۔

نُزُلٌ۔ اس ناشتہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کہ مہمان کے اُترنے کے وقت پیش کیا جاتا ہے۔

اِصْبِرُوْا۔ صَبْرٌ سے ہے۔ اور اس کے معنے برداشت کرنے کے ہیں خواہ تکلیف عمل ہو یا تکلیف مصیبت ہو۔

صَابِرُوْا۔ مُصَابَرَةٌ سے ہے۔ جو کہ صبر سے بنا ہوا ہے اور اس کے معنے لغت کے لحاظ سے دو ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ایک دوسرے کو صبر دلانا۔ دوم یہ کہ خود بہت صبر کرنا۔ اور مفسرین نے اسی معنے کے لحاظ سے اس کے معنے جہاد پر صبر کرنے کے لئے ہیں۔ کیونکہ وہ بڑا صبر ہے۔

رَابِطُوْا۔ مُرَابَطَةٌ سے ہے اور یہ ایک شرعی لفظ ہے جس کے معنے سرحد پر حفاظت کے لیے گھوڑا باندھنے کے ہیں اور خالی سرحد پر رہنے پر بھی بول دیتے ہیں۔

ترجمہ:

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور بڑے نشان ہیں۔ جو کہ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب بے شک اس کو تو نے بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تیرے لیے پاکی ہے۔ سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچادے۔

اے ہمارے رب بے شک تُو نے جس کو آگ میں داخل کیا سو تُو نے اُس کو رسوا کیا۔ اور ظالموں کے لیے کوئی مدد گاروں سے نہیں ہے۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے پکارتا تھا کہ اپنے رب پر تم ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب سو تُو ہمارے گناہوں کی مغفرت کر دے اور ہماری بدیوں کو دُور کر دے اور ہم کو نیکوں کے ساتھ وفات دے۔

اے ہمارے رب اور ہم کو وہ دے جو کہ تُو نے ہم کو پیغمبروں کے (ہاتھ) پر وعدہ کیا ہے۔ اور تُو ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تُو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ تو ان کے رب نے ان کے لیے قبول کیا (یہ کہتے ہوئے کہ) بے شک مَیں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا عمل ضائع نہ کروں گا وہ مرد ہو یا عورت۔ تمہارے بعض بعض سے ہیں۔ سو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے ملک سے نکالے گئے اور اللہ کی راہ میں وہ ایذاء دیئے گئے اور وہ لڑے اور قتل کئے گئے تو ضرور ہی مَیں ان کی بدیاں ان سے دُور کروں گا اور ضرور ہی میں ان کو ان باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (یہ سب) ثواب ہو گا اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ کے پاس اچھا ثواب ہے۔ تجھ کو ان لوگوں کا ملکوں میں پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے جو کہ کافر بنے ہیں۔ (یہ) تھوڑا نفع ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بُرا بچھونا ہے۔

لیکن جو کہ اپنے سب سے بچتے ہیں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی رہ پڑنے والے ہوں گے ان میں (یہ) مہمانی ہو گی اللہ کی طرف سے اور جو کچھ کہ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لیے بہت اچھا ہے۔ اور بے شک اہل کتاب سے بعض وہ ہیں جو کہ یقیناً

اللہ پر اس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ تمہاری طرف اُتارا گیا اور اس پر جو کہ ان کی طرف اُتارا گیا ہے اللہ کے لئے عاجزی کرتے ہوئے۔ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہیں خریدتے۔ انہی لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس ان کے اجر ہیں۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے وے لوگو! جو ایمان لائے ہیں تم صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر دلاؤ (یا بہت صبر کرو) اور حد اوپر قائم رہو اور اللہ سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو۔

تفسیر:

چونکہ پہلے یہ دعویٰ بیان فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے یعنی نہ تو اس نے پیدا کر کے ان کو آزاد کر دیا ہوا ہے اور نہ یہ ہے کہ کسی اور کو ان پر حکومت دے رکھی ہو بلکہ یہ محکوم ہیں اور خاص اللہ ہی کے لئے محکوم ہیں تو اس کی دلیل بیان فرمانے کیلئے فرمایا کہ) یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں ضرور بڑے نشان ہیں۔

(اس بات کے کہ یہ چیزیں نہ تو بالکل آزاد ہیں اور نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی حکومت میں ہیں یہ محض خداوند تعالیٰ ہی کی حکومت میں ہیں وہ جس طرح اُن کو چلاتا ہے اسی طرح یہ چلتے ہیں۔ لیکن بتایا کہ ان نشانوں سے ہر ایک فائدہ نہیں اُٹھاتا گویا کہ یہ) انہی کیلئے (نشان ہیں) جو کہ مغز دار اور عقل مند ہیں۔ اور یہ بتانے کے لیے کہ ان آیات کا ایسا ان پر اثر ہوتا ہے کہ ان کے سب جوارح پر ہر ایک حالت اور وقت میں اس کا اثر مشاہدہ ہوتا ہے فرمایا کہ) جو کہ اُٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

(یعنی زبانی ذکر بھی کرتے ہیں اور ہر ایک وقت اور حالت کے متعلق جو حکم الٰہی ہوتا ہے اس کو ہوشیاری اور اخلاص کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ ان ہی آیات کا اثر ہے بعد میں فرمایا کہ) وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ کرتے ہیں (اور اس سوچ سے ایک تو خداوند تعالیٰ کی عظمت اور جلال اس قدر ان کے دل و دماغ پر مستولیٰ اور غالب ہوتا ہے کہ وہ ان کو حاضر و ناظر نظر آنے لگتا ہے۔ دوم وہ جب ان چیزوں میں یہ عظیم الشان آیات اور فوائد مشاہدہ کرتے ہیں تو تو ان کو ان دنیوی آثار کے علاوہ (جو کہ فانی اور بمنزلۂ باطل کے ہیں۔

جیسا کہ ایک شعر میں آیا ہے۔ جس کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود پڑھا ہے اور اس کو اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا لَبِیْدُ[1] فرمایا ہے اور جیسا کہ صحاح میں آیا ہے کہ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ۔[2]

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب ایام الجاہلیۃ حدیث 3841)

یہ عظیم الشان روحانی اور دینی فوائد ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کہ یہ ایک فعلی کتاب ہیں۔ جن میں یہ فوائد عظیمہ لکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب تُو نے ان کو عبث نہیں پیدا کیا (جن میں یا کوئی فائدہ نہ ہو اور یا ہو پر یہی دنیوی فوائد ہوں جو کہ کالعدم ہیں۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ خداوند تعالیٰ کی شان ہی سے بعید ہے کہ وہ کسی کو عبث کرے فرمایا کہ) تُو پاک ہے (ہر ایک نُقص سے جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تیرا فعل بے فائدہ ہو یا اس میں فقط کوئی ایسا ہی فائدہ ہو جو کہ کالعدم ہو۔

جب اس تدبر اور فکر سے اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ عظمت سبوحیت اور قدوسیت اور اُس کے اعلیٰ سے اعلیٰ احسان اور فضل و کرم دل پر غالب آئے تو اس سے ان کو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اپنی کمزوریاں معلوم ہوئیں تو کہنے لگے) سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے (اور چونکہ جس قدر کسی تکلیف اور مصیبت کی انسان کو برائی معلوم ہوتی ہے۔ اسی قدر وہ اس سے نجات بھی چاہتا ہے اور جس قدر اس کی طلب اور کوشش ہوتی ہے اسی قدر اس کی نجات کی طرف نجات دینے والا توجہ بھی کرتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے بعد عَذَابُ النَّارِ کی سخت بُرائی ظاہر کر کے اپنی آرزوئے نجات کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب بے شک جس کو تُو نے آگ میں داخل کیا (تو علاوہ اس عذابِ الیم و عظیم اور تکلیف شدید کے) سو تُو نے اس کو یقیناً ذلیل کیا۔ (کیونکہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں وہ ظالم اور نافرمان الٰہی تھا اور بد کردار اور مفسد تھا۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ وہاں بجز تیرے فضل کے اور کوئی بچنے کا ذریعہ بھی نہیں ہے کہا کہ) ظالموں کے لیے مددگاروں سے کوئی نہیں۔

اور چونکہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کوئی خاص ذریعہ ہوتا ہے کہ بجز اس کے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اور اسی طرح نجات مِنْ عَذَابِ النَّارِ بھی

[1]۔ نہایت سچی بات جو لبید نے کہی ہے۔ (از مرتب)
[2]۔ دیکھو! اللہ کے سوا جو بھی چیز ہے وہ مٹ جانے والی ہے۔ (از مرتب)

ایک مقصد ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ ہونا چاہیے اور وہ ایمان ہے تو اب وہ اس ذریعہ کو بتاتے ہیں کہ) اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا کہ وہ ایمان کیلئے پکارتا تھا کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لائے (یعنی وہ منادی نجات کی یہ راہ بتاتا تھا کہ تم اپنے رب پر اور اس کے حکموں پر ایمان لاؤ تو ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ تو جب ہم نے وہ ذریعہ اختیار کیا ہے) لہٰذا تو ہمارے ذنوب کی (وہ کمزوریاں جو کہ دُم کی طرح انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں) ہمارے لیے مغفرت کر دے۔

(یعنی جو ذنوب ہم سے واقع ہو چکے ہیں۔ ان کے بد آثار اور بد نتائج سے بچالے اور جو ابھی نہیں ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں تو ان کے ارتکاب سے محفوظ رکھ لے اور اسی طرح) ہماری بدیاں ہم سے ڈھانپ دے (یعنی جو ہم سے سرزد ہو چکی ہیں ان کے آثار و نشان ہم پر نمودار اور ظاہر نہ ہونے دے اور جو ابھی سرزد نہیں ہوئی ہیں اور ان کے سرزد ہونے کی قُوّت اور مادّہ ہم میں ہے تو ان کی قُوّت کو دبادے اور ان کو ظاہر اور سرزد نہ ہونے دے۔ اور اس کو بتانے کے لئے کہ اخیر دم تک ایسا ہی کرتا رہیو کہا کہ) اور ہم کو نیکوکاروں کے ساتھ وفات دے۔

(یعنی جس طرح ابرار جب مرتے ہیں تو پاک وصاف مرتے ہیں ایسی حالت میں ہم کو بھی مار۔ اور ان کے ساتھ مرنے سے یہی مراد کہ دونوں کے مرنے کی حالت یکساں ہو یا ان کے ساتھ سے یہ مراد ہے کہ پاک وصاف ہونے کی حالت میں مار کر ہم کو ابرار کے ہمراہ اپنے جوار رحمت میں رکھ۔ اور چونکہ بعض اوقات انسان ایک مقصد کے ذریعہ استعمال تو کرتا ہے پر کسی مانع یا نقص کے باعث سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو اس نقص سے بچنے کے لیے کہتے ہیں) اے ہمارے رب اور ہم کو وہ دیدے جو کہ تُو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ پر (یا ان کی زبان پر) وعدہ کیا تھا اور ہمیں قیامت کے دن شرمندہ نہ کر۔ بے شک تو وعدہ خلافی کرنے والا نہیں ہے (یعنی تیرے رسولوں نے چونکہ ایمان کے ذریعہ نجات دینے کا وعدہ تیری طرف سے ہم کو دیا تھا۔

پس گو ہمارا ایمان مقصد کے لیے کافی نہ بھی ہو تو بھی تو ان کی خاطر اور اپنے وعدہ کی خاطر ہم کو نجات دے دے اور ہم کو لوگوں میں شرمندہ نہ کر کہ یہ لوگ رسولوں کے تابع

اور مومن بنتے تھے اور حقیقت میں یہ ایسے نہ تھے۔ ورنہ ضرور ان کو نجات ملتی جیسی کہ اَوروں کو ملی ہے کیونکہ سوائے اس کے اور کوئی احتمال نہیں کیونکہ دوسرا احتمال یہی ہو سکتا تھا کہ رسولوں نے ہم سے غلط کہا ہو تو یہ بھی نہیں کیونکہ وہ صادق ومصدوق ہیں اور نجات یافتوں کی نجات ان کی شاہد صدق ہے۔ اور تیسرا احتمال یہ تھا کہ تُو نے وعدہ خلافی کی ہو تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ) سب جانتے ہیں کہ) یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا (کیونکہ یہ نقص ہے اور اللہ سب نقصوں سے پاک اور سب کمالات کے جامع کو کہتے ہیں۔

تو اب خداوند تعالیٰ بتاتا ہے کہ ان کے خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں تدبر و تفکر کرنے پر جو انہوں نے ذکر اور دعا و استغفار کیا تھا اس کا نتیجہ کیا ہوا تو فرمایا کہ) ان کے رب نے ان کے لیے ان کی بات مان لی (یعنی ان کا مطلب حاصل کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ) مَیں یقیناً تم میں سے کسی مرد یا عورت کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا (کیونکہ) تم بعض بعض سے ہو سو جنہوں نے ہجرت کی ہے اور وہ اپنے ملک سے نکالے گئے ہیں اور میری راہ میں وہ ایذاء دیئے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور وہ قتل کئے گئے ہیں ضرور ہی مَیں ان سے ان کی بدیوں کو دُور کروں گا اور مَیں ضرور ہی ان کو ان باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (یہ) اللہ کی طرف سے اجر ہو گا اور اللہ کے پاس اچھا اجر ہے۔

(اور چونکہ اس مذکورہ بیان سے عمل اور خصوصاً جہاد جیسے تکلیف دہ عمل کا نجات کے لیے ہونا از بس ضروری ثابت ہوا ہے لہٰذا اس کے بعد صراحۃً فرمایا کہ) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہیں تم صبر کرو (یعنی ایمان کا مقتضی بھی یہی ہے اور ایمان کا ثبوت بھی اسی سے ہوتا ہے کہ الٰہی احکام کے بجالانے کے لئے تم سخت سے سخت تکلیف کو برداشت کرو اور ہمت نہ ہارو۔ بلکہ ان معمولی تکالیف سے بڑھ کر جہاد جیسی سخت تکلیف پر) بڑا صبر کرو (اور خود صبر کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی صبر دلاؤ کیونکہ اس سے علاوہ ثواب کے انسان کو صبر کی توفیق اور ہمت ملتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) حدود پر دشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقیم رہو تاکہ ہو تم کامیاب ہو جاؤ۔

(تفسیر القرآن جلد 5 نمبر 4 بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر 1910ء صفحہ 301 تا 362)

سورۃ النساء

مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّ سَبْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّ اَرْبَعٌ وَّ عِشْرُوْنَ رُکُوْعًا[1]

آیت 1 تا 11: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا۔ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا۔ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَھَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا وَ اکْسُوْھُمْ وَ قُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ وَ لَا تَاْکُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا وَ مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ

[1] سورۃ النساء مدنی ہے اور (بسم اللہ سمیت) اس کی 177 آیات اور 24 رکوع ہیں۔ (از مرتب)

لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔

تشریح الفاظ:

زَوْجٌ۔ جوڑے کو کہتے ہیں اور جوڑے میں سے ایک پر بھی بولا جاتا ہے خواہ وہ نر ہو یا مادہ۔ اور کبھی نر کے لیے زَوْجٌ اور مادہ کے لیے زَوْجَۃٌ بولتے ہیں۔

بَثٌّ۔ بَثٌّ سے ہے۔ پھیلانا۔ تَسَآءَلُوْنَ۔ تَسَاؤُلٌ سے ہے جو سُوَالٌ سے بنا ہوا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرنا۔

اَرْحَامٌ۔ رِحْمٌ کی جمع ہے۔ جس کے اصل معنے بچہ دان کے ہیں اور رشتہ داری کے عام تعلق پر بولا جاتا ہے۔

رَقِيْبٌ۔ رَقَابَۃٌ سے ماخوذ ہے۔ نگاہ بانی اور تاڑنا، انتظار کرنا۔

حُوْبٌ بمعنے گناہ اور بدی کے ہے اور بعض کا قول ہے کہ بڑے گناہ کو کہتے ہیں۔

تُقْسِطُوْا۔ اِقْسَاطٌ سے ہے جو کہ قِسْطٌ سے بنا ہوا ہے تو قِسْطٌ کے معنے ظلم کے ہیں جیسا کہ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا[1]۔ (الجن:16) تب اِقْسَاطٌ میں ہمزہ سلب کے لئے ہو گا اور بمعنے انصاف اور ظلم دور کرنے کے ہو گا اور جو قِسْطٌ بمعنے عدل وانصاف کے آیا ہے چنانچہ یہاں پر ہی دوسری قرأت تَقْسِطُوْا آئی ہے جو کہ قَسَطَ سے ہے تو بعض نے اس کو اضداد سے کہا ہے۔ اور زجاج نے اس کو بمعنے اِقْسَاطٌ لکھا ہے۔

[1] اور جو ظلم کرتے ہیں وہی جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

طَابَ۔ وہی معنے رکھتا ہے جو کہ طیب کے ہیں۔

مَثْنٰی۔ دو دو۔ ثُلٰثَ۔ تین تین۔ رُبَاعَ۔ چار چار۔

اَیْمَانٌ۔ یَمِیْنٌ کی جمع ہے۔ دہنا ہاتھ۔ اَدْنٰی۔ دُنُوٌّ سے ہے۔ جو بمعنے قرب ہے۔

تَعُوْلُوْا۔ عَوْلٌ سے ہے جس کے اصل معنے میل یعنی اِدھر اُدھر ہونے اور جھکنے کے ہیں پھر خصوصاً حق سے اِدھر اُدھر ہونے کے لیے یعنی جَور اور ظلم کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور امام شافعیؒ سے اس کے معنے عیال زیادہ ہونے کے منقول ہیں اور بمعنے نقل اور گرانی کے بھی آتا ہے۔

صَدُقَاتٌ۔ صَدُقَةٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنے صداق کی طرح مہر کے ہیں۔

نِحْلَةٌ کے اصل معنے بخشش کے ہیں۔ اور یہاں پر ابن عباسؓ نے فَرِیْضَةٌ اس کے معنے کئے ہیں۔ اور ابن خالویہ نے تَدَیُّنًا کئے ہیں۔ طِبْنَ اسی طَابَ سے ہے۔

هَنِیْئًا مَرِیْئًا۔ هَنَأَةٌ مَرَاءَةٌ سے ہیں۔ وہ طعام جو کہ معدہ پر ثقیل نہ ہو۔ اور بعض نے هَنِیْءٌ کے معنے لذیز کے اور مَرِیْءٌ کے معنے مفید کے کئے ہیں۔

قِیَامٌ۔ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ دوسری چیز کا قیام اور بقا ہو۔

اِکْسُوْ۔ کِسْوَةٌ سے ہے۔ کپڑا پہنانا۔

اٰنَسْتُمْ۔ اِئْنَاسٌ سے ہے۔ جس کے اصل معنے دُور سے دیکھنے کے تھے اور اب محسوس کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بمعنے ظہور آتا ہے۔

رُشْدٌ۔ ہدایت۔ اِسْرَافٌ۔ حد سے گذرنا اور بِدَارٌ۔ جلدی کرنا۔

یَسْتَعْفِفْ۔ اِسْتِعْفَافٌ سے ہے جو کہ عِفَّةٌ سے بنا ہوا ہے۔ رُکنا اور بچنا اور پرہیز کرنا۔

حَسِیْبٌ۔ حساب لینے والا اور بعضوں نے اس کے معنے شاہد کے روایت کئے ہیں۔

مَفْرُوْضٌ۔ فَرْضٌ سے ہے۔ مقرر کرنا اور واجب قرار دینا۔

سَدِیْدٌ۔ سِدَادٌ سے ہے۔ مضبوط اور محکم ہونا۔

یَصْلَوْنَ۔ صَلْیٌ سے ہے۔ داخل ہونا اور کرنا اور بھوننا۔ اور اصل معنے قریب ہونے کے ہیں۔

ترجمہ:

میں اللہ کے نام کے ساتھ برکت لیتا ہوا (شروع کرتا ہوں) جو کہ بے بدلہ اور بے مانگے دینے والا اور اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ ہاں اے لوگو! تم اپنے اُس رب سے بچو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا ہے اور اس نے ان دو سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائی ہیں۔ اور اس اللہ سے بچو کہ جس کے ساتھ تم آپس میں مانگتے ہو اور رشتوں سے۔ بے شک اللہ ہمیشہ تم پر نگاہبان ہے۔ اور تم یتیموں کو ان کے مال دو اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلا کرو۔ اور تم ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ (ملا کر) نہ کھاؤ۔ یقیناً یہ بڑا بھاری گناہ ہے۔

اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو تم نکاح کر لو جو تم کو عورتوں سے پسند آئے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ سو اگر تم ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک کو (نکاح کرو) یا اس کو جس پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوں۔ یہ بہت نزدیک ہے کہ تم ظلم نہ کرو (یا زیادہ عیال دار نہ ہو) اور تم عورتوں کو ان کے مہر دو (جو کہ) عطیہ ہیں۔ سو اگر ان کے جی اس میں سے کسی چیز سے تمہارے لئے (دست برداری) پسند کریں تو تم اس کو مزے سے خوش گوار کھاؤ۔ اور تم نادانوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے۔ اور تم ان کو ان میں کھانا دو اور ان کو کپڑے پہناؤ۔ اور ان کو دستور کے موافق بات کہو۔

اور یتیموں کو تم آزماؤ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں تو پھر اگر تم ان سے ہدایت محسوس کرو تو تم ان کی طرف ان کے مال ہٹا دو۔ اور تم ان کو اسراف سے اور اس سے جلدی کرنے کے لئے نہ کھاؤ کہ بڑے ہو جاویں۔ اور جو تم میں سے غنی ہے تو وہ بچے اور جو فقیر ہو تو وہ دستور کے مطابق کھائے سو جب تم ان کے مال ایک طرف لوٹاؤ تو تم ان پر گواہ رکھ لو۔ اور اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

مردوں کے لیے اس سے حصہ ہے جو کہ والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے (بھی) اس سے حصہ ہے جو کہ والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ اس سے کہ وہ اس میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو (دیا جائے) مقرر کیا ہوا حصہ۔

اور جب رشتہ دار اور یتیم اور مسکین تقسیم پر حاضر ہوں تو تم اس سے ان کو کھلاؤ اور تم ان کو

دستور کے مطابق بات کہو اور وہ لوگ ڈریں کہ اگر اپنے پیچھے ضعیف اولاد چھوڑیں تو ان پر خوف کریں سو وہ اللہ سے بچیں اور وہ پکی (سیدھی) بات کہیں۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور وہ عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر:

سورۃ النساء نام رکھنے میں حکمت اور سورۃ آل عمران سے تعلق:

اس سورۃ کا سورۃ النساء نام ہے کیونکہ اس میں عورتوں کے بعض احکام خصوصیت کے ساتھ بیان ہوئے اور اوروں سے بہت ہوئے ہیں اور سورۂ آل عمران کے بعد اس کے رکھنے کے لئے مفسرین نے یہ وجوہات بیان کی ہیں کہ آل عمران کے اخیر میں تقویٰ اللہ کا ذکر ہوا ہے اور سورۃ نساء کے ابتداء میں تقویٰ اللہ کا ذکر ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ پختہ مناسبت یہی ہے۔ دوم یہ کہ اول میں واقعۂ اُحد مفصل مذکور ہے اور اس میں اس کا کچھ بقیہ بیان ہے اسی طرح اُحد کے بعد کے غزوہ کا پہلی میں بیان ہے تو اس میں اس کے متعلق بھی کچھ تفصیل ہے بلکہ اکثر امور جو کہ اول میں مفصل بیان ہوئے ہیں تو دوم میں ان کے متعلق بطور ذیل اور تکملہ کے کچھ بیان ہوا ہے۔

پس اس وجہ سے ان کو متصل بیان کیا اور اسی وجہ سے نساء کو پیچھے رکھا کیونکہ ذیل اور تکملہ پیچھے ہی ہوا کرتا ہے۔ اور میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں جہاں تک دیکھا گیا ہے یہی بات مد نظر نظر آتی ہے کہ جس مضمون پر پہلی سورۃ ختم ہوتی ہے اسی پر یا اس کے متعلق قریب پر دوسری کی ابتداء ہوتی ہے تو پہلی کے آخر میں پہلے اہل کتاب کی مذمت کو ختم کر کے ان میں سے جو متقی ہیں ان کو یوں ذکر فرمایا کہ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ[1]۔ (آل عمران:200)

---

[1] اور اہل کتاب میں سے بعض لوگ یقیناً ایسے (بھی) ہیں جو اللہ (پر) اور جو (کچھ) تم پر اتارا گیا ہے (اس پر) اور جو (کچھ) ان پر اتارا گیا (اس پر) ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ ہی (وہ) اللہ کے آگے فروتنی (بھی) اختیار کرنے والے ہیں (اور) اللہ کی

اور پھر مومنوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] (آل عمران:201) اور اس کا شروع یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الخ ہے۔ اور دوسرے مضمونوں میں بھی اجمال و تفصیل ہے۔

سورت کا زمانہ نزول:

(اور یہ سورۃ اس زمانہ میں نازل ہوئی ہے جب کہ آنحضرتؐ مع چند مہاجرینؓ کے مکّہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ انسان خواہ کچھ ہی ہو جائے پر رشتہ داروں، دوستوں اور اپنے وطن اور شہر سے اس کو خاص انس ہوتا ہے کہ جب انسان ان سے دور ہو جاتا ہے اور خصوصاً جب کہ پھر ملنے کی امید نہیں رہتی تو بہت کچھ رنج اور دُکھ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے لئے کسی سخت دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے اور یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اس دشمن کی وجہ سے انسان مجبور ہو کر اپنے گھر بار اور دوست واحباب اور وطن سے جلا وطن ہو جاتا ہے۔ تو پھر بھی ہر وقت اس کا اہم ترین مقصد ایسے دشمن پر فتح پانی اور انتقام لینا ہوتا ہے اور خصوصاً جب کہ وہ ایسی قوم سے اور ایسے ملک سے ہو کہ جن میں یہ انتقام فطرت میں مرکوز ہو پھر تو یہ خیال بہت ہی غالب ہوتا ہے۔

تقویٰ اللہ کی اہمیت:

تو پہلی سورۃ کے اخیر میں تقویٰ اللہ کو مظفر و منصور اور کامیاب ہونے کا ذریعہ قرار دے کر ان کو اس کی ترغیب دی تھی۔ اور چونکہ یہ کامیابی خاص اور اعلیٰ درجہ کے مومنوں کے لئے مخصوص تھی۔ نیز اس وقت میں بجز ایک کامل مومن کے کوئی دوسرا اس بات کو تسلیم بھی نہ کر سکتا تھا کہ ایسے قوی ترین دشمنوں پر تقوی اللہ سے ہم کامیاب اور مظفر و منصور ہوں

آیات کے بدلے تھوڑا مول نہیں لیتے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن (کے اعمال) کا بدلہ ان کے رب کے پاس ان کے لئے (محفوظ) ہے۔ اللہ یقیناً جلد حساب کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[1] اے ایمان دارو! صبر سے کام لو اور (دشمن سے بڑھ کر) صبر دکھاؤ اور سرحدوں کی نگرانی رکھو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

گے۔ اور اسی وجہ سے وہاں پر اِتَّقُوا اللّٰہَ فرمایا کیونکہ یہ کامیابی اور فلاح عبادت پر مبنی ہے جس کا تعلق الوہیت کے ساتھ ہے جس پر اللہ کا اسم اعظم دلالت کرتا ہے۔

اور اس صورت میں تقویٰ کو ان کی جماعت کے اندرونی اتحاد اور رشتہ اور قرابت اور تعلقات محبت وانس بڑھانے اور تھوڑوں سے زیادہ کرنے اور پاک اور بااخلاص اور حسب منشاء بھی بیبیاں ملنے اور کثرت کے ساتھ نسل بڑھنے وغیرہ کا باعث اور موجب قرار دے کر اس کی ترغیب دی ہے جو کہ ربوبیت خاصہ کا کام ہے اور جس میں سب جماعت شریک ہے۔ بلکہ اس کا پورا پورا ظہور سابقین اولین کی نسبت ان میں زیادہ ہونے والا تھا۔ جن کو خداوند تعالیٰ نے وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا[1] (سورۃ النصر:3) کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس سورۃ میں بجائے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اور بجائے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ فرمایا ہے۔ اور اس اندرونی ترقی کا ذریعہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے لوگو! تم اپنے اس رب سے بچو جس نے تم کو ایک جی سے پیدا کیا ہے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا ہے اور ان دو سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائی ہیں۔ (یعنی گو تم اس وقت اپنے خویش واقارب سے جدا ہونے کے باعث غمگین اور تن تنہا ہو۔ پر اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو جس طرح آدم ابوالبشر کے رب نے پہلے اکیلے آدم کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے اس کی ہم جنس اور ہم طبع بی بی پیدا کی اور پھر ان دو سے اس قدر بنی آدم مرد وزن پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح تمہارا رب جو کہ وہی آدم وحوّا کا رب ہے تم کو تنہا نہ رکھے گا تم کو ہم جنس اور ہم طبع جوڑے دے گا اور تم سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلائے گا۔ غرض کہ تم کو نئے رشتہ دار دے گا جو کہ پہلوں سے عمدہ اور زیادہ تمہارے انس کے موجب اور تمہارے لئے مفید ہوں گے۔

نفس واحدہ اور خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا سے مراد:

مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ سے عام طور پر آدمؑ مراد لئے گئے ہیں۔ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا سے ان کی بی بی حوّا مراد ہے اور آدم سے حوّا کی پیدائش یُوں بیان کی گئی ہے کہ آدم کی بائیں پسلی

[1] اور تو اس بات کے آثار دیکھ لے گا کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

سے وہ پیدا کی گئی ہے اور بعض صوفی اس کو برعکس کہتے ہیں کہ چونکہ خداوند تعالیٰ نے نفسِ واحدۃ کو مؤنث اور اس کے زوج کو مذکر ذکر فرمایا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ پہلا نفس مؤنث تھا اور اس سے اس کا نر جوڑا پیدا کیا گیا ہے۔ اور بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ نفسِ واحدہ سے آدمؑ ہی مراد ہے اور خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا کے یہ معنے نہیں کہ اس کے بدن سے اس کا جوڑا نکالا گیا تھا بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی جنس اور طبیعت کا جوڑا ہم نے پیدا کیا اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید میں سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا[1] (النحل:73) جس سے سب لوگوں کے نفسوں سے ان کے جوڑے بنانے بیان کئے گئے ہیں۔ حالانکہ آدم کے سوا دوسروں کے حق میں بجز ہم جنس اور طبیعت ہونے کے یہ معنے کسی طرح درست نہیں ہوسکتے۔ دوم یہ کہ دوسرے مقام پر خداوند تعالیٰ نے خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا (تاکہ وہ اس کی طرف تسکین کی خاطر مائل ہو) جو کہ صاف بتاتی ہے کہ اس کے معنے ہم جنس اور ہم طبیعت کے ہیں اور پھر یہی معنے محاورہ کے بھی مطابق ہیں۔

حدیثوں میں کثرت کے ساتھ آیا ہے کہ جس نے فلاں کام کیا فَلَيۡسَ مِنَّا (تو وہ ہم میں سے نہیں) اور ظاہر ہے کہ یہاں پر وہ پہلے معنے کی طرح درست نہیں ہیں اور یہی معنے یہاں پر مراد ہیں۔ اور نیز یہ معنے ان بیہودہ اوہام اور اعتراضوں سے پاک ہیں۔ جو پہلے معنوں پر نادان کیا کرتے ہیں۔ رہی وہ حدیث کہ جس میں یہ آیا ہے کہ عورتیں بائیں پسلی سے بنائی گئی ہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی جلد 20 صفحہ 232 دار احیاء التراث العربی بیروت 2003ء)

وہاں پر بھی یہی معنے ہیں کہ ان کی طبیعت ایسی ہے۔ ورنہ تو حدیث میں سب عورتوں کا اس سے پیدا ہونا بیان ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ پہلے معنے بجز حوّا کے اَوروں پر صادق نہیں آتے لیکن یہ معنے سب پر یکساں چسپاں ہیں۔

اور یہ تفصیل ان لفظوں کے معنے ظاہر کرنے کے لئے کی ہے۔ ورنہ میں نے تو بارہا حضرت خلیفۃ المسیحؑ سے سُنا ہے کہ لوگ ایسے قصص میں بے ہودہ بحث کرتے ہیں۔ کیونکہ

[1] اس نے تمہارے لئے تم میں سے (یعنی تمہارے ہی جیسے جذبات رکھنے والی) بیویاں بنائی ہیں۔ (تفسیر صغیر)

نہ یہ اصول اسلام سے ہیں اور نہ عمل ان پر موقوف ہے اور نہ ان بحثوں سے کچھ اصلاح ہوتی ہے اور جب اس اندرونی زیادت کے موجب ہونے کی وجہ سے تقویٰ کی ترغیب دی گئی کہ جس میں رشتہ داروں اور ذوی الارحام کی کثرت کی بشارت بھی ایک رنگ سے تھی۔ تو اب اس کی وجہ سے بھی تقویٰ کی ترغیب دینے کیلئے فرمایا کہ) اور تم اُس اللہ سے بچو کہ جس کے ذریعہ سے تم سوال کرتے ہو اور رحموں سے (یعنی تم جو جو اپنے مطالب مانگتے ہو تو یا خداوند تعالیٰ سے مانگتے ہو اور اگر کسی دوسرے سے مانگتے ہو تو حقیقت میں وہ بھی خداوند تعالیٰ ہی دلاتا ہے اور ظاہری طور پر بھی اللہ ہی کا واسطہ ڈال کر مانگا کرتے ہو۔ جیسے کہ تم اپنی قوم میں جب ایک دوسرے سے کچھ مانگتے ہو تو واقعہ میں بھی رشتہ اور رحم ہی کی وجہ سے تم مانگتے ہو اور ظاہری طور پر بھی تم اپنے رشتہ اور رحم کا واسطہ پیش کرتے ہو۔ پر رشتہ میں تو ظاہر ہے کہ اگر تم خود رشتہ کا پاس نہ کرتے ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ تمہارا اچھا سلوک نہ ہو اور تم ان کی حق تلفی کرتے ہو اور پھر اپنے مطلب کے وقت تم رشتہ کے واسطہ سے مانگو تو باوجود رشتہ کے حقیقی ذریعہ ہونے کے اور رشتہ داروں کے مہربان اور کار آمد وغیرہ ہونے کے پھر بھی بجائے مطلب حاصل ہونے کے اُلٹے تم ملامت اور شرمندہ ہوگے اور تمہاری امید کے خلاف رشتہ کے واسطے سے تم کامیاب نہ ہوگے کیونکہ تم نے خود اس کی حق شناسی اور قدر نہیں کی۔

تقویٰ الرحم کا مفہوم:

تو اسی طرح خداوند تعالیٰ بہت مہربان اور حاجت روا ہے اور اس کی وساطت واقعی اور ظاہری سے سب مطالب بر آمد ہوتے ہیں۔ پر جب رشتہ کی طرح اس سے قطع تعلق کروگے اور اس کی حق شناسی نہ رکھوگے تو باوجود اس کے رب العالمین اور نہایت مہربان ہونے کے تم اس کی ربوبیت خاصہ اور رحیمیت کے فیضوں سے بہرہ ور نہ ہو سکوگے۔ سو جس طرح تم رشتہ اور رحم کے واسطہ سے اسی وقت کامیاب ہوسکتے ہو کہ تم قدر اور حق شناسی کرتے رہو۔ جس کو تقوی الرحم کہا جاتا ہے اسی طرح اللہ رحیم کے فضلوں اور کرموں سے بھی تب ہی

بہرہ ور ہو گے کہ تقویٰ اللہ اختیار کر رکھو۔ تو جب رحم وہ چیز بھی ہے جس کے ذریعہ سے سوال ہوتا ہے اور تقویٰ بھی اختیار کرنا ضروری ہے تو اب دونوں معنے درست ہو سکتے ہیں کہ تم ان رحموں سے بچو یا تم ان رحموں کے ذریعہ سے سوال کرتے ہو۔

وَالْاَرْحَام کی دو قرأتیں:

اور قرأتیں بھی دو ہی آئی ہیں وَالْاَرْحَامَ اور وَالْاَرْحَامِ پس پہلی قرأت پر پہلے معنے اور دوسری پر دوسرے معنے ہیں۔ اور اس موقعہ پر اس لئے تقویٰ پر زور دیا ہے کہ ایک تو جہاد کا بیان ہے اور اس کا موقعہ اور وقت تھا اور مقابلہ میں عموماً اس کے خلاف ہو جایا کرتا ہے۔ دوم بتایا ہے کہ وعدۂ کامیابی پر غرّہ ہو کر تقویٰ کو نہ چھوڑنا کیونکہ یہ الوہیت اور ربوبیت خاصہ اور رحیمیت کا فیض ہے جو کہ تقویٰ کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ اور نیز اس خیال کو رفع کیا ہے کہ بعض لوگ غلطی سے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اللہ غفور اور رحیم ہے یعنی ہم جو چاہیں کریں۔ وہ ہمیں کامیاب کر دے گا تو بتایا کہ یہ غلط ہے کہ بلکہ تقویٰ ضروری ہے۔

اس کے بعد بتایا کہ جب ہم نے تم کو تقویٰ کی ضرورت بتا دی ہے تو اب) یقیناً اللہ ہمیشہ تم پر نگہبان ہے (یعنی ہم تمہاری نگرانی کرتے ہیں اور کریں گے۔ اور چونکہ جہاد کے موقعہ پر علاوہ اور مواقع تقویٰ کے ایک یہ بھی پیش آتا ہے کہ بہت سے لوگ شہید ہو جاتے ہیں اور ان کے بچے یتیم رہ جاتے ہیں اور وہ یتیم اور ان کے مال کسی ولی کے سپرد ہو جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں تقویٰ کی بہت ضرورت ہوتی ہے تو اس لئے فرمایا) اور یتیموں کو ان کے مال دو۔ اور ناپاک کو پاک سے بدل کر نہ لو۔ اور نہ ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر کھاؤ۔ بے شک یہ بڑا ظلم ہے۔

یتیم کے مال کی بابت اس کے ولی / وصی کے لئے تین احکام:

(چونکہ یتیم نہ تو اپنے مال کو جانتا ہے اور نہ اس کی نگرانی کر سکتا اور نہ کسی سے بچا سکتا اور نہ لے سکتا ہے اور نہ سوائے ولی اور وصی کے اور اس کا کوئی طرفدار ہوتا ہے

تو اگر ولی ہی خود اُس کا مال تباہ کرے تو پھر کوئی وجہ اس کے مال کے بچاؤ کی نہیں اس لئے سخت تاکید کرنے کے لئے ایک ہی محل پر تین طرح ارشاد فرمایا۔ پہلے تو فرمایا کہ ان کے مال ان تک پہنچاؤ۔ جس میں دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ نہ خود ان کو کھاؤ اور نہ ضائع ہونے دو۔ دوم یہ کہ ایسے طریق پر ان کے مالوں کو چلاؤ کہ ان میں ان کا گذارہ بھی چلتا رہے اور پھر ہوشیار ہونے پر ان کو اصل مال دے بھی سکو۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو ان کے مالوں کی حفاظت اور بچاؤ رکھو اور نفع میں ان کا گذارہ ہو اور سارا اصل مال یا جو بچ سکے ان کے لئے بچاؤ۔

اور دوم میں بھی دو باتیں بتائیں۔ اول یہ کہ نہ اپنے مالوں کو چھوڑ کر بجائے اُن کے اِن کے مالوں کو کھاؤ اور نہ اپنے مالوں سے تبدیل کر کے کھاؤ۔ اور دوم یہ کہ تم ان کے مالوں کی دوسروں کے مالوں سے ایسی بیع وشراء بھی نہ کرو جو کہ گھاٹے والی ہو۔ اور تیسری میں یہ بتایا کہ جس طرح اکیلا ان کا مال کھانا تم کو منع کیا ہے یا اپنے مال سے بدل کر کھانا منع کیا ہے جیسا کہ پہلے اور دوسرے حکم میں ہے۔ اسی طرح اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر بھی کھانا منع ہے۔ تو گویا ان کے مال کے کھانے کی تین صورتیں ہو سکتی تھیں اور ان تینوں ہی کو جُدا جُدا منع کر کے مطلق ان کے مال کے کسی طرح کھانے کو تین دفعہ منع فرما دیا اور پھر پہلے میں اشارۃً اور دوسرے میں ضمناً اور تیسرے میں صراحۃً اور اصالۃً منع کر دیا ہے۔

اور اخیر میں اور سخت تاکید کرنے کے لئے فرما دیا کہ ہمیشہ یہ بڑا ظلم ہے یعنی پہلے ادیان میں بھی یہ بڑا ظلم شمار ہوتا رہا ہے۔ اس کے بعد عام یتیموں میں سے جو کہ بہت عاجز اور ضعیف مخلوق ہے۔ جس کی حق تلفی کا بہت اندیشہ ہے۔ اس کی نسبت بالخصوص فرمایا کہ) اور اگر تم خوف کرو کہ یتیموں میں ظلم کو نہ روک سکو گے۔ (یا انصاف نہ کر سکو گے) تو پھر تم عورتوں سے وہ نکاح کرو جو تمہارے لئے پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار۔

اس آیت کی نسبت روایات:

(حضرت عائشہؓ سے عروہ بن الزبیر نے اس آیت کی نسبت سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے میرے ہمشیرہ زادے یتیم لڑکی اپنے ولی کے قبضہ میں ہوتی تھی۔ تو وہ اس کے

مال میں شریک ہوتا تھا اور اس کی خوبصورتی اور مال اس کو پسند ہوتے تھے۔ تو اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ پر اس کے مہر میں انصاف نہ کرتا تھا اور جو دوسرے اس کو مہر دیتے وہ اس قدر نہ دیتا تھا تو اس آیت میں اس کو اس کے نکاح سے منع کیا گیا۔ الّا اس صورت میں کہ وہ مہر پورا دے۔ اور حضرت عائشہ ہی سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ لوگ ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لیتے تھے جو یتیم ہو کر ان کی پرورش میں آتی تھیں۔ لیکن نہ ان کی خواہش سے بلکہ ان کے مال کی لالچ سے اور پھر ان کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے اور اس تاک میں رہتے تھے کہ وہ مر جائیں اور ہم کو مال مل جائے تو اس آیت میں ان کو اس سے منع کیا گیا۔

صحابہؓ کے نزدیک شان نزول کے معنی:

لیکن میں نے بارہا بتایا ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک شان نزول کے معنے فقط اسی قدر ہوتے ہیں کہ اس پر بھی یہ صادق آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مختلف شان نزول ایک ہی آیت کے مختلف صحابہؓ سے بلکہ ایک ہی صحابی سے مروی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں بھی ہے۔ پس عمدہ وہی ہے جو کہ لفظوں سے ثابت ہو وہ لیا جائے اور الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مصداق اس کا وہ ہے کہ بہت سے یتیم مثلاً بہن بھائی ایک شخص کے پاس ہوں اور وہ ان میں سے ایک لڑکی سے نکاح کر لے تو ظاہر ہے کہ اب خطرہ ہے کہ وہ یتیموں میں عدل نہ کرے۔ تو ایسی صورت میں اس سے نکاح کرنا منع کر کے اجازت دے دی کہ اور کر لو۔

اس آیت میں تعدد ازدواج کی اجازت یا ممانعت کی نسبت وضاحت:

رہی یہ بحث کہ اس آیت میں چار سے زیادہ کے نکاح سے ممانعت ثابت ہوتی ہے یا اس سے 9 تک ثابت ہوتی ہیں۔ تو لفظوں پر غور کرنے سے دونوں باتیں ثابت نہیں ہوتیں کیونکہ نہ محاورات میں ایسی ترکیبوں کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ سب اعداد کو جمع کیا جائے۔ جیسا کہ 9 والی صورت میں ہے اور نہ ایسی عبارت کے لازماً یہ معنے ہوتے ہیں کہ عدد مذکور پر حصر ہے اور اس سے زیادت کی ممانعت ہے۔ بلکہ ایسے مسائل کی تفصیل کی بناء تعامل زمانۂ رسالت پر ہے۔ لیکن چونکہ زیادہ عورتوں میں بے انصافی کا خطرہ تھا۔ اس لئے اس کے بعد

فرمایا کہ) سو اگر تم ڈرو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (کو لازم پکڑو) یا ان کو جن پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں۔

(یعنی مملوک لونڈیوں پر کفایت کرو۔ اور جس طرح عورتوں کے عدد میں مشکلات میں خود پڑے ہیں۔ اسی طرح مملوک لونڈیوں کے بارہ میں ان کو اس آیت میں مشکل پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ فَوَاحِدَةً میں قرینۂ مقام سے یہی تقدیر معلوم ہوتی تھی کہ فَانْكِحُوْا وَاحِدَةً۔ اور مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ وَاحِدَةٌ پر عطف ہے اور معنے یہ نکلے اَوْ فَانْكِحُوْا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ[1] جس سے اپنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کا عام یہ اعتقاد ہے کہ اپنی لونڈیوں کے ساتھ سوائے نکاح کے صحبت جائز ہے اور ملکیت کے ہوتے ہوئے نکاح حرام اور ناجائز ہے۔

لیکن اس سے بچنے کے لیے خلاف مقتضائے مقام اِلْتَزِمُوْا وَاحِدَةً[2] وغیرہ تقدیر نکال کر اپنے مطلب کے مطابق بناتے ہیں۔ اور پھر ان حکموں کی وجہ بیان فرمائی کہ) یہ (سب احکام یا ایک پر یا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پر اکتفاء) اس کے بہت قریب ہے کہ تم (حق سے) نہ جھکو (یا کہ تم پر عیال کا بوجھ نہ پڑے یا کہ تمہارا عیال زیادہ نہ ہو) (چونکہ یتیموں کے مال کی طرح عورتوں کے مہروں کے ادا نہ کرنے یا ادا کرنے کے بعد دبا لینے پر عموماً جرأت زیادہ کی جاتی ہے کیونکہ وہ عاجز اور ان کے قبضہ میں ہوتی ہیں تو اس وجہ سے یتیموں کے بعد عورتوں کے مہروں کی نسبت فرمایا کہ) عورتوں کو ان کے مہر طیب خاطر سے (یا بخشش یا فرض کے طور پر) دے دو۔

(اور یہ سب تفسیریں آئی ہیں فرض کی وجہ تو ظاہر ہے اور نفل اور بخشش کے طور پر اس وجہ سے ہے کہ یا وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے اور یا اس وجہ سے کہ منافع نکاح میں تو دونوں برابر تھے اور مہر ایک زائد چیز عورت کو ملتی ہے۔ پر خداوند تعالیٰ نے اس میں بتایا کہ جس طرح تم نے پہلے بطیب خاطر اس کو یہ دینا کیا تھا۔ تو اب اسی طرح اس کو

[1] یا نکاح کرو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہیں۔ (از مرتب)
[2] ایک کو لازم کر لو۔ (از مرتب)

اداء بھی کر دو اور اگر اس کی کوئی باز پرس کرنے والا نہیں تو آخر عطاء میں کوئی زور کرنے والا تو نہیں ہوتا۔ پر عطاء بھی دیا ہی کرتے ہیں۔ ہاں بتایا کہ) اگر کوئی چیز اس سے تمہارے لئے ان کے جی پسند کریں تو اس کو مزے سے خوش گوار کھاؤ۔

یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایت:

(اس کے بعد یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ایک اور حکم بیان فرمایا جو کہ ان کے مال کی حفاظت ہی کے متعلق ہے تو فرمایا کہ) تم نادانوں کو اپنے وہ مال نہ دو۔ جن کو اللہ نے تمہارے لئے سہارا (اور وجہ معاش) بنایا ہے۔

(مفسرین میں سے بعض نے سُفَہَاء سے خاص یتیم ہی لئے ہیں اور مخاطب ان کے اولیاء قرار دیئے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض نے اَمْوَالَکُمْ سے یتیموں کے اموال مراد لئے ہیں اور کہا کہ محافظت پر متوجہ کرنے کے لئے اولیاء مخاطبین کی طرف ان کو نسبت کر دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان سے اولیاء ہی کے اموال مراد لئے ہیں۔ اور بعض نے سُفَہَاء سے یتیم اور عورتیں لی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ سُفَہَاء سے مال ضائع کرنے والے مراد ہیں۔ خواہ کوئی بھی ہوں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اَمْوَالَکُمْ میں مخاطب تو ہر ایک مال والا ہے اور اس کے مال سے وہ سب مال مراد ہیں۔ جن کا وہ مالک یا نگران اور ذمہ وار بنایا گیا ہے اور سُفَہَاء سے سب نادان مراد ہیں جو کہ عموماً تضیع مال کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو کوئی شاذ و نادر ان میں سے ہوشیار بھی نکل آئے۔ جیسے عام بچے اور عام عورتیں اور عام مجانیں یا جو ایسی قسموں سے نہیں پر وہ مال ضائع کرنے والا قرار پا چکا ہے تو چونکہ پہلے خداوند تعالیٰ نے یتیموں کی نسبت فرمایا تھا کہ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ۔ اور عورتوں کی نسبت فرمایا تھا کہ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یتیموں اور عورتوں کو ان کے وہ مال دے دو جن کے تم نگران بنائے گئے ہو۔ تو اس ارشاد کو ان کے بعد فرما کر یہ بتایا کہ دینے سے یہ مطلب نہیں کہ باوجود ان کی سفاہت کے مال ان کے حوالے کئے جائیں اور جو حق نگرانی تم کو دیا گیا ہے۔ اس کا بالکل خیال نہ کیا جائے بلکہ یا اس وقت دو کہ سفاہت نہ رہے اور رشد معلوم ہو جائے اور یا اپنی نگرانی میں ان کو ان مالوں سے نفع پہنچاؤ۔ جیسا کہ

آگے فرماتا ہے) اور تم ان میں سے ان کو کھلاؤ اور ان کو پہناؤ اور ان کو دستور کے مطابق بات کہو (یعنی نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور سختی سے ان کو نہ کہو کہ ہم تم کو مال نہیں دیتے۔ اور چونکہ یتامیٰ میں خوردسالی کی وجہ سے سفاہت ہے۔ جو بڑے ہونے پر رفع ہو جاتی ہے۔ پر اس ہوشیاری کے لئے سب میں کوئی ایک وقت برابر نہیں ہوتا۔ بلکہ کوئی پہلے اور کوئی بعد میں ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ) یتیموں کو تم آزماؤ۔ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جاویں (یعنی بالغ ہو جاویں) تو پھر اگر تم ان میں رشد محسوس کرو تو تم ان کے مال ان کی طرف پھیر دو۔ اور تم ان کو بیجا طور پر اور اس سے جلدی کرتے ہوئے نہ کھاؤ کہ بڑے ہو جاویں گے۔ (یعنی نہ بیجا طور پر ان کو صرف کرو اور نہ اس خیال سے جلدی صرف کرو کہ بڑے ہو کر یہ لے لیویں گے) اور جو غنی ہو سو وہ بچے (یعنی وہ مزدوری بھی نہ لے) اور جو محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق کھائے (یعنی عرف میں جس قدر اس کا حق ہو۔ اس قدر بے شک لے لیوے) پھر جب تم ان کے مال ان کی طرف پھیرو تو ان پر گواہ رکھ لو اور اللہ کافی حساب لینے والا (یا کافی گواہ) ہے۔

مردوں میں عورتوں کا ترکہ میں حق دبا لینے کا مرض:

(اور چونکہ جس طرح کمزور عورتوں کا حق مذکورہ صورتوں میں مرد دبا لیتے تھے۔ اسی طرح وراثت میں بھی دبایا کرتے تھے اور ہندوستان میں تو اب بھی مسلمانوں میں یہ مرض انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اسی لئے خداوند تعالیٰ اس کی سزاء میں ان سے ملکیت چھین چھین کر دوسری قوموں کو دیئے جاتا ہے۔ تو اس وجہ سے اس کے بعد اس کو بیان فرمایا کہ) مردوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو کہ والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لئے (بھی اسی طرح) اس میں حصہ ہے جو کہ والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ (اور اس طور پر اس کو اداء کر کے یہ بتایا ہے کہ مدار اس ترکہ لینے کا تو ترکۂ والدین یا ترکہ رشتہ داروں پر ہے اور یہ وجہ جس طرح مردوں کو حاصل ہے اسی طرح عورتوں کو بھی حاصل ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ محروم رکھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ لوگوں میں مختلف رواج ہوتے ہیں کوئی گھوڑا اور اسلحہ مردوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ جیسے کہ شیعہ لوگ گھوڑا،

تلوار، قرآن مجید اور بدنی لباس خاص بڑے بیٹے کو دیتے ہیں اور کوئی غیر منقولہ اور خاص کر اراضی کو مردوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ لہٰذا باوجود پہلے ارشاد سے اس کی نفی ثابت ہونے کے پھر تصریح اور تاکید کرنے کے لئے فرمایا کہ) اس سے کہ وہ اس سے تھوڑا ہو یا زیادہ (اور پھر بعض یُوں تو کچھ برائے نام دے دیا کرتے ہیں۔ لیکن پورا حصہ دینا دشوار گزرتا ہے تو فرمایا کہ دے دو ان کو) فرض (یا جدا) کیا ہوا حصہ۔

(اور جب تقسیم ترکہ کا ذکر ہوا اور اس موقعہ پر ایک عام بد خلقی سرزد ہوا کرتی تھی اور قلیل و کثیر میں ہر ایک کا حصہ ہونے سے اس بد خلقی کا اور بھی زیادہ اندیشہ تھا۔ لہٰذا اس کے بعد اس کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) جب تقسیم پر رشتہ دار اور یتیم و مسکین حاضر ہوں تو ان کو اس سے کچھ کھلاؤ۔ اور ان کو دستور کے مطابق بات کہو۔

اس خیال کی تردید کہ یہ آیت وراثت کے ساتھ منسوخ ہے:

(مفسرین میں سے بہتوں نے اس کو آیت وراثت کے ساتھ منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے بلکہ عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ سے صاف صاف تصریح آئی ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایسا ہی حکم ہے جیسا کہ صدقہ و خیرات کا عام طور پر حکم دیا جاتا ہے اور خصوصیت اس وجہ سے کی ہے کہ اس موقعہ پر ان وارثوں کو یہ مال خدا کی طرف سے ملا ہے۔ جس کا شکریہ ضروری ہے۔ دوم عادۃً رشتہ دار اپنے حق کے خیال سے اور دوسرے طمع سے جمع ہوا کرتے ہیں اور بہتوں کی شرکت کا عذر ان کو محروم رکھ سکتا تھا۔ لہٰذا بالخصوص اس موقعہ پر صدقہ کا ارشاد فرمادیا۔ اور چونکہ یتامیٰ اور وصیت اور ترکہ کا معاملہ مال سے متعلق تھا اور اس میں بہت لالچ اور حق تلفی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ پھر اس کو نہایت حکیمانہ ترغیب و ترہیب کے ساتھ پھر ذکر فرمایا) اور وہ لوگ ڈریں جو اگر اپنے بعد ضعیف اولاد چھوڑیں تو ان پر خوف کریں۔ سو وہ اللہ سے بچیں اور پکی بات کہیں (یعنی ہر ایک انسان کو یہ خیال تو ہوتا ہے کہ میرے بعد اگر ضعیف بچے رہیں تو وہ ضائع نہ ہوں اور تکلیف میں نہ پڑیں۔ سو جن کے پاس یتیم ہیں وہ اس خیال سے ان کی نگرانی اور پرورش کریں۔ ورنہ تو اللہ قادر ہے کہ تمہارے بعد تمہاری ضعیف اولاد چھوڑ کر ان کو

ایسی ہی تکلیفوں میں ڈال دے۔ پر اگر تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو تو خداوند تعالیٰ تمہاری اس نیکی کے باعث تمہاری اولاد کا خود محافظ ہو کر ایسی تکلیفوں سے ان کو بچا دے گا۔ اور یتیموں کے مالوں سے بچنے کی انتہا درجہ کی تاکید کرنے کے لئے ممانعت کے بعد جدا طور پر ان کی سزاء شدید بتائی ہے جو کہ یتیموں کے مال کھاتے ہیں۔ تو فرمایا) بے شک جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں۔ وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔ (یعنی ان کا یتیموں کا مال ظلماً کھانا اس امر کو لازم کرتا ہے کہ جہنم میں داخل کئے جاویں۔ دوم اس کو کہ ان کے پیٹوں میں آگ بھری جائے۔

چنانچہ معراج کی حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ پھر میں نے ایک قوم دیکھی کہ جن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہیں اور ان پر کوئی مقرر ہے کہ ان کے ہونٹوں کو کھینچتا ہے اور پھر ان کے مونہوں میں آگ کا ایک پتھر ڈالتا ہے اور اس کو ان کے اندر پھینک دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نیچے سے نکل جاتا ہے۔ تب میں نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال ظلماً کھاتے تھے۔

(تفسیر البحر المحیط جلد 3 صفحہ 187 سورۃ النساء مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2010ء)

آیت 12 تا 15: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔

تشریح الفاظ:

یُوْصِیْ۔ وصیت سے ہے۔ اور وصیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو کوئی کام عمل کے لئے پیش کیا جائے اور ساتھ ہی وعظ و نصیحت بھی ہو۔ جس کا خلاصہ تاکیدی حکم ہو جاتا ہے۔

حَظُّ۔ حصہ۔اُنْثَیَیْنِ۔ اُنْثٰی کا تثنیہ جس کے معنے مؤنث اور مادہ کے ہیں۔

ثُلُثَا۔ ثُلُثٌ کا تثنیہ ہے۔ تہائی۔سُدُسٌ۔ چھٹا حصہ۔

اِخْوَۃٌ۔ اَخٌ کی جمع ہے۔ جو کہ عرف عام کے لحاظ سے تین اور تین سے زیادہ بھائیوں پر بولا جاتا ہے۔ اور خاص باب وراثت میں اکثروں کے نزدیک دو بھائیوں کو بھی شامل ہے۔

لَا تَدْرُوْنَ۔ دِرَایَۃٌ سے ہے۔ سمجھنا۔ثُمُنٌ۔ آٹھواں حصہ۔

کَلَالَۃٌ۔ اصل میں مصدر بمعنے تھکنے اور بوجھل ہونے کے ہے۔ اور پھر ایسے رشتہ اور قرابت پر بولا جاتا ہے جو کہ باپ اور بیٹے کی وجہ سے نہ ہو اور اس شخص پر بھی بولا جاتا ہے جس کا نہ باپ رہا ہو نہ بیٹا اور یہ مذکر و مؤنث واحد اور تثنیہ و جمع میں برابر ہے۔

ترجمہ:

اللہ تم کو تمہاری اولاد میں نصیحت کے ساتھ تاکیدی حکم دیتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کی مانند ہے۔ سو اگر وہ اولاد دو سے اوپر لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے اس کی دو تہائی ہیں جو اس نے چھوڑا ہے۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔ اور اس کے والدین کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس سے چھٹا حصہ ہے جو کہ اس نے چھوڑا ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی اولاد ہو۔

اور اگر اس کے لئے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوئے ہوں۔ تو اس کی ماں کے لئے تہائی حصہ ہے۔ سو اگر اس کے لئے زیادہ بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ بعد اس وصیت کے کہ وہ اس کے ساتھ وصیت کرے یا قرضہ کے۔ تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے نہیں جانتے کہ کون ان سے تمہارے لئے بہت قریب نفع

والا ہے۔ اللہ کی طرف سے (مقرر کیا گیا ہے تم پر) پوری طرح مقرر کیا جانا۔ یقیناً اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور تمہارے لئے اس کا نصف ہے جو کہ تمہاری بیبیوں نے چھوڑا ہے۔ اگر ان کے لئے اولاد نہ ہو۔ سو اگر ان کے لیے اولاد ہو تو پھر تمہارے لئے اس سے چوتھائی ہے۔ جو انہوں نے چھوڑا ہے بعد اس وصیت کے کہ وہ اس کے ساتھ وصیت کریں یا قرض کے۔ اور ان کے لئے اس سے چوتھائی ہے جو کہ تم نے چھوڑا ہے اگر تمہارے لئے اولاد نہ ہو۔ تو اگر تمہارے لئے اولاد ہو تو پھر ان کے لیے اس سے آٹھواں حصہ ہے جو کہ تم نے چھوڑا ہے۔ بعد اس وصیت کے جو کہ تم اس کے ساتھ وصیت کرو یا قرض کے۔

اور اگر وہ مرد کلالہ (بن باپ اور بے اولاد) ہو جس کا ورثہ لیا جاتا ہے یا عورت (کلالہ ہو جس کا ورثہ لیا جاتا ہے) اور اس کے لئے بھائی یا بہن ہو۔ تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ سو اگر وہ اس سے زیادہ ہو تو وہ تہائی میں شریک ہیں۔ بعد اس وصیت کے کہ اس کے ساتھ وصیت کی جائے یا قرضہ کے اس حالت میں کہ وہ ضرر دینے والا نہ ہو۔ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے اور اللہ بہت جاننے والا بہت تحمل کرنے والا ہے۔

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی رہ پڑنے والے ہوں گے ان میں۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اسے آگ میں داخل کرے گا رہ پڑنے والا ہو گا اس میں۔ اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔

تفسیر:

جہاد کے بعد ترکہ کے ذکر کی وجہ:

جہاد کے تعلق سے جب یتیموں کے اموال کا اور ان کی مناسبت سے عورتوں کے اموال کا ذکر ہو چکا تو ان کے بعد عام طور پر ترکوں کی تقسیم کی تفصیل بیان فرمانے کے لئے جس کی گو

ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ پر جہاد اور قوم کے پھیلنے کے وقت بہت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ) اللہ تمہاری اولاد کے بارہ میں وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کی مانند ہے۔ (وصیت کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ جب تک یہ حکم نہ آیا تھا۔ تب تک عام طور پر لوگ مرنے سے پیشتر اپنے ترکہ کی تقسیم کی نسبت اپنے خیال کے مطابق وصیت کر دیا کرتے تھے۔ اور گو لوگ خیانت کے طور پر ان وصیتوں میں تغیر و تبدیل بھی کر دیا کرتے تھے۔ لیکن عام خیال میں اسی کی بڑی پاسداری اور عظمت کی جاتی تھی اور اس کے خلاف کو بہت بُرا خیال کیا جاتا تھا۔ تو خداوند تعالیٰ نے یہ لفظ اختیار کر کے کہ اگر تم میت کی وصیت کی اس قدر قدر کرتے ہو تو یہ خداوند تعالیٰ کی وصیت ہے۔ جو حی و قیوم اور بہمہ صفات کمال موصوف ہے۔

ترکہ کی وصیت اور مختلف حصوں کی تفصیلات:

اور اسی طرح وصیت کرنے والے کو بھی سمجھایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری وصیت کی قدر ہو تو پھر تم کو بھی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وصیت کی قدر کرو اور اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اور لفظ وصیت سے کبھی تاکیدی حکم مراد ہوتا ہے اور کبھی نصیحت و وعظ۔ اور کبھی وہ بات جو کہ اپنی موت کے بعد اپنے مال وغیرہ کے متعلق کہی جاتی ہے۔ اور کبھی اس سے وہ مال مراد ہوتا ہے جس کے متعلق یہ بات ہوتی ہے۔ اور یہاں پر پہلے معنے ہیں اور اس کے بعد جو مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ میں آئے گا۔ اس سے وہ بات یا وہ مال مراد ہے۔ اور مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ جب کوئی مر جائے اور لڑکے لڑکیاں رہیں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دیا جائے۔ اور پھر بتایا کہ) اگر وہ اولاد دو سے زیادہ لڑکیاں ہی ہوں تو پھر ان کے لئے اس کی دو تہائی حصہ ہے جو کہ اس نے چھوڑا ہے اور اگر وہ اسی کی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔

(یہاں سے لڑکیوں کی تین حالتیں بظاہر ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ان کے ساتھ کوئی لڑکا بھی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دینا چاہیے۔ دوم یہ کہ لڑکا کوئی نہیں اور لڑکی بھی ایک ہی ہے تو اس صورت میں نصف دینا ہے۔ اور طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب لڑکا ساتھ نہ ہونے کی صورت میں ایک اور دو سے زیادہ کا حکم بتایا ہے۔ تو

دو ہونے کی صورت میں کیا حکم ہو گا۔ تو ابن عباسؓ کا مذہب تو یہ مشہور ہے کہ ان کے نزدیک دو ہونے کی صورت میں بھی نصف ہی دیا جائے گا۔ اور جمہور علماء اور صحابہؓ اور خلفاء اور ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ دو ہونے کی صورت میں بھی دو تہائی دینا چاہیے۔ جیسا کہ دو سے زیادہ ہونے کی صورت میں دیا جاتا ہے تو جمہور کے مذہب پر دو باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ دو کا حکم کہاں سے اور کس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو تہائی دیا جائے اور دوم یہ کہ جب دو کا وہی حکم ہے جو کہ دو سے زیادہ کا ہے۔ تو پھر دو سے زیادہ کی قید کیوں لگائی اور دو کو زیادہ کے ساتھ کیوں ذکر نہ کیا۔ تو اول کا جواب یہ ہے کہ دو کا حکم لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب یہاں سے یہ ثابت ہو گیا کہ لڑکے کا حصہ اور دو لڑکیوں کا حصہ برابر ہے۔ تو اب لڑکے کا حصہ معلوم ہونے سے دو کا حصہ بھی معلوم ہو جائے گا تو جب ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہو اور ہم قرآن مجید کے حکم مذکور کے مطابق ان کو حصہ دیں تو لڑکی کو ثلث اور لڑکے کو دو ثلث ملے گا تو جب لڑکے کو دو تہائی ملا تو دو لڑکیوں کا حصہ بھی دو تہائی ثابت ہوا۔ اور چونکہ دو کا حکم یہاں سے صاف ثابت ہوتا تھا تو اسی وجہ سے حرف فاء بعد میں لا کر فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ الخ فرمایا۔ ورنہ فاء کا یہاں پر لانا درست نہ ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں اس کو ذکر نہیں کیا اور زیادہ اور ایک کا حکم بیان کیا ہے اور اس کو شامل نہیں کیا۔ گو علم فرائض بہت سی تفصیل چاہتا ہے۔ لیکن ہم ہر ایک حصہ دار کا حق معلوم کرنے کے لئے مختصر طور پر یہاں ان حصہ داروں کی اور ان کے حصوں کی کسی قدر تفصیل کر دیتے ہیں۔

سو واضح ہو اصحاب فرائض کہ جن کا حصہ شریعت نے مقرر کیا ہے۔ 12 ہیں، 4 مرد ہیں اور 8 عورتیں ہیں۔ مرد تو (نمبر 1) باپ، (نمبر 2) دادا خواہ جس قدر اوپر ہو۔ اور (نمبر 3) مادری بھائی اور (نمبر 4) خاوند اور عورتیں یہ ہیں۔ زوجہ، بنت اور بیٹے کی بنت خواہ کسی قدر نیچے ہو۔ حقیقی بہن۔ پدری بہن۔ مادری بہن۔ ماں اور جدہ صحیحہ جس کی نسبت میں کوئی ایسا جد نہ آئے جو کہ کسی عورت کے واسطہ سے ہو۔ اور ان کے سوا ایک قسم کے وارث ہوتے ہیں کہ ان کا حصہ تو مقرر نہیں۔ پر جو مال حصہ داروں سے بچتا ہے وہ سب وہ لے جاتے ہیں ان کو عصبہ کہا کرتے ہیں اور وہ تین قسم پر ہوتے ہیں۔

ایک کو عصبہ بنفسہٖ کہتے ہیں۔ یہ وہ ہر ایک مرد ہے جو کہ عورت کے واسطہ سے رشتہ دار نہ ہو اور یہ چار قسم پر ہیں۔ میت کی جزو جیسا بیٹا پوتا الخ۔ اس کی اصل جیسا باپ دادا الخ۔ باپ کی جزو جیسا بھائی بھتیجے الخ۔ دادا کی جزو چچے اور چچازاد بھائی الخ اور نزدیک کے دادا کی جزو نہ ہو تو پھر اوپر کے دادا کی الخ۔ اور یہ جس ترتیب پر ہیں اسی پر وارث ہوتے ہیں اور باقی کل مال لے جاتے ہیں اور اس درجہ کے بعد کے سب محروم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب بیٹا ہو گا تو باپ دادا اور پوتے سے وہ مقدم ہو جائے گا۔

اور عصبہ بالغیر وہ عورتیں ہیں جو کہ حصہ مقرر لیتی ہیں۔ جیسی لڑکیاں اور بہنیں کہ لڑکوں اور بھائیوں کے ساتھ بجائے حصہ کے باقی مال سے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ملے گا۔ اور عصبہ مع الغیر وہ عورتیں ہیں جو دوسری عورتوں سے مل کر بجائے مقرر حصہ کے باقی مال لیتی ہیں۔ جیسی بہن لڑکی کے ساتھ۔ سو جو اصحاب فرائض اس رکوع میں مذکور ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی سب حالتیں ذکر کر دیں گے۔

سب سے پہلے لڑکیاں آئی ہیں۔ سو واضح ہو کہ ان کی تین حالتیں ہیں۔ اکیلی ایک ہو تو نصف۔ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو ثلث اور اگر بھائی کے ساتھ ہوں خواہ کم یا زیادہ پس مرد کو دو عورتوں کے برابر دیا جائے گا۔ اس کے بعد والدین کی نسبت فرمایا کہ) اس کے والدین کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس سے چھٹا حصہ ہے جو کہ اس نے چھوڑا ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی اولاد ہو۔ تو اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کی ماں کیلئے تہائی حصہ ہے۔ تو اگر اس کے لئے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ بعد اس وصیت کے کہ اس کے ساتھ وہ وصیت کرے یا قرض کے۔

(یہاں پر اصحاب فرائض سے دو ذکر ہوئے ہیں۔ نمبر 1 باپ۔ نمبر 2 ماں اور ان میں سے ہر ایک کی تین تین جدا حالتیں ہیں۔ باپ کی حالتیں یہ ہیں۔ نمبر 1 یہ کہ میت کا بیٹا یا پوتا ہو اگرچہ بہت دُور ہو۔ اس صورت میں چھٹا حصہ ہے۔ نمبر 2 یہ کہ باپ کے ساتھ میت کی لڑکی یا لڑکی کی لڑکی ہو اگرچہ دُور ہی کی ہو۔ اس صورت میں پہلے چھٹا حصہ لے گا اور پھر جو کچھ ترکہ بچ جائے گا وہ سب اس کو ملے گا۔ تو اس صورت میں وہ صاحب فرض اور عصبہ دو ہی ہو گا۔

نمبر 3 صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ نہ میت کی کوئی اولاد ہے اور نہ میت کے بیٹے کی کوئی اولاد ہے تو اس صورت میں اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ ہو گا اور سارا یا باقی سب بچا ہوا لے جائے گا۔ اور چونکہ پہلی دونوں صورتوں میں اس کا مقرر حصہ چھٹا حصہ ہے اور دونوں صورتوں میں اس کی کوئی اولاد ہے قرآن مجید میں اولاد ہونے کی صورت میں ماں اور باپ دونوں کا چھٹا حصہ بتایا ہے۔ کیونکہ یہاں پر مقرر حصہ ہی بتانا مقصود ہے اور وہ یہی ہے گو دوسری صورت میں علاوہ اس کے باقی ترکہ بھی لے گا۔ اور تیسری صورت میں چونکہ اولاد نہیں اور اس کا مقرر حصہ بھی اس صورت میں نہیں اور قرآن مجید میں مقرر حصہ بتانا مدِ نظر ہے۔ لہٰذا گو اس صورت میں سب یا باقی مال یہ لیتا ہے۔ تو بھی اولاد نہ ہونے کی حالت میں والد کو چھوڑ دیا ہے اور ماں کا تہائی حصہ بتایا ہے۔

اور والدہ کی تین حالتیں یہ ہیں۔ نمبر 1 اس کے ساتھ میت کی یا میت کے بیٹے کی کوئی اولاد ہو اور یا اس کے ساتھ دو بھائی یا دو بہنیں ہوں یا زیادہ خواہ حقیقی ہوں یا پدری یا مادری تو اس صورت میں چھٹا حصہ ہے۔ نمبر 2 اس کے ساتھ ان مذکورین سے کوئی نہ ہو تو اس حالت میں سب مال کی تہائی لے گی۔ نمبر 3 اس کے ساتھ مذکورین نہ ہوں۔ پر میت کی زوجہ یا میت کا خاوند اس کے ساتھ ہو تو اس حالت میں زوجین کا حصہ دے کر باقی کا ثلث اسے ملے گا۔ تو پہلی صورت میں چونکہ دو صورتیں تھیں۔ اول یہ کہ اس کے ساتھ میت کی یا میت کے بیٹے کی کوئی اولاد ہو۔ دوم یہ کہ اس کے ساتھ دو بھائی یا دو بہنیں یا زیادہ ہوں۔ اور ان دونوں صورتوں میں چھٹا حصہ ہے۔

اس لئے خداوند تعالیٰ نے پہلی حالت کی پہلی صورت کو وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ میں بیان فرمایا ہے۔ اور اس کی دوسری صورت کو فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ میں بیان فرمایا ہے۔ اور دوسری صورت کو کہ جس میں ثلث کل کا ملتا ہے۔ اور تیسری کو جس میں ثلث مَابَقِیَ کا ملتا ہے اور دونوں میں اس کے ساتھ نہ میت کی یا میت کے بیٹے کی اولاد ہے اور نہ دو یا زیادہ بہن بھائی ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تو اب ان

دو صورتوں کی اس عبارت کے ساتھ ادا کرنے سے یہ مشکل پیش آتی ہے کہ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ کہنے سے تو بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یعنی اولاد نہ ہو خواہ زوجین سے ساتھ کوئی ہو یا نہ ہو سارے مال کا ثلث ملنا چاہیے۔ نہ یہ کہ زوجین کے نہ ہونے کی صورت میں کل کا اور ہونے کی حالت میں باقی کا ثلث ملنا چاہیے۔

تو واضح ہو کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے اور دونوں صورتوں میں وہ کل کا ثلث دلاتے ہیں۔ لیکن جمہور نے جب یہ دیکھا کہ زَوْجٌ ساتھ ہونے کی صورت میں اصل مسئلہ 6 سے آئے گا۔ جس کا نصف خاوند لے جائے گا جو کہ اس کا حصہ ہے اور باقی تین رہیں گے تو اگر ماں کے لئے ثلث کل ہو تو کل 6 کا ثلث 2 ہیں تو جب ماں کو دو ملے تو باپ کے لئے ایک ملے گا اور سب فرائض میں ایک مرتبہ کے مرد اور عورتوں میں عورت کو مرد پر ترجیح اور فضلیت نہیں بلکہ مرد ہی کو فضیلت ہوتی ہے جیسی اولادمیت میں مرد کو عورت کے دوچند ملتا ہے۔

تو اس وجہ سے جمہور صحابہؓ اور ائمہؒ نے اس صورت میں ماں کو باقی کا ثلث دلایا ہے اور چونکہ زوج کے حصہ کے بعد باقی تین ہیں اور تین کا ثلث ایک ہے اس لئے ماں کو ایک اور باپ کو دو ملیں گے اور باپ پر ماں کی ترجیح نہ لازم آئے گی۔ رہا یہ کہ قرآن مجید سے کل کا ثلث ہوتا ہے تو یہ غلط ہے بلکہ اس سے مطلق ثلث مفہوم ہوتا ہے۔ اور سیدؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت کے یہ معنے ہیں کہ ابوین جس کے وارث ٹھہرے ہیں اس کا ثلث ماں کے لئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زوجین کے نہ ہونے کے وقت وہ سب کے حقدار ہیں۔ لہٰذا سب کا ثلث ماں لے گی اور زوجین میں سے زوج کے ساتھ ہونے کے وقت مثلاً نصف کے یہ حقدار ہیں۔ تو نصف کا ثلث ماں کو ملے گا۔

اور حقیقت میں یہ پکی بات ہے اور اس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ اور حصوں میں مِمَّا تَرَكَ۔ یا مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ الخ فرما کر تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ حصہ کل مال سے ہے۔ لیکن یہاں پر نہ تو مِمَّا تَرَكَ فرمایا ہے۔ اور نہ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ کہا اور بعض نے کہا ہے کہ زوجین کے ساتھ ہونے والی صورت کو قرآن مجید کی یہ عبارت شامل ہی نہیں۔ کیونکہ وَوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ کے یہ معنے ہیں کہ

فقط یہی دو وارث ہوں اور بس۔ اور جو پہلی صورت کی دوسری صورت فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اس میں بھی ایک مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت میں اِخۡوَۃٌ جمع کا لفظ آیا ہے جو کہ تین اور تین سے زیادہ پر بولا جاتا ہے۔

اور جمہور صحابہؓ اور ائمہؒ کا یہی مذہب اور عمل رہا ہے کہ دو بہن یا بھائی ہوں تو بھی ماں کو سُدُس ہی دیتے ہیں اور آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دو ہوں تب ثُلُث دینا چاہیے۔ تو اس کا جواب یہ بتایا گیا ہے کہ وراثت اور وصیت میں جمع کا اطلاق دو اور دو سے زیادہ پر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر اِخۡوَۃٌ سے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی مراد ہیں۔ اور ابن عباسؓ کا یہاں پر بھی خلاف ہے۔ وہ دو بہن بھائی کے ساتھ ثُلُث دلاتے ہیں اور تین اور تین سے زیادہ کے ساتھ سُدُس۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے آپ نے یہ پیش کیا تھا کہ اِخۡوَۃٌ دو پر نہیں بولا جاتا۔ پھر تم دو کے وقت ثُلُث کیوں نہیں دیتے تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں اس کا خلاف نہیں کر سکتا۔ جس پر کہ مجھ سے پہلے عام عمل درآمد سب ملک میں جاری رہا ہے۔ اور مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ اور دَیۡنٌ کا یہ مطلب ہے کہ قرضہ اور وصیت پہلے ادا کرنے چاہیے۔ اور یہی علماء نے لکھا ہے کہ پہلے کفن دفن بقدر ضرورت اور پھر قرضہ ادا کیا جائے اور پھر وصیت ادا کی جائے اور اس کے بعد جو بچے اس میں وراثت جاری ہو گی۔

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے کل مال کی تہائی تک وصیت جائز رکھی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الوصایا باب ان یترک ورثتہ اغنیاء... الخ حدیث 2742)

سو اگر کوئی زیادہ کی وصیت کرے گا۔ تو تہائی تک ہی جائز رکھی جاوے گی اور زائد میں رد ہو جاوے گی۔ نیز حدیثوں میں آیا ہے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں۔

(تفسیر فتح البیان جلد اول صفحہ 359 تفسیر سورۃ البقرۃ مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت 1992ء)

پس وارث کے لئے اگر کوئی وصیت کرے گا تو وہ برقرار نہ رکھی جاوے گی۔ اور چونکہ الٰہی تقسیم نہایت باریک حکمتوں پر مبنی ہے۔ جن تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ اور رواج اور محبت کی وجہ سے بعض وقت یہ تقسیم بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہو سکتی

تھی۔ جیسا کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو وارث نہ بناتے تھے اور بڑا چھوٹے سے مقدم ہوتا تھا اور اسی طرح لڑنے والے غیر لڑنے والوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ سو ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ اگر اس کے مطابق تقسیم ہوتی تو بہت اچھا ہوتا۔

یہ تو پُرانی باتیں ہیں ہم نے خود اپنے کانوں سے سُنا اور آنکھوں سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اسلام میں جو لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جاتا ہے یہ لڑکیوں پر ظلم ہے اور پھر اس کے بالمقابل ساری دنیا جانتی ہے کہ ہند اور خصوصاً پنجاب اور صوبہ سرحدی کے عام مسلمان کہلانے والوں نے اپنی واجب العرضوں میں لکھوا دیا ہوا ہے کہ اسلام کے اس حکم پر ہم نہ چلیں گے کہ لڑکیوں اور عورتوں کو حصہ دیا جائے بلکہ ہم اس بارہ میں اپنے رواج پر چلیں گے اور لڑکیوں اور عورتوں کو جائداد سے حصہ نہ دیں گے۔ تو ایسے لوگوں نے قرآن مجید کی اس تقسیم کو کب پسند کیا تو عالم الغیب خدا نے پہلے سے اس کی تردید یوں فرمائی کہ) باپ دادے اور بیٹے (جو ہیں) تم نہیں جانتے کہ کون ان میں سے تمہارے لئے زیادہ قریب نفع والے ہیں۔

(یعنی وراثت کی بناء علاوہ رشتۂ قرابت کے نفع پر بناء ہے جس کو خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اس کی اور رنگ کی عظمت شان اور قدر بتانے کے لئے فرمایا کہ تم قدر کرو اس کی جو کہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ (یعنی اگر تم کو نفع کی سمجھ نہیں آتی تو کم از کم اس کا تو لحاظ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حصص مقرر فرمائے ہیں۔ (پھر بتایا کہ آخر تم علم والوں اور حکیموں کی باتیں اور فتوے اور مشورے اور نسخے اسی وجہ سے بے دریغ مانا کرتے ہو کہ وہ علم اور حکمت والے ہیں۔ سو) اللہ ہمیشہ علیم اور حکیم ہے۔

وصیت کی تنفیذ کی تاکید:

(اور بعض مفسرین نے اٰبَآؤُكُمْ الخ وصیت کی تنفیذ کی تاکید کے لئے بتایا ہے اور معنے یہ کئے کہ اے وارثو! تم نہیں جانتے کہ تمہارے آباء اور ابناء جو کہ مر گئے ہیں کون ان میں

سے تمہارے لئے قریب نفع والا ہے۔ کیا وہ ہے جس نے وصیت کر کے تم کو اخروی ثواب دلایا ہے یا کہ وہ ہے کہ جس نے وصیت کو ترک کر کے تم کو دنیوی نفع پُہنچایا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ پھر فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

تو جب اولاد اور ماں باپ کے حصے بیان ہو گئے۔ تو اب زوجین کے حصص بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) تمہارے لئے اس کا نصف ہے جو کہ تمہاری بیبیوں نے چھوڑا ہے۔ اگر ان کے لئے اولاد نہ ہو۔ سو اگر ان کے لئے اولاد ہو تو پھر تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے۔ اس سے جو کہ انہوں نے چھوڑا ہے۔ بعد اس وصیت کے تم اس کے ساتھ وہ وصیت کریں یا قرضہ کے۔ اور ان کے لئے اس سے چوتھا حصہ ہے جو کہ تم نے چھوڑا اگر تمہارے لئے اولاد نہ ہو۔ سو اگر تمہارے لئے اولاد ہو تو پھر ان کے لئے اس سے آٹھواں حصہ ہے جو کہ تم نے چھوڑا ہے۔ بعد اس وصیت کے جو تم اس کے ساتھ وصیت کرو یا قرضہ کے۔

(زوج کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ساتھ متوفیہ کی یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو اُس وقت نصف ہے۔ دوم یہ کہ ان میں سے کوئی ہو تو اس صورت میں چوتھا حصہ ہے۔ اور زوجہ کے لئے بھی یہی دو حالتیں ہیں۔ فقط فرق حصوں میں ہے اس کو پہلی صورت میں چوتھا حصہ ملے گا۔ اور دوسری میں آٹھواں حصہ لے گی۔ اور ان دونوں کی دونوں صورتیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اولاد ام یعنی مادری بھائی اور مادری بہن کا حال بتانے کے لئے فرمایا کہ) اگر کوئی مرد کلالہ ہونے کی حالت میں اس کا ورثہ لیا جائے یا کوئی عورت (کلالہ ہونے کی حالت میں اس کا ورثہ لیا جائے) اور اس کے لئے بھائی یا بہن (مادری) ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

سو اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہیں بعد اس وصیت کے کہ اس کے ساتھ وصیت کی جائے یا دَین کے جو کہ ضرر دینے والا نہ ہو۔ (کلالہ کے معنے جو کہ صحابہؓ اور اہل زبان سے ثابت ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس کا والد اور ولد نہ ہو۔ اور اولاد ام (مادری بہن اور بھائی) کی تین حالتیں ہیں۔ (1) اولاد یا اولاد ابن اور باپ یا دادے کے ہوتے ہوئے ان کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ (2) اور جب ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اگر وہ مادری ایک ہے خواہ

مرد ہو یا عورت تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر وہ دو یا زیادہ ہوں تو پھر اگر وہ تہائی میں مرد و عورت مساوی شریک ہوتے ہیں۔ تو چونکہ اولاد اور باپ دادا ہونے کے وقت یہ وارث نہ ہوتے تھے اور کلالہ کے معنے یہی ہیں کہ نہ اس کا باپ دادا ہو اور نہ اولاد ہو۔ لہٰذا قرآن مجید میں ان کے سُدُس یا ثُلُث لینے کے لئے یہ شرط کی گئی کہ مورث کلالہ ہو۔

اور یہاں پر گو اَخٌ اور اُخْتٌ کے ساتھ یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ مادری ہوں۔ لیکن چونکہ اسی سورۃ کے آخر میں حقیقی اور پدری بہنوں کا حصہ بیان فرمایا ہے اور وہاں پر بھی کلالہ ہونا شرط ٹھہرایا ہے۔ پر ایک تو بہن کے ساتھ بھائی کو نہیں بیان کیا۔ کیونکہ مادری بھائی تو اصحاب فرائض سے ہے لیکن حقیقی اور پدری بھائی اصحاب فرائض سے نہیں بلکہ عصبہ ہوتا ہے اور دوم ایک ہونے کے وقت میں جہاں اس جگہ سُدُس بتایا ہے تو وہاں پر ثُلُث حصہ قرار دیا ہے اور دو یا زیادہ ہونے کی حالت میں اگر یہاں پر ثُلُث بیان کیا ہے تو وہاں پر نصف قرار دیا ہے۔

پس حقیقی اور پدری کا حکم اخیر میں جدا بیان کرنا اور ان دونوں کے حصص میں فرق ہونا اور پھر یہاں پر بھائی کو بہن کے ساتھ سُدُس اور ثُلُث میں شریک ٹھہرانا اور وہاں پر ثُلُث اور نصف میں اس کو ذکر نہ کرنا صاف صاف تعیین کر دیتا ہے کہ یہاں پر مادری مراد ہیں اور وہاں پر حقیقی اور پدری۔ اور وہ آیت جس میں ان کا حکم بیان ہوا ہے وہ یہ ہے یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَ هُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ[1]۔ (النساء:177)

اب عموماً اصحاب فرائض کے احکام بیان ہو گئے۔ مردوں میں سے ایک جد (دادا) کا حکم بیان ہوا کیونکہ وہ باپ کے حکم میں ہوتا ہے اور وہی اس کا حصہ اور حق ہوتا ہے کہ

[1] وہ تجھ سے (ایک قسم کے کلالہ کے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں، تو کہہ دے اللہ تمہیں (ایسے) کلالہ کے متعلق حکم سناتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اس کے اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہو اس کا نصف اس (بہن) کا ہو گا۔ اور اگر (وہ بہن مر جائے اور) اس کے اولاد نہ ہو تو وہ (یعنی اس کا بھائی) اس (کے سب ترکہ) کا وارث ہو گا اور اگر دو بہنیں ہوں تو جو کچھ اس (بھائی) نے چھوڑا ہو اس کا دو تہائی ان کا ہو گا اور اگر وہ (وارث) بھائی بہنیں ہوں۔ مرد (بھی) اور عورتیں (بھی) تو (ان میں سے) مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

باپ کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ اور عورتوں میں سے حقیقی اور پدری بہن اور جدہ صحیحہ رہی ہیں تو بہن کا حکم تو آخر میں آئے گا۔ اور جدہ صحیحہ اس لئے بیان نہیں ہوئی کہ اس کا حصہ ماں کی طرح چھٹا حصہ ہی ہے۔ خواہ ماں کی ماں ہو یا باپ کی اور ایک ہو یا زیادہ اور ماں کی موجودگی میں سب محروم ہو جاتی ہیں اور باپ کے موجود ہوتے باپ کی ماں محروم ہو جاتی ہے۔ اور اخیر میں پھر اس کی سخت تاکید کرنے کے لئے فرمایا کہ تم اس کی قدر کرو جو کہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم (اور نصیحت) ہے (اور مخالفت کرنے پر جلد سزا نہ ہونے سے یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ کو ہماری حکم عدولی کا علم نہیں ہوا یا علم ہوا ہے تو پھر وہ سزا ہی نہ دے گا۔ کیونکہ) اللہ خوب جاننے والا بردبار ہے۔

(یعنی وہ جانتا ہے اور سزا بھی ضرور دے گا۔ پر جلدی اس لئے وہ سزا نہیں دیتا کہ وہ حلیم ہے۔ پس تم اس سے غرّہ نہ ہو۔ اور سزا اس لئے دے گا کہ) یہ اللہ کی حدیں ہیں (اور بادشاہوں کے حدود جو توڑا کرتے ہیں۔ وہ ضرور ہی سزایاب ہوا کرتے ہیں۔ اور جو ان پر قائم رہتے ہیں ان کو انعام دیا کرتے ہیں۔ سو اسی طرح) جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ وہ اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ رہ پڑنے والے ہوں گے ان میں۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ رہ پڑنے والا ہو گا اس میں اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔

آیت 16 تا 23: وَ الّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ۔ وَ الَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِہَا مِنۡکُمۡ فَاٰذُوۡہُمَا فَاِنۡ تَابَا وَ اَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ۔ اِنَّمَا التَّوۡبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۔ وَ لَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ ہُمۡ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡہًا ؕ وَ لَا تَعۡضُلُوۡہُنَّ لِتَذۡہَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ وَ عَاشِرُوۡہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ کَرِہۡتُمُوۡہُنَّ فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّ یَجۡعَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ۔ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّ اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىہُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡہُ شَیۡئًا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَہٗ بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ۔ وَ کَیۡفَ تَاۡخُذُوۡنَہٗ وَ قَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُکُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ وَّ اَخَذۡنَ مِنۡکُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۔ وَ لَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّ مَقۡتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ۔

تشریح الفاظ:

وَاللّٰتِیۡ۔ اَلَّتِیۡ کی جمع ہے۔ فَاحِشَۃٌ۔ وہ بدی کہ جس کی قباحت بری اور کھلی کھلی ہو اور اسی وجہ سے زیادہ زنا پر بولا جاتا ہے۔

اِسْتَشْهِدُوْا۔ اِسْتِشْهَادٌ سے ہے۔ گواہ بنانا اور شَهِدُوْا۔ شَهَادَةٌ سے گواہی دینا۔
اَلَّذَانِ۔ اَلَّذِیْ کا تثنیہ ہے۔ اَعْتَدْنَا۔ اِعْتِدَادٌ سے ہے۔ تیار کرنا۔
كَرْهًا۔ مکروہ جاننا یا جبر کرنا۔ تَعْضُلُوْا۔ عَضْلٌ سے ہے۔ روکنا اور تنگی میں ڈالنا۔
عَاشِرُوْا۔ مُعَاشَرَةٌ سے ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ رکھنا۔
قِنْطَارٌ۔ مال کثیر کو کہتے ہیں اور اس کی حد بست میں جو مختلف اقوال ہیں وہ گذر چکے ہیں۔
اَفْضٰى۔ اِفْضَاءٌ سے ہے۔ دوسری چیز کی طرف پہنچنا اور یہاں پر یہ جماع یا خلوت سے کنایہ ہے۔ غَلِيْظًا۔ شدید۔ سَلَفَ۔ سَلْفًا سے ہے۔ گذرنا۔ مَقْتٌ۔ بُغض۔

ترجمہ:

اور جو بے حیائی لائیں تمہاری عورتوں سے تو تم ان پر چار گواہ رکھو (یا مانگو) جو تم سے ہوں سو اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں میں روکو۔ یہاں تک کہ موت ان کو قبض کر لے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ بنادے۔ اور جو دو مرد تم سے اس کو لائیں تو تم ان کو دُکھ دو سو اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اصلاح کریں تو ان دونوں سے اعراض کرو۔ یقیناً اللہ پھر آنے والا نیک بدلہ دینے والا ہے۔ توبہ تو اللہ پر انہی کے لئے (لازم کی ہوئی) ہے کہ وہ جہالت سے بدی کرتے ہیں اور پھر نزدیک ہی سے توبہ کرتے ہیں۔

سو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ (رحمت کے ساتھ) پھرتا ہے۔ اللہ ہمیشہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور ان کے لئے توبہ نہیں جو کہ بدیاں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت حاضر ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ بے شک میں نے اب توبہ کی۔ اور نہ ان کے لئے جو کہ مرتے ہیں اور کافر ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہیں تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کو ورثہ میں لو۔ اور نہ یہ کہ تم ان کو روکو تاکہ تم اس سے کچھ لے جاؤ جو کہ تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی کھلی بے حیائی لاویں۔ اور تم دستور کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ رکھو۔ سو اگر تم ان کو بُرا مناؤ تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو بُرا مناؤ اور اللہ اس میں بہت

سی بہتری کر دے۔ اور اگر تم کسی عورت کو کسی دوسری کی جگہ بدلنا چاہو اور تم نے ان میں سے ایک کو ڈھیروں ڈھیر (مال) دیا ہو تو تم اس سے کچھ بھی نہ لو کیا تم اس کو بہتان اور کھلے کھلے گناہ سے لوگے۔ اور تم اس کو کس طرح لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے کی طرف پہنچے ہو اور انہوں نے تم سے گاڑھا پختہ عہد لیا ہے۔ اور تم اس کو نکاح نہ کرو جس کو تمہارے باپوں نے عورتوں سے نکاح کیا ہو مگر جو گذر چکا۔ بے شک یہ بے حیائی اور غضب ہے۔ اور کیا ہی بری راہ ہے۔

تفسیر:

تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کا ذکر کرنے میں حکمت:

اور جس طرح قوم کے پھیلنے اور جہادوں اور دُور و دراز سفروں میں جانے سے یتامیٰ اور تقسیم ورثہ کا موقعہ اور ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی طرح ان حالتوں میں مغلوب الشہوت عورتوں اور مردوں سے بے حیائی کے وقوع کا اندیشہ اور اس کے حکم اور سزا کے بتانے کی اور جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لہٰذا تقسیم ورثہ کے بعد اس بے حیائی کی سزا بتائی اور فرمایا کہ) جو تمہاری عورتوں سے اس بڑی بے حیائی (زنا) کو لائیں تو تم ان پر چار اپنے سے گواہ رکھ لو (جب کہ تم خود ان کی اس بے حیائی کو دیکھو یا تم ان پر چار اپنے سے گواہ مانگو) جب کہ دوسرا کوئی ان پر اتہام لگاتا ہو) تو اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں میں روک لو یہاں تک کہ موت ان کو قبض کر لے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ بنادے۔

مفسرین نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں حد زنا ابھی نازل نہ ہوئی تھی اور اس آیت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کو گھروں میں روکو۔ لیکن جب ان کے لئے زنا کی حد نازل ہوئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی روایت سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ایک دن آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو جب آپؐ سے وہ حالت جدا ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ لو مجھ سے اللہ نے ان عورتوں کے لئے راہ بنادی ہے کہ شادی شدہ عورت کے لئے سو درّہ اور پھر پتھراؤ کرنا ہے اور کنواری کے لئے سو درہ اور سال کی جلاوطنی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزنا حدیث نمبر 1690)

ہاں ان میں اس قدر اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ اُس آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ جس میں زناء کی سزا بیان ہوئی ہے جو کہ سورہ نور میں ہے اور بعض اس حدیث کے ساتھ کہتے ہیں اور اس حدیث کو زنا کی سزا کی آیت کے ساتھ اور اس آیت کو دلائل رجم کے ساتھ منسوخ کہتے ہیں۔

گویا کلام الٰہی نہیں بلکہ بچوں کی کھیل ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے روکنے کی حد وفات اور سبیل کا بنانا مقرر کی ہے۔ تو اب وفات اور سبیل پر وہ حکم ختم ہو گا نہ منسوخ۔ حالانکہ بات بالکل صاف تھی۔ اس لئے کہ جب باغیرت انسان ایسی حالت خود دیکھتا یا سنتا ہے تو وہ فوراً ایسی عورت کا کام تمام کرنا چاہتا ہے۔ اور دیّوث آدمی ایسے وقت میں درگذر کو کام میں لانا چاہتا ہے، تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تو چشم پوشی اور درگذر کرو اور نہ خود تم ان کو کچھ کہو بلکہ چار گواہ رکھو یا ان کی شہادت طلب کرو تو جب ان کی شہادت سے تم کو اس کا علم ہو جائے تو تم ان کو گھروں میں بند کر دو اور نہ خود کوئی سزا دو اور نہ بالکل لاپروائی کرو بلکہ ضرور بند کر دو اور پھر دیکھو کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک اگر وہ مستوجب سزا ہے تو سزا دلواؤ خواہ وہ موت ہی ہو اور اگر خداوند تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ نکال دے اور وہ مستوجب سزا نہ ٹھہرے تو پھر تم ناحق اس کو تکلیف نہ دو۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ارشاد حکم سزا کے موافق اور مناسب ہے، نہ مخالف تاکہ آپس میں ان کو ناسخ منسوخ کہا جائے اور اگر آثار پر نظر کر کے یہی مانا جائے کہ یہ ابتدائی حکم ہے تو پھر بھی ان دونوں میں کوئی خلاف نہیں کیونکہ روکنے کا تو جس طرح پہلے حکم تھا اسی طرح اب بھی ہے اور جس طرح پہلے یہ حکم تھا کہ روک اس وقت تک رہے کہ وہ مر جائیں یا اللہ ان کے لئے کوئی سبیل بنا دے تو اسی طرح اب بھی یہ بندش اس وقت تک ہے کہ وہ مر جائیں یا اللہ ان کے لئے کوئی سبیل بنا دے۔ البتہ سزا نازل ہونے سے پہلے اللہ کا کوئی سبیل بنا دینا یہ معنے رکھتا تھا کہ وہ ان کے متعلق کوئی سزا اور حکم نازل کر دے اور اس سزا اور حکم کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے کوئی سبیل بنانے کا یہ مطلب ہے کہ اس سزا اور حکم

کا اجراء اور انفاذ قاضی اور حاکم وقت کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ کرادے تو جس طرح پہلے مرنے اور سبیل بنانے سے کوئی نسخ لازم نہیں آتا۔ اسی طرح بعد میں بھی مرنے اور کوئی سبیل بنانے سے کوئی نسخ لازم نہیں آتا۔

اور آثار میں اوّل تو آنحضرت ﷺ سے نسخ مذکور نہیں اور پھر آنحضرتؐ سے منقول نہیں بلکہ ان کا اپنا خیال ہے۔ ورنہ تو اس میں کبھی خلاف نہ ہوتا۔ اور میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک آیت کے نازل ہونے سے پہلے کسی دوسری آیت کے معنے لوگوں نے اور سمجھے ہوئے ہوتے تھے اور چونکہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ اس لئے دوسری آیت کے نازل ہونے سے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ جو معنے ہم نے پہلے خیال کئے ہوئے تھے وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ تو عام طور پر وہ اس کو نسخ کہہ دیا کرتے تھے۔

پر اس کے بجز اس کے اور کچھ معنے نہ ہوتے تھے کہ پہلے معنے غلط تھے۔ نہ یہ کہ اس آیت کریمہ کا کوئی حکم باقی نہیں رہا اور اب وہ ردی اور بے کار ہوگئی ہے۔ اور ایسے نسخ کے نظائر کثرت کے ساتھ آثار میں موجود ہیں۔ اور عربوں میں گو لواطت کا نہ رواج تھا اور نہ نام ونشان تھا۔ لیکن چونکہ جہاد کی وجہ سے پارسیوں یہودیوں وغیرھما ان قوموں کے ساتھ میل وجول ہونے والا تھا۔ جو کہ قوم لوط کی بدترین یادگار کا ورثہ پانے والی تھیں۔ اس لئے عورتوں کی بے حیائی کے ساتھ اس فعل بد کی سزا بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو تم میں سے دو مرد اس کو لائیں (یعنی لواطت کا ارتکاب کریں) تو تم ان کو دُکھ دو (اور دیتے رہو یہاں تک کہ وہ باز آجائیں) سو اگر وہ پھر جائیں اور اصلاح کریں تو تم ان سے اعراض کرلو (کیونکہ گو یہ ناقابل عفو بدی معلوم ہوتی ہے پر) یقیناً اللہ (رحمت کے ساتھ) رجوع کرنے والا اور نیک بدلہ دینے والا ہے۔

(عام طور پر مفسرین نے وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا سے زانی مرد اور زانیہ عورت کے مراد لئے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں۔ اور کہا ہے کہ پہلے خالص زانیہ عورتوں کا حکم بیان فرمایا تھا اور اب مرد وعورت دونوں کا حکم بیان کیا ہے۔ جس میں وہ دونوں شریک ہیں بخلاف پہلے حکم کے کہ وہ عورتوں ہی سے مختص ہے۔ اور ابن جبیر سے

مروی ہے کہ اس سے غیر شادی شدہ مرد اور عورت مراد ہیں اور پہلی آیت میں شادی شدہ عورتوں کا حکم بیان ہوا ہے۔ اور پھر دونوں فریق کہتے ہیں کہ یہ ابتدائی حکم تھا اور سورۂ نور کی آیت نے اس کو بھی منسوخ کر دیا ہے۔

اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا سے لواطت کرنے والے مراد ہیں۔ اور اس نے یہ معنے مجاہد سے روایت کئے ہیں۔ اور اس صورت میں یہ منسوخ بھی نہیں۔ اور یہی صحیح اور الفاظ قرآن مجید کے مطابق ہیں۔ جیسا کہ الَّذٰنِ اور یَاْتِیٰنِ کے مذکر اور پھر دو لانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اور پہلی آیت میں بھی گو سب مؤنث ہی ہیں۔ جس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان سے بھی زانیہ مراد نہ ہوں کیونکہ وہ سوائے مردوں کے متحقق نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مراد ہیں جو کہ آپس میں شہوت رانی کرنے والی ہوں۔ پر چونکہ وہاں پر دو نہیں بلکہ جمع ہے جس سے ان کا آپس میں کچھ کرنا نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ یہاں پر پایا جاتا ہے کیونکہ سزا بلفظ جمع یا بلفظ مفرد بیان ہوا کرتی ہے نہ بلفظ تثنیہ تو جہاں بلفظ تثنیہ بیان ہو گی وہاں پر کوئی خاص امر علاوہ بیان سزا کے مد نظر ہو گا نہ جمع اور مفرد میں نیز جو وہاں پر سزا بیان کی ہے یعنی حبس فی البیوت وہ آپس میں شہوت رانی کرنے سے روکنے والی نہیں بلکہ مؤید ہے۔

لہٰذا وہاں پر زانیہ عورتیں مراد ہیں اور ان کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ رجم اور درے لگانے میں تو مرد و عورت شریک ہی تھے۔ لہٰذا آیت نور میں دونوں کو ساتھ ذکر فرمایا ہے پر اِمْسَاكٌ فِي الْبُيُوْت (گھروں میں روکے رکھنا) چونکہ عورتوں ہی سے مخصوص تھا۔ لہٰذا یہاں پر تنہا انہی کو ذکر کیا ہے۔ اور وہ مراد نہیں جو کہ آپس میں شہوت رانی کرتی ہوں جیسا کہ ابو مسلم کا قول ہے۔ اور ایذاء کی کوئی تحدید نہیں فرمائی۔ لہٰذا یہ قاضی اور حاکم کی رائے پر ہے اور اس میں اس کا بھی اشارہ ہے کہ زبانی ملامت بھی کرو کیونکہ ایذاء کا لفظ جیسا دُکھ دینے پر بولا جاتا ہے ایسا ہی بدگوئی اور ملامت پر بھی بولا جاتا ہے تو جب ایک کی تعیین نہیں کی تو دونوں ہی مراد ہوں گے۔

اور چار کی گواہی یہاں پر بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ قواعد زبان سے ثابت ہے کہ فَاِنْ شَهِدُوْا کی قید اس کے ساتھ بھی ضروری ہے اور فَاِنْ تَابَا میں فاء لانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ

ان کی توبہ اس ایذاء کے سبب سے ہو۔ اور فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا میں ایذاء دینے والے حکام اور قاضی وغیرہ کو حکم ہے اور اعراض سے مراد ایذاء کا چھوڑ دینا ہے۔ اور بعض نے یہ حکم گواہوں کے لئے بتایا ہے تو پھر اعراض سے یہ مراد ہو گی کہ پھر تم نہ ان کو ڈراؤ اور نہ تم ان کی پردہ دری کرو۔

اعراض کی وجہ اور علّت:

اور اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا کے ساتھ اعراض کی وجہ اور علت بتائی ہے۔ اور چونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے توّاب ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور توّاب مبالغہ کا صیغہ ہے اور پھر سب قیدوں سے خالی مذکور ہے۔ جس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ہر حالت میں وہ ضرور ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قبولیت توبہ کی شرطیں بیان کرنے کیلئے فرمایا کہ) توبہ تو اللہ کے نزدیک انہی لوگوں کے لئے ہے جو کہ جہالت سے بدی کرتے ہیں اور پھر عنقریب ہی توبہ کرتے ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر رجوع برحمت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہمیشہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

توبہ قبول کرنے کے لئے دو شرطیں:

(یہاں پر قبول توبہ کے لئے خداوند تعالیٰ نے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ بدی جہالت کے ساتھ ہو۔ اور دوم یہ کہ عنقریب ہی اس بدی کے بعد توبہ کریں۔ اور بظاہر تو عنقریب کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی۔ پر چونکہ اس کے مقابل میں حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ فرمایا ہے۔ اس لیے مفسرین نے عنقریب سے موت سے پہلے کا سب زمانہ مراد لیا ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ پر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہیے کہ چونکہ موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں۔ جس میں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ ساتھ ساتھ انسان توبہ بھی کرتا رہے اور اسی وجہ سے عنقریب بھی فرمایا ہے نہ یہ کہ اس وجہ سے کہ موت کا وقت حقیقت میں قریب ہے۔ گو وہ بظاہر بہت سا زمانہ بھی ہو۔ اور پہلی شرط میں چونکہ مفسرین نے اس بدی کی جہالت سمجھی ہے۔ یعنی یہ نہ جاننا کہ یہ امر بُرا ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان

کو یہ علم ہی نہ ہو کہ فلاں امر بُرا ہے۔ تب تک اس کے کرنے سے نہ وہ گنہگار ہوتا ہے اور نہ وہ مستوجب سزا ٹھہرتا ہے۔ تاکہ اس کو توبہ کی ضرورت پیش آئے۔

لہٰذا مفسرین نے جَهَالَةٌ کے معنے بے علمی کے نہیں لئے بلکہ کسی نے تو اس سے وہ بیوقوفی اور کم عقلی لی ہے جس کی وجہ سے وہ خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور کسی نے اس سے خلاف مقتضیٰ علم عمل کرنا مراد لیا ہے اور اس کی تائید میں بیہقی کی یہ حدیث لائے ہیں کہ كُلُّ مَنْ عَصَى رَبَّهُ فَهُوَ جَاهِلٌ[1]۔

(شعب الایمان جلد 9 صفحہ 289 حدیث 6671 مطبوعہ مکتبۃ الرشد ناشرون بیروت 2003ء)

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے تو نافرمان کا جاہل ہونا ثابت ہوتا ہے نہ یہ کہ نافرمانی جہالت کے سبب سے ہے اور نہ یہ کہ جس کے سبب سے کوئی نافرمانی کرتا ہے وہ جہالت ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ بدی کی ذات اپنے کرنے سے نہیں روکا کرتی بلکہ خداوند تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا اور اس کا اس سے ناراض ہونا اور اس پر سزا دینا اور اس سے خداوند تعالیٰ کا نافرمان ٹھہرنا وغیرہ یہ امور ہیں۔ جن کا تصور اور خیال بعد یقین کے بدی سے روکا کرتا ہے۔ اور جو بدی کرتے ہیں وہ بھی اسی وجہ سے کرتے ہیں کہ یا تو ابھی ان کو امور مذکورہ کا یقین ہی حاصل نہیں اور یا یقین تو حاصل ہے۔ پر اس وقت ان کا تصور اور خیال نہیں بلکہ ایک غفلت کی حالت ہے۔ اور بعض وقت یقین بھی ہوتا ہے اور غفلت بھی نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے عناد وغیرہ سے اس کا ارتکاب کرتا ہے۔

پس یہ جو عنادی ہوتے ہیں ان کو تو توفیق توبہ ملتی ہی نہیں۔ اور دوسروں کو توفیق مل سکتی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جن کو یقین نہیں ان کی توبہ تب ہی قبول ہوگی کہ پہلے یقین حاصل کریں اور پھر توبہ کریں۔ اور جہالت کے یہاں پر یہی معنے ہیں کہ گناہ کے وقت خداوند تعالیٰ کی نافرمانی اور ناراضگی اور سزا وغیرہ کا خیال نہ ہو۔ اور اسی طرح توبہ ہونے نہ ہونے کے معنے خاص قبول وعدم قبول کے نہیں ہیں۔ بلکہ عام مراد ہیں جو کہ قبول وعدم قبول اور توفیق توبہ اور عدم توفیق توبہ کو شامل ہیں۔

[1] ہر وہ شخص جس نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ جاہل ہے۔ (از مرتب)

اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اِنَّمَا التَّوْبَۃُ الخ اور وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ الخ فرمایا ہے جو کہ صراحۃً توبہ کرنے نہ کرنے پر دال ہیں اور قبول ہونے نہ ہونے پر اشارۃً دالّ ہیں۔ اور اس کے بالمقابل فرمایا کہ) اُن لوگوں کے لئے توبہ نہیں جو کہ بدیاں کرتے رہتے ہیں (اور عنقریب توبہ نہیں کرتے) یہاں تک کہ جب ان کے ایک آدمی کو موت حاضر ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ بے شک مَیں نے اب توبہ کی۔ اور نہ ان کے لئے جو کہ اس حالت میں مرتے کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔ (اور فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں ایمان تو ہے۔ لیکن بدیوں سے پہلے توبہ نہیں کی یہاں تک کہ موت جب حاضر ہوگئی۔ تو اُس وقت بدیوں سے توبہ کی ہے۔ اور اس وقت کی توبہ قابل سماعت نہیں ہے اور دوسری صورت میں مومن نہیں بلکہ کافر ہیں اور کفر ہی پر مرے ہیں اور ان کی توبہ موت کے وقت اور موت سے پہلے ہر حالت میں قابل سماعت اس وجہ سے نہیں کہ قبول توبہ کی شرط ایمان ہے اور وہ ان میں متحقق نہیں۔

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ باوجود یقین اور خیال کے عناد وغیرہ سے بدی کرتے ہیں ان کو تو توفیق ہی نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں کچھ ذکر نہیں کیا۔ اور دوسروں کو توبہ نصیب ہو سکتی ہے۔ پر ایک شرط یہ ہے کہ عنقریب ہو اور دوم یہ کہ ایمان ہو۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک نہ ہو مثلاً موت کے وقت توبہ کرتا ہے یا کفر پر مداومت کرتا ہے۔ تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کی توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ) یہ وہ ولوگ ہیں کہ جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

معصیت اور کفر پر دوام کی سزا:

(یعنی ان کی مداومت علی المعصیۃ والکفر نے تو ان کے لئے عذابِ الیم لازم کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایک امر کو ذکر کیا جاتا ہے جس کے وقوع کا اندیشہ جہاد میں زیادہ ہو سکتا تھا۔ جیسا یتیموں اور ترکوں وغیرھا کی ضرورت جہاد میں پیش آنے والی تھی اور جس طرح یتیم بچے اور عورتیں ضعیف مخلوق ہیں۔ اسی طرح جس کا یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ایک عاجز مخلوق ہے اور نیز جس طرح یتم اور وراثت کسی کی موت کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ اسی

طرح اس کا حال بھی ہے اور جس طرح ترکہ میں ورثہ ہے۔ اسی طرح اس میں لوگ اپنا حق وراثت ہی خیال کرتے تھے۔ تو فرمایا کہ) ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہیں۔ تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم عورتوں کو جبراً ورثہ میں لو۔ اور نہ ان کو روکو (اور تنگ کرو) تاکہ اس کا کچھ حصہ تم لے جاؤ جو کہ تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی کھلی بے حیائی لاویں۔ اور تم دستور کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ کرو۔

عرب کی قبیح رسمیں اور ان کا ابطال:

(یہ ان کی جاہلیت کی جُدا جُدا دو قبیح رسمیں تھیں۔ جن سے یہاں پر منع کیا جاتا ہے۔ اول یہ کہ جب کوئی مر جاتا اور اس کی بی بی رہ جاتی تو وارث لوگ جس طرح مال کے وارث بنتے تھے۔ تو اسی طرح عورتوں کے بھی وارث بنتے اور مال کی طرح ان کو بھی اپنے حق کی ایک چیز خیال کرتے تھے۔ اور پھر ان کو اختیار ہوتا تھا کہ خود ان کو نکاح کرلیں یا کسی دوسرے کو دے دیں یا نہ خود کریں اور نہ دوسرے کو دیں اور عورت کو نہ ان کے خلاف کا کوئی اختیار ہوتا تھا اور نہ اپنے نفس کے متعلق اُنکو کوئی اختیار ہوتا تھا اور اس میں ان کو بڑی ایذاء پہنچتی تھی۔ بعض وقت جہاں ان کی بالکل مرضی نہ ہوتی تھی وہاں پر جبراً ان کا نکاح کر دیا یا کرلیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات وہ وارث خود نکاح کرلیتا تھا پھر اس کو پسند نہ آتی تو نہ اس کو آباد کرتا اور نہ چھوڑتا تھا اور دوسری بُری عادت ان کی یہ تھی کہ وارث لوگ متوفی کی عورت کو اپنا ورثہ خیال کر کے دوسری جگہ اس کو شادی نہ کرنے دیتے تھے اور نہ خود کرتے تھے اور غرض یہ ہوتی تھی کہ جو مہر اس نے ہمارے مورث سے لیا ہوا ہے یا جو ورثہ وغیرہ کا مال اس کو ملا ہوا ہے وہ یہ ہم کو دے دے۔ اور اسی طرح خاوند بھی ایسا کرتے تھے کہ جب عورت ناخوش ہوتی تو نہ اس کو آباد کرتے اور نہ آزاد کرتے تاکہ وہ مال جو اس نے بطور مہر ہم سے لیا ہوا ہے خود واپس کر دے یا جس سے شادی کرنا چاہے اس سے دلوادے۔ تیسری ایک عادت قریش مکہ کی یہ بھی لکھی ہے کہ وہ کسی شریف عورت سے شادی کرلیتے اور پھر جب وہ پسند نہ آتی تو اس کو پہلے تنگ کرتے اور پھر اس شرط

پر طلاق دے دیتے کہ ہماری اجازت کے سوا کسی دوسری جگہ شادی نہ کرے گی۔ تو پھر وہ اس کو شادی نہ کرنے دیتے اور غرض یہ ہوتی کہ روپیہ مل جائے تو خداوند تعالیٰ نے پہلی رسم کا ابطال تو اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡھًا کے ساتھ فرمایا ہے اور باقی تینوں کی تردید وَلَا تَعۡضُلُوۡھُنَّ الخ کے ساتھ فرمائی ہے۔

پہلے مفسرین باقی تینوں رسموں سے جُدا جُدا ایک رسم کے ابطال کی طرف گئے ہیں۔ لیکن الفاظ عام ہیں۔ لہٰذا ان تینوں کو بلکہ اور بھی جو ایسی صورتیں ہوں ان سب کو شامل ہیں۔ اور دوسرے حکم کے بعد اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ الخ فرما کر یہ بتایا ہے کہ ان سے مال لینے کے لئے عضل کرنا ہرگز جائز نہیں پر اُس وقت جائز ہے۔ جب کہ ان سے بے حیائی سرزد ہو اور وہ کُھلی کُھلی ثابت بھی ہو تو اس صورت میں خلع کے طور پر مال مہر کے اندر اندر لینا جائز ہے۔

اور ان امور کے قطع کرنے کے لئے جو کہ بڑھتے بڑھتے عضل وغیرہ کے باعث ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ) ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرو (اور پھر باوجود اس کے اگر) تم ان کو بُرا سمجھو تو (پھر اس اصول کے زور سے اور اس کے بتانے والے کی عظمت سے اس کراہت کو دباؤ اور عضل تک نوبت نہ پُہنچاؤ۔ بلکہ پھر بھی ان سے نیک معاشرت کرو کہ) ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو بُرا سمجھو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بہتری کر دے۔

(جیسا نیک اور صالح اولاد یا گھر کا عمدہ انتظام یا نیکی پر مدد وغیرہ۔ اور چونکہ بعض لوگ جن عورتوں کو بُرا جانتے تھے اور ان کو چھوڑ کر ان کی بجائے اور عورت کرنا چاہتے تھے۔ تو وہ اس وقت پہلی عورت کو دیا ہوا مال واپس لے کر دوسری شادی پر اس سے مدد لیا کرتے تھے۔ اور یہ صورت ان تین صورتوں کے علاوہ تھی جو کہ لَا تَعۡضُلُوۡا میں مذکور ہوئی ہیں۔

اور نیز اس صورت میں دوسری شادی کی وجہ سے بظاہر ضرورت بھی معلوم ہوتی تھی تو اس لئے اس کو منع فرما کر باقی ان سب صورتوں کا قلع و قمع کر دیا کہ جن میں ایسی ضرورت بھی نہیں ہوتی اور جو مال دیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ تھوڑا بھی ہوتا ہے تو فرمایا کہ) اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری عورت بدلنی چاہو۔ اور ایک کو تم نے ڈھیروں ڈھیر مال دیا ہوا ہو تو تم اس سے کچھ چیز بھی نہ لو۔

لَا تَعْضُلُوْا میں سخت ممانعت کی وجہ:

(اور اس کی سخت ممانعت بیان کرنے کے لئے پہلی وجہ تو یہ بیان فرمائی کہ) کیا تم اس کو بہتان اور کھلے کھلے گناہ کے طور پر لیتے ہو۔ (مطلب تو اس کا بالکل ظاہر تھا کہ جب کوئی چیز کسی سے مطالبہ کرتا ہے یا لیتا ہے۔ تو وہ اس کو اپنا حق یا کم از کم اپنے لئے اس کو جائز قرار دے کر لیا یا طلب کیا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں نہ اس کا یہ حق ہے اور نہ اس کے لئے جائز ہے۔ تو اس کا اپنا حق کہنا یا اپنے لئے جائز قرار دینا تو صاف صاف افتراء علی اللہ اور بہتان ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اس کا حق نہیں بلکہ وہ غیر کا مال ہے اور غیر کا مال دبانا تو گناہ بلکہ کبیر گناہ تھا ہی پر اس کو اپنے لئے جائز بلکہ اپنا حق قرار دینا تو بہت بڑا اور کھُلا کھُلا گناہ ہے۔

پر مفسرین نے بہتان کا مطلب نہ سمجھ کر یہ لکھا ہے کہ جب وہ کسی عورت کو ناپسند کرتے تو اس کو مال دینے پر مجبور کرنے کے لئے اس پر کوئی گندہ الزام لگایا جاتا تھا۔ اور یہاں پر وہی الزام مراد ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر اس کا یہ مطلب ہو تو پھر سوائے ایسا الزام لگانے کے لینا جائز ہوتا حالانکہ وہ عام طور پر ممنوع ہے اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ) کیا تم اس کو لیتے ہو۔ حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچے ہو (یعنی جس امر کے عوض میں تم نے یہ مال دیا تھا۔ وہ تو تم حاصل کر چکے ہو اور پھر واپس نہ تم نے وہ دیا ہے اور نہ تم اس کو واپس کر سکتے ہو تو اس صورت میں کس طرح وہ مال واپس لے سکتے ہو۔

اور تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ) اور انہوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہوا ہے (یعنی مہر کا دینا وغیرہ کا معاہدہ تم سے وہ لے چکی ہیں۔ اور یہ علیٰ سبیل التنزل ہے کیونکہ وہ تو عہد ہی نہیں بلکہ دے بھی چکے ہیں۔ لیکن اگر نہ بھی دیتے اور فقط عہد ہی ہوتا تو بھی شرافت اور ایمان بلکہ انسانیت کا ضروری تقاضا یہی ہے کہ عہد کو پورا کیا جائے۔ اور مفسرین میں سے بعض نے تو عورتوں کے عہد لینے سے خداوند تعالیٰ کا یہ عہد مراد لیا ہے کہ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[1]۔ (البقرۃ:230)

اور قتادہ وغیرہ سے یہی مروی ہے اور مجاہدؒ نے نکاح مراد لیا ہے اور چونکہ عورتوں

[1] پھر (یا تو) مناسب طور پر روک لینا ہوگا یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا ہوگا۔ (تفسیر صغیر)

کے حقوق کا ذکر تھا اور خصوصاً جہاد میں بہت سے رشتہ دار مارے جاتے ہیں۔ ان کی پس ماندہ عورتوں کی پرورش کے لئے رشتہ دار ان کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہیں اور پھر جس قدر قریب تر رشتہ ہوتا ہے اسی قدر اس کی پرورش کا زیادہ خیال ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد عورتوں کے نکاح کی حلت و حرمت کا ذکر فرمایا اور ان میں سے سب سے پہلے باپ کی منکوحہ عورتوں کا ذکر فرمایا کہ) تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو کہ جن کو تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو مگر وہ جو گذر چکا (یعنی ان کے نکاح کرنے سے تم الٰہی نافرمان اور مستحق سزا ٹھہروگے۔ مگر جو کہ اس ممانعت سے پہلے گذر چکا ہے اس سے نہ تم نافرمان ٹھہروگے اور نہ مستحق سزا ہوگے۔

مفسرین کے نزدیک مَا قَدْ سَلَفَ کے معانی:

اور مفسرین نے جن معنوں کو بہت پسند کیا ہے وہ یہ ہیں کہ مَا قَدْ سَلَفَ یہ معنے ہیں کہ جو گذر جائے یعنی مر جائے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو۔ مگر اس سے کر سکتے ہو جو کہ مر جائے۔ اور ظاہر ہے کہ مری ہوئی کے ساتھ تو نکاح محال ہے۔ تو اس سے یہ بتایا کہ کسی حالت میں نہ کر۔ لیکن یہ بہت بعید معنے ہیں۔ اس کے بعد اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ) یقیناً یہ بے حیائی اور غضب ہے اور کیا ہی بُرا طریق ہے۔

(امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ بُری کاموں کا قبح تین قسم پر ہوا کرتا ہے۔ عقلی۔ شرعی۔ عادی اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں خداوند تعالیٰ نے تین ہی قسم کے قبح بتائے ہیں۔ سو فَاحِشَةً کے ساتھ قبح عقلی بیان ہوا ہے اور مَقْتًا کے ساتھ شرعی اور سَآءَ سَبِيْلًا کے ساتھ قبح عادی ظاہر فرمایا ہے۔

(تفسیر القرآن جلد 5 نمبر 4 بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر 1910ء صفحہ 362 تا 400 مطبوعہ قادیان)

آیت 24 تا 26: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

اُمَّھَاتٌ۔ اُمٌّ کی جمع ہے، ماں۔ عَمَّاتٌ۔ جمع عَمَّۃٌ۔ پھپھی۔ خَالَاتٌ۔ جمع خَالَۃٌ۔

اَرْضَعْنَ۔ اِرْضَاعٌ سے ہے۔ دودھ پلانا۔

رَبَائِبُ۔ جمع رَبِیْبَۃٌ۔ بی بی کی وہ لڑکی جو کہ پہلے خاوند سے ہو۔

حُجُوْرٌ۔ حُجْرٌ کی جمع ہے۔ گود۔ حَلَائِلُ۔ جمع حَلِیْلَۃٌ۔ بی بی۔

مُحْصَنٰتٌ۔ مُحْصَنَۃٌ کی جمع ہے اور مُحْصَنَۃٌ۔ اِحْصَانٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو بچانے اور روکنے کے ہیں اور عام طور پر چار معنوں کے لئے آتا ہے اور قرآن مجید میں وہ چار ہی آئے ہیں۔ نمبر 1 سلام۔ نمبر 2 حریت۔ نمبر 3 عفت۔ نمبر 4 تزوج اور یہاں پر یہ اخیری معنے یعنی خاوند والی عورتیں۔

مُحْصِنِیْنَ۔ مُحْصِنٌ کی جمع ہے۔ مُسَافِحِیْنَ۔ مُسَافِحٌ کی جمع ہے جو کہ مُسَافَحَۃٌ سے ہے اور وہ سِفَاحٌ سے ہے جو بمعنے زنا ہے۔

اِسْتَمْتَعْتُمْ۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ہے جو بمعنے فائدہ اور نفع اٹھانے کے ہے۔

طَوْلٌ۔ کے اصل معنے فضل اور زیادتی کے ہیں اور بمعنے غناء اور طاقت کے استعمال ہوتا ہے۔ فَتَیَاتٌ۔ فِتْیَۃٌ کی جمع ہے جو ان عورت اور لونڈی۔

اَخْدَانٌ۔ خِدْنٌ کی جمع ہے بمعنے یار۔

عَنَتٌ۔ اصل میں ہڈی کے تندرست ہونے کے بعد ٹوٹنے کو اور پھر ہر ایک مشقت اور نقص پر بولتے ہیں جو کہ بعد صلاحیت کے ہو۔ اور اس کے معنے زنا اور گناہ کے بھی آئے ہیں۔

ترجمہ:

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ دیا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری وہ پچھ لگیں جو کہ تمہاری گود میں ہوں تمہاری ان عورتوں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔ سو اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو پھر تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہاری ان بیٹیوں کی بیبیاں

جو کہ تمہاری پیٹھ سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں میں جمع کرو۔ مگر وہ جو یقیناً گذر چکا۔ بے شک اللہ ہمیشہ مغفرت کرنے والا نیک بدلہ دینے والا ہے اور وہ عورتیں جو کہ خاوندوں والی ہوں بجز ان کے جن پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہو جائیں۔ اللہ کا نوشتہ (ہے) تم پر۔ (سو تم اس کا خیال رکھو) اور تمہارے لئے وہ حلال کیا گیا ہے جو کہ اس کے سوا ہے اگر تم اپنے مالوں کے ساتھ چاہو بچاؤ کرتے ہوئے نہ مستی نکالتے ہوئے سو تم ان میں سے جس کے ساتھ نفع اٹھاؤ تو ان کو ان کے اجر دے دو جو مقرر شدہ ہیں اور اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جس پر کہ مقرر کرنے کے بعد تم آپس میں راضی ہو گئے ہو۔ بے شک اللہ بہت علم والا حکمت والا ہے اور جو تم میں سے دولت مندی کے لحاظ سے اس کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ شریف مومنوں کو نکاح لے تو پھر تمہاری ان مومن لونڈیوں سے جن پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوں اور اللہ ہی تمہارے ایمانوں کو خوب جانتا ہے۔ تم ایک دوسرے سے ہو۔ سو ان کو نکاح لو ان کے لوگوں کے اذن سے اور تم ان کو ان کے اجر (مہر) دستور کے مطابق دو۔ بچاؤ کرتی ہوئیں نہ مستی نکالتی ہوئیں اور نہ یار پکڑتی ہوئیں۔ تو جب وہ خاوند والی ہو جائیں تو پھر اگر وہ بے حیائی لائیں تو ان پر اس کا نصف عذاب ہے جو کہ شریفوں پر ہے۔ یہ اس کے لئے ہے جو کہ تم میں سے تکلیف سے ڈرے اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا اور نیک بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

محرمات نکاح:

جب باپ کی منکوحہ کی حرمت بیان ہو گئی جس کو اس وجہ سے علیحدہ اور سب محرمات سے پہلے بیان فرمایا ہے کہ جن عورتوں کے قرب رشتہ کی وجہ سے پرورش کرنی چاہتے تھے اور ان میں سے جن کے ساتھ نکاح کر لیا کرتے تھے اور فی الحقیقت وہ قبیح اور برا ہوتا تھا ان سب کا اعلیٰ فرد یہی تھا۔ مثلاً حقیقی والدہ کی بھی پرورش قرابت کی وجہ سے کرتے تھے لیکن اس سے نکاح نہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح حقیقی بہن وغیرہ لیکن باپ کی وہ منکوحہ کہ جس

کے شکم سے وہ پیدا نہ ہوتے تھے تو قرابت کی وجہ سے پرورش تو ضروری خیال کرتے اور سوتیلا پن سے پرورش کر بھی نہ سکتے تھے تو پھر ان سے خود نکاح کر لیا کرتے تھے اور جیسا بیان ہوا ہے یہ عقلاً اور شرعاً اور عادۃً برا اور قبیح تھا لہٰذا اس کو علیحدہ اور سب سے پہلے بیان کیا اور جب وہ بیان ہو چکا تو اس کے بعد تکمیل کے طور پر باقی محرمات کو بیان فرمادیا اور ان سب کا بیان ظاہر ہے کسی مزید تفسیر کی ضرورت نہیں البتہ چند ایک باتیں یہاں پر تشریح طلب ہیں لہٰذا مفصل تفسیر کو چھوڑ کر ان کو یہاں پر بیان کر دیتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ[1] (النساء:23) میں یہ نزاع ہے کہ نکاح سے عقد نکاح مراد ہے یا جماع۔ شوافع نے چونکہ عقد نکاح لیا ہے اس لئے جہاں نکاح ہو خواہ اس کے ساتھ جماع ہو یا نہ ہو اس کو حرام کر دیتے ہیں اور جہاں عقد نہ ہو اور جماع بطور زنا ہو تو حنفی لوگ اس سے بھی حرمت ثابت کرتے ہیں اور شافعی لوگ اس سے حرمت ثابت نہیں کرتے اور اس کی بناء اسی پر ہے کہ وہ نکاح کو اس آیت میں بمعنے نکاح لیتے ہیں اور حنفی بمعنے جماع کہتے ہیں۔ لیکن باوجود جماع لینے کے پھر بھی جہاں پر خالی نکاح ہو اور جماع نہ ہوا ہو تو اس سے بھی حرمت لازم کرتے ہیں اور اس کو اجماع وغیرہ اور دلیلوں کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور پھر دونوں اس کے قائل ہیں کہ نکاح دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن میں بار بار بتا چکا ہوں کہ جہاں لفظ کے بہت معنے ہوں اور تعیین کا صریح قرینہ نہ ہو یا کسی ایک معنے کے مراد نہ ہونے کا کوئی مانع نہ ہو تو وہاں پر سب ہی معنے مراد ہوتے ہیں اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رضاع دودھ پینے کی مدت میں دودھ پینے سے ہوتی ہے اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ ایک دو چوسنیوں سے حرمت نہیں ہوتی۔

(مسلم کتاب الرضاعۃ باب فی المصۃ والمصتین حدیث نمبر 3590)

اور پھر حدیث میں آیا ہے کہ رضاع کے ساتھ وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو کہ نسب کے ساتھ ہوتے ہیں۔

(بخاری کتاب النکاح باب امھاتکم اللّٰتی ارضعنکم حدیث نمبر 5099)

[1] جنہیں تمہارے باپ دادے نکاح میں لا چکے ہوں۔ (تفسیر صغیر)

اور فقہاء نے اس کو ایک فارسی شعر میں ادا کیا ہوا ہے جس کے یاد رکھنے سے بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند
وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع [1]

اور اُمَّهَاتُ نِسَآءِ كُمْ میں نِسَآءٌ عام ہیں کہ ان کے ساتھ جماع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ سو جب ان سے نکاح ہو گیا تو پھر بہر حال ان کی مائیں اس پر حرام ہو جاتی ہیں جو کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرتا ہے اور سب آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن ماؤں کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی لڑکیاں تب ہی حرام ہوتی ہیں کہ ان کے ساتھ جماع بھی ہوا گر جماع نہ ہو تو پھر ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز ہوتا جیسا کہ وَرَبَآئِبُكُمْ الخ میں صاف مذکور ہے اور فِيْ حُجُوْرِ كُمْ کے گو یہ معنے ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہیں لیکن مطلب یہ ہے کہ تمہاری پرورش میں ہیں اور جس طرح جَمَعَ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ [2] نکاح اور جماع میں منع ہے اسی طرح حدیثوں میں آیا ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی میں بھی جمع کرنا اور خالہ اور بھانجی میں جمع کرنا بھی منع ہے۔

(بخاری کتاب النکاح باب لا تنکح المرأۃ علی عمتھا حدیث نمبر 5109)

اور فقہاء نے جمع کی ممانعت کے لئے ایک قاعدہ کلیہ بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو نسی دو عورتیں ایسی ہوں کہ ان میں سے جس کو مرد فرض کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان میں نکاح جائز نہ ہو سکتا ہو تو ان میں جمع کرنا منع ہے۔ مثلاً پھوپھی کو اگر مرد فرض کریں تو گویا وہ اپنی بھتیجی کے ساتھ نکاح کرنے والا ٹھہرے گا اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کریں تو وہ اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح کرنے والا ہو گا۔ سو ان میں جمع بھی منع ہو گا اور جو اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ کے بعد اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ آیا ہے اس کے معنے موت کے نہیں کئے گئے کیونکہ اس کے بعد اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا آیا ہے جس کے ساتھ حرمت کی تاکید موزوں نہیں جو کہ

[1] دودھ پلانے والی عورت کی طرف سے اس کے سب خاندان والے رشتہ دار بن جاتے ہیں اور دودھ پینے والے بچہ کی طرف سے وہ خود اور دونوں میاں بیوی اور ان کی اولادیں محرم رشتہ دار بنتی ہیں۔ (از مرتب)

[2] ۔ (نکاح میں) دو بہنوں کو اکٹھا کرنا۔ (از مرتب)

موت لینے سے لازم آتی ہے لہٰذا یہاں پر یہی معنے کئے گئے ہیں کہ اس حرمت کے نازل ہونے سے پہلے جو جَمَعَ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ ہوا ہو اس پر مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے باپ کی منکوحہ کی نسبت اس کے یہ معنے نہیں لئے گئے کہ جو اس سے پہلے ہو گیا ہے وہ باقی رکھا جائے یا جائز ہے اسی طرح یہاں پر بھی اس کے یہ معنے نہیں کہ جو جَمَعَ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اس سے پہلے ہو گیا ہو وہ جائز ہے اور اب بھی باقی رکھا جائے بلکہ دونوں جگہوں میں جو پہلے ہوا ہو وہ فسخ کیا جائے گا۔ چنانچہ حدیثو ں میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہوئے ہیں کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسے نکاح اور جمع کو فسخ کیا تھا جو کہ پہلے ہوئے تھے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی من اسلم... حدیث 2243)

اور استثناء فقط اس امر کی ہے کہ گناہ اور مؤاخذہ نہیں اور نہ کوئی ملامت ہے اور وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا یہ مطلب ہے کہ خاوند والی عورتیں حرام ہیں پر جو خاوند والی عورتیں جنگ میں قید ہو کر آجاویں اور تمہاری ملکیت میں آجاویں وہ گو خاوند والی ہیں پر وہ تم پر حرام نہیں۔

یہاں پر مفسرین کو ایک بڑی مشکل پیش آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حرمت تو نکاح کی بیان ہو رہی ہے اور اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ میں لونڈیوں کا ذکر ہے اور مفسرین کا بالاتفاق یہ مذہب ہے کہ اپنی لونڈیوں سے نکاح نہیں کیا جاتا بلکہ کہتے ہیں کہ ان سے مالک کا نکاح کرنا حرام ہے اور بے نکاح صحبت جائز ہے۔ لہٰذا ان کو لونڈیوں کا یہاں پر استثناء کرنا مشکل معلوم ہوا ہے۔ پر جو کہ لونڈیوں سے بھی نکاح ضروری خیال کرتے ہیں ان پر کوئی مشکل نہیں بلکہ یہ آیت ان کی تائید میں ہے۔

نکاح کے بغیر لونڈیوں سے جماع:

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر مفسرین کی طرح سوائے نکاح کے لونڈیوں سے ہم بستر ہونا جائز بھی مانا جائے تو بھی کوئی مشکل نہیں اس لئے کہ گو مالک ان سے نکاح نہیں کرتا پر غیر مالک تو دوسرے کی لونڈی سے نکاح کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں لونڈیوں کا یہی نکاح مستثنیٰ ہو اور نیز نکاح کی حرمت بھی تو جماع ہی کی وجہ سے لہٰذا حرمت نکاح سے

لونڈیوں کا جماع استثناء ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں آتی اور وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَاوَرَآءَ ذٰلِکُمۡ میں بعضوں کو یہ مشکل پیش آتی ہے۔ کہ جب وہ بعض ایسے رشتے دیکھتے ہیں جو کہ محرمات میں صراحۃً مذکور نہیں ہوئے۔ جیسے دادی۔ نانی۔ پوتی۔ نواسی۔ پھوپھی اور بھتیجی میں جمع کرنا وغیرہ اور پھر حدیثوں میں یا اور کتب شریعت میں ان کی حرمت سنتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ جب یہ پہلے مذکور نہیں تو پھر یہ مَاوَرَآءَ ذٰلِکُمۡ میں داخل ہوئیں اور مَاوَرَآءَ کا حکم حلت ہے پس یہ حرام کس طرح ہوئیں۔ لیکن یہ نادانی ہے اس لئے کہ یہ گو صراحۃً مذکور نہیں پر مذکورہ محرمات کے حکم میں ہیں اور اسی کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے اپنی حدیثوں میں ظاہر فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب لاتنکحوا المرأۃ علی عمتھا حدیث 5109)

پس وہ ماوراء میں ہر گز داخل نہیں ہیں۔ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ کے ساتھ مہر کی ضرورت بتائی ہے اور مُحۡصِنِیۡنَ اور مُحۡصَنَاتٌ کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس نکاح سے مردوں کا تو یہ منشاء ہو کہ ہمیشہ کے لئے ان کو اپنی نگرانی اور حفاظت میں لانے والے ہوں اور ان عورتوں کا بھی یہی قصد ہو کہ ہم ہمیشہ کے لئے ان کی نگرانی اور حفاظت میں قلعہ بند کی طرح بند رہیں گی۔ نادان لوگ اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ وہ عورتوں کو قید کرتا ہے پر جو قید دائمی اسلام نے مُحۡصِنِیۡنَ اور مُحۡصَنَاتٌ کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس کی پابندی عملاً سب اقوام کرتی ہیں اور فطرت انسانی ان کو اس پابندی پر مجبور کرتی ہے۔ کیا زبانی لفاظیوں کو چھوڑ کر کوئی قوم ہے جو کہ اپنی منکوحہ عورتوں کو اس بندش میں نہ رکھے اور آزاد کر دے۔ ہر گز نہیں۔ آریاؤں نے زبانی جمع خرچ تو بہت کچھ پیش کیا ہے پر عملی آزادی نہیں دے سکے۔

اور اس کے بعد غَیۡرَ مُسَافِحِیۡنَ اور غَیۡرَ مُسَافِحَاتٍ فرما کر بتایا ہے کہ اگر تم احصان کو مد نظر نہ رکھو گے تو پھر مستی نکالنے والے اور زانی ہو گے اور عورتوں میں علاوہ اس کے وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخۡدَانٍ فرما کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو دوسرے کی نگرانی میں اور بندش میں نہ کر دیں تو خواہ دائمی تعلق بھی رکھیں جیسا کہ یارانے میں ہوا کرتا ہے۔ تو بھی وہ

ممنوع اور زنا ہے اور مُحْصِنِيْنَ کے بعد یہاں پر وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔[1] (المائدہ:6) اس لئے نہیں فرمایا کہ مرد تو یارانہ میں یہی نگرانی اور حفاظت چاہتا ہے اور اس کی غیرت احصان ہی چاہتی ہے بخلاف عورتوں کے کہ باوجود یارانہ کے پھر بھی وہ احصان میں نہیں آتیں۔

آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہونے پر لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہونا:

اور وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ الخ میں چونکہ حرّہ کے نکاح کی طاقت نہ ہونی لونڈی کے نکاح کے لئے شرط کی گئی ہے اور پھر لونڈیوں کو مومنات کے ساتھ موصوف کیا گیا اور شرط اور صفت کے نہ ہونے سے حکم کا نہ ہونا لازم آتا ہے لہٰذا حرّہ کی طاقت ہوتے ہوئے لونڈی کا نکاح اور کتابیہ لونڈی کا نکاح مطلقاً منع ہونا چاہیے اور بعض لوگوں کا یہ مذہب بھی ہے۔ لیکن چونکہ اہل کتاب عورتوں کے نکاح کی اجازت آئی ہے اس لئے بہت سے اہل علم نے کتابیہ لونڈی کا نکاح تو جائز رکھا ہے پر حرہ کی طاقت رکھنے والے پر لونڈی کا نکاح حرام کیا ہے۔

اور شوافع کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک چونکہ شرط اور وصف کا نہ ہونا حکم کے خلاف کا مثبت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علم اصول میں مفصل مذکور ہے نیز اگر ثابت بھی ہو تو عام طور پر ثابت ہو گا کہ مباح نہیں اور مباح نہ ہونا عام ہے کہ مکروہ ہو یا حرام ہو اس لئے وہ حرام نہیں کہتے البتہ مکروہ کہتے ہیں اور فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ الخ میں لونڈیوں کی سزا کا بیان ہے اور چونکہ خاوند والی شریف عورتوں کی سزا زنا رجم ہے اور اس کا نصف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اَلْمُحْصَنٰتُ سے یہاں پر شریف کنواری عورتیں مراد ہیں جن کو سو درہ لگایا جاتا ہے اور ان کی سزا کا نصف ہو سکتا ہے۔

[1] اور نہ (ہی) پوشیدہ دوست بنا کر۔ (تفسیر صغیر)

آیت 27 تا 34: يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔ وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا۔

تشریح الفاظ:

سُنَنٌ۔ سُنَّۃٌ کی جمع ہے طریقہ۔

تَرَاضٌ۔ آپس میں رضامندی۔

عُدْوَانٌ۔ حد سے بہت تجاوز کرنا۔

نُصْلِیْ۔ صَلٰی سے ہے داخل کرنا۔

مُدْخَلٌ۔ داخل کرنا یا داخل کرنے کی جگہ یا وقت۔

مَوَالِیُ۔مَوْلیٰ کی جمع ہے جس کے بہت سے معنے بیان ہوئے ہیں اور یہاں پر صاحب۔ وارث۔ مورث کے معنوں میں لیا گیا ہے۔

عَقَدَتْ۔عَقْدٌ سے ہے گرہ دینا اور کسی معاملہ کا اس میں ایجاب و قبول کرنا۔

ترجمہ:

اللہ چاہتا ہے (حلال و حرام کا نازل کرنا) تا کہ تمہارے لئے بیان کر دے اور تم کو ان کی راہیں دکھا دے جو کہ تم سے پہلے تھے اور (رحمت کے ساتھ) تم پر رجوع لائے اور اللہ بہت جاننے والا بہت حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ (رحمت کے ساتھ) تم پر رجوع کرے اور وہ لوگ چاہتے ہیں جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں کہ تم بڑے جھک جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ ہاں اے وے لوگوں !جو ایمان لائے ہیں تم اپنے (لوگوں کے) مالوں کو باطل کے ساتھ اپنے درمیان نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے سودا ہو۔ اور تم اپنی جانوں کو نہ قتل کرو۔ یقیناً اللہ تم پر رحیم (نیک بدلہ دینے والا) ہے اور جو کوئی حد سے بڑھنے اور ظلم سے یہ کرے گا تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے اور اللہ پر یہ آسان ہے۔ اگر تم ان کے کبیروں سے کنارہ کرو گے جن سے تم منع کئے جاتے ہو تو ہم تم سے تمہاری بدیاں دور کر دیں گے اور تم کو معزز جگہ میں داخل کریں گے اور تم اس کی آرزو نہ کرو کہ جس کے ساتھ اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کیلئے اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے اور اللہ سے اس کے فضل سے کچھ مانگو۔ یقیناً اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کے لئے۔ ہم نے حقدار (یا وارث) بنائے ہیں اس سے جو کہ والدین اور اقرباء نے چھوڑا ہو اور جو لوگ کہ تمہارے دہنے ہاتھوں نے (ان سے عہد) باندھے ہیں تو تم ان کو ان کے حصے دے دو۔ یقیناً اللہ ہر ایک چیز پر نگران ہے۔

تفسیر:

جب تقریب جہاد پر بہت سے احکام نازل ہوئے اور خصوصاً وراثت اور نکاح کے

احکام اور محرمات کا بیان ہوا اور علاوہ اور قوموں کے خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب اور پھر بالخصوص یہود ایسے احکام پر کئی قسم کے اعتراض کیا کرتے تھے چنانچہ عام طور پر کہتے تھے کہ جب تم قائل ہو کہ توریت ہدایت اور نور اور اسی طرح اور کتب الٰہیہ بھی تو پھر اور کتاب اور شریعت کی کیا ضرورت پڑی تھی اور کبھی کہتے کہ دعویٰ تو کرتے ہو کہ ہم دین ابراہیمؑ پر ہیں حالانکہ دین ابراہیمؑ میں تو یہ حکم اس کے خلاف یوں آیا ہے اور کبھی کہتے کہ تم نے اپنی آسانی اور آسائش کے لئے فلاں حکم کو فلاں تغیر دے کر نرم کر لیا ہے اور کبھی کہتے کہ خداوند تعالیٰ کو ایسے سخت حکم نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی توریت وغیرہ میں تو یہ حکم اس طرح نرم تھا اور تم نے فلاں وجہ سے اس کو ایسا سخت بنا دیا ہے۔ تو ان کے ان سب اعتراضوں کو رفع کرنے کیلئے فرمایا کہ اللہ چاہتا ہے کہ (احکام کو نازل کرے) تا کہ تمہارے لئے بیان کرے (یعنی پہلی کتابیں بوجہ تحریف وغیرہ کے چونکہ قابل اعتبار نہیں رہیں اور تصدیق کی محتاج ہیں۔

لہٰذا ہم اس کتاب میں ان احکام کو اصلی صورت پر نازل کرنا چاہتے ہیں تا کہ تمہارے لئے حق بیان ہو جائے اور پھر فرمایا) اور تا کہ دکھائے تم کو ان کے طریقے جو کہ تم سے پہلے ہوئے ہیں۔ (یعنی جس کو یہ لوگ پہلوں کا طریقہ بتا کر بیان کرتے ہیں۔ وہ پہلوں کا طریقہ نہیں بلکہ ان کا طریقہ وہ ہوتا ہے کہ جس کو ہم تم پر نازل کرتے ہیں اور پھر فرمایا) اور کہ وہ تم پر رحمت کے ساتھ رجوع کرے۔ (یعنی اس رہبانیت وغیرہ تشدد سے چھوڑا دے جس کو خداوند تعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ از خود ایجاد کیا ہوا ہے اور اس کی نسبت خیال کیا ہوا ہے کہ یہی ایک ذریعہ اس کا ہے اور خداوند تعالیٰ کی جو رحمت خاص تم پر ہے وہ چاہتی ہے کہ بجائے اس کے آسان طریق کے ساتھ تم اپنے معبود تک پہنچ سکو اور اس کے بعد یہ فرما کر کہ اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (اس سہل طریق کا مفید اور ان کے خود ایجاد مشکل طریق کا غیر مفید ہونا بیان فرمایا ہے۔ لیکن اس سہل طریق اور اہل کتاب کی خود تراشیدہ سہولتوں کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے فرمایا

کہ) اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ رجوع کرے اور جو لوگ شہوات کی اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (حق سے) بہت بڑے جھک جاؤ۔

یعنی ان کی سہولت تو اتباع شہوات پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سہولت دینی رحمت کی بنا پر ہے اور پھر اس توبہ مذکور کا مطلب بتانے اور سہولت مذکورہ کی وجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے (یہ تو توبہ کا مطلب ہے) اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ (یہ اس تخفیف کی وجہ ہے اور جب یتامیٰ اور عورتوں کے حقوق کی نگاہ داشت کے احکام اور شہوت فرج کے احکام بیان ہو گئے تو اب شہوت بطن کے متعلق وہ حقوق بیان فرماتا ہے جن میں حق والا یتیموں اور عورتوں کی طرح ضعیف اور ناتواں نہیں ہے۔

نیز چونکہ جہاد کے مواقع پر عموماً قمار بازی وغیرہ ناجائز ذرائعہ کے ساتھ جنگ کا خرچ مہیا کیا جاتا تھا تو اس کو بھی باطل اور ممنوع ٹھہرانے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہیں تم اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریق سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو جو کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر رحیم (تم کو اچھا بدلہ دینے والا) ہے اور جو کوئی اس کو حد سے گذرنے اور ظلم سے کرے گا تو ہم اسی آگ میں داخل کریں گے اور اللہ پر یہ آسان ہے۔

ناجائز مال کھانے سے مراد:

لَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:30) کے دو معنے ہو سکتے ہیں اور دونوں مراد اور ٹھیک ہیں ایک یہ کہ دوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے نہ لو۔ دوم یہ کہ اپنے مالوں کو ناجائز صورتوں سے ضائع نہ کرو اور جہاد کے موزوں یہی ہے کہ قمار بازی سے نہ اپنا مال ضائع کرو اور نہ دوسروں کا مال لو ہاں فریقین کی رضامندی سے تجارت ہو تو پھر درست ہے۔

مفسرین کے نزدیک لَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ کے مختلف معانی:

اور لَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء:30) کے بھی مفسرین نے بہت سے معنے کئے ہیں۔

ایک۔ یہ کہ خودکشی غضب وغیرہ سے نہ کرو۔
دوم۔ یہ کہ اپنے لوگوں کو ناحق نہ قتل کرو کیونکہ ان کا قتل کرنا گویا اپنا ہی قتل کرنا ہے۔
سوم۔ یہ کہ گناہوں سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔
چہارم۔ یہ کہ اپنے سے زور آور سے لڑ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔
پنجم۔ یہ کہ دشمن کے ملک میں تجارت کے لئے جا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔
پر اصل یہ ہے کہ یہاں پر دو ہی معنے ہیں اور وہ دونوں ٹھیک ہیں۔ یعنی دوسرے کو ناحق مارنا یا اپنے آپ کو کسی طرح کی ہلاکت میں ڈال دینا اور مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ الخ میں پہلے سب منہیات آ گئے اور ان منہیات کے ارتکاب پر دخول نار کی سزا بتائی گئی اور سب لوگ سب منہیات سے نہیں بچ سکتے تو ان کی تسلی اور عام قاعدہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) اگر تم ان امور میں سے بڑوں سے اجتناب کرو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمہاری بدیوں کو مٹا دیں گے اور ہم تم کو معزز جگہ میں داخل کریں گے۔ (صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "پانچ نمازیں ان بدیوں کو مٹا دیتی ہیں جو ان کے درمیان ہوتی ہیں جب کہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔"
(صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ... حدیث 550)

اور بعض نادانوں نے اپنی نادانی سے اس حدیث کو اس آیت کے مخالف خیال کیا ہے کہ جب نمازوں نے ان بدیوں کو مٹا دیا تو پھر کوئی اور کس طرح ان کو مٹائے گا اور انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ آیت میں یہ تو نہیں آیا کہ نمازوں کے سوا کوئی اور مٹائے گا بلکہ یہ آیا ہے کہ ہم مٹائیں گے عام اس سے بلا واسطہ ہو یا نماز کے واسطہ سے یا کسی اور امر کے واسطہ سے ہو اور حدیث نے بتا دیا کہ نماز بھی ایک واسطہ ہے۔ پر جب نماز پڑھے گا پر وہ اخلاص اور خشوع اور حضور وغیرہ کے کم ہونے سے مٹانے کے قابل نہ ہو گی تو خداوند تعالیٰ کسی اور نیک عمل سے یا استغفار سے یا محض اپنے فضل و کرم سے مٹا دے گا)۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق:

دوسری بات یہاں پر یہ جان لینی چاہیے کہ یہاں پر علماء متقدمین کا ایک نزاع تو یہ ہوا

ہے کہ گناہ صغیرہ بھی ہوتا ہے یا کہ سب کبیرہ ہی گناہ ہیں۔ سو بعض نے تو یہ کہا ہے کہ سب کبائر ہیں اور صغیرہ کوئی نہیں۔ چنانچہ استاذ ابو اسحاق اسرامینی۔ قاضی ابو بکر باقلانی۔ امام الحرمین اور بہت سے اشاعرہ اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن محققین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ معصیۃ اللہ کے صغیرہ نام رکھنے سے ڈرتے ہیں۔ ورنہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ سب گناہ برابر نہیں بلکہ کچھ بڑے اور کچھ کم درجہ کے ہیں اور ان کو صغیرہ ان سے کم درجہ ہونے کے باعث سے کہا جاتا ہے۔ نہ معصیۃ اللہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرا نزاع یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کون سے ہیں اور وہ کس قدر ہیں۔ تو کسی نے کہا کہ کبیرہ وہ ہے جس پر سخت وعید ہو۔ کسی نے کہا کہ جس پر حد مقرر ہو کسی نے کہا کہ جس کو شارع نے حرام کیا ہو یا اس پر حد مقرر فرمائی ہو۔ کسی نے کہا کہ جس کا کرنے والا دین سے لاپرواثابت ہو۔ کسی نے کہا جس پر وعید یا حد ہو۔ واحدی نے کہا ہے کہ اس کی تعریف خداوند تعالیٰ نے بندوں سے مخفی رکھی ہے تاکہ صغیروں پر لوگ دلیر نہ ہو جاویں۔

پھر بعض نے کہا ہے کہ وہ سات ہیں اور وہ نمبر 1 شرک باللہ۔ نمبر 2 سحر۔ نمبر 3 قتل ناحق۔ نمبر 4 یتیم کا مال کھانا۔ نمبر 5 سود خوری۔ نمبر 6 جنگ سے بھاگنا۔ نمبر 7 پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا اور بعض روایتوں میں عقوق والدین اور جھوٹی قسم اور بعض نے نو (9) کہا ہے اور بعض نے دس (10) اور بعض نے چودہ (14) اور بعض نے ستر (70) اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ سات سو (700) کے قریب ہیں اور ان کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ کبائر وہ ہیں جو کہ اس سورۃ کے ابتداء میں مذکور ہوئے ہیں تو اس نزاع سے اس قدر تو ثابت ہو گیا کہ نہ مذکورہ بالا تعریفیں یقینی ہیں اور نہ ان کی تعداد شارع سے منقول ہے۔

سو واضح ہو کہ اصل بات بہت آسان اور واضح ہے وہ یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہوتے ہیں کہ ابتداء اور وسط میں ہوتے ہیں اور اس بدی کا سلسلہ ان پر ختم نہیں ہوتا بلکہ آگے چلتا ہے اور ایک وہ ہوتے ہیں کہ اخیر میں ہوتے ہیں اور اس بدی کا سلسلہ

ان پر ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً زنا اور چوری اور راہ زنی کچھ بدئیں تو ان تینوں سلسلوں کے ابتداء اور وسط میں ہوتی ہیں۔ جیسے بد نظری غیر محرم کی طرف اور باتیں اور اس کی طرف اس بد ارادہ سے چلنا اور چھونا وغیرہ اور کچھ انتہاء میں ہوتے ہیں کہ جن پر یہ تینوں سلسلے ختم ہو جاتے ہیں جیسا زنا کا فعل کہ اس پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ تو ابتدائی اور درمیانی بدیوں کو صغائر اور انتہائی بدیوں کو کہ جن پر بدی ختم ہو جاتی ہے کبائر کہتے ہیں۔ کیونکہ صغائر ان کبائر کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ نہ اصل مقصود اور کبائر اصل مقصود ہوتے ہیں اور اس تعریف کے ساتھ سب کبائر کی شناخت بڑی آسانی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

اور سَیِّاٰتٌ کا لفظ گو چھوٹے اور بڑے سب گناہوں پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن یہاں پر چونکہ کبائر کے مقابل آیا ہے اس لئے اس سے کبائر کے سوا مراد ہے اور مُدْخَلًا کَرِیْمًا سے جنت مراد ہے اور یہ اس قرب الٰہی اور فضل کے مقام کو بھی شامل ہے جو کہ متقی کو اس دنیا میں نصیب ہوتا ہے جس کو دنیوی جنت کہا جاتا ہے اور چونکہ اس سورۃ میں پہلے یتیموں کی ولایت کا حق مردوں کو دیا گیا ہے اور کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ عورتیں چونکہ رقیق القلب اور بہت رحم والی ہوتی ہیں اگر وہ یتیموں کی والی مقرر ہوتیں تو وہ سختیاں پیش ہی نہ آتیں جن سے بعد میں مردوں کو منع کیا گیا ہے۔

وراثت کا بیان:

پھر وراثت کا بیان ہوا اور اس میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ[1] (النساء:12) اور پھر خاوند کو نصف یا ربع اور بی بی کو ربع یا ثمن وغیرہ حصص کا دینا بیان فرمایا ہے اور عورتوں کی طرف سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ مرد تو تجارت وغیرہ کے ساتھ بھی کماتے ہیں اور غنیمت بھی لیتے ہیں اور پھر وراثت میں بھی انہی کو زیادہ ملا ہے اور پھر نکاح کا ذکر ہوا ہے اور اس پر بھی کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ مردوں کے لئے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ[2] (النساء:4) فرما

[1] ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] تو جو (صورت) تمہیں پسند ہو (کر لو، یعنی) (غیر یتیم) عورتوں میں سے دو دو (سے) اور تین تین (سے) اور چار چار سے نکاح کر لو۔ (تفسیر صغیر)

دیا ہے اور عورتوں کے حق کا لحاظ نہیں کیا۔ نیز یہاں پر بیبیوں کے حقوق کی نگہداشت کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور اس زمانہ میں گو عورتوں پر بہت ظلم کیا جاتا لیکن اسلام نے جب ان کے حقوق کی سخت تاکید فرمائی اور آئندہ چل کر وہ زمانہ آنے والا تھا کہ عورتوں میں بھی آزادی کے خیال پیدا ہوں اور یہ خیال کرنے لگیں کہ جیسے مردوں کے کچھ حقوق ہم پر ہیں اسی طرح ہمارے بھی بہت سے حقوق مردوں پر ہیں تو جب کتاب اللہ میں یہ مساوات ہے تو پھر مرد ہم پر کیوں فوقیت رکھتے ہیں اور کیوں ہم ان کے حکم اور ہاتھ کے ماتحت رہیں تو ان سب کو رفع کرنے کے لئے خدواند تعالیٰ نے فرمایا کہ) تم اس کی آرزو نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ (یعنی اللہ نے بے وجہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی بلکہ ان میں کوئی فضیلت اور ترجیح کی وجہ ضرور ہوتی ہے اور وہ وجہ چونکہ محض فضل الٰہی سے ان کو ملی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس میں دوسرا کوئی اپنا استحقاق نہیں رکھتا تاکہ اس کے خلاف کرنے سے حق تلفی ہو جائے ہاں استحقاق ہوتا ہے کمائی ہوئی چیزوں میں جیسا مردوں کے لئے اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی اس سے حصہ ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔

دو قسم کے فضل:

ہاں فضل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہوتے ہیں کہ اب بجز تمنا کے اور کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا وقت اب نہیں ہے جیسا کہ عورت چاہے کہ کاش میں مرد ہوتی اس کی تمنا کرنی ہی منع اور لغو ہے۔ دوم وہ کہ ابھی ان کا وقت ہے اور وہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان میں بھی تمنا سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا بلکہ ان کی نسبت فائدہ اس میں ہے کہ) تم اللہ سے اس کے فضل سے کچھ مانگو بے شک اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (سو اگر وہ تمہاری دعاؤں میں استجابت کا اثر اور تم میں اس فضل کی قابلیت دیکھے گا تو تم پر بھی فضل کرے گا۔ حدیثوں میں بھی ایسی آرزو سے منع کیا گیا ہے اور بہت سے لوگ ہوتے ہیں کہ ایسے خیالی پلاؤں میں ان کا بہت سا وقت ضائع ہوتا ہے۔ انسان کو جب

ایسا خیال آئے تو اس وقت اس سے لا حول پڑھنا چاہیے اور مذکورہ تینوں خیالوں کے خلاف ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہر ایک کے لئے (خواہ مورث ہو۔ یا یتیم ہو۔ یا عورت ہو) ہم نے والی بنائے ہیں۔ اس (مال اور یتیموں اور عورتوں) سے جس کو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ تو جب مال کے والی خداوند تعالیٰ نے مذکورہ وارثوں کو بنایا ہے اور یتیموں کے والی بھی اس نے مقرر فرمائے ہیں۔

اور عورتوں کے والی بھی خداوند تعالیٰ نے مرد بنائے ہیں جس طرح کہ نکاح سے پہلے ان کے والدین یا دوسرے اقرباء والی تھے تو اب تم کو اس پر اعتراض کا حق جیسا اس وجہ سے نہیں کہ علیم و حکیم اللہ نے جو جو حکم دیا ہے وہ ضرور حکمت پر مبنی ہے اور اس کی بات پر نادان انسان نکتہ چینی کا استحقاق نہیں ہے۔ ایسا ہی اس وجہ سے بھی نہیں کہ ولایت کوئی ذاتی اور استحقاقی یا خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ نے بنائی ہے ہاں جو ولایت کہ تم نے خود مقرر کی ہو اس میں اگر کچھ تغیر ہوتا تو چوں و چرا کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ پر یہ بتانے کے لئے کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا فرمایا کہ) جو لوگ کہ تمہارے دہنے ہاتھوں نے (ان کے ساتھ موالات کا) عقد کیا ہے سو تم ان کو ان کا حصہ دو۔

(موالات کے معنے دوستی کے ہیں اور عرب لوگ بعض کے ساتھ ایسا دوستانہ کیا کرتے تھے کہ ان کا آپس میں معاہدہ ہوتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے وارث اور اس کے حقوق اور تاوانوں کے ذمہ وار ہوں گے اور مفسرین نے عام طور پر یہی لکھا ہے کہ آیت وراثت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ اب بھی اگر کوئی ایسا معاہدہ کرے اور وہ لاوارث ہو تو جس سے معاہدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اپنے وارثوں کو چھوڑ کر اجنبی کو کون سارا ترکہ دیتا ہے اور وارث نہ ہووے تب تو وہ وارث ہی ہے پر اگر وارث بھی ہوں تو اس کے لئے ثلث تک تو اس کی وصیت بھی جاری ہو سکتی ہے اور زائد کی صورت میں بھی ثلث ہی تک دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کا حصہ دینے کی ضرورت بتانے کے لئے فرمایا کہ) بے شک اللہ ہر ایک چیز پر شاہد ہے۔ (تو تمہارے معاہدے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دینے اور نہ دینے کو بھی خوب جانتا ہے۔)

آیت 35 تا 43: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۔ ۙالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۔ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۔

تشریح الفاظ:

قَوَّامُوْنَ۔ قَوَّامٌ کی جمع ہے اور وہ قَائِمٌ کا مبالغہ ہے۔

نُشُوْزٌ۔ نَشْزٌ سے ہے جس کے اصلی معنے بلند مکان اور بلندی کے ہیں اور عورت کی نافرمانی اور اس کے بھاگنے کو۔ اسی وجہ سے نشوز کہتے ہیں کہ وہ یہی رفعت اور تعلّی اختیار کرتی ہے۔

عِظُوْا۔ وَعْظٌ سے ہے۔ اُهْجُرُوْا۔ هِجْرَةٌ سے ہے چھوڑنا اور دھونا۔

مَضَاجِعُ۔ مَضْجَعٌ کی جمع ہے۔ لیٹنے کی جگہ۔

فَلَا تَبْغُوْا۔ بَغْيٌ سے ہے بمعنے چاہنے اور طلب کرنے کے یا ظلم اور سرکشی کرنے کے۔

شِقَاقٌ۔ اختلاف شق بمعنے جانب سے بنایا ہوا ہے کیونکہ ہر ایک مخالف ایک جانب میں ہوتا ہے۔ حَكَمٌ۔ فیصلہ کرنے والا۔ جَارٌ۔ جوار سے ہے پڑوس۔

قُرْبٰى۔ رشتہ دار اور قرب یا قریب۔ جُنُبٌ۔ جَنَابَةٌ سے ہے بمعنے بعد اور دوری کے۔

جَنْبٌ۔ پہلو۔ مُخْتَالٌ۔ اِخْتِيَالٌ سے ہے تکبر اور فخر کرنا۔

فَخُوْرٌ۔ بہت فخر کرنے والا۔ مَاذَا۔ دو کلموں سے مرکب ہے۔ مَا اور ذَا سے اور ان کے معنوں میں بہت وجوہات بیان کی گئی ہیں اور عمدہ یہی ہے کہ ان کے معنے مَا الَّذِیْ کے ہیں۔

مِثْقَالٌ۔ ثِقْلٌ سے ہے آلہ ثقل کا یعنی جس کے ساتھ ثقل دریافت کیا جاتا ہے اور ایک خاص مقدار کا بھی نام ہے چوبیس قیراط کا ایک مثقال ہوتا ہے اور یہاں بمعنے مطلق مقدار کے ہے اور ذَرَّةٌ۔ باریک سرخ چیونٹیوں کو کہتے ہیں۔

لَدُنْ۔ پاس۔ يَوْمَئِذٍ۔ لفظ يَوْمٌ اور اِذْ سے مرکب ہے۔

ترجمہ:

مرد عورتوں پر قابو رکھنے والے ہیں اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ انہوں نے اپنے مالوں سے صرف کیا ہے۔ سو سنوار والی عورتیں فرمانبردار غیب کے لئے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ بسبب اللہ کی حفاظت کرنے کے اور جو عورتیں کہ تم ان کی نافرمانی سے ڈرتے ہو سو تم ان کو وعظ کرو اور بستروں میں ان سے جدا ہو

اور ان کو مارو تو اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو پھر تم ان پر راہ نہ چاہو (یا تم ان پر کسی طریق سے ظلم نہ کرو) اللہ بے شک بڑا بلند ہے اور اگر تم ان کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک فیصلہ کرنے والا اس (مرد) کے لوگوں سے اٹھاؤ اور ایک فیصلہ کرنے والا اس (عورت) کے لوگوں سے۔ اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت کر دے گا۔ اللہ یقیناً خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار (یا قرب والے) پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پہلو کے ساتھ والے مسافر سے اور اس سے جس پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں۔ اللہ بے شک اس کو پسند نہیں فرماتا جو کہ متکبر بہت فخر کرنے والا ہو۔ جو کہ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں جو کہ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اور جو کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ پیچھے آنے والے دن پر اور جس کا شیطان ساتھی ہو سو وہ کیا ہی برا ساتھی ہے اور ان پر کیا ہوتا اگر وہ اللہ پر اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے اور کچھ اس سے صرف کرتے جو کہ اللہ نے ان کو نصیب کیا تھا اور اللہ ان کو خوب جاننے والا ہے۔ اللہ یقیناً ذرہ کی مقدار بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اگر بھلائی ہو تو اس کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا اجر دیتا ہے (اور دے گا) سو کیا حالت ہو گی جبکہ ہم ہر ایک امت سے کوئی گواہ لائیں گے اور تجھ کو ہم ان پر گواہ لائیں گے۔ اس دن وہ لوگ پسند کریں گے جو کافر بنے ہیں اور انہوں نے رسول کی نافرمانی کی ہے کہ کاش کہ زمین ان کے ساتھ برابر کی جاتی اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

تفسیر:

جس طرح وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ الخ[1] (النساء: 34) کے ساتھ ان تینوں خیالوں کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن صراحۃً ترکہ کی نسبت اور یتیموں اور حقوق کی نسبت ضمناً اور پھر

[1] اور ہر ایک (شخص) کے لئے ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ (از مرتب)

ایسا خیال نہ کرنے کی وجہ بتائی ہے اسی طرح اب پھر ان تینوں کے خلاف ظاہر فرمانے اور صراحۃً عورتوں کے حقوق کی نسبت اور دوسروں کی نسبت ضمناً بیان کرنے اور ایک اور بڑی قوی اور بین وجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) مرد عورتوں پر بہت قائم رہنے والے ہیں۔ (یعنی ان کی حفاظت اور پرورش کرنے والے اور رعیت کی طرح ان کو اپنی رعائیت اور ولایت کے نیچے رکھنے والے ہیں ایک تو) اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے (یعنی مرد کی بناوٹ اور قویٰ اور اس کی طبیعت کو خداوند تعالیٰ نے ایسا ہی بنایا ہے کہ وہ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ[1] ہو سکے اور فطرۃً اس کو ضرور ہی کرے اور عورتوں کی بناوٹ اور قویٰ اور طبیعت ہی ایسی رکھی ہے کہ ان کے لئے قوام کی ضرورت ہے اور بدوں اس کے ان کا گذارہ اچھی طرح ہو سکتا ہی نہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف مَا تَرَكَ الخ میں اشارہ کیا تھا یعنی یہ عورتیں تو خاوندوں کے پاس آنے سے پہلے بھی تو مردوں ہی کی ولایت میں تھیں۔ سو جس طرح پہلے یہ اس کی محتاج تھیں اسی طرح اب بھی اس کی محتاج ہیں اور جس طرح والدین اور اقرباء ان کی نسبت غیرت اور ان کی ولایت اور پرورش کی کشش اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسی طرح خاوند بھی رکھتے ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر اور دوم) اس سبب سے کہ انہوں نے اپنے مالوں سے صرف کیا ہے (یعنی مال صرف کرنے کے باعث سے بھی عورتوں کی رعایت اور نگہداشت کرتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ ہندو لوگ چونکہ شادیوں پر بہت سا روپیہ صرف کر دیتے ہیں اس لئے وہ حد سے زیادہ ان کی رعایت کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات رعایت غیرت پر بھی غالب آجاتی ہے اور اس مال صرف کرنے سے ان کو اس ولایت کا حق بھی حاصل ہے۔ سو جب مردوں کو یہ حق بھی حاصل ہے اور ان میں قابلیت اور اقتضاء بھی موجود ہے لہٰذا فرمایا کہ) سو صالحہ عورتیں جو فرمانبردار ہوں (اللہ کی اور خاوندوں کی اور) غیب کے لئے حفاظت کرنے والی ہوں۔ (یعنی جس طرح مرد کے سامنے کوئی ایسا امر نہیں کرتیں جو کہ مرد کی غیرت اور خواہش کے خلاف ہو اسی طرح غیب ہونے کی حالت میں بھی وہ ایسا

[1] عورتوں پر قابو رکھنے والا۔ (از مرتب)

ہی کرتی ہیں۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ یہ حفاظت تب حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ الٰہی حفاظت ان کے شامل حال ہو فرمایا کہ) اللہ کی حفاظت کے ساتھ (یعنی جو غیب کی حفاظت چاہتی ہیں وہ اللہ سے حفاظت مانگیں اور عام طور پر ایسی متقی بن جائیں کہ جن کا محافظ خود خداوند تعالیٰ ہو جاتا ہے کیونکہ بدکار اس کی حفاظت کا حقدار نہیں ہوتا۔

بیوی کی اصلاح کا طریق:

لیکن باوجود اس کے اگر کوئی نافرمان ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ تو اس کا علاج بتایا کہ) وہ عورتیں کہ تم ان کی نافرمانی سے ڈرتے ہو سو تم ان کو وعظ کرو (تو اس وعظ و نصیحت سے اگر وہ اصلاح نہ کریں اور خوف ہو کہ آخر یہ نافرمان ہی ہو جائیں گی تو پھر) ان کو سونے کی جگہوں میں جدا (اور دور) کر دو (یعنی اظہار رنج کے لئے کچھ دن ان کے ساتھ نہ سو۔ تو اگر اس سے بھی اصلاح نہ ہو) تو پھر تم ان کو مارو (لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ مار مُبَرِّح نہ ہو۔

(سنن الترمذی ابواب الرضاعۃ باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا حدیث 1163)

اور مُبَرِّحٌ اس مار کو کہتے ہیں کہ جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو یا زخم ہو یا ہڈی ٹوٹ جائے اور ہمارے مولوی صاحبان کی واؤ ترتیب کے لئے مفید نہیں ہوتی پر یہ کلام الٰہی کی واؤ ہے اس لئے یہ جائز نہیں کہ پہلی دفعہ ہی مارنا شروع کیا جائے اس کے بعد فرمایا کہ) اگر وہ تمہاری فرمانبردار ہو جاویں تو ان پر تم کوئی اور راہ نہ چاہو (یعنی غرض حاصل ہو گئی لہٰذا اب نہ ان طریقوں کو جاری رکھو اور نہ کوئی طریق استعمال کرو بلکہ ان سے نیک سلوک کرو ہاں اگر وہ فرمانبردار نہ ہوں) اور اگر تم (اصلاح چاہنے والے لوگ خواہ وہ حکام ہوں یا جو زوجین کے رشتہ دار ہوں یا خود زوجین ہوں) ان دونوں کے درمیان کے اختلاف سے ڈرو تو ایک حکم مرد کے لوگوں سے بھیجو اور ایک اس عورت کے لوگوں سے (تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ) اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو ان کے درمیان موافقت کر دے گا (لیکن ان کا زبانی اظہار ارادہ اصلاح کا کام نہیں دے گا اس لئے کہ) اللہ علیم و خبیر ہے۔ (اور چونکہ اصل غرض انسان کی پیدائش سے عبادت اللہ ہے اور توحید اس کی مؤید اور شرک اس کے منافی ہے اس لئے مختلف راہوں سے خداوند تعالیٰ عبادت اور توحید کی طرف بلاتا ہے اور شرک سے نفرت دلاتا ہے۔

چونکہ ظاہر ہے کہ نیک انسان کو خداوند تعالیٰ ایسے ذلیل کن امور میں اوّل تو مبتلا نہیں کرتا اور اگر کوئی پیش آ ہی گیا تو اس کی دعائیں کام کر ہی جاتی ہیں نیز جب عورت جانتی ہے کہ میرا خاوند حقیقت میں نیک ہے تو اس کا وعظ بھی اس پر ضرور موثر ہوتا ہے اور اگر وہ جانتی ہے کہ یہ بدکار ہے تو پھر اس کا وعظ کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

چنانچہ انہی باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مذکورہ اشارہ کے بعد فرمایا کہ) اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ (اور ظاہر ہے کہ عموماً بی بی خاوند کے بگاڑ کے باعث دوسرے رشتہ دار اور پڑوسی وغیرھم ہوا کرتے ہیں اور اسی طرح ان کی اصلاح میں بھی عموماً رشتہ داروں اور پڑوسیوں وغیرھم کو بڑا دخل ہوا کرتا ہے اور اسی طرح بعض وقت اپنی دعاؤں سے اگر کام نہیں چلتا تو دوسروں کی دعاؤں سے اصلاح ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو انسان دوسروں کو کھانا کھلاتا ہو اور ان کو معلوم ہو جائے کہ اس کی بی بی جانے والی ہے اور اب اس کا گھر ویران ہونے والا ہے اور دوسروں کو کیا اب تو یہ خود بھی دوسروں سے کھانا پکوانے کا محتاج ہونے والا ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ لوگ حتی الوسع کوشش اور دعا کریں گے کہ اس مصیبت سے وہ بچ جائے تاکہ ہم کو بھی نقصان نہ پہنچے لہٰذا فرمایا کہ) والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرب والے پڑوسی اور بعد والے پڑوسی اور پہلو کے ساتھ والے ساتھی اور مسافر اور اس کے ساتھ کہ جس پر تمہارے دہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں (یعنی غلاموں کے ساتھ بھی احسان کرو تو کہ ان کی سعی اور دعاؤں سے اول یہ موقعہ ہی نہ پیش آئے اور اگر آئے تو سب ہی ساعی اصلاح اور داعی اصلاح ہوں (اس کے بعد کچھ ان امور سے نفرت دلائی ہے جو کہ اس منافرت کی بنیاد ہیں اور جن سے دوسرے لوگ بجائے اصلاح چاہنے کے الٹی اس کی ذلت چاہتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا کہ) اللہ یقیناً ان کو پسند نہیں کرتا جو کہ متکبر اور بہت فخر کرنے والے ہوتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ فخر اور تکبر کس قدر منافرت کے موجب ہیں اور اس کے خلاف سے کس قدر خلوص اور اتحاد پیدا ہوتا ہے اور بتایا کہ) جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو

بخل کا حکم کرتے ہیں اور جو اللہ نے ان پر فضل کیا ہے۔ اس کو وہ چھپاتے ہیں (یعنی نعمت الٰہی کے آثار نہ ان کی اپنی ذات پر ظاہر ہوتے ہیں اور نہ اپنے گھر پر ظاہر کرتے ہیں اور نہ دوسرے لوگوں پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔ بخل میں تو یہ نقص تھا کہ دنیا سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ اس کو جدا نہیں کر سکتے اور کتمان میں یہ نقص ہے کہ نعمت اللہ کا شکریہ اور قدر نہیں کرتے اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ) ہم نے ناشکروں کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب مقرر کئے ہیں (یعنی ایسی ذلتیں ایسے ناشکرے لوگوں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

بخل کے نقصانات:

اور ظاہر ہے کہ جو لوگ بی بی جیسی نعمت کی قدر نہیں کرتے اور بی بی پر صرف کرنے سے بخل کرتے ہیں اور اپنی دولت کو بی بی پر بھی پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں ان کی بیبیاں عموماً ان کے ساتھ مخالف رہتی ہیں۔ میں نے ایک دفعہ ہنود میں سے تین بھائی دیکھے اور وہ باوجود عمر رسیدہ ہونے اور بڑے بھاری دولت مند ہونے کے تینوں کے تین ہی مجرد تھے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے دونے شادی کی تھی پر بخل کے باعث سے تنگ آکر وہ دو تو پریشان حال ہو کر مرمٹیں پر اب نہ کوئی ان کو رشتہ دیتا ہے اور نہ کوئی عورت ان کے گھر میں آنا پسند کرتی ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جس طرح بخیل کو یہ مشکل پیش آتی ہے۔ اسی طرح مصرف کو بھی یہ مشکل پیش آتی ہے اس لئے کہ اس کا اسراف لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔ تاکہ میں لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاؤں لیکن اس بدترین بدی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس طرح لوگوں کی نظروں میں ذلیل کیا جاتا ہے اور دنیا میں اس کا تو عام نظارہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ شادیوں اور مقدمہ بازیوں میں کس طرح ریاکاری سے دولت تباہ کی جاتی ہے اور پھر کس طرح قرض دار ہونے سے نئی بی بی اور نئے رشتہ داروں کی نظروں میں پہلے ذلیل ہوتے ہیں۔

پھر قرض خواہوں کے تقاضوں کے ساتھ اور ان کے مقدمات کے ساتھ اور ڈگریوں اور قرقیوں کے ساتھ اور اخیر میں جیل خانوں کے ساتھ اور پھر دربدر اور خاک بسر ہونے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے ساتھ فرمایا کہ) جو

لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے صرف کرتے ہیں (اور چونکہ ریا بھی ایک قسم کی شرک ہے۔ گویا وہ لوگوں کے لئے صرف کر رہا ہے۔ نہ خداوند تعالیٰ کے لئے اور نہ قیامت کے اجر کے لئے لہٰذا فرمایا) اور وہ نہ اللہ پر اور نہ پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے ہیں۔

(سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ساتھی شیطان ہے نہ فرشتہ) اور جس کا ساتھی شیطان ہے سو وہ کیا ہی برا ساتھی ہے اور ان پر کیا کوئی نقص عائد ہوتا۔ اگر وہ (بجائے ریا کے) اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے اور اس سے صرف کرتے جو کہ اللہ نے ان کو دیا ہے (یعنی کوئی نقصان نہ ہوتا نام بھی ہو جاتا اور ثواب بھی مل جاتا اور رضا الٰہی بھی حاصل ہو جاتی لیکن ریا کی وجہ سے ثواب اور رضا الٰہی تو گئے تھے وہ عزت بھی حاصل نہیں ہوتی جس کے لئے ریا کے طور پر دیا تھا بلکہ الٹی ذلت ملتی ہے۔ اسی طرح بخل بھی دولت مندی کے ساتھ عزت حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور آخر اس کا نتیجہ بھی ذلت ہی ہوتا ہے اور انسان ریا کی اس لئے جرأت کرتا ہے کہ کسی کو میرے دلی اغراض کا کیا علم ہے تو فرمایا کہ) اللہ ان کو خوب جاننے والا ہے۔

(پھر انسان انفاق مال سے اس لئے زیادہ بچتا ہے کہ مال کم ہوتا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ بے شک ایک ذرہ کی مقدار (بھی کسی پر) ظلم نہیں کرتا (تو کیا وہ انفاق مال میں یہ ظلم کرے گا کہ اس کا مال کم کر دے گا ہر گز نہیں بلکہ) اگر کوئی بھلائی ہو تو اللہ اسے بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ نمونہ سے انسان معلوم کر لیتا ہے کہ فلاں کام سے فائدہ ہے یا نقصان نیز یہ بتانے کے لئے کہ ان کی یہ ذلت دنیا ہی تک محدود نہیں بلکہ بڑی ذلت تو اس دن ہو گی جبکہ سب اوّلین و آخرین اور سب امتیں اور ان کے پیشوا جمع ہوں گے فرمایا کہ کیا حالت ہو گی جبکہ ہم لائیں گے (اور لائے ہیں) ہر ایک امت سے گواہ (اور نمونہ اور ہم تم کو ان پر گواہ (اور نمونہ) لائیں گے (اور لائے ہیں) یعنی ہر ایک امت میں جس طرح پہلے

نمونے آئے ہیں اسی طرح اس امت میں ہم تم کو نمونہ لائے ہیں اور پھر قیامت کے دن ہم ان پہلی قوموں پر ان کے ان نمونوں یعنی نبیوں کو گواہ لائیں گے اسی طرح اس امت پر ہم تم کو گواہ لائیں گے۔

اکثر مفسرین نے یہ معنے کئے ہیں کہ جو انبیاءؑ گواہ ہوں گے ان پر نبی کریم ﷺ گواہ ہوں گے پر یہ معنے الفاظ قرآنی سے بعید ہیں تو اس دن) وہ لوگ جو کافر بنے ہیں اور انہوں نے رسول کی نافرمانی کی ہے پسند کریں گے کہ ان کے ساتھ زمین برابر کی جاتی اور وہ اللہ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے۔ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ (النساء:43) کے کسی نے یہ معنے کئے ہیں کہ وہ مسل کر زمین کے ساتھ ملا دیئے جاتے اور کسی نے یہ کہ خاک ہو جاتے اور کسی نے یہ کہ قبروں میں ہی رہتے اور کسی نے یہ کہ مٹی ہی رہتے اور انسان بنائے ہی نہ جاتے اور کسی نے یہ کئے ہیں کہ زمین ان کے فدیہ میں لی جاتی اور یہی اخیری معنے عمدہ اور دوسری آیتوں کے موافق ہیں۔

آیت 44 تا 51: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۔ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا۔

تشریح الفاظ:

سُکَارٰی۔ سَکْرَانُ کی جمع ہے اور یہ سُکْرٌ سے بنا ہوا ہے۔ نشہ کی بے ہوشی۔

جُنُبٌ۔ وہ شخص کہ جس کو جنابت پہنچی ہو۔ یہ لفظ مذکر اور مونث اور واحد تثنیہ جمع پر برابر بولا جاتا ہے اور بعض تثنیہ اور جمع بھی کر لیتے ہیں۔

عَابِرِیْ۔ اصل میں عَابِرِیْنَ تھا اور نون اضافت کے باعث گرا ہوا ہے اور یہ عَابِرٌ کی جمع ہے اور وہ عبور سے ہے۔ گذرنا۔

غَائِطٌ۔ پست جگہ کو کہتے ہیں اور پست جگہ سے آنا پاخانہ پھرنے سے کنایہ ہوتا ہے۔

لَامَسْتُمْ۔ مُلَامَسَةٌ سے ہے اصل معنے اس کے چھونے کے ہیں اور کبھی عورت کا مس کنایہ جماع سے ہوتا ہے اور کبھی مذی کے آنے سے یعنی اس لیسدار قطرے کے آنے سے جو کہ غلبہ شہوت کے وقت اپنے اہل کے ساتھ کھیلنے سے خارج ہوا کرتا ہے۔

تَیَمَّمُوْا۔ تَیَمُّمٌ سے ہے جس کے معنے قصد کرنے کے ہیں۔

صَعِیْدٌ۔ زمین کے اوپر کی سطح کو کہتے ہیں۔ اِمْسَحُوْا۔ مَسْحٌ سے ہے۔ ملنا، لگانا۔

کَفٰی بِاللّٰہِ۔ میں بَاء اس معنے سے زائد ہے کہ اس کے مشہور معنے یہاں پر مراد نہیں ورنہ تو یہ تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اصل میں یہ دو جملے تھا اِکْفِ بِاللّٰہِ، کَفَی اللّٰہُ تو پہلے سے بِاللّٰہِ لے لیا اور دوسرے سے کَفٰی تاکہ دونوں کے معنوں پر دلالت ہو جس کا خلاصہ تاکید ہے۔

یُحَرِّفُوْنَ۔ تَحْرِیْفٌ کے معنے گذر چکے ہیں۔

رَاعِنَا۔ حقیقت میں رَاعٍ اور نَا سے مرکب ہے جس کے معنے ہیں کہ ہماری رعایت کر۔ رہا یہ کہ یہود اس سے کیا مراد لیتے تھے تو اس کی تفصیل تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

لَیًّ۔ مروڑنا اور پھیرنا۔ نَطْمِسُ۔ طَمْسٌ سے ہے شے کے اثر اور نشان کو مٹانا۔

سَبْتٌ۔ ہفتہ کا دن اور آرام۔

اِفْتَرٰی۔ اِفْتِرَاءٌ سے ہے اور یہ فَرِیٌّ سے ہے جس کے اصل معنے کاٹنے کے ہیں اور افتراء کبھی بمعنے بگاڑنے کبھی اس کام کے کرنے کے لئے آتا ہے جو کہ درست نہ ہو اور کبھی

بمعنے گھڑنے کے آتا ہے اور امام راغب نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں بمعنے جھوٹ۔ ظلم اور شرک کے آیا ہے۔

فَتِیۡلًا۔ اس بتی کو کہتے ہیں جو کہ کھجور کی گٹھلی کے چیر میں ہوتی ہے اور جو اس کی پشت پر نقطہ ہوتا ہے اس کو نُقۡرَۃٌ اور نَقِیۡرٌ اور جو اس کے اوپر باریک پردہ ہوتا ہے اس کو قِطۡمِیۡرٌ کہتے ہیں اور یہ سب مقدار کے لئے ضرب المثل ہیں۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم نماز کے قریب نہ ہو اس حالت میں کہ تم مدہوش ہو یہاں تک کہ تم وہ جان لو جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر اس حالت میں کہ تم راستہ سے عبور کرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا کوئی تم میں سے پست جگہ (پاخانہ) سے آئے یا تم عورتوں کو چھوؤ (صحبت کرو) پھر تم پانی نہ پاؤ تو پھر تم خوب پاک مٹی کا قصد کرو پھر اپنے مونہوں اور اپنے ہاتھوں کو ملو۔ اللہ یقیناً معاف کرنے والا مغفرت کرنے والا ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو اس کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم راستہ سے بہک جاؤ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو زیادہ جاننے والا ہے اور اللہ بہت ہی کافی والی ہے اور اللہ بہت ہی کافی مددگار ہے۔ ان لوگوں میں سے جو کہ یہودی بنے ہیں۔ بعض کلمات کو ان کی جگہوں سے برطرف کرتے ہیں اور وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور تو سن اس حالت میں کہ (تو) نہ سنا جائے اور وہ کہتے ہیں رَاعِنَا اپنی زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کے لئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور سن اور ہم پر نظر کر (یا ہمارا انتظار کر) تو یہ ان کے لئے بہتر اور بہت مضبوط (یا بہت سیدھ) ہوتا و لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان کو (اپنی رحمت سے) دور کر دیا ہے لہٰذا وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑوں کے۔ ہاں اے وے لوگو! جن کو وہ کتاب دی گئی ہے تم اس پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے اس کی تصدیق کرنے والا نازل کیا ہے۔ جو کہ تمہارے ساتھ ہے اس سے پہلے کہ ہم بہت سے مونہوں کو مٹا دیں سو ان کو

ان کی پیٹھوں پر پھیر دیں یا ہم ان کو (اپنی رحمت سے ایسا) دور کر دیں جیسا کہ ہم نے سبت والوں کو (اپنی رحمت سے) دور کیا ہے اور اللہ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ اس کی ہر گز مغفرت نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک بنایا جائے اور اس کی مغفرت کرتا ہے جو کہ اس سے ورے (یا نیچے) ہے جس کے لئے کہ وہ چاہتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا سو اس نے ضرور بڑے گناہ کا افتراء کیا۔ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہ اپنی جانوں کو پاک صاف ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور وہ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کئے جائیں گے تم دیکھو کہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ بہت کافی کھلا گناہ ہے۔

تفسیر:

میں نے پارہ 2 رکوع 15 جہاں طلاق اور عدت وغیرھما مسائل کے درمیان حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی[1] (البقرۃ:239) آیا تھا وہاں پر اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ خداوند تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ دنیوی کاموں سے تم بالکل علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ ہاں جب ان میں مشغول ہو تو عبادت کا جب وقت اور موقعہ آئے اس وقت ان دنیوی کاموں سے علیحدہ ہو کر عبادت کر لیا کرو اور اسی وجہ سے میں نے صلوۃ وسطیٰ کے معنے یہ بتائے تھے کہ جو نماز دنیوی کاروبار کے درمیان آجائے تو یہاں پر بھی جہاد کے بیان میں یتیموں اور وارثوں اور عورتوں کے حقوق وغیرہ کا جب طویل ذکر ہوا یہاں تک کہ عورتوں کے نشوز اور اس کی اصلاح اور اس کے اسباب کا ذکر ہوا اور ان میں ریاکاری کا بھی ذکر ہوا تو دو باتیں بتانے کے لئے نماز اور اس کے بعض احکام کا ذکر فرمایا اور وہ دو امر یہ ہیں۔

نماز کے احکام کے دو امر:

اوّل یہ کہ جب تم کسی دنیوی طول طویل شغل میں مشغول ہو جاؤ جیسا عورتوں کے نشوز کا تصفیہ وغیرہ تو اس وقت عبادت الٰہیہ کو نہ بھول جانا بلکہ ایسے مشکلات کے وقت میں تو ضرور ہی نماز پڑھنی چاہیے اور حل مشکلات اور اصلاح مابین کے لئے دعا کرنی چاہیے۔

[1] تم (تمام) نمازوں کا (خصوصًا) درمیانی نماز کا پورا خیال رکھو۔ (تفسیر صغیر)

اور دوم یہ کہ بعض اوقات غصہ وغیرہ کی وجہ سے انسان کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ نماز پڑھتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہتا ہے۔ بلکہ یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اسی طرح بعض اوقات ریاء وغیرہ ایسے گندے طبعی حالات طبیعت کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ نماز ادا کرنی بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں حالتوں سے پاک ہو کر نماز ادا کرنی چاہیے اور میں نے بارہا بتایا ہے کہ اسباب نزول یا الفاظ کے لحاظ سے بعض اوقات کچھ معنے ہوتے ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے کچھ اور ہی معنے ہو جاتے ہیں پر چونکہ وہ پہلے ظاہر اور یہ بطور بطن ہوتے ہیں لہٰذا دونوں میں نہ کوئی مخالفت ہوتی ہے اور نہ ایک کا لینا دوسرے کو ترک کراتا ہے بلکہ دونوں مراد ہوتے ہیں۔

تو فرمایا کہ) اے ایمان والو! تم سکر (نشہ کی بے ہوشی) کی حالت میں نماز کے قریب (بھی) نہ جاؤ یہاں تک کہ تم اس کو جانو جو کہ تم کہتے ہو (تو یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ جو حالات ایسے ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان اس کو نہ جانے کہ وہ کیا منہ سے کہتا ہے۔ تو ایسی حالت میں نماز پڑھنی منع ہے جیسے کہ غصہ وغیرہ میں بعض اوقات ایسی حالت پیش آجاتی ہے اور اس سے ان کی نماز کا حال بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ان کو سکر وغیرہ کوئی حالت تو ایسی پیش نہیں آئی ہوتی لیکن دنیوی امور کی طرف ان کا خیال ایسا بہہ جاتا ہے کہ ساری نماز پڑھ جاتے اور سارے افعال مختلفہ ادا کر دیتے ہیں۔ پر ان کو خیال تک بھی نہیں ہوتا کہ ہم منہ سے کیا کہتے ہیں۔ ایسی نماز بالکل ردی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس پہرہ کا کام نہیں دیتی کہ جس کی طرف اَقِیْمُوْا اور یُقِیْمُوْا اور اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ کہہ کر اشارہ کیا ہے اور جس کی تصریح اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ [1] (العنکبوت:46) میں کی ہے۔

غسل جنابت کے مسائل:

اب اس کے بعد ان گندی چیزوں اور حالتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ) اور نہ جنابت کی حالت میں مگر اس حالت میں کہ تم راستہ عبور کرنے والے ہو یہاں تک کہ

[1] یقیناً نماز سب بری اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ (تفسیر صغیر)

نہالو۔(مفسرین نے اس کے معنے مسافر کے لئے ہیں یعنی جنابت سے نہانا ضروری ہے اور نہانے کے سوا نماز کے نزدیک نہ جانا چاہیے۔ مگر جب تم مسافر ہو تو پھر نہانا ضروری نہیں بلکہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے یعنی تیمم کر لو لیکن اب مشکل یہ پیش آتی ہے کہ یہاں سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ ہونے کے اور سب صورتوں میں غسل ضروری ہے حالانکہ آگے تفصیل میں بیماری وغیرہ اور حالتیں بھی ایسی بیان ہوئی ہیں جن میں نہانا ضروری نہیں۔

دوم یہ کہ آگے پھر اَوْ عَلٰی سَفَرٍ آتا ہے تو جب عَابِرِیْ سَبِیْلٍ میں مسافر ہونے کی حالت مستثنیٰ ہو گئی تھی تو پھر بعد میں اس کو کیوں ذکر کیا ہے۔

تیسری مشکل آگے یہ بھی آئے گی کہ ذکر تو جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ ہونے کا ہے اور آگے تفصیل میں وہ امور بھی مذکور ہوئے ہیں جو کہ جنابت کو لازم نہیں کرتے بلکہ وضو کو توڑتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ) اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا کوئی تم میں سے پست جگہ سے آئے یا تم عورتوں کو چھوؤ (یعنی جماع کرو، جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن سے مروی ہے اور بعض نے اس سے فقط بدن کا لگنا لیا ہے اور کہا ہے کہ بدن کے لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس صورت میں پست جگہ سے آنے کی طرح یہ بھی وضو لازم کرنے والی چیز کا بیان ہوا اور پہلی صورت میں جنابت کا لازم کرنے والا ٹھہرے گا حالانکہ مطلق جنابت کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور یہاں پر تو وہ عذر بیان ہو رہے تھے کہ جن کے پیش آنے سے غسل کو سواء بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا) پھر تم پانی نہ پاؤ (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بیمار ہونے کے وقت میں پانی کا نہ ہونا کوئی شرط نہیں بلکہ یوں بھی تیمم کر سکتا ہے) تو تم خوب پاک مٹی کا قصد کرو پھر اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو ملو۔ بے شک اللہ عفو کرنے والا مغفرت کرنے والا ہے۔

(پس ان مشکلات پر جب یکجائی نظر کی جائے اور ساتھ ہی اس امر کو لحاظ کیا جائے کہ قرب کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے اور پہلے عبور کے ساتھ اور پھر دوسری جگہ عَلٰی سَفَرٍ کے ساتھ تعبیر کی ہے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے وہ معنے نہیں جو کہ عام مفسرین نے کئے اور پسند کئے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ جنابت کی حالت میں جس طرح نماز

پڑھنی منع ہے اسی طرح مسجد میں داخل ہونا بھی منع ہے لہٰذا فرمایا کہ جنب کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی نہ نماز پڑھو اور نہ مسجد میں داخل ہو اور پھر فرمایا ہاں اس وقت قریب آسکتے یعنی مسجد میں داخل ہو سکتے ہو جبکہ تم راستہ عبور کر رہے ہو۔ یعنی جب جنابت والا غسل وغیرہ حاجات ضروریہ کے لئے جارہا ہو اور بجز مسجد میں سے گذرنے کے اور راستہ ہی نہ ہو تو اس وقت وہ گذر سکتا ہے۔ بعض اوقات مسجد میں ہی سوئے ہوئے جنابت پیش آجاتی ہے تو ان کو نہانے سے پہلے مسجد میں سے گذرنا پڑتا ہے اور اس کو لا کر یہ بتایا ہے کہ قرب صلوٰۃ یہاں پر مسجد میں داخل ہونے کو بھی شامل ہے جیسا کہ وہ نماز کو شامل ہے۔ اس کی حد یہ بتائی کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور پھر ظاہر ہے کہ غسل جنابت سے لازم آتا ہے نہ پاخانہ پیشاب پھرنے سے لیکن غسل کے قائم مقام جو چیز بیان ہو گی یعنی تیمم تو وہ جس طرح غسل کے قائم مقام ہے اسی طرح وضو کے بھی قائمقام ہے اور پھر جن صورتوں اور عذروں میں وہ غسل کے قائمقام ہوتا ہے انہی صورتوں اور عذروں میں وہ وضو کا بھی نائب ہوتا ہے اور پھر دونوں تیمموں میں اور بھی کوئی فرق نہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ عذر دو ہی ہیں یا تو بیمار ہے پانی سے غسل یا وضو نہیں کر سکتا یا سفر میں ہے کسی بستی میں نہیں بلکہ چل رہا ہے اور پانی نہیں ملتا جس سے غسل یا وضو کر سکے۔ ان دو عذروں کو ملحوظ رکھیں اور اب یوں دیکھیں کہ جب حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا سے پہلے جنابت ہی کا ذکر ہے تو اب اگر اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کو ذکر نہ کیا جاتا اور اسی قدر کہا جاتا ہے کہ اَوْ عَلٰی سَفَرٍ ... فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا الخ تو اس سے اسی قدر مفہوم ہوتا کہ جنابت دار ہونے کی حالت میں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو اور پھر پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو اور ہر گز یہ نہ معلوم ہوتا کہ وضو کی جگہ بھی کبھی تیمم ہو سکتا ہے یا نہ اس لئے جس طرح مریض ہونے کے مقابلہ میں اَوْ عَلٰی سَفَرٍ ... فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً کو ذکر کیا ہے اسی طرح اس جنابت کی حالت کے مقابلہ میں (جو کہ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور عَلٰی سَفَرٍ دونوں صورتوں میں موجود تھی) اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اور اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کو ذکر کر کے مَرْضٰٓى اور عَلٰی سَفَرٍ کی دونوں صورتوں میں جنابت کے ساتھ وضو نہ ہونے

(جس کو حدث کہتے ہیں) کو بھی ملا دیا ہے اور معنے یہ ہو گئے کہ مریض ہونے یا مسافرت کی حالت میں پانی نہ ملنے کی صورت میں خواہ تم جنابت دار ہو یا تم بے وضو اور حدث والے ہو تو تم غسل اور وضو کی جگہ تیمم کر لیا کرو۔

اب اللہ کے فضل سے مطلب بالکل صاف ہو گیا ہے البتہ یہ یاد رکھ لینا کہ پست جگہ سے آنا پاخانہ اور پیشاب پھرنے سے کنایہ ہے اور ہوا نکلنے کو بھی یہ شامل ہے کیونکہ پاخانہ پھرتے ہوئے وہ بھی خارج ہوا ہی کرتی ہے اور اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ چونکہ جنابت کے مقابلہ پر ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ صرف بدن ساتھ لگنے سے نہ نماز ٹوٹتی ہے اور نہ وضو فاسد ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ترک الوضوء من القبلۃ حدیث 86)

لہٰذا یہاں پر لٰمَسۡتُمۡ مذی آنے سے کنایہ ہے جو کہ ملامست کے وقت عموماً آیا کرتی ہے تو اب یہ وضو کے سب اصلی اور عام اور یقینی نواقض (توڑنے والوں) کو شامل ہے۔

اس تفسیر کو خوب سمجھ لیں انشاء اللہ کسی دوسری تفسیر میں ایسی تفصیل نہ پائیں گے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک اور اس کے بعد عفو اور مغفرت کرنے کا ذکر کر کے دو باتیں سمجھائی ہیں ایک یہ کہ ان تعبدی امور غسل وغیرہ میں مشقت تو ہے پر انہی کے ذریعہ سے اللہ تمہارے قصوروں اور کمزوریوں کو عفو اور مغفرت کرتا ہے۔ دوم یہ کہ ضرورت اور عذر کے موقعہ پر جو امر کہ پہلے فرض یا حرام تھا اب بھی وہ ویسا ہی ہے لیکن رخصت کی وجہ سے اس کا نہ کرنا اور کرنا کسی قصور کا موجب نہیں رہتا پس تم موقعہ کی مناسبت سے عزیمت اور رخصت کا لحاظ رکھو۔

مسلمان یہود کے مشابہ:

اور چونکہ اکثر لوگوں کے مزاج میں دین کے اندر تشدد پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ خود تو رخصتوں پر عمل نہیں کرتے خواہ تکلیف بھی ہو اور اس کو ایک بڑا تقویٰ خیال کرتے ہیں۔ پر اس سے بڑھ کر بعض وقت ان لوگوں پر بھی طعن کرنے لگتے ہیں جو کہ الٰہی ارشاد کے ماتحت عذروں کے وقت رخصتوں پر عمل کرتے ہیں کبھی تو کہتے ہیں کہ

عذر کوئی نہیں یونہی بہانہ بنالیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ بڑے سست ہیں اور دین کی قدر نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ تو اس سے منع کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ یہود کا کچھ حال ذکر فرماتا ہے) کیا تم نے ان کی طرف نظر نہیں کی جن کو اس کتاب سے (توریت سے) کچھ حصہ دیا گیا ہے کہ گمراہی کو لیتے ہیں (عام طور پر ان کے علماء کا یہی طریق تھا کہ نمائشی اور خیالی طور پر خود تراشیدہ بہت سی باتوں کی پابندی کرتے تھے لیکن رشوت لیتے اور ناجائز ذرائع سے دولت اور وجاہت حاصل کرتے تھے لیکن دوسرا کوئی اگر شرعی اجازت کے مطابق چلتا اور ان کی خود ساختہ تقییدوں کی پروانہ کرتا تو اس پر طعن کرتے۔اسی طرح اسلام میں بھی جب کوئی ایسی رخصت اور سہولت آتی تو گمراہ کرنے کے خیال سے نووارد اہل اسلام کو بہکاتے تھے کہ دیکھو کیسی آزادی اختیار کی جاتی ہے تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ خود تو گمراہی لیتے ہیں) اور چاہتے ہیں کہ تم بھی اس (سیدھے اور آسان) راستہ سے بہک جاؤ۔ جس پر مداومت ہو سکتی اور سب اس پر عمل کر سکتے اور پھر خداوند تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے (گو تم کو دھوکہ بھی لگے) اور کافی والی ہے (لہٰذا وہ تم کو ان کی شرارتوں سے بچاتا ہے) اور کافی مددگار ہے (لہٰذا تم تنگ نہ ہو اللہ تم کو ان پر نصرت دے گا) اور یہ بتانے کے لئے کہ ایک طرف تو گمراہی اختیار کرتے اور گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اپنی خود ساختہ باتوں کو شریعت قرار دے کر اس قدر ان پر تشدد کرتے ہیں کہ کسی الٰہی فرض و واجب اور حرام کے فعل اور ترک پر بھی ایسا تشدد نہیں کرتے تھے اور یہ بالکل بے محل بلکہ الٹی اور بے جا حرکت ہے فرمایا کہ) یہود بننے والوں میں سے بعض کلمات (الٰہیہ) کو ان کی جگہوں سے برطرف کر دیتے ہیں۔

(اصل میں تحریف کئی طور پر ہوا کرتی ہے۔ کبھی تو الفاظ بدل دیتے۔ کبھی کچھ الفاظ مطلب کے مطابق ایزاد کر دیتے ہیں اور کبھی وہ الفاظ نکال دیتے ہیں۔ جو ان کی غرض کے خلاف ہوتے اور کبھی معنوں میں اور ترجموں میں تغیر کر دیتے ہیں اور کبھی

اصلی موقعہ سے کلموں کو پھیر دیتے تھے اسی وجہ سے قرآن مجید میں مطلق مُحَرِّفُوْنَ[1] بھی آیا ہے اور یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء:47) بھی آیا ہے۔ اور یہاں پر اس کو اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ ان کی اس کارروائی کی طرف اشارہ ہو کہ اصل شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خود تراشیدہ باتوں کو نہایت تشدد سے پکڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے آگے بھی ان کی وہی بدیاں مذکور ہیں جن میں تبدیل محل لازم آتی ہے۔ جیسا سبت وغیرہ کا ذکر آتا ہے) اور وہ سَمِعْنَا اور عَصَیْنَا کہتے ہیں۔

(مفسرین نے تو اس کے معنے یہی لکھے ہیں کہ وہ ارشادات الٰہیہ سن کر کہتے ہیں کہ ہم نے سن سمجھ لیا ہے اور ہم نے نافرمانی کی یعنی ہم کریں گے نہیں) اور کہتے ہیں کہ تو سن نہ سنا گیا ہوا (یعنی تو سن اور خدا کرے کہ تیری نہ سنی جائے یا تیری بات کوئی دوسرا نہ مانے) اور رَاعِنَا (تو اس کی نسبت بھی لکھا ہے کہ ظاہر تو اس کے معنے یہ کرتے تھے کہ تو ہماری رعایت کر اور ان کی زبان میں یہ گالی تھی یا رعونت بمعنے حمق سے لے کر یہ گندے معنے ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن اس کے پہلے تَحْرِیْفُ کَلِمٍ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ[2] کا ذکر کرنا اور بعد میں لَیًّا الخ کے ساتھ زبان مروڑ کر باتیں کرنا اور بتانا صاف دکھاتا ہے کہ یہ باتیں اسی قسم کی ہیں سو اس کے مطابق ان کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر تو سَمِعْنَا اور عَسَیْنَا کہتے تھے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے سنا سمجھا اور قبول کیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے لیکن عَسَیْنَا کے س کو ص کے قریب قریب ادا کر کے مراد یہ لیتے تھے کہ) ہم نافرمان ہیں اور یہ نہ کریں گے۔

اسی طرح اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ کہتے تھے اور اس کی نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے اچھے معنے بھی ہیں اور برے بھی۔ اچھے تو یہ ہیں کہ تو ہماری بات سن سوائے اس کے کہ کوئی بری بات تجھے سنائی جائے اور برے معنے یہ ہیں کہ تو ہماری بات مان اور تیری نہ مانی جائے اور اس کو بول کر ظاہر تو وہ پہلے معنے کرتے اور مراد دوسرے لیتے تھے اور رَاعِنَا کا مطلب بیان ہو ہی گیا ہے بعد میں فرمایا کہ اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین میں طعن کرتے

[1] قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں آیا۔ (از مرتب)
[2] کلمات کا اس کی جگہ سے پھیر دینا۔ (از مرتب)

ہوئے (یعنی بعض میں زبان مروڑ کر ظاہر کچھ بولتے اور حقیقت کچھ ہوتی جیسا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا میں اور بعض میں طَعْنٌ فِی الدِّیْنِ ہوتا جیسا رَاعِنَا میں۔ تو فرمایا کہ) اگر وہ (بجائے سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا کے) سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (ہم نے فرمانبرداری کی) اور بجائے اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ اور رَاعِنَا کے) اِسْمَعْ وَ انْظُرْنَا (تو ہماری سن اور تو ہمارے پر نظر کر یعنی ہم پر مہربانی کر اور ہماری حیثیت کے مطابق حکم دے) کہتے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور بہت مضبوط ہوتا ولیکن (ایسی شرارتیں یہ لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ) اللہ نے ان پر لعنت کی ہے لہٰذا یہ ایمان نہیں لاتے (اور نہ لائیں گے مگر تھوڑے) ہیں۔

اہل کتاب کو نصیحت:

جن پر لعنت نہیں ہوئی اور وہ ایمان بھی لاسکتے ہیں اور وہ ایسی شرارتیں بھی نہیں کرتے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ اہل کتاب کو نصیحت کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ اے وے لوگو! کہ جن کو کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ جو کہ ہم نے اس کی تصدیق کرنے والا اتارا ہے جو کہ تمہارے ساتھ ہے۔ تصدیق کے معنے بار بار بتائے ہیں کہ غلط کو ردّ کر کے صحیح کی صحت پر دستخط کرنا۔ قرآن مجید نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس میں اہل کتاب کو بتایا ہے کہ تمہاری کتاب تمہاری تحریفوں سے قابل اعتبار نہیں رہی تھی۔ لہٰذا بجز تصدیق وحی الٰہی وہ کچھ نہیں) اس سے پہلے کہ ہم مونہوں کو مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھوں کے پیچھے پھیر دیں (یعنی قبل اس کے کہ ہم تم کو ہلاک کر کے تمہاری تَحْرِیْفُ الْکَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِہٖ کی سزا میں تمہارے مونہوں کو ہم پھیر دیں اور ان کے محاسن کو مٹا دیں) یا ہم ان کو اپنی رحمت سے ایسا دور کر دیں جیسا کہ ہم نے سبت والوں کو اپنی رحمت سے دور کیا تھا۔

(اصحاب سبت کا واقعہ پارہ 1 رکوع 8 کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یا ہم تم کو اس دنیا ہی میں ذلیل و خوار کر دیں جس طرح کہ سبت والوں کو ذلیل و خوار کیا تھا اور اللہ کا امر (یعنی جس کا اللہ ارادہ کرتا ہے) کیا ہوا ہوتا ہے (یعنی اوروں کی طرح الٰہی ارادے کسی عجز وغیرہ روکوں سے نہیں رکا کرتے بلکہ ان کا ہونا ایسا یقینی ہوتا ہے گویا کہ وہ ہو ہی چکے ہیں اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اہل کتاب کا قصور اور ان کی وہ گمراہی جو انہوں نے لی ہے کوئی معمولی

نہیں جیسا کہ ان کے اہل کتاب ہونے سے خیال گذر سکتا ہے کہ اگر وہ نئی کتاب کو نہیں مانتے تو آخر اہل کتاب ہیں فرق ہوا تو کچھ فرعی فرق ہو گا جو کہ معمولی بات ہے بلکہ وہ اصولی فرق ہے اور بہت بڑی گمراہی ہے فرمایا کہ) بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور وہ ان کو بخش دیتا ہے جو کہ اس کے نیچے ہیں جس کے لئے وہ چاہتا ہے (یعنی یہ اہل کتاب شرک جیسی اصولی بدی کے مرتکب ہیں جس کی نفی اظہر ترین اشیاء سے ہے اور یہ وہ بدی ہے جس کو خداوند تعالیٰ معاف نہیں کرتا اور اس کے سوا دوسری بدیاں جو اس سے کم ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور شرک کی عدم مغفرت کی وجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ (کسی چیز کو) شریک بناتا ہے۔ سو یقیناً اس نے بڑا گناہ کیا (یا گھڑا) ہے (یعنی چونکہ حقیقت میں خداوند تعالیٰ کے برابر کیا نزدیک بھی کوئی چیز نہیں ہے تو اب اس ادنیٰ چیز کو اس برتر جناب کے ساتھ برابر اور شریک کرنا دو حال سے خالی نہیں یا اس ادنیٰ چیز کو بڑا کر کے اس کے برابر کیا جائے تو یہ نہ وہ کر سکتے ہیں اور نہ وہ ایسا خیال اس کی نسبت باوجود موجود ہونے نقائص اور آثار امکان اور ظہور عجز کے کر سکتے ہیں اور یا یہ کہ اس جناب ارفع کو نیچے اتار کر اس ادنیٰ چیز کے مرتبہ پر لے آئیں۔ اسی وجہ سے سورہ زمر میں شرک کے ذکر میں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ[1] (الزمر:68) فرمایا ہے اور یہ ایسا عظیم الشان افتراء ہے جس سے بڑھ کر اور نہیں ہو سکتا لہٰذا خداوند تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا۔

اور یہود لوگ ایک طرف تو باوجود اہل کتاب ہونے کے شرک جیسی اصولی اور بد ترین ناقابل عفو بدی کا ارتکاب کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے آپ کو ایسا پاک وصاف ظاہر کرتے تھے کہ دوسرا کوئی ان کی اس پاکی میں شریک ہو سکتا ہی نہیں لہٰذا خداوند تعالیٰ نے اس کے بعد ان کی اس حالت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ) کیا تم نے ان کی طرف نظر نہیں کی جو کہ اپنی جانوں کو پاک ظاہر کرتے ہیں (پر یہ بالکل غلط ہے) بلکہ (حق یہ ہے کہ) اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور (کھجور کی گٹھلی کی) بتی کے برابر (بھی) ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

[1] اور ان لوگوں نے اللہ کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ (تفسیر صغیر)

(یعنی خداوند تعالیٰ اگر ان کو پاک نہیں کرتا اور نہ قیامت کو پاک کرے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے تو یہ بے وجہ اور ظلم کے طور پر نہیں بلکہ ان کی بدیاں اور ان کی شرارتیں اس کی موجب ٹھہری ہیں۔ جیسا بتایا کہ) تم دیکھو تو سہی کہ کس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں (کہ اللہ کے لئے شرکاء ہیں اور اللہ نے ایسا ہم کو حکم دیا ہے اور یہ بھی کہ ہم پاک ہیں اور کہ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ[1] (المائدۃ:19) اور یہ بھی کہ لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ[2] (البقرۃ:81) اور یہ کوئی نہ چھوٹی بدی ہے اور نہ کوئی پوشیدہ اور مخفی ہے بلکہ) یہ کافی کھلی بدی ہے (یعنی یہ افتراء علی اللہ بڑا گناہ بھی ہے اور اس کا گناہ ہونا اور اس کا ثبوت بھی بالکل بین اور واضح ہے۔)

[1] ہم اللہ کے بیٹے (ہیں) اور اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)

آیت 52 تا 60: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ يَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَآءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۔ اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا ۔ اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ فَقَدۡ اٰتَيۡنَآ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ اٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ۔ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۔ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَآ اَبَدًا لَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا وَ اِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۔

تشریح الفاظ:

جِبۡتٌ۔ جوہری کا خیال ہے کہ یہ لفظ خالی عربی نہیں کیونکہ جیم اور تا حروف زولقیٰ

کے سوا جمع نہیں ہوتے جیسے کہ یہاں پر ہیں۔ پر ظاہر ہے کہ یہاں پر نقل چاہیے قیاس کسی کا مفید نہیں اور اسی بنا پر بہت سے مفسرین نے اس کو اصل میں جِبْسٌ بتایا ہے جس کے معنے غیر مفید اور ردّی چیز کے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جِبْتٌ کے معنے ساحر۔ کاہن۔ صنم اور ہر ایک معبود کے ہیں جو اللہ کے سوا ہو۔

طَاغُوْتٌ۔ کی نسبت پہلے میں نے بتایا ہے کہ طغیان بمعنے سرکشی سے ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے یعنی بہت سرکش۔ اَھْدٰی۔ بہت ہدایت والا۔

نَقِیْرٌ۔ کھجور کی گٹھلی کا چیر اور یہ مقدار قلیل سے کنایہ ہوتا ہے فَتِیْلٌ اور قِطْمِیْرٌ کی طرح۔ صَدَّ۔ صَدٌّ سے ہے روکنا اور رکنا۔

سَعِیْرٌ۔ سُعُرٌ سے ہے جس کے معنے آگ کے جلانے اور بھڑکانے کے ہیں اور سَعِیْرٌ، فَعِیْلٌ بمعنے مفعول ہے یعنی بھڑکائی ہوئی آگ۔

نُصْلِی۔ اِصْلَاءٌ سے داخل کرنا۔ اور سَوْفَ۔ جیسا استقبال کے لئے ہوتا ہے ایسا ہی وعیدوں میں تہدید اور جھڑک کے لئے ہوتا ہے اور یہی حال سین کا بھی ہے۔

نَضِجَتْ۔ نَضْجٌ سے ہے پک جانا۔ جُلُوْدٌ۔ جلد کی جمع ہے۔

ظَلِیْلٌ۔ ظِلٌّ سے بنا ہوا ہے جس کے لفظی معنے بہت سایہ والے کے ہیں تو جب ظِلٌّ کی یہ صفت واقع ہوتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ سایہ گنجان اور گاڑھا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے اور اس سایہ کو بھی ظلیل کہتے ہیں کہ اس میں نہ گرمی ہو اور نہ سردی ہو۔

اَمَانَاتٌ۔ اَمَانَۃٌ کی جمع ہے۔ نَعِمَّا۔ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ نِعْمَ سے جو بمعنے کیا خوب کیا ہے اور دوم مَا بمعنے شے سے۔ اُلُوْ۔ کے معنے۔ والے۔

تَاْوِیْلٌ۔ اَوْلٌ سے ہے جس کے معنے پھرنے کے ہیں اور اس کے معنے پھیرنے کے ہیں خواہ انجام کی طرف ہو اور اسی وجہ سے انجام کو مَاٰلٌ کہتے ہیں اور یا ظاہر معنوں سے دوسرے معنوں کی طرف پھیرنا ہو یہاں پر دونوں معنے لئے گئے ہیں۔

ترجمہ:

کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کو اس کتاب سے کچھ حصہ دیا

گیا ہے۔ کہ وہ اللہ کے سوا اور معبود پر اور بڑے سرکش پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ کافروں کے لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ راہ یاب ہیں جو کہ ایمان لائے ہیں (یا جو کہ مومن بنے ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور جس کو اللہ اپنی رحمت سے دور کر دے۔ سو تم اس کے لئے کوئی مدد گار نہ پاؤ گے۔ بلکہ کیا ان کے لئے ملک سے کچھ حصہ ہے تو تب وہ لوگوں کو گٹھلی کا شگاف (بھی) نہ دیں گے۔ بلکہ کیا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے سو یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی ہے اور ہم نے ان کو بڑا ملک دیا ہے۔ سو کچھ ان میں سے اس پر ایمان لائے اور کچھ اس سے رک گئے یار وکتے رہے) اور جہنم بہت کافی بھڑکایا ہوا ہے۔ یقیناً جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے ضرور ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے۔ جب کبھی ان کے چمڑے پک جاویں گے۔ تو ہم ان کے سوا اور چمڑے ان کے لئے بدل دیں گے تاکہ وہ پورا عذاب چکھ لیں۔ بے شک اللہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کو ہم ضرور ایسی جنّات میں داخل کریں گے جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں ان میں ان کے لئے پاک بنائے ہوئے جوڑے ہوں گے اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے۔ یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کے سپرد کیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کرو تو انصاف کے ساتھ حکومت کرو یقیناً بہت ہی عمدہ ہے جو اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے یقیناً اللہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی اور اگر تم کسی معاملہ میں (اُولُو الامر سے) اختلاف کرو تو ایسے معاملے اللہ اور رسول کی طرف لَوٹا دیا کرو اگر (فی الحقیقت) تم اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان لانے والے ہو۔ یہ بہت بہتر (طریق) ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

تفسیر:

یہ عام طریق ہے کہ جو برے عقائد وغیرہ ہوتے ہیں ان میں کوئی خوشنما جہت بھی ہوتی ہے اور دوسری طرف ان میں برائی بھی ہوتی ہے۔ پر جو اس پر کار بند ہوتے ہیں ان کی نظروں میں وہ خوشنما جہت تو شریر لوگ جو شرارت کے داعی ہوتے ہیں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن برائی کی جانب ان کی نظر نہیں جاتی اور جانے دیجئے اپنے مسلمانوں ہی میں پیر پرستی کو دیکھیں ان کو پیر لوگ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم اور ادب تو دکھا دیتے ہیں۔ پر شرک جیسی قباحت کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا۔ اسی طرح ایک برائی ہوتی ہے کہ کسی قوم میں کسی نام اور عنوان کے ساتھ اس کی مذمت اور ممانعت نہایت مشہور ہوتی ہے اور اسی کے لئے دوسرا نام یا عنوان ہوتا ہے کہ وہ ان میں چنداں رائج نہیں ہوتا تو مشہور عنوان کو سن کر ان کو اس سے نفرت آتی ہے اور غیر مشہور عنوان سے کچھ پروا نہیں کرتے۔

اہل کتاب اور شرک:

اسی طرح اہل کتاب کو شرک سے منع کیا گیا تھا اور ان کی کتاب میں صاف صاف اس کی ممانعت اب تک بھی بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے لیکن زیادہ تر ان کی کتاب میں بت پرستی گھڑے ہوئے بتوں سونے چاندی وغیرہ سے بنائے ہوئے بتوں اور طاغوت کی پرستش سے کثرت کے ساتھ منع کیا گیا تھا اور اہل کتاب میں جو شرک عام شائع اور رائج تھی وہ وہ تھی جس کو قرآن مجید نے وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] (آل عمران:65) کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی پیر پرستی انبیاء پرستی احبار ورہبان پرستی۔ خداوند تعالیٰ کے لئے بیٹا قرار دینا اس لئے وہ دھوکے میں رہتے تھے کہ ہم تو بت پرستی نہیں کرتے۔ اس لئے قرآن مجید نے ان کی شرک کے بعد اس امر کی تصریح کرنے کے لئے کہ جو انبیاء اور اولیاء پرستی تم کر رہے ہو یہ بھی بت پرستی اور طاغوت پرستی ہے فرمایا کہ) کیا تم نے ان کی طرف نظر نہیں کی جن کو اس کتاب سے حصہ دیا گیا ہے۔ (جس میں بتوں اور غیروں کے معبودوں اور بلعام اور

[1] اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنایا کریں۔ (تفسیر صغیر)

طاغوت کی پرستش سے منع کیا گیا ہے) کہ وہ اللہ کے سوا دوسرے معبود (یا بت) اور بڑے سرکش (شیطان پر ایمان لاتے ہیں (ایمان لانے سے چونکہ اصل غرض مومن بہ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہوتی ہے لہٰذا کبھی ایمان کے معنے فرمانبرداری کے ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ فلاں چیز کی ہستی کا یقین اور اقرار کرنا یا اس کو معبود وغیرہ تسلیم کرنا جیسا ایمان بالطاغوت کہ اس کے معنے بجز فرمانبرداری کے اور کچھ نہیں۔

مفسرین نے ان آیات کے نزول کے متعلق لکھا ہے کہ جب ابو سفیان جنگ احد سے واپس آگیا تو یہود میں سے بہت سے لوگ مل کر حُیَیّ بن اخطب اور کعب بن اشرف کے ساتھ مکہ میں آئے اور قریش کو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ پر اکسانے لگے اور اس عہد کو توڑ کر جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا تھا قریش کے ساتھ دوستانہ کا معاہدہ کرنے لگے تو ابو سفیان نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد ﷺ بھی کتاب والا ہے اور ہم کو تمہارے دھوکہ سے ڈر لگتا ہے تو اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کے لئے نکلیں تو پہلے تم ہمارے فلاں دو بتوں کے آگے سجدہ کرو اور ان پر ایمان لاؤ تو انہوں ایسا ہی کیا اور پھر ابو سفیان نے ان سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو اور علم والے ہو اور ہم اُمّی ہیں تم بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا محمدؐ۔ تو انہوں نے پوچھا کہ تم اپنا اور محمد ﷺ کا مذہب بتاؤ تو جب اس نے بتایا تو وہ کہنے لگے وَاللّٰہِ اَنۡتُمۡ اَهۡدٰی سَبِیۡلًا مِّنۡ مُّحَمَّدٍ[1] سو ایسا ہو تو کچھ تعجب نہیں پر اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی ان کے اِیۡمَانٌۢ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ[2] میں کچھ شک نہیں اور یہ بھی نہیں کہ دو چار سے کبھی ایسا ہوا ہو بلکہ اکثر ان سے ایسے ہی تھے اور ان کی اسی عام حالت کو یہاں پر بیان بھی کیا گیا ہے۔ نہ کسی شخص کے کسی خاص واقعہ کو اور چونکہ مسلمان ہونے سے ہمیشہ وہ بہکایا کرتے تھے تو ان کے بہکانے کے لئے) وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (مشرک بت پرست) ان سے زیادہ ہدایت والے ہیں جو کہ مومن بنے ہیں (مشرکین سے مسلمان ہونے والوں کو تو اس

[1] اللہ کی قسم تم محمدؐ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ (از مرتب)

[2] بتوں اور شیطان پر ایمان۔ (از مرتب)

لئے ایسا کہتے تھے تا کہ ان کو یہ بتائیں کہ جس مذہب کو تم چھوڑ کر اس میں داخل ہوتے ہو وہ تو ہم اہل علم لوگوں کے نزدیک اس نئے مذہب سے اچھا ہے۔

اور اہل کتاب میں داخل ہونے والوں کو نفرت دلانے کے لئے کہتے تھے کیونکہ بت پرستی صریح کی وجہ سے اور بے کتاب ہونے کی وجہ سے اور پھر خصوصاً اسرائیل کی مدّ مقابل ہونے کی وجہ سے ان کو ان کے مذہب سے بہت نفرت تھی تو جو مذہب ان کے مذہب سے بھی برا ہوا اس سے تو ضرور ہی نفرت کرنی چاہیئے اور ایسی صریح خلاف واقعہ باتیں کرنے کا باعث اور پھر ان کی بد کرداریوں کی سزا بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ (کہ ان کے حد سے بڑھ کر شریر ہو جانے کے باعث سے) اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے (اور ظاہر ہے کہ نیکیوں پر اور نیک حالتوں پر خداوند تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل و کرم ہی مدد گار ہوتے ہیں پر) جس کو اللہ اپنی رحمت سے دور کر دے اس کے لئے تم کوئی مدد گار نہ پاؤ گے۔

یہود کا زعم:

(گو وہ اپنے زعم فاسد میں اپنے معبود نبیوں اور ولیوں کو اپنا نصیر خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا یہی ایک خیال بہت سی جرأتوں اور بہت سے بدترین دعوؤں اور خیالوں کا باعث تھا۔ اسی وجہ سے وہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[1] (المائدۃ:19) اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ[2] (آل عمران:25) اور لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى[3] (البقرۃ:112) وغیرھا کے مدعی اور اس بات پر مصر تھے کہ اوّل تو اسرائیل کے سوا اور کسی پر نبوت کا انعام ہو سکتا ہی نہیں اور بالفرض اگر ہو بھی تو اسرائیل کو اس کی اتباع نہ ضروری ہے اور نہ ان کے لئے یہ جائز ہے اور نہ وہ دنیا کے کسی فرد و بشر کو اپنے جیسا تسلیم کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسی امر کی تصریح کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) بلکہ کیا ان کے لئے ملک (سلطنت) میں کچھ حصہ ہے۔ (یعنی نبوت اور وحی تو

[1] ہم اللہ کے بیٹے (ہیں) اور اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)
[3] جنت میں سوائے ان (لوگوں) کے جو یہودی ہوں یا مسیحی ہوں ہرگز کوئی داخل نہیں ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہیں اس کے یہ کہاں وارث اور حصہ دار ٹھہر سکتے ہیں کہ دوسرے کسی کو ان سے کچھ نہ دیا جائے اور اگر دیا جائے تو ان کو اعتراض اور اظہار رنج کا حق حاصل ہو بلکہ ان کے لئے تو ملک اور سلطنت میں بھی کوئی حصہ نہیں تو پھر اعلیٰ میں کس طرح حصہ دار ہو گئے اور بالخصوص ملک کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ابھی تو تم نبوت و رسالت ہی سے جل رہے ہو دیکھو ہم تو تمہارے مقابلہ میں اب ان کو ملک دیں گے اور ان کے آگے تم کو ذلیل کریں گے۔

پھر اس کی حکمت بتانے کے لئے کہ ان کو ملک وغیرہ میں کیوں حصہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا فرمایا کہ) تب تو یہ گٹھلی کا چیر بھی (یعنی اس کی مقدار کوئی چیز بھی) لوگوں کو نہ دیتے (اور یہ لوگوں کے مخلوق اور محتاج ربوبیت ہونے اور خداوند تعالیٰ عزوجل کے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِیْمُ، اَلرَّزَّاقُ، اَلْقَدِیْرُ ہونے کے خلاف ہے۔ تو جب ثابت ہوا کہ نبوت و رسالت اور وحی میں وہ اسی طرح حصہ دار نہیں جس طرح کہ وہ دنیوی ادنیٰ چیزوں کے حصہ دار نہیں تو پھر یہ بتانے کے لئے کہ پھر ان کے خاندان میں مدت دراز تک نبوت و وحی رہی وہ کس طرح تھی اور جو وجہ اس کی تھی وہ دوسروں کو نبوت دینے سے منع کرتی ہے یا نہ فرمایا کہ) بلکہ کیا یہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے کچھ ان کو دیا ہے۔

نبوت ایک فضل الٰہی:

(اس کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ هُمْ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف نہیں النَّاسُ کی طرف پھرے اور معنے یہ ہوں کہ یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ اس پر کہ اللہ نے ان لوگوں کو جو بنی اسرائیل نہیں نبوت و رسالت محض اپنے فضل سے دے دی ہے۔ یعنی نبوت فضل ہے اور فضل کسی کا حق اور ورثہ نہیں ہوتا بلکہ جو کوئی فضل کو اپنی طرف جذب کر سکے گا اس پر وہ اپنے ارادہ اور کرم سے فضل کرے گا اور دوسروں پر فضل ہونے سے حسد اور رنج کرنا بالاتفاق نہایت گندہ کمینہ پن اور لئیم ہونا ہے اور یہ کہ هم کی ضمیر اہل کتاب ہی کی طرف پھرے اور معنے یہ ہوں کہ کیا یہ لوگوں سے اس وجہ سے حسد کرتے ہیں

کہ اللہ نے ان (اہل کتاب) کو محض اپنے فضل سے (نہ ورثہ یا استحقاق سے) نبوت و رسالت دی تھی تو اب وہ اپنی نادانی سے حقدار بن بیٹھے ہیں اور جب وہ اپنے آپ کو حقدار خیال کرنے سے دلیر ہو کر بدکار بن گئے اور اس فضل کے مستحق نہ رہے اور ہم نے دوسروں پر یہ فضل کیا تو اب وہ ان سے حسد کرتے ہیں۔ تو ان معنوں کے رو سے اس فضل کی تشریح کرنے کے لئے اور ساتھ ہی یہ حسد کرنے کی وجہ بتانے اور حسد پر سزا کا وعید بتانے اور پہلے معنوں کے لحاظ سے اس حسد کا جواب دینے کے لئے فرمایا کہ) آل ابراہیمؑ کو ضرور ہم نے کتاب اور حکمت دی ہے (یعنی اگر ابراہیمؑ یا اس کی اولاد کو نبوت ملی ہے تو ان کو بھی کسی حق یا ورثہ سے نہیں ملی بلکہ محض فضل سے ملی ہے جیسا کہ ان کے مقابل پر ان کے ہم قوم لوگوں کا اس سے خالی رہنا اس کا کافی قرینہ ہے۔

نیز بتایا کہ اگر وہ دوسروں کو اب ہم نے دی ہے تو پہلے تم کو بھی دی تھی پھر اگر اس پر حسد کرنا ہوتا تو ان کو بھی حسد کرنا چاہیے تھا جو کہ تمہارے مقابل پر اس سے خالی تھی کیونکہ ابراہیمؑ کی نسل سے ہر ایک تو نبی نہیں ہوا بلکہ بعض خاندانوں کے بعض افراد کو نبوت ملی اور باقی کو نہیں ملی۔ نیز اس میں یہ بتایا کہ اسرائیل کے ایک خاندان میں نبوت آنے سے دوسرا خاندان اگر اس وجہ سے حسد نہیں کر سکتا کہ آخر دونوں اسرائیلی ہیں تو پھر یاد رکھو کہ نبوت کا سلسلہ کوئی اسرائیل ہی سے نہیں شروع ہوا بلکہ پہلے سے جاری ہے پر اگر تم دور نہیں جاتے تو اپنا مورث اعلیٰ ہی لے لو جو کہ ابراہیمؑ ہے اور جس کو ہم نے منصب نبوت پر ممتاز کیا ہے وہ بھی ابراہیمی ہی خاندان سے ہے پس حسد کی کون سی وجہ ہے پر باوجود اس کے اگر تم حسد سے باز نہیں آتے تو یاد رکھو کہ تمہارا حسد کوئی نیا امر نہیں بلکہ اس کے نظائر پہلے بھی موجود ہیں اس لئے کہ آل ابراہیمؑ میں جب ہم نبی بھیجتے رہے ہیں) تو بعض ان میں سے ایمان لاتے رہے ہیں اور بعض ان میں سے (تمہاری طرح حسد کر کے) رکتے (اور روکتے) رہے ہیں (جن کے حالات کو تم خوب جانتے ہو۔ کہ کس طرح وہ دنیا میں ہی ذلیل ہو کر تباہ ہوتے رہے ہیں اور ایمان والے کس طرح کامیاب ہوتے رہے ہیں۔)

جلدوں کی تبدیلی کی وجہ:

اور جہنم کافی بھڑکایا ہوا ہے (یعنی پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوا ہے کیونکہ ہمارا یہ پختہ قانون ہے کہ) یقیناً جو لوگ کافر بنے ہیں ضرور ہی ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے۔ جب کبھی ان کے چمڑے پک جاویں گے تو ہم ان کے لئے ان کے ان چمڑوں کے خلاف اور چمڑے بدل دیں گے (یعنی یہ نہیں کہ وہ جل کر فنا ہو جاویں گے اور پھر عذاب سے نجات پا جاویں گے بلکہ بتایا کہ عذاب کے قائم رکھنے کے لئے ان کے چمڑے بھی بدلتے رہیں گے کیوں کہ انسان کے بدن کا ملمس یعنی چمڑہ جب کسی چیز سے معتاد ہو جاتا ہے تو پھر اس کو وہ چیز ناگوار معلوم نہیں ہوا کرتی اسی وجہ سے تبدیل جلود کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ) تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ (رہا یہ کہ وہ کس طرح بدلیں گے یا انسان کس طرح ایسے عذاب میں باقی رہ سکے گا۔ یا یہ خیال کرنا کہ پہلے حسد کرنے والے تو کمزور تھے اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا اور ہم ایسے نہیں تو فرمایا کہ) یقیناً اللہ بہت غالب بہت حکمت والا ہے۔ جس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے لہٰذا تم اس کے کاموں پر تعجب کرتے ہو۔

نعماءِ جنت:

اور ان کے مقابل) یقیناً جو لوگ کہ ایمان لائے ضرور ہم ان کو باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ رہ پڑنے والے ہوں گے ان میں انہی کے لئے ان میں پاک جوڑے ہوں گے اور ہم ان کو گھنے سایوں میں داخل کریں گے (بعض لوگ قیامت کے متعلق جب ایسی نعمتوں کا ذکر آتا ہے تو وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا یا اس کی ضرورت ہی نہیں یا نہ ہو گی۔

اس کے متعلق ان معترضین کو اس قدر ضرور سوچ لینا چاہیے کہ وہ جہان ہی ایسا ہے کہ لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَىٰ قَلْبِ بَشَرٍ[1]۔

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن باب قولہ فلا تعلم نفس... حدیث 4779)

تو پھر اس کے احوال کو دنیوی حالت پر قیاس کرنا بجز ثبوت حماقت خود دینے سے اور

[1] نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا اور نہ کسی کان نے اسے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔ (از مرتب)

کچھ نہیں ہے نہ تو اس نعمت کی پوری کیفیت دنیا میں معلوم ہو سکتی ہے اور نہ اس کے مقارن دوسرے امور کا پورا علم ہو سکتا ہے۔ پس سعادت یہی ہے کہ ان پر ایمان لا کر تفصیل و تشریح حوالہ بخدا کی جائے علاوہ بریں ہم یہاں پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورج کے نہ ہونے سے ظل کی عدم ضرورت اوّل تو ثابت ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس موجود سورج کے نہ ہونے سے مطلق روشنی اور حرارت دینے والی اشیاء کی نفی لازم نہیں آتی نیز بفرض محال یہ اس وقت ہے کہ ظل سے عدم سورج سے جو حالت ذہن میں متصور ہوتی ہے اس کے علاوہ کوئی اور ظل مانا جائے اور اگر اسی کو ظل کہا جائے تو پھر کچھ بھی نہیں۔

نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک فضل:

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ گو نبوت و وحی فضلی چیز ہیں اور کسی کے حصہ میں وہ نہیں لیکن تاہم خداوند تعالیٰ حکیم نے تمہارے ناقابل ہونے اور دوسروں کے قابل ہونے کے سوا یونہی تم سے نکال کر دوسروں کو نہیں دی کیونکہ فضل بھی فضل کے مستحق کا حق ہوتا بلکہ یہ اس کی امانت ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کسی کی امانت اس کو نہ دے بلکہ دوسرے کو دے دے۔ نیز اس بات کے لئے کہ نبوت بھی خداوند تعالیٰ کی امانت ہوتی ہے جس کی نسبت حکم ہوتا ہے کہ اس کو امانت کے ساتھ میرے بندوں تک پہنچاؤ اور چونکہ تم معمولی دنیوی حقیر اشیاء کی امانت بھی حقداروں کی طرف واپس نہیں کرتے تو اس عظیم الشان امانت کو تم کب ادا کرتے اور دوسروں کو امین پایا ہے اس لئے ان کو اس امانت کا امین بنایا ہے فرمایا کہ) بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے حقداروں کی طرف واپس کرو (تو جب وہ تم کو اس کا حکم کر دیتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اس کو پسند کرتا ہے اور وہ خود اس کے خلاف نہیں کرتا۔

اسی طرح جب تم باوجود اس حکم کے معمولی امانتوں کو ادا نہیں کرتے تو یہ عظیم الشان امانت کس طرح تمہارے سپرد کی جائے) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو (اور تم جب خود کہتے ہو کہ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ[1] (آل عمران:76) اور دوسروں کے ساتھ اس قدر حسد اور کینہ و بغض و عداوت رکھتے ہو تو اگر تم کو وہ ولایت اور

[1] ہم پر امیوں کے بارہ میں کوئی گرفت نہیں۔ (تفسیر صغیر)

حکومت عامہ دی جاتی جو کہ بمقتضائے وقت اور دیگر حالات موجودہ سب اقوام دنیا پر ہمیشہ کے لئے تو پھر کب تم ان دوسری قوموں کے حق میں انصاف سے کام لیتے اور اس بات کے بتانے کے لئے کہ جب اللہ تم کو یہ دو حکم دیتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کو یہ پسند بھی ہوں اور وہ خود بھی ایسا ہی کرے کہ جس کی امانت ہو اس کو دے اور لوگوں میں انصاف کرے کہ اگر پہلے تمہارے قابل ہونے کی وجہ سے اس نے تم کو نبوت دی ہے تو اب تمہارے ناقابل اور دوسروں کے قابل ہونے سے ان کو دے اور اس کو ناحق تمہارا ہی ورثہ اور گرونہ بنادے۔ فرمایا کہ) بے شک اللہ اس چیز کے ساتھ تم کو وعظ کرتا ہے جو کہ بہت ہی اچھی ہوتی ہے۔ (یعنی جو حقیقت میں عمدہ اور اس کو پسند ہوتی ہے اسی کا تم کو وہ وعظ کرتا ہے اور خود بھی اگر کرتا ہے تو اس کے مطابق کرتا ہے اور تمہاری طرح نہیں کہ کہتے اور اور کرتے اور ہو اور پسند کچھ اور ہی کرتے ہو۔ رہا یہ کہنا کہ ہم ایسے نہیں یا ہمارے مخالف جن کو نبوت دے دی ہے وہ ایسے نہیں تو یہ غلط ہے اس لئے کہ) یقیناً اللہ ہمیشہ سننے والا، دیکھنے والا ہے (بخلاف دوسروں کے کہ وہ کسی چیز کو اور کسی حالت میں دیکھ سن سکتے اور کسی چیز کو اور کسی حالت میں نہیں دیکھ سکتے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ اس کا تدارک کرنا تھا تو پہلے کرتے اب جبکہ وہ وقت ہاتھ سے چلا گیا ہے اور جو بھیجنا تھا وہ آچکا ہے تو اب بجز فرمانبرداری کے اور کوئی صورت نہیں کیونکہ اس کی فرمانبرداری نہ کرنے سے۔ اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہے اور اس کی فرمانبرداری بعینہٖ خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے فرمایا کہ) اے ایمان لانے والو تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس رسول کی اطاعت کرو۔ سو اگر تم کسی چیز میں جھگڑو تو اس کو اللہ اور اس رسول کی طرف پھیرو اگر تم اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے ہو (اور ایمان کی شرط لگا کر یہ بھی بتادیا کہ جو لوگ چکڑالوی اور عبدالحکیم مرتد کی طرح اطاعت رسول کو ضروری اور لازم نہیں جانتے وہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر بھی ہرگز نہیں رکھتے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اب تک وہ واجب الاتباع جانتے یا ظاہر کرتے ہیں اطاعت رسول اور ایمان باللہ وبالیوم الآخر کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ یہ آیت کریمہ ان کے تمام ساختہ وپرداختہ کو خاک میں ملا دیتی ہے) یہ بہت اچھا اور اچھے انجام والا ہے۔

آیت 61 تا 71: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ وَ يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِيۡدًا ۔ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۔ فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِيۡقًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَ عِظۡهُمۡ وَ قُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًا بَلِيۡغًا ۔ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَ يُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۔ وَ لَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا يُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَ اَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا ۔ وَّ اِذًا لَّاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۔ وَّ لَهَدَيۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۔ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا ۔ ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ۔

تشریح الفاظ:

یَزْعُمُوْنَ۔ زُعْمٌ سے ہے خیال و گمان کرنا اور کہنا۔

یَتَحَاکَمُوْا۔ تَحَاکُمٌ سے ہے آپس میں فیصلہ کرنا اور اِلٰی کے ساتھ فیصلہ کے لئے پیش کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

تَعَالَوْا۔ تَعَالٍ کی جمع ہی ہے اس کے اصل معنے ہیں اوپر آ۔ لیکن اب اس کے معنے ہیں آؤ عام اس سے کہ اوپر ہو یا نیچے۔

یَصُدُّوْنَ۔ صَدٌّ سے ہے رکنا اور روکنا۔

یَحْلِفُوْنَ۔ حَلْفٌ سے ہے اِنْ کے بعد جب اِلَّا آتا ہے تو اسی کے معنے نفی کے ہوتے ہیں۔

تَوْفِیْقٌ۔ مُوَافَقَۃٌ اور اچھے مقصد کے لئے اسباب کا مہیا کرنا۔

فَلَا وَرَبِّكَ میں واؤ قسم کے لئے ہے لَا جو قسم کے پہلے آیا کرتا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں اوّل یہ کہ یہ زائد ہے تاکید قسم کے لئے ہے اور یہی قول زمخشری وغیرہ محققین عربیت نے پسند کیا۔ دوم یہ کہ یہ زائد ہی ہے پر تاکید نفی کیلئے جو کہ جواب قسم میں ہوتی ہے جیسی یہاں پر لَا یُؤْمِنُوْنَ میں ہے جو کہ جواب قسم یعنی وہ چیز ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے اور مذکورہ دونوں امروں کی تاکید کرتا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ اس کے ساتھ مقابل کی نفی ہوتی ہے اور وہ منفی بات اس کے بعد مقرر ہوتی ہے گویا یوں کہا جاتا ہے کہ لَا یَکُوْنُ الْاَمْرُ کَمَا زَعَمْتُمْ[1] اور اس کو طبرسی نے پسند کیا ہے۔ پر عمدہ بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نہ یہ زائد ہے اور نہ اس کے بعد کوئی چیز مقدر ہے بلکہ اس میں قسم کی ضرورت کی نفی ہے جس کے ساتھ اس کے ظہور اور ثبوت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس پر کہ قسم کھائی جاتی ہے۔ گویا یوں کہا جاتا ہے کہ یہ امر ایسا واضح اور ثابت شدہ ہے کہ کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رکھتا تو کہ قسم کے طریق پر اس کا ثبوت دیا جاتا۔

یُحَکِّمُوْنَ۔ تَحْکِیْمٌ سے ہے کسی کو فیصلہ کرنے والا قرار دینا۔

---

[1] معاملہ ویسا نہیں جیسا تم سوچ رہے ہو۔ (از مرتب)

شَجَرَ۔ شَجَرٌ سے بنایا گیا ہے جس کے اصل معنے گنجان اور خلط ہونے اور ٹکرانے کے ہیں اور اسی وجہ سے درخت پر بھی بولا جاتا ہے اور اب جھگڑے کے معنوں میں بھی آتا ہے اور مشاجرہ تنازع کو کہتے ہیں۔

حَرَجٌ کے معنے تنگی شک گناہ کے ہیں۔

کَتَبْنَا۔ کِتَابَۃٌ سے ہے لکھنا، مقرر کرنا، فرض کرنا۔

تَثْبِیْتٌ۔ ثابت رکھنا اور مستحکم کرنا۔

صِدِّیْقِیْنَ۔ صِدِّیْقٌ کی جمع ہے اور صِدِّیْقٌ، صَادِقٌ کا مبالغہ ہے۔ رہا یہ کہ صدیق اصطلاح شرع میں کس کو کہا جاتا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں بیان ہو گا۔

ترجمہ:

کیا تم ان کی طرف نہیں دیکھا جو کہ کہتے (یا خیال کرتے) ہیں۔ کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو کہ تمہاری طرف اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ لے جائیں بڑے سر کش کے آگے۔ حالانکہ یقیناً ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس سے انکاری رہیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی کے ساتھ بہکا دے اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف چڑھو جو کہ اللہ نے اتارا ہے اور اس رسول کی طرف تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو۔ کہ تم سے بہت رکتے (اور روکتے) ہیں تو پھر کیا حالت ہوتی ہے جبکہ ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ تو تیرے پاس آتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم نے تو احسان اور موافقت ہی چاہی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ اس کو جانتا ہے جو کہ ان کے دلوں میں ہے۔ تو تم ان سے اعراض کرو اور ان کو وعظ کرو اور تم ان کو ایسی بات کہو جو ان کے جیؤں میں پہنچنے والی ہو اور ہم نے ہر ایک رسول اس لئے بھیجا ہے تا کہ اللہ کے حکم سے اس کی پیروی کی جاوے اور اگر وہ تیرے پاس آجاتے جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور یہ رسول (بھی) ان کے لئے مغفرت مانگتا تو ضرور وہ اللہ کو بہت رحمت کے ساتھ پھرنے والا اور نیک بدلہ دینے والا پاتے۔ سو تیرے رب کی قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں (یا ایسا نہیں جو یہ گمان کرتے ہیں قسم ہے تیرے رب کی کہ)

یہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ اس میں تجھے حکم بنائیں (جس میں کہ) وہ جھگڑے ہیں اور پھر اپنے جیؤں میں اس سے کوئی تنگی نہ پائیں جو تو نے حکم دیا ہے اور پورے طور پر تسلیم کر لیں اور اگر ہم ان پر یہ مقرر کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے اس کو تھوڑے ہی کرتے اور اگر یہ اس کو کرتے جس کے ساتھ ان کو وعظ کیا جاتا ہے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا اور سخت ثابت رکھنے والا ہوتا اور تب ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے اور ہم ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے اور جو جو شخص اللہ اور کامل رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور نمونوں (یا شہیدوں) اور سنوار والوں کے۔ یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے۔

تفسیر:

جب یہ ذکر آیا کہ تنازعات کا اللہ اور رسول کی طرف پھیرنا اور ایمان باللہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور اس سے یہ خیال گذر سکتا تھا کہ کیا ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کے مدعی بھی ہوں اور پھر تنازع کو اللہ اور رسول کی طرف نہ پھیریں تو ایسے لوگوں کا ثبوت دینے کے لئے اور ان کے خارج از ایمان بتانے کے لئے فرمایا کہ کیا تم (ہر ایک یا خاص نبی کریمؐ) نے ان کی طرف نہیں دیکھا جو مدعی ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا ہے اور اس پر جو تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے چاہتے ہیں کہ نہایت سرکش کے پاس فیصلہ لے جاویں۔ حالانکہ ضرور ان کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ اس کا انکار کریں (اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ) شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی کے ساتھ بہکاوے۔

مفسرین کے نزدیک سبب نزول:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقین سے بشر نام ایک شخص کا کسی یہودی کے ساتھ کوئی تنازع تھا۔ تو اس یہودی نے تو اس کو کہا کہ چلو محمدؐ سے فیصلہ کرائیں۔ پر اس نے اس کو منظور نہ کیا اور بجائے اس کے کعب بن اشرف کے پاس جانا چاہا لیکن آخر نبی کریمؐ

کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے یہودی کا حق پا کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو منافق اس پر راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ آ، ہم عمرؓ کے پاس جائیں تو جب وہاں گئے تو یہودی نے ذکر کیا کہ محمدؐ نے فیصلہ کر دیا تھا۔ پر اس نے منظور نہیں کیا اس پر حضرت عمرؓ نے کہا تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار لے کر آئے اور اس پر ایک ہی ایسا وار کیا کہ اس کا کام تمام کر دیا اور کہا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ منظور نہ کرے گا میں اس کا فیصلہ اسی طرح کروں گا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور طاغوت کا اطلاق جس طرح بڑا سرکش ہونے کی وجہ سے کعب بن اشرف پر ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا یہ لقب عام ٹھہر چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر کا لقب الفاروق مشہور تھا اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ابوبرزہ نام ایک کاہن تھا کہ جس طرح قریش میں تنافر کے مقدمات کا فیصلہ حضرت عمرؓ کے والد اور پھر آپ کیا کرتے تھے اسی طرح یہود کے (تنافر دو ہمسر شخصوں یا قوموں میں فوقیت کا جھگڑا) کا فیصلہ وہ ابوبرزہ کیا کرتا تھا تو ایک دفعہ اہل اسلام سے چند لوگ اس کے پاس اپنا مقدمہ لے گئے تو اس پر یہ نازل ہوئی اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قریظہ اور بنی نضیر کے یہود سے کچھ لوگ ایمان لائے تھے اور ان میں سے کچھ منافق ہو گئے تھے اور ان میں ایک خون کا جھگڑا تھا تو منافقوں نے بجز ابوبرزۃ کے اور کسی کے پاس فیصلہ پسند نہ کیا لہٰذا وہ اس کے پاس گئے اور میں نے بارہا اس کے معنے بتائے ہیں جو کہ روایتوں میں آیا کرتا ہے کہ فلاں امر میں فلاں آیت نازل ہوئی ہے اور انہی معنوں کی رو سے یہ اور ان کے ہمرنگ سب واقعات اس کے اسباب نزول سے ہیں۔

ایمان اور کفر بالطاغوت سے مراد:

اور میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ایمان بالطاغوت اور کفر بالطاغوت سے شریر کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ شریر کی اطاعت کا محرک بجز شیطان اور نفس امارہ کے اور کون ہو سکتا ہے اور ان کے اس مذکورہ واقعہ کا دوسرا جزو یہ ہے کہ) جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے یعنی کتاب اللہ کی طرف اور کامل رسول کی طرف تو تو منافقوں کو دیکھتا ہے۔ کہ تجھ سے رکتے اور

روکتے ہیں۔ یعنی یہ منافق کا کام اور نشان ہے کہ جب اس کو کتاب اللہ اور رسول اللہ کی طرف فیصلہ رجوع کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ اس سے رک جاتا ہے اور دوسروں کو اس سے روکتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ پھر یہ ہمت بھی نہیں ہوتی رکے رہیں یا کھلے طور پر اپنے رکنے، روکنے پر قائم رہیں اور ضرورت کے وقت بھی ایسی ہی قائم رہیں بلکہ نہایت بزدل اور غیر مستقل ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ) جب ان کو کوئی اس کے باعث مصیبت پہنچی جو کہ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا (یا پیش کیا) ہے پھر تمہارے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آگئے کہ ہم نے تو احسان اور موافقت ہی کا ارادہ کیا ہے تو (اس وقت) کیا حالت ہوتی ہے (اس کی نسبت بھی مفسرین نے مختلف واقعات نقل کئے ہیں۔ کچھ تو انہی گذشتہ واقعات کے بعد ان لوگوں کی عذر خواہیوں کو ذکر کرتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ اس میں عبد اللہ بن ابی کا ذکر ہے جو کہ غزوہ بنی مصطلق سے وہ اور اس کے ساتھی پھر گئے تھے جبکہ سورہ منافقون نازل ہوئی ہے اور اس غزوہ کے بعد ان کو نہایت ذلیل ہو کر عذر خواہی کرنی پڑی تھی تو انہوں نے عذر خواہی کے وقت یہ باتیں کی تھیں لیکن پہلے واقعات کی طرح یہ بھی کوئی خاص واقعہ نہیں بلکہ منافقوں کی عام یہ حالت تھی۔ کہ آگے پیچھے تو اہل اسلام سے کشیدگی رکھتے تھے پر اپنی بد اعمالیوں کے باعث جب مصیبتوں میں پھنستے تھے تو ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے پھر اہل اسلام کی طرف رجوع لاتے تھے اور چونکہ ان کے اپنے دلوں میں اپنی کشیدگی اور باقی شرارتوں کی وجہ سے حجاب اور ایک قسم کا دغدغہ ہوتا تھا اس لئے اہل اسلام کو خوش کرنے کے لئے محض جھوٹے عذر تراشے اور پھر تصدیق کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔

اور اس وقت اہل اسلام گو ان کے ساتھ نہایت کریمانہ اور شریفانہ برتاؤ کرتے تھے لیکن ان کی نظروں میں وہ نہایت درجہ کے ذلیل ہو جاتے تھے فرمایا کہ) یہ وہ لوگ کہ اللہ اس کو جانتا ہے جو کہ ان کے دلوں میں ہے (یعنی جو کچھ ان سے ظاہر ہوا ہے وہ تھوڑا ہے اور ان کے دلوں میں بہت گند ہے۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ[1] (آل عمران:119) ایسوں ہی کی

[1] اور جو کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہے۔ (تفسیر صغیر)

نسبت آیا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ باوجود ان کے دلوں کی خباثتوں کے جاننے کے جب ابھی ان کو نہیں پکڑتا) تو پھر تم (بھی) ان سے اعراض کرو اور ان کو وعظ کرو اور ان کے جیؤں میں پہنچنے والی بات ان کو کہو (یا ان کو اکیلا ہونے کی حالت میں ایسی بات کہو جو پہنچنے والی یعنی موثر ہو کیونکہ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اکیلے ہوں اور یہ بھی کہ وہ بات ان کے جیؤں میں پہنچنے اور اثر کرنے والی ہو۔

اس کے بعد اس سارے بیان کی اصل غرض بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا پر اس لئے کہ اللہ کے اذن کے ساتھ اس کی پیروی کی جائے (یعنی رسول نمونہ بنا کر اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ اس کی تابعداری کی جاوے اور نیز یہ بتایا کہ اس کی اطاعت چونکہ الٰہی حکم کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے اس کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اور نافرمانی بعینہٖ اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کی نافرمانی پر خداوند تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی سزائیں دیتا ہے اور قیامت کو بھی دے گا۔ بلکہ یہ بتانے کے لئے کہ رسول کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ براہ راست خداوند تعالیٰ سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) اگر وہ جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تمہارے پاس آجاتے پھر وہ اللہ سے مغفرت مانگتے اور یہ کامل رسول بھی ان کے لئے مغفرت مانگتا تو ضرور وہ اللہ کو رحمت کے ساتھ پھرنے والا اور نیک بدلہ دینے والا پاتے۔ (یعنی اگر ان سے قصور ہو گیا تھا تو پھر کچھ پروانہ کرنا اور مصیبت نازل ہونے پر رسول کے راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا عذر گناہ بدتر از گناہ ان کے علاوہ فائدہ بھی کچھ نہیں رکھتا بلکہ اسی وقت ان کو رسول کے پاس آکر خود بھی استغفار کرنی اور رسولؐ سے دعا مغفرت کرانی چاہیے تھی کیونکہ گو یہ نافرمانی رسول کی ہے پر حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسی کا گناہ ہے اور اس پر وہی سزا دینے والا ہے۔ لہٰذا اسی سے خود بھی اور بوساطت رسول ہی معافی مانگنی چاہیے۔ اس کے بعد اس بات کی تصریح کرنے کے لئے جو کہ ایمان اور رسولؐ کے پاس فیصلہ لے جانے کے تلازم سے لازم آتی ہے اور نیز یہ بتانے کے لئے کہ اگر پہلے رسول کے پاس فیصلہ لے بھی

آویں پر بعد از فیصلہ ناراض ہوں تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو کہ فیصلہ نہ لے جانے کا ہے فرمایا کہ) سو تیرے رب کی قسم کھانے کی ضرورت نہیں (یا نہیں تیرے رب کی قسم ہے) کہ وہ مومن نہ بنیں گے جب تک کہ وہ تجھے اس نزاع میں حکم بنائیں جو ان میں پھیلا ہے پھر وہ اپنے جیوں میں اس سے کوئی تنگی نہ پائیں جو تو نے فیصلہ کیا ہے اور وہ پورے طور پر تسلیم کر لیں۔ (بتایا کہ جس طرح مومن کی شان سے بعید ہے کہ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر کسی اور کے پاس فیصلہ کیلئے مقدمہ لے جائے اسی طرح مومن کی شان سے بعید ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر اس کے دل میں کوئی رنج اور کدورت پیدا ہو یا وہ اس کو نہ مانے اور ردّ کر دے۔

ہمارے بھائیوں کو اس آیت کریمہ کا خوب خیال رکھنا چاہیے۔ نہ رسول نے ہمیشہ زندہ رہنا ہوتا ہے اور نہ کلام الٰہی کے احکام اس کے حین حیات کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ سو رسول کے خلفاء اور اس کی شریعت اس کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسی کتاب اللہ اللہ کے قائم مقام ہے چنانچہ رُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[1] (النساء:60) کی تفسیر میں سب مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔

پس ان لوگوں پر کیسا افسوس ہے کہ اللہ کی کتاب موجود ہے رسول اللہ ﷺ کی شریعت موجود ہے پھر خداوند تعالیٰ کے فرستادہ کا خلیفہ موجود ہے اور ان سب کو چھوڑ کر مقدمات کو اور طرف لے جاتے ہیں اور اگر کوئی شریعت پر فیصلہ کراتا بھی ہے تو جب اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو فوراً اس کی تردید کی کوشش کرتا ہے اور دعویٰ پھر بھی ایمان اور احمدیت کا ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جو کوئی مقدمہ نہیں لاتا یا لاتا ہے تو پھر فیصلہ پر ناراض ہوتا ہے تو محض اسی وجہ سے ناراض ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کچھ جاتا ہے حالانکہ جس طرح حقیقت میں تمہارا اور تمہاری سب چیزوں کا اللہ ہی مالک ہے۔ اسی طرح تم نے ایمان اور بیعت کے ساتھ اپنے مال و جان کے دے دینے اور ان سے علیحدہ ہو جانے کا اقرار کر لیا ہوا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ اس کے حکم سے تم سب

[1] اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ (تفسیر صغیر)

کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہو اور جب وہ ایسا حکم نہیں دیتا تو اس کو اس کا فضل و کرم خیال کرو اور بجائے رنج کے شکر کرو۔ فرمایا کہ) اگر ہم ان پر یہ لکھتے (یا مقرر کرتے) کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا تم اپنے شہروں سے نکل جاؤ تو اس کو تھوڑے ہی کرتے اور اگر یہ اس کو کرتے جس کے ساتھ ان کو وعظ کیا جاتا ہے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور بہت ثابت رکھنے والا ہوتا۔ (یعنی یہ ان کو زیادہ حق پر ثابت رکھتا یا یہ اس کو زیادہ ثابت رکھتا جو کہ ان کو ملتا) اور تب ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے اور ضرور ہم ان کو سیدھی راہ پر چلاتے۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور اُخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ میں بنی اسرائیل کو یہ بتایا ہے کہ ہم نے یہی حکم تمہارے آباء کو دیا تھا اور انہوں نے تو اس کی تعمیل کی تھی لیکن اگر تم کو یہ حکم دیا جائے تو تم میں سے اکثر اس کو بجانہ لائیں گے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ مصر سے اگر وہ نکلے ہیں تو بے گار وغیرہ کی تکالیف سے نہ تعمیل ارشاد الٰہی سے اور عام طور پر تو بنی اسرائیل کو لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ [1] (البقرۃ:85) کا ارشاد تھا اور جو حضرت موسٰی نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [2] (البقرۃ:55) تو اس میں ارشاد کی تعمیل اور پھر کل یا اکثر کی تعمیل کا بھی ذکر نہیں بلکہ ساتھ ہی فَتَابَ عَلَيْكُمْ [3] (البقرۃ:55) فرما کر بتا دیا ہے کہ معاف کر دیا گیا تھا بلکہ حق وہی ہے جو کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اب اس اطاعت رسول ﷺ کا فائدہ اور اس فائدہ کی عظمت بیان کرتا ہے کہ) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (اور وہ) نبی اور صدیق اور شہید اور سنوا روالے لوگ (ہیں) اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں۔

نبی، صدیق، شہید، صالح کی تعریف:

مفسرین اور صوفیاء نے ان کی یہ تشریح کی ہے کہ نبی تو انسانی سب مراتب سے اعلیٰ

---

[1] تم (آپس میں) اپنے خون نہ بہاؤ گے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اے میری قوم (کے لوگو)! تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر یقیناً اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اس لئے تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف جھکو، اور ہر شخص اپنے آپ کو قتل کر دے۔ (تفسیر صغیر)

[3] تب اس نے تمہاری طرف فضل کے ساتھ پھر توجہ کی۔ (تفسیر صغیر)

اور انتہائی مرتبہ پر ہوتا ہے اور وہ اس کی مانند ہے جو کہ بچشم خود چیز کو نزدیک سے دیکھتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی شان میں آیا ہے۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى[1] (النجم:13) اور دوسرے مرتبہ پر صدیق ہے اور یہ اس کی مانند ہے جو دور سے دیکھتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صدیق کا قلب آئینہ کی مانند ہوتا ہے جو بات کہ نبی پر وحی سے وارد ہوتی ہے وہ نبی کے قلب سے اس کے قلب پر منعکس ہوتی ہے اور تیسرے مرتبہ پر شہید ہے اور یہ اس کی مانند ہے جو کہ آئینہ میں دیکھتا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شواہد و آیات سے حق کو دیکھتا ہے لیکن مجھے جو سمجھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی وہ ہے جو کہ وحی کے ساتھ خداوند تعالیٰ سے خبر پاکر دوسروں کو خبر دینے پر مامور ہو۔ جیسا کہ یہ لفظ بتاتا ہے اور صدیق وہ ہے جو کہ نبی کی خبر کی ایسی تصدیق کرلے گویا کہ نبی کی تصدیق کے دوسرے نمبر پر ہے اور اس اعلیٰ درجہ کی تصدیق کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے جیسا کہ اس لفظ سے مفہوم ہوتا ہے اور شاہد وہ ہے کہ گو اس کو شواہد کی وجہ سے نبی کی خبر کی تصدیق ایسی ہی ہے جیسی کہ حاضر کو ہوتی ہے لیکن اس کی تصدیق کسی قدر شواہد کی بھی محتاج ہے اور صالح وہ ہے کہ گو اس کی تصدیق ان پہلے دونوں مرتبوں سے کم ہے پر سنوار عملی کے لئے کافی ہے اور اہل کتاب کی نظروں میں چونکہ یہ بات بہت بعید تھی کہ اس رسول کا متبع نبیوں کے ساتھ ہو جائے تو فرمایا کہ) یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے (اور بے وجہ یا غلطی سے نہیں بلکہ) اللہ کافی جاننے والا ہے۔

[1] کیا تم اس سے اس (نظارہ) کے بارہ میں جھگڑتے ہو جو اس (یعنی محمد رسول اللہ) نے (آسمان پر) دیکھا تھا۔ (تفسیر صغیر)

آیت 72 تا 77: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا۔ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا۔ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

تشریح الفاظ:

حِذْرٌ۔ اس کے اصل معنے تو بچنے اور بچاؤ کے ہیں اور زیادہ تر اس چیز پر بولا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ بچاؤ حاصل کیا جاتا ہے اور یا بچاؤ کے لئے جو تیار کیا جاتا ہے۔

اِنْفِرُوْا۔ نَفَرٌ سے ہے جس کے اصل معنے فزع اور گھبراہٹ کے ہیں اور جنگ پر جانے اور شہر سے نکلنے پر بولا جاتا ہے۔

ثُبَاتٌ۔ ثُبَةٌ کی جمع ہے گروہ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ گروہ جو دس سے زیادہ اور سو سے کم ہو اور بعض نے دو سے زیادہ کہا ہے۔

جَمِیْعًا۔ بمعنے مُجْتَمِعٌ ہے۔

لَیُبَطِّئَنَّ۔ یہ تین چیزوں سے مرکب ہے لام سے جو حرف تاکید ہے۔ دوم نون مشدّد سے کہ وہ بھی تاکید کے لئے آیا کرتا ہے۔ سوم یَبْطَیءُ سے جو کہ بُطَاءٌ سے ہے تاخیر کرنا اور پیچھے رہ جانا۔

شَھِیْدٌ۔ شُھُوْدٌ بمعنے حضور سے ہے۔

کَاَنْ۔ کَأَنَّ کا مخفف ہے۔ گویا۔

مَوَدَّۃٌ۔ محبت۔ پیار۔

لَیْتَنِیْ۔ تین چیزوں سے مرکب ہے۔ لَیْتَ جس کے معنے تمنا یعنی کاش کے معنے دیتا ہے اور یاء متکلم سے اور نون سے جس کو نحوی نون و قایہ کہا کرتے ہیں یعنی جو کہ بعض کلمات کے آخر یاء متکلم لگانے کے وقت محض اس لئے لایا جاتا ہے کہ اس لفظ کے آخر کو زیر سے بچا کر اپنے پر وہ زیر لے لے جو کہ یاء کی وجہ سے آنے والی تھی۔

اَفُوْزُ۔ فَوْزٌ سے ہے کامیاب ہونا۔

یَشْرُوْنَ۔ شَرِیَ سے ہے خریدنا اور بیچنا۔

الْمُسْتَضْعَفِیْنَ۔ مُسْتَضْعَفٌ کی جمع ہے۔ اسْتِضْعَافٌ سے جس کے معنے ہیں کسی کا ضعف اور اس کی کمزوری اور ذلت چاہنا یا بہت ضعیف کرنا یہ یا اللہ پر عطف ہے یا سبیل پر یا اَغْنِی۔ اَخَصُّ۔ اَمْدَحُ اس سے پہلے مقدر ہے اور یہ اس کا مفعول ہے پر سب سے عمدہ یہ ہے کہ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ کا یہ مفعول ہے جو یہاں سے مفہوم ہوتا ہے۔

لَدُنْ۔ پاس۔ کَیْدٌ۔ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہیں تم اپنا بچاؤ لے لو پھر گروہ گروہ یا اکٹھے جنگ کے لئے نکلو اور بے شک تم میں سے وہ بھی ہے جو کہ ضرور ہی پیچھے رہ پڑتا ہے (یارہ پڑے گا) سو اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچی تو کہنے لگا کہ ضرور اللہ نے مجھ پر انعام کیا ہے جبکہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں ہوا اور اگر تم کو اللہ کی طرف سے کوئی فضل پہنچا تو ضرور ہی وہ (ایسا) کہے گا گویا کہ تمہارے

اور اس کے درمیان کوئی محبت نہ تھی کہ ہائے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں (بھی) بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ سو اللہ کے راستہ میں وہ لوگ لڑیں جو کہ نزدیک زندگی کو پیچھے آنے والی کے ساتھ فروخت کرتے ہیں اور جو اللہ کے راستہ میں لڑے گا پھر وہ قتل ہو گا یا وہ غالب ہو گا تو یقیناً ہم اس کو بڑا اجر دیں گے اور تمہارے لئے کیا ہے۔ کہ تم اللہ کے راستہ میں نہیں لڑتے حالانکہ (تم ان کو خوب جانتے ہو) جو کہ ضعیف کئے جاتے ہیں مردوں اور عورتوں اور بچوں سے جو کہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہم کو اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور تو ہمارے لئے اپنے پاس سے سرپرست بنا اور تو ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار بنا جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر بنے ہیں وہ اس سرکشی کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم اس شیطان کے دوستوں سے لڑو یقیناً شیطان کی مخفی تدبیر ضعیف ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے یہ ذکر ہوا تھا کہ اے رسول تم مومنوں کو کہہ دو کہ ان بے ایمان لوگوں سے درگذر کریں جو کہ اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے جس سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ جب مغفرت کا حکم ہے تو پھر جہاد تو کسی طرح جائز بھی نہ ہوا چہ جائیکہ وہ اچھا یا واجب ہو سکے۔ تو خداوند کریم نے اس کو رفع کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) ہاں اے مومنو! تم اپنا بچاؤ لے لو پھر گروہ گروہ یا مجتمع ہو کر جہاد پر جاؤ۔ (یعنی کفار کے ساتھ جہاد نہ کسی سزا اور بدلہ کے لئے ہے اور نہ ان کے زبردستی مسلمان کرنے کے لئے بلکہ بچاؤ کے لئے ہے کہ وہ تم کو دنیا سے نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور خداوند تعالیٰ یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ دین اپنی خوبیوں کے ساتھ جن کو اپنے حلقے میں لانا چاہتا ہے ان کو اپنے حال پر چھوڑا جائے اور ان کو روکا نہ جائے اور چونکہ جہاد پر جانے کے لئے اختیار دیا تھا کہ گروہ گروہ یا جمع ہو کر جاؤ اور اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ سب پر تو مل کر جانا کوئی لازم نہیں لہٰذا اس کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم میں سے وہ بھی ہے جو کہ ضرور ہی پیچھے رہتا ہے۔ پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچی تو کہتا ہے کہ اللہ نے ضرور مجھ پر فضل کیا جبکہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا۔ (یعنی اگر میں حاضر ہوتا تو ان کے ساتھ مجھے بھی مصیبت اٹھانی پڑتی پر خداوند تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام کیا کہ میں ان کے

ساتھ نہیں گیا) اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضل ملا تو ضرور ایسا کہتا ہے جیسا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت نہ تھی کہ ہائے کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تو میں بڑی کامیابی حاصل کرتا (یعنی خداوند تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل نہیں کرتے اور آرام اور فائدہ دنیوی کو مد نظر رکھتے ہیں لہٰذا مصیبت کے وقت تو اپنے پیچھے رہنے کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے بڑی بھاری نعمت شمار کرتے ہیں اور فضل ملنے کے وقت حسرت کھاتے اور ساتھ ہونے کے متمنّی ہوتے ہیں۔ پر مصیبت کو اِنۡ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ کے ساتھ اور فضل کو وَلَئِنۡ اَصَابَکُمۡ فضل کے ساتھ بیان فرما کر بتایا ہے کہ مصیبت تو شکی اور گاہے بگاہے قدرے قلیل ہوتی ہے لیکن فضل یقینی اور اکثر اور عظیم الشان ملتا ہے لہٰذا خوشی کی نسبت اس کی حسرت زیادہ اور یقینی ہے سو تم کو اس کی طرح نہ ہونا چاہیے بلکہ جب حکم ملے تو فوراً روانہ ہو جاؤ اور ضروری سامان کی تیاری پہلے سے کر رکھا کرو۔

جہاد کی دو غرضیں:

اسی وجہ سے اس کے بعد ان کو جہاد کا حکم دیتا ہے اور تاخیر کرنے والے کے بر خلاف جہاد کی اور دو غرضیں اور دو وجہیں بیان فرما کر ان کو آمادہ کرتا ہے چنانچہ فرمایا کہ) جو لوگ نزدیک زندگی کو پیچھے آنے والی زندگی کے عوض میں فروخت کرتے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں لڑیں اور جو کہ اللہ کے راستہ میں لڑیں گے پھر وہ قتل کئے جائیں یا وہ غالب ہوں تو ضرور ہی ہم ان کو بڑا اجر دیں گے (یعنی جب تم ایمان کے دعویٰ میں اس زندگی کی سب چیزوں کو دوسری زندگی کی چیزوں کے عوض دینے کا اقرار کر چکے ہو تو پھر جہاد سے تمہیں روگرداں نہ ہونا چاہیے جو کہ اس وعدہ کے ایفاء کا ذریعہ ہے اور جس پر ہم بڑا اجر دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

سو اگر تم کو اس کی خواہش ہے جیسا کہ تم ظاہر کرتے ہو تو پھر جنگ کرو اور دوسری وجہ یہ بتائی کہ) تمہیں کیا ہوا کہ اللہ کے راستہ میں تم نہیں لڑتے حالانکہ (تم ضرور) ان کو (جانتے ہو) جو مردوں اور عورتوں اور بچوں سے ضعیف کئے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی

طرف سے کوئی والی (نگہبان) بنا اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مدد گار بنا (یعنی اپنے ان کمزور بھائیوں اور بہنوں اور بچوں کی ہمدردی کرنی جو ظالم دشمنوں کے ظلم میں محض تمہارے مذہب میں آنے کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں اور ہجرت پر وہ قادر نہیں اور یہ بھی امید نہیں کہ آئندہ وہ خود طاقت پاکر ان کے ظلم سے نجات پاجاویں گے کیونکہ ظالم ان کو اور بھی ضعیف کر رہے ہیں اور ان کو ان کے ظلم سے چھوڑانا بھی تو تم پر فطرۃً لازم ہے اور یہ بالکل غیرت اور شرافت کے خلاف ہے کہ تم ان کی آہ وزاری پر کچھ نہ توجہ کرو لیکن چونکہ وہ اپنے رب سے والی اور مدد گار مانگ رہے ہیں اس لئے ہم تم کو اس کے لئے حکم دیتے ہیں پر اگر تم نہ کرو تو پھر ہم تمہارے بجائے کسی اور کو مقرر کر دیں گے۔

یاد رہے کہ مفسرین نے كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ کے ایک تو وہ معنے کئے ہیں جو کہ ہم نے لکھے ہیں جن کے رو سے یہ اس شخص کا مقولہ نہیں بلکہ اس کا مقولہ يٰلَيْتَنِيْ الخ ہے اور یہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے اور دوسرے معنوں کی بناء اس پر ہے کہ یہ سارے کا سارا اسی کا مقولہ ہے اور معنے یہ ہیں کہ ضرور وہ کہتا ہے کہ گویا تمہارے درمیان (مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کو پیچھے رہنے کا مشورہ دیا تھا یعنی منافق لوگ) اور اس (نبی) کے درمیان کوئی محبت نہ تھی (یعنی وہ ان منافقوں کو مخالفت رسول پر آمادہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ رسول فائدہ کے موقعہ پر تم کو ایسا پیچھے چھوڑ گیا ہے گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت نہ تھی ورنہ تو ضرور وہ تم کو اس موقعہ پر ساتھ لے جاتا اور اس کے بعد وہ اپنی نسبت افسوس کرتا ہے اور اس کے بعد ان کو غیرت دلانے اور نصرت اور غلبہ کی بشارت دینے کے لئے فرمایا کہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے راستہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر بنے ہیں وہ اس سرکش کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ (تو جب کافر طاغوت کے لئے لڑ رہے ہیں تو کیا تم کو غیرت نہیں آتی کہ تم اللہ کے لئے لڑو لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ) سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو یقیناً شیطان کی مخفی تدبیر ضعیف ہے (یعنی تم کو اللہ ان پر فتح اور غلبہ دے گا۔)

آیت 78 تا 88: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً وَ قَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ وَ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۔ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكۡكُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۔ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ وَ اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ۔ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۔ وَ يَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ وَ اللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ وَ لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۔ وَ اِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ وَ لَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۔ فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ وَ

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۔ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۔

تشریح الفاظ:

كُفُّوْا ۔ كَفٌّ سے ہے روکنا، بند کرنا۔ اِذَا ۔ اچانک، ناگاہ۔

فَتِيْلًا ۔ کے معنے عنقریب بیان ہوئے ہیں۔

بُرُوْجٌ ۔ بُرْجٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنے ظاہر ہونے کے ہیں اور جو مکان اونچا اور دوسرے مکانوں سے ظاہر اور ممتاز نظر آتا ہے اس کو بُرْجٌ کہتے ہیں۔

مُشَيَّدَةٌ ۔ تَشْيِيْدٌ سے ہے جس کے دو معنے ہیں نمبر 1 گچ لگانا یعنی مکان کو چونا لگانا۔ دوم بلند اور مضبوط کرنا۔

يَكَادُوْنَ کے معنے قرب کے ہوتے ہیں یعنی اس کے بعد جو چیز ہوتی ہے اس کو دوسری چیز یا فعل قریب حاصل ہونے والا ہے اور نفی آنے سے یہ معنے ہو جاتے ہیں کہ اس کا حصول قریب نہیں ہے۔

بَرَزُوْا ۔ بُرُوْزٌ سے ہے ظاہر ہونا اور نکلنا۔

بَيَّتَ ۔ تَبْيِيْتٌ سے ہے اور وہ بَيْتُوْتَةٌ سے ہے جس کے معنے مطلق رات گذارنے کے تھے پر تَبْيِيْتٌ کہتے ہیں رات کے وقت کسی کام کے مشورہ اور تدبیر کرنے کو اور بعض آئمہ لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ بَيْتٌ ۔ شعر یا بَيْتٌ بمعنے مکان سے بنایا ہوا ہے کیونکہ جس طرح وہ درست کئے جاتے ہیں اسی طرح یہ کام بھی درست کیا جاتا ہے۔ (باقی آیات رکوع ہٰذا کی تشریح و ترجمہ اور تفسیر اس ترجمہ و تفسیر کے بعد آئیں گی۔)

ترجمہ:

کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا جن کو کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تو جب ان پر لڑنا مقرر کیا گیا تو فوراً ایک گروہ ان میں سے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا کہ اللہ سے ڈرنا ہے یا اس سے سخت ڈرنا اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب تو نے کیوں ہم پر جنگ مقرر کیا ہے۔ کیوں ہم کو نزدیک تاریخ تک پیچھے نہ رکھا۔ تم کہہ دو کہ نزدیک (زندگی) کا اسباب (یا نزدیک زندگی کا نفع اٹھانا) تھوڑا ہے اور پیچھے آنے والی ان کے لئے بہتر ہے جو کہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور تم گٹھلی کے فتیلہ (کے برابر یا ذرہ بھر بھی) ظلم نہ کئے جاؤ گے۔ تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں پالے گی۔ اگرچہ تم پکے بلند محلوں میں ہو اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ تم کہو کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ سو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے۔ جو تجھے اچھی حالت سے پہنچتا ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور جو تم کو بری حالت سے کچھ پہنچتا ہے تو وہ تیری جان کی طرف سے ہے اور ہم نے تجھے لوگوں کے لئے رسول بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے جو کوئی اس رسول کی اطاعت کرے گا سو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو کوئی پھر گیا سو ہم نے تم کو ان پر نگہبان نہیں بنایا اور وہ کہتے ہیں کہ فرمانبرداری تو جب وہ تیرے پاس سے نکل جاتے ہیں تو ایک گروہ ان میں سے اس کے مخالف رات کو مشورہ کرتا ہے جو کہ تو کہتا ہے اور اللہ اس کو لکھتا ہے جو وہ رات کو تجویز کرتے ہیں۔ سو تو ان سے اعراض کر اور تو اللہ پر اعتماد رکھ اور اللہ کافی کارساز ہے۔

تفسیر:

ان کو ایک اور وجہ کے ساتھ آمادہ جنگ کرنے کے لئے فرمایا کہ) کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا جن کو کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو۔ (یعنی لوگوں سے نہ لڑو کیونکہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدائے علیم و حکیم کے ان کے ظلم کے دفع کرنے کے لئے جنگ کی اجازت دی۔

اور مفسرین نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف زہری، مقداد بن الاسود کندی،

قدامۃ بن مظعون حجی، سعد بن وقاص مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں سے سخت اذیت اٹھا رہے تھے تو انہوں نے بار بار نبی کریمؐ کی خدمت میں جہاد کی اجازت کے لئے درخواست کی تھی لیکن نبی کریمؐ نے یہی فرمایا کہ ابھی مجھے بجائے جہاد کے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا تم اپنے ہاتھوں کو روک رکھو اور انہوں نے لکھا ہے کہ یہی لوگ جب ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے اور جہاد کا حکم ہوا تو بعض ان میں سے بہ تقاضاء بشریت لوگوں سے ڈرنے لگے تو خداوند تعالیٰ بظاہر ان آیتوں میں ان کے پہلے اجازت جہاد پر اصرار کرنے اور فرض ہونے پر ڈرنے سے تعجب دلاتا ہے۔ لیکن ان کی کچھ خصوصیت نہیں جہاد کی اجازت سے پہلے عموماً اہل اسلام کو جب کبھی کفار کے ہاتھوں سے تکلیف پہنچتی تو اس وقت بہت لوگ جہاد کی اجازت کا ذکر کیا کرتے یا جوش میں آ جاتے اور حضور ﷺ عفو کے ارشاد کے مطابق ان کو درگذر اور دست کشی کا حکم دیتے اور پھر بعد اجازت انہی سے بعض لوگ ڈرنے لگے اور خصوصاً منافق لوگوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ہمدردی کے اظہار کے لئے دشمن کے مقابلہ کی نسبت بہت کچھ باتیں تو کر دیتے ہیں پر وقت پر مقابلہ سے بھاگتے ہیں اور فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو دست کشی کا حکم دے کر کامیابی کا گر بتانے کے لئے یہ فرمایا تھا کہ) تم نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تو جب ان پر لڑنا مقرر کیا گیا تو اچانک ایک گروہ ان میں سے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا کہ اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے یا (اس سے بھی) سخت ڈرنا اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب تو نے کیوں ہم پر لڑنا مقرر کیا ہے کیوں ہم کو نزدیک مقرر وقت تک نہ چھوڑا (یعنی موت کے مقدر اور مقرر وقت تک کیوں نہ رہنے دیا آخر وہ کوئی زیادہ وقت تو نہ تھا کہ تو اس وقت تک ہم کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ تو چونکہ ان کے اس قول و عمل سے دنیوی تمتع کا شوق اور پسندیدگی پائی جاتی تھی۔ لہٰذا فرمایا کہ) تو کہے کہ دنیا کا اسباب (یا نفع مند ہونا) تھوڑا ہے۔

قَلِيْلٌ کے معنی:

(مفسرین نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ قَلِيْلٌ کے معنوں کے لئے ایک بڑے امام نے مدت

دراز تک سفر کیا تھا اور آخر کسی عورت کو دوسری عورت سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرا قَلِیْلٌ لیتے آناتب اس نے اس سے دریافت کیا اور بڑا برا بھلا سننے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ قَلِیْلٌ حیض کے کپڑے کو کہتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے یہ معنے ہوں گے کہ متاعِ دنیا تھوڑا اور نجس ہے) اور آخرت ان کے لئے جو کہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے۔ (یعنی جب متاع دنیا تھوڑا اور تھوڑی مدت رہنے والا اور نجس ہے اور آخرت بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے تو پھر اس ادنیٰ چیز کو دے کر اعلیٰ چیز لینے سے تم کیوں گھبراتے ہو۔ اور رہا یہ ڈر کہ شاید ہم یہ ادنیٰ دے دیں اور پھر اعلیٰ بھی نہ ملے اور دونوں سے جائیں تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم گٹھلی کی بتی (کے برابر بھی) ظلم نہ کئے جاؤ گے (رہا مرنا تو یاد رکھو کہ) تم جہاں کہیں بھی ہو موت ضرور ہی تم کو پالے گی اگرچہ تم اونچے پکے مکانوں میں ہو۔ (یعنی مرنا ضرور ہے اور اس کے لئے وقت مقرر ہے جب وہ وقت آجاوے گا تو پھر خواہ مقام جنگ میں ہو یا نہایت مضبوط اور محفوظ مکانوں میں ہو کسی طرح نہ بچو گے اور یہ بتانے کے لئے کہ فائدہ کے ساتھ کچھ رنج و مشقت بھی ہوتی ہے تو جو لوگ اس رنج و مشقت سے بھاگتے ہیں وہ اس فائدہ سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد ایسے لوگوں کی ایک اور بدعات کا ذکر فرمایا ہے کہ) اگر ان کو کوئی اچھی حالت (یا چیز) ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اس کو اللہ کا فضل اور انعام قرار دیتے ہیں) اور اگر ان کو کوئی بری حالت (یا چیز) پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔

حقّ کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے یہود کو نقصان ہوا:

(تفسیروں میں ایک تو یہود کی نسبت لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے مدینہ میں تشریف لے جانے سے پہلے وہ بڑے مالدار تھے اور ان کے فصلوں اور باغوں کی بڑی پیداوار ہوتی تھی لیکن جب حضور ﷺ وہاں پر تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ اسلام کی اور انہوں نے حق کو جان کر اس کا مقابلہ کیا تو پہلے پہل ان کی پیداواروں میں کمی ہونے لگی تو انہوں نے کہا کہ ہم پر بڑا فضل تھا پر جب سے یہ شخص آیا ہے تب سے اس کی وجہ سے ہمیں نقصان پہنچ رہا ہے۔ جیسا کہ ان کے آباء کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے کہ یَطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی

وَمَنۡ مَّعَهٗ[1] (الاعراف:132) تو تب یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کا خیال ہے کہ منافقوں نے یہ کہا تھا جبکہ وہ جنگ احد سے پیچھے رہے تھے کہ یہ ہزیمت اور قتل وغیرہ سب اس شخص کی سوئے تدبیر اور نحوست کی وجہ سے ہے اور محقق لوگوں نے دونوں کی تردید کے لئے کہا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ) تو کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے (یعنی سب خیر و شر اللہ ہی کی طرف سے ہے اور وہی ان کا نازل کرنے والا ہے۔

اور یہ بالکل واضح امر ہے لیکن) ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ بات کے سمجھنے کے نزدیک (بھی) نہیں جاتے۔ (یہ تو خیر و شر کے خالق اور نازل کرنے والے کی نسبت فیصلہ ہوا کہ وہ اللہ ہی ہے لیکن اگر اسباب کے لحاظ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شر کا سبب اور باعث قرار دیا ہے تو پھر بھی یہ غلط ہے کیونکہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی[2] (الانعام:165) سچا قاعدہ ہے بلکہ حق یہ ہے کہ) جو کچھ تجھ کو اچھی حالت سے ملا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی یہ اچھی حالت دنیوی توربوبیت اور رحمانیت کے نیچے اللہ تم کو دے رہا ہے) اور جو تجھ کو بری حالت سے کچھ ملا ہے تو وہ تیری جان (اپنے ہی) کی طرف سے ہے (یعنی وہ تمہاری بدیوں اور شرارتوں اور شوخیوں کے باعث سے ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ[3] (الشوریٰ:31) اور جنگ احد کے بیان میں اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے۔ پر یہ لوگ بظاہر تیرا حکم خیال کر کے اس نافرمانی اور خلاف ورزی کو کچھ قصور نہیں خیال کرتے اسی وجہ سے جنگ احد سے واپس آ گئے یا بعض لوگوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا جس پر جمع میں رہنے کا تم نے حکم دیا تھا۔ پر ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ) ہم نے تجھے سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا ہے (اور رسول کا حکم اپنا نہیں ہوتا بلکہ بھیجنے والے کا ہوتا ہے اور اگر یہ کہیں کہ جی ہمیں تو رسول اللہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

---

[1] وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ سمجھتے۔ (تفسیر صغیر)

[2] کوئی بوجھ اٹھانے والی (ہستی) دوسری (ہستی) کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور ہر مصیبت جو تم کو پہنچے وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہوتی ہے اور اللہ تمہارے اکثر قصوروں کو معاف کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

تو تم کہہ دو کہ) اللہ کافی گواہ ہے (یعنی اللہ نے اپنے نشانوں اور خارق عادت تائیدوں کے ساتھ تمہارے رسول اللہ ہونے کی شہادت دے دی ہے اور بے مثل کتاب کے ذریعہ سے بھی شہادت دے دی ہے اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اس کے بعد نہ کسی اور کی شہادت کی ضرورت ہے اور نہ کوئی ہو سکتی ہے۔ تو جب تم رسول اللہ ہو اور تمہارے رسول اللہ ہونے کی اللہ نے گواہی دے دی ہے اور وہ کافی ہے تو پھر) جس نے اس رسول کی اطاعت کی تو ضرور اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پھر گیا (تو اس کا قصور تجھ پر نہیں کیونکہ) ہم نے تجھے ان پر کوئی نگاہ بان (بنا کر) نہیں بھیجا۔ پھر اگر وہ اپنی اس بات میں سچے ہوتے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا تو پھر کھلے طور پر انکار کرتے لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ ظاہر تو) وہ کہتے ہیں کہ فرمانبرداری (ہی ہمارا کام ہے یعنی ہم فرمانبردار ہیں۔)

جب وہ تیرے پاس سے نکلے تو ایک گروہ ان میں اس کے مخالف رات کو تجویزیں کرتا ہے۔ جو کہ تو کہتا ہے اور اللہ اس کو لکھتا ہے (یعنی ان کے اعمال ناموں اور ان کے عذاب کے اسباب میں اس کو لکھتا ہے جو کہ وہ تجویزیں کرتے ہیں۔ (تو جب اللہ ان کو سزا دینے کے لئے ان شرارتوں کو لکھ رہا ہے اور وہ خود ان کو سزا دینا چاہتا ہے) تو پھر تم ان سے اعراض کرو۔ (یعنی تم ان کو کچھ سزا نہ دو اور نہ ان کو فرمانبردار بنانے کے لئے زیادہ زور دو) اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور کافی کارساز ہے (سو وہ خود ہی ان کو جب چاہے گا سزا دے گا اور جب دے گا وہ ایسی ہو گی جو تم ہرگز نہیں دے سکتے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ ان یہودیوں کو جب سزا دی تو کیسی دی۔)

(گذشتہ ع ۱۱ کی باقی آیات کی تشریح وترجمہ اور تفسیر ذیل میں درج ہے)

تشریح الفاظ:

یَتَدَبَّرُوْنَ۔ تَدَبُّرٌ سے ہے سوچنا۔

اَذَاعُوْا۔ اِذَاعَۃٌ سے ہے مشہور کرنا اور پھیلانا۔

اُوْلِی۔ والی۔ اَمْرٌ۔ حکم، بڑائی۔

یَسۡتَنۡبِطُوۡنَ۔ اِسۡتِنۡبَاطٌ سے ہے جس کے اصل معنے کسی چیز کو اس کی اصلی جگہ سے نکالنے کے ہیں اور اب مطلق نکالنے اور پانے کے آتے ہیں۔

تُکَلَّفُ۔ تَکۡلِیۡفٌ سے ہے تکلیف دینا اور کسی امر کو لازم کرنا۔

حَرِّضۡ۔ تَحۡرِیۡضٌ سے ہے جس کے اصل معنے غیر مفید اور بے فائدہ چیز کے دور کرنے اور اٹھا دینے کے تھے اور اب اکسانے اور آمادہ کرنے کے لئے کثرت کے ساتھ آتا ہے۔

بَأۡسٌ۔ جنگ اور تکلیف۔

تَنۡکِیۡلٌ کے اصل معنے بیڑیاں ڈالنے کے اور ان کے ساتھ سزا اور عذاب دینے کے ہیں اور اب مطلق عذاب کے معنے دیتا ہے۔

کِفۡلٌ۔ نصیب اور حصہ پر فرق دونوں میں یہ ہے کہ نصیب تو بیشی کا احتمال رکھتا ہے لیکن کفل اسی ہی نصیب کو کہتے ہیں جو کہ مساوی بھی ہو۔

مُقِیۡتًا۔ اَقۡوَاتٌ سے ہے اور وہ قُوۡتٌ کے لفظ سے بنایا گیا ہے اور چونکہ قُوۡتٌ جو بمعنے خوراک ہے وہ طاقت اور قدرت اور حفاظت بدن کا ذریعہ ہے لہٰذا اَقۡوَاتٌ کو بمعنے اقتدار اور حفاظت کے لیا ہے اور حیائی نے اس کے معنے بدلہ اور جزا دینے کے لئے ہیں۔

حُیِّیۡتُمۡ۔ تَحِیَّۃٌ سے ہے جس کے معنے حیات اور طول حیات کی دعاء کے ہیں اور پھر مطلق دعا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور زیادہ تر ان دعائیہ کلمات پر بولتے ہیں جو کہ آپس میں ملنے اور جدا ہونے کے وقت ایک دوسرے کے لئے بولے جاتے ہیں۔

حَسِیۡبٌ۔[1]

ترجمہ:

کیا (تم ایسا خیال کرتے ہو) پھر قرآن (مجید) کو نہیں سوچتے اور اگر وہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں وہ بہت اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس امن یا خوف سے کوئی بات آتی ہے تو وہ اس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف پھیرتے جو ان میں سے حکم (یا عظمت) والے ہیں تو ضرور اس کو وہ جان

[1] نقل بمطابق اصل۔ اس جگہ رسالہ میں خالی جگہ ہے۔ (از مرتب)

لیتے ہیں جو ان میں سے اس کو استنباط کرتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے تابعدار ہو جاتے مگر تھوڑے۔ تو تو اللہ کے راستہ میں لڑ تو خود ہی مکلف کیا جاتا ہے اور مومنوں کو آمادہ کر۔ قریب ہے کہ اللہ ان کے جنگ کو روک دے جو کہ کافر بنے ہیں اور اللہ بہت سخت جنگ والا اور بہت سخت عذاب والا ہے۔ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کے لئے اس سے حصہ ہو گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا اس کے لئے اس سے برابر حصہ ہو گا اور اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قابو رکھنے والا ہے اور جب تم کو کسی قسم کی دعا سلام دی جائے تو تم اس سے بہتر دعا سلام دو یا اسی کو واپس کرو۔ بے شک اللہ ہر ایک چیز پر حساب لینے والا ہے۔ اللہ (وہ ہے) کہ بجز اس کے اور کوئی متصرف نہیں۔ ضرور وہ تم کو قیامت کے دن تک (یا دن میں) جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے اور کون اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے الٰہی شہادت کا ذکر آیا تھا اور گو وہ ہزاروں شہادتیں ہیں اور ہر ایک ان میں سے کافی ہے۔ پر ایسی شہادۃ اللہ جو کہ لاکھوں شہادتوں پر مشتمل ہو اور حاضر و غائب اور ہر ایک زمانہ کے لئے کافی ہو اور کبھی کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے جو کہ بلفظ دیگر شاہد (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرح لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] (الشوریٰ:12) اور غیر فانی اور قائم اور محیط ہو جو کہ اپنے ان صفات کے ساتھ ہر ایک کو اس کا ثبوت دیتی ہو کہ میں اس خدا کی شہادت ہوں جو کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اور غیر فانی اور محیط ہے تو اس کے بتانے کے لئے فرمایا کہ) کیا (یہ لوگ الٰہی شہادت سے انکار کرتے ہیں) سو انہوں نے قرآن (مجید) کو نہیں سوچا۔ (یعنی اگر یہ لوگ قرآن مجید میں تدبر کرتے تو ضرور ان کو یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ ایسی شہادت ہے جس سے بڑھ کر اور نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر وہ سوچتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ) اگر اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (یہ آیت کریمہ بھی ایسی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس کا

[1] اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ (تفسیر صغیر)

مضمون مجھے سمجھایا ہے اور تفسیروں والے اصل مطلب سے بہت دور جا پڑے ہیں بلکہ ابتداء سے وہ اس کا ماقبل کے ساتھ ربط ہی نہیں لگا سکے۔

پیشگوئیوں کے متعلق ہونے والے دو متوقع اختلافات:

سو اصل بات کے سمجھنے کے لئے پہلے اختلاف کو سمجھ لیں کہ وہ دو طریق پر ہے اوّل یہ کہ اس کتاب میں بہت سی پیشین گوئیاں آئندہ کی نسبت کی گئی ہیں۔ پھر خصوصاً ایسے امور کی پیشین گوئیاں کی گئی ہیں کہ جن کا کر لینا بجز قادر مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ[1] (ھود:108) کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر اس میں سب قوموں کے لئے سب معاملات میں سب زمانوں کے لئے قوانین بتائے ہیں اور پھر بہت سے موجودات کی نسبت مثل زمین و آسمان اور انسان وغیرہ کی پیدائش کی نسبت بہت سے حالات بیان کئے ہیں اور پھر ہر ایک حالت اور مقام کی نسبت احکام بیان کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب اور قادر مطلق کی طرف سے یہ اگر نہ ہوتا تو ضرور ہے کہ پیشین گوئیاں واقعہ کے خلاف ہوتیں۔ یعنی وہ کام بیان کے خلاف واقعہ ہوتے اور احکام کسی قوم یا حالت یا وقت یا مقام کے خلاف ہوتے اور تجربہ اور سائنس ان بیانات کے خلاف ثابت کرتا۔ اسی طرح قرآن مجید کا یہ دعویٰ کہ سوائے ان چند ایک غلطیوں کے جن کی تردید اس نے کر دی ہے اور دوسری کتابوں اور مذہبوں کی سب صداقتیں مجھ میں جمع ہیں تو صورت مفروضہ میں ان صداقتوں کے بیان کے خلاف وہ صداقتیں ثابت ہوتیں کیونکہ انسان اور پھر اس زمانہ اور اس ملک کا نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جیسا انسان ان سب کے ٹھیک ٹھیک جمع کرنے سے تو یقیناً عاجز ہے۔

اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو طاقت متکلم میں ہوتی ہے اس کا ظہور کلام میں ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی مسلمہ صداقت ہے کہ چونکہ افعال صفات کا اثر ہوتے ہیں اور صفات ذات کے لہٰذا جو ذات بے مثل ہے اس کے صفات اور افعال بھی بے مثل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات صفات اور افعال بے مثل اور انسان کے بامثل ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خداوند کا کلام بھی اس کی ذات و صفات کی طرح بے مثل ہو اور انسان کا کلام اس کی ذات و صفات کی طرح بامثل ہو تو اگر یہ خداوند

[1] وہ جو چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو ضرور ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات اور صفات سے بے مثل و بامثل ہونے کے مخالف ہوتا۔ تو جب یہ دونوں قسم کے اختلاف قرآن مجید میں نہیں ہیں تو بیّن طور پر ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور جب کلام اللہ ہے تو یہ بیّن شہادۃ اللہ ہے۔ بلکہ پہلے تو فرمایا کہ انہوں نے تدبر نہیں کیا۔ تو اب اگر تدبر ہو تب تو ان کو ضرور معلوم ہو جاتا کہ پہلی قسم کا خلاف نہیں ہے اور اگر تدبر نہ ہو تو پھر پہلی قسم کے خلاف کا ہونا تو ان کو نہیں معلوم ہو سکتا پر دوسری قسم کا معلوم ہو سکتا ہے۔ پس یہ ایسی وجہ بتائی ہے جو کہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ ان کی عادت ہے کہ بے تحقیق بات کہہ دیتے ہیں۔ جیسا یہ کہہ دیا کہ ہم کو کوئی شہادت معلوم نہیں ہوئی اور نیز یہ اس احتمال کو رفع کرنے کے لئے کہ اگر وہ کہہ دیں کہ ہم کو تو اختلاف معلوم ہوئے ہیں فرمایا کہ) اس امر کو جانے دو واقعات میں دیکھو کہ) جب ان کو امن اور خوف سے کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو (قبل تحقیق کرنے یا اہل تحقیق سے دریافت کرنے کے فوراً) اس کو شائع کر دیتے ہیں اور اگر اس بات کو رسول اللہ کی طرف اور اپنے میں سے ان کی طرف جو کہ حکم (یا عظمت) والے ہیں پھیر دیتے تو وہ لوگ اس کو جان لیتے جو کہ ان میں سے اس کو استنباط (اور ظاہر) کرتے ہیں (اس صورت میں استنباط کرنے والے رسول اللہ ﷺ اور اُولُوا الْاَمْرِ ہوئے۔

بلا تحقیق باتیں پھیلا کر اہل اسلام کو دھوکہ دینا:

اور مفسرین نے اور اور معنے بھی کئے ہیں، مثلاً یہ کہ اگر وہ اس کو رسول اللہ اُولُوا الْاَمْرِ کی طرف ردّ کرتے تو وہ ردّ کرنے والے لوگ جو کہ اس خبر کو استنباط اور جاننا چاہتے ہیں رسول اور اُولُوا الْاَمْرِ سے اس کو جان لیتے کہ یہ شائع کرنی چاہیے یا نہ۔ اور حق کیا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح وہ ان باتوں کو بلا تحقیق شائع کرتے پھرتے ہیں اسی طرح انہوں نے شہادت کی نسبت بھی بے تحقیق اور بے سوچے اور بے دریافت کئے کہہ دیا ہے۔ پر اگر یہ خود نہ سمجھے تھے تو ان کو لازم تھا کہ رسول اللہ سے اور اُولُوا الْاَمْرِ سے دریافت کرتے تو وہ ان کو بتا دیتے۔ تو اسی طرح اگر ان کو کوئی خلاف معلوم ہوتا تھا تو ایک طرف لے جاتے تو وہ اس خلاف کو رفع کر دیتے پر انکی عادت ہی یہ ہے اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ لوگ اسی

پر بس نہیں کرتے بلکہ ایسی باتوں کو نہایت شریرانہ طور پر شائع کر کے اہل اسلام کو بھی سخت دھوکا دینا اور گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم شیطان (یعنی ان لوگوں کی اتباع اختیار کر کے اور ان کی باتوں میں آ کر شیطان) کے تابع ہو جاتے مگر تھوڑے سے (جو کہ خاص اور پکے ایمان اور سچے اخلاص والے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ[1] (الحجر:43) اور جب یہ بیان ہو گیا کہ باوجود ایسی زبردست شہادۃ اللہ کے پھر بھی یہ لوگ رسول کی اطاعت نہیں کرتے اور علاوہ بریں دوسروں کو روکتے اور گمراہ کرتے ہیں۔ جس سے جنگ کی ضرورت ہے تاکہ روکیں رفع ہو جائیں اور جو کوئی کسی دین کو اختیار کرے محض اللہ کے لئے اختیار کرے اور اگر چھوڑے تو اللہ کے لئے چھوڑے اور دوسری طرف منافق لوگ جنگ سے جی چوراتے اور ضعیف مومنوں کو بھی بہکاتے اور روکتے ہیں لہٰذا اس کے بعد فرمایا) سو تو اللہ کے راستہ میں لڑ۔ تو نہیں مکلف کیا گیا مگر اپنی جان کا (یعنی تو اپنی جان ہی کا ذمہ وار ہے نہ دوسروں کا۔ ہاں دوسروں کی نسبت اگر تیرا فرض ہے تو اسی قدر ہے کہ) تو مومنوں کو آمادہ کر۔ قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں کی لڑائی کو روک دے جو کافر بنے ہیں۔

چنانچہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ جنگ احد کے بعد جب ابوسفیان آئندہ سال بدر میں جنگ کرنے کا وعدہ کر گیا تھا اور حضور ﷺ نے منظور کیا تھا تو آپ ﷺ وعدہ کے مطابق بدر میں گئے تھے لیکن ابوسفیان راستہ ہی سے واپس چلا گیا تھا اور وہاں پر میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ بعض لوگ جنگ پر جانے سے کچھ پہلو تہی کرتے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی نہ جائے تو واللہ میں اکیلا بھی ضرور جاؤں گا۔ تو یہ سب اسی آیت کے ماتحت تھا نیز جنگ خندق کے دن جب کافر راتوں رات بھاگ گئے اور حضور ﷺ کو بذریعہ وحی خبر ہوئی اور پھر کسی کو میدان میں بھیجا تو جب اس نے واپس آ کر ان کے بھاگ جانے کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ لوگ کبھی ہم پر چڑھائی نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق وھي الاحزاب حدیث نمبر 4110)

[1] جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کبھی بھی تسلط نہیں ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ ہوا) اور اللہ سخت جنگ والا اور سخت عذاب دینے والا ہے۔ (اس میں فتح کا وعدہ دیتے ہوئے اس کی وجہ بتائی ہے کہ ان کی شرارتوں کی وجہ سے خداوند تعالیٰ خود ان کو سزا دینا چاہتا ہے اور کون ہے جو کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ تو جب یہ حال ہے تو پھر تم کو محض ثواب دینے کے واسطے شریک کرتا ہے اور چونکہ نبی کریمؐ کے آمادہ کرنے کے علاوہ دوسرے ہمراہیوں کے آمادہ کرنے سے بھی بڑا اثر ہو سکتا تھا۔

چنانچہ منافق ضعیف لوگوں پر اپنا کچھ نہ کچھ اثر ڈال ہی لیتے تھے۔ تو صحابہؓ کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے کہ رسول اللہ کی طرح تم بھی اپنے ساتھیوں کو آمادہ کرو۔ نیز جنگ میں کوئی قتل تو اصل مقصد نہیں بلکہ روکوں کا اٹھانا اور دشمن کی شوکت کا توڑنا ہے اس لئے بعض وقت بعض لوگوں کو امن دینا مناسب ہوتا ہے اور بعض کے امن سے قوم کی قوم اسلام میں داخل ہو جاتی ہے اور اسی لئے حکم ہے کہ اہل اسلام سے جو کوئی کسی کو امن دے دے باقی سب پر اس کو امن دینا لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن امن دینے دلانے والے پر لوگ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ اس کو کافروں کے ساتھ کوئی تعلق یا خود غرضی ہے تب ہی اس نے ان کو بچایا ہے اور اعتراض کے خیال سے بعض اوقات انسان امن دینے دلانے سے رک بھی جاتا ہے۔ تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) جو کوئی اچھی سفارش کرے گا اس کے لئے اس سے حصہ ہو گا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا اس کے لئے اس سے مساوی حصہ ہو گا۔ (مساوی اس لئے کہ بدی میں بدلہ مثل کے ساتھ ہے اور نیکی میں دہ چند (دس گنا) اور سات سو سے بھی زیادہ) اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی چیز پر قابو رکھنے والا ہے۔

(اور جب شفاعت کا ذکر ہوا اور دعا سلام بھی جنگ کے موقعہ پر اسی امن حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے جس کو پہلے شفاعت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز جنگ کے موقعہ پر بعض وقت سلام کرنے والے غیر پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ بچاؤ کے لئے اس نے سلام کیا ہے۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ) جب تم کو دعائے سلام دی جائے (تو تم بجائے شبہ کر کے اس کو ضرر پہنچانے کے) اس سے اچھی دعا سلام دو یا اسی کو واپس کرو (اور اگر حقیقت میں اس کا سلام بچاؤ ہی کے لئے ہو اور حقیقت میں وہ نہ مسلمان ہو گا اور نہ

تمہارے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہو گا تو) بے شک اللہ ہر ایک چیز پر حساب لینے والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا متصرف نہیں ہے (تا کہ کفار کے کہنے کے مطابق ان کے باطل آلہہ ان کو چھوڑالیں اور اگر یہ خیال ہو کہ پھر ہم کو تو معلوم نہ ہو گا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو سزا دی ہے اور کیا دی ہے تو فرمایا کہ کفر کی اصل سزا تو قیامت کے دن ہو گی اور گو تم لوگ آپس میں متفرق ہو گے پر) وہ ضرور ہی تم کو قیامت کے دن تک جمع کر دے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (مفسرین نے اس بات کو نہ سمجھنے کے باعث جو کہ نہایت لطیف اشارہ ہے یہ کہہ دیا ہے کہ یہاں پر اِلیٰ بمعنے فِیْ ہے اور یہ یوں ہی ٹلانے کی بات نہیں بلکہ) کون ہے جو کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا ہو۔

آیات 89 تا 92: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۔ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۔

تشریح الفاظ:

فِئَتَيْنِ۔ فِئَةٌ کا تثنیہ ہے۔ گروہ اور جماعت۔

اُرْكِسُوْا۔ رِكَاسٌ سے ہے اور وہ رَكَسَ سے ہے جس کے معنے ردّ کرنے اور منہ کے بل گرانے کے ہیں۔

وَدُّوْا۔ وُدٌّ سے ہے محبت کرنی اور پسند کرنا۔

لَوْ۔ کے معنے جیسے اگر کے ہوتے ہیں ایسے ہی کبھی کاش کے معنے بھی دیتا ہے اور کبھی اپنے بعد کے فعل کو مصدر بنا دیتا ہے۔

یُھَاجِرُوْا۔ ھِجْرَۃٌ سے ہے۔ یَصِلُوْنَ۔ وَصْلٌ سے ہے، ملنا۔

حَصِرَتْ۔ حَصْرٌ سے ہے جس کے معنے تنگی اور انقباض کے ہیں۔

اِعْتَزَلُوْا۔ اِعْتِزَالٌ سے ہے علیحدہ ہونا۔

سَلَمٌ۔ صلح۔ ثَقِفْتُمُوْا۔ ثَقْفٌ سے ہے۔ سُلْطَانٌ۔ غلبہ اور حجت۔

ترجمہ:

سو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم منافقوں میں دو گروہ ہو گئے ہو اور اللہ نے اس کے سبب سے ان کو سرنگوں (یا ردّ) کیا ہے جو انہوں نے کمایا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت دو جس کو اللہ نے گمراہ قرار دے دیا ہے اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے دے تو ہرگز تم اس کے لئے کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔ وہ پسند کرتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ جیسے کہ وہ کافر بنے ہیں پھر تم برابر ہو جاؤ۔ سو تم ان کو اپنے دوست (یا والی، مددگار، رشتہ دار) مت بناؤ۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستہ میں ہجرت کریں۔ سو اگر وہ پھر جائیں تو تم ان کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے نہ کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بجز ان کے جو ایسی قوم سے ملتے ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو۔ یا وہ تمہارے پاس (اس حالت میں) آئیں کہ ان کے دل (اس سے) تنگ آ گئے ہوں کہ وہ تم سے لڑیں یا وہ اپنی قوم سے لڑیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ان کو تم پر مسلط کر دیتا۔ تو ضرور وہ تم سے لڑتے۔ سو اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) ڈالیں تو پھر اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راستہ نہیں بنایا۔ ابھی تم اور لوگ پاؤ گے جو چاہتے ہوں گے کہ تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہیں۔ جب کبھی وہ اس فتنہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو وہ منہ کے بل اس میں گرائے جاتے ہیں۔ سو اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہارے لئے ان پر کھلا کھلا غلبہ (یا حجت) رکھا ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً[1] الخ (النساء:86) میں امن دینے دلانے کا ذکر کیا گیا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر حالت میں یہ اچھا ہے نیز شفاعت حسنۃ اور سیّئہ دو کا ذکر تھا اور حسنہ کی مثال تو تحیّہ والی صورت بیان ہو گی تو اب سیئہ کی مثال بیان ہونی چاہیے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقوں میں دو گروہ ہو۔ (یعنی بعض تم سے ان کی طرف داری اور امداد چاہتے ہیں اور بعض ان کے نفاق کے باعث ان سے قطع تعلق چاہتے ہیں اور تعلق رکھنے والوں کو منع کرتے ہیں) حالانکہ اللہ نے ان کو منہ کے بل اس کے باعث گرا دیا ہے جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ (یعنی اپنی شرارتوں کی وجہ سے وہ اس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ باوجود نشانوں کے دیکھتے اور اہل اسلام کے ساتھ مدت تک رہنے اور تمہاری طرف سے احسان اور بھلائی دیکھنے اور براہین اور کلام الٰہی سننے اور بیّن غلبہ و فتح کے پھر بھی حق کی طرف وہ نہیں آسکتے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جیسا خداوند تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمادیا ہے کہ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ[2] (البقرۃ:19) وہ ہدایت قبول کرنے والے ہی نہیں۔ تو پھر ایسے شریروں سے کیوں تعلق رکھا جاتا ہے اور ان کے لئے کیوں بچاؤ اور سلوک چاہا جاتا ہے۔

بخلاف کفار کے کہ ان کے لئے امن کی شفاعت اس لئے حسنہ ٹھہری ہے اور اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس سے ان کی ہدایت متصور اور متوقع ہے پر ان کی متصور و متوقع ہر گز نہیں پر اگر تم کہو کہ نہیں ہمیں تو ان کی ہدایت کی امید ہے تو جواب یہ ہے کہ) کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ان کو ہدایت دو جن کو اللہ نے گمراہ قرار دے دیا ہے۔ (یعنی جب خداوند تعالیٰ نے تم کو بتادیا ہوا ہے کہ جن میں فلاں نشان دیکھو ان کو یقین کر لو کہ خداوند تعالیٰ نے ان پر گمراہی کا حکم لگادیا ہوا ہے اور صراحۃً بھی فرمادیا ہوا ہے کہ منافق لوگ رجوع نہیں کریں گے تو پھر باوجود یہ معلوم کر لینے کے کہ یہ اہل نفاق ہیں اور ان میں وہ نشان موجود ہیں تو پھر ان کی نسبت ہدایت کی امید لگا کر کیوں ایسا بر تاؤ کرتے ہو بلکہ یہ امید ہی غلط ہے کیونکہ) جس کو اللہ

[1] جو شخص اچھی سفارش کرے۔ (تفسیر صغیر)
[2] پس وہ لوٹیں گے نہیں۔ (تفسیر صغیر)

گمراہ قرار دے دے تو تو ان کے لئے سبیل نہ پائے گا۔ سو ان کی ہدایت تو در کنار بلکہ وہ تو تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں) وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بن جاؤ جیسے کہ وہ کافر بنے ہیں پھر تم برابر ہو جاؤ۔ (پس یہ مثال ہے شفاعت سیئہ کی اور گو یہ بھی امن ہے لیکن امن دینے سے جو غرض دینی متصور تھی چونکہ ان کے نفاق اور ضال قرار پاجانے کے باعث ان کے امن میں وہ غرض مفقود ہے لہٰذا ان کا امن شفاعت سیّئہ ہے اور اس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ بتایا کہ) سو تم ان سے دوست (مددگار، والی، رشتہ دار) نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستہ میں ہجرت کریں۔

ہجرت کے تین معانی:

(ہجرت کے تین معنے ہیں۔ نمبر 1۔ دارِ حرب کو چھوڑ کر دارِ اسلام میں آنا۔ نمبر 2۔ گناہوں کا چھوڑنا۔ نمبر 3۔ جنگ پر جانا۔ سو جو منافق باہر رہتے تھے وہ تو ہجرت کر کے دوسرے مہاجرین کے ساتھ آکر رہیں اور جو وہاں پر ہی رہتے ہیں وہ شرارتیں چھوڑ کر جنگوں میں ساتھ جائیں۔) تو اگر وہ پھر جائیں (یعنی تینوں قسم کی ہجرت نہ اختیار کریں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ اور ان میں سے کسی کو دوست (مددگار، والی، رشتہ دار) نہ بناؤ بجز ان کے کہ وہ اس قوم سے ملتے ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا وہ اس حالت میں تمہارے پاس آئیں کہ ان کے دل اس سے تنگ آگئے ہیں کہ وہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں (یعنی مذکورین لوگ جو کہ واجب القتل ٹھہر چکے ہیں۔ تم ان کو جہاں پاؤ پکڑو اور قتل کرو مگر دو صورتوں میں ان کا پکڑنا اور قتل کرنا جائز نہیں۔

نمبر 1 تو یہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے یا ان سے نہیں پر اب ان سے جاملے ہیں۔ نمبر 2 یہ کہ وہ تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے جنگ کرنے سے ان کے دل بند اور تنگ ہو گئے ہیں اور وہ تمہارے پاس اس حالت میں آگئے ہیں۔ میثاق والی صورت تو ظاہر ہی تھی۔ پر دوسری صورت میں بعض شبہات کی بنا پر بعض جو شیلوں کی دست درازی کا اندیشہ تھا لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) اگر اللہ چاہتا تو وہ ان کو تم پر مسلط کر دیتا (یعنی ان کے دلوں کو قوی کر دیتا اور تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھا دیتا) پھر ضرور وہ تم سے لڑتے۔ تو اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ تو پھر اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی

سبیل نہیں رکھی۔(یعنی جب خداوند تعالیٰ کا یہ فضل تم پر ہوا ہے کہ ان کے دلوں میں تمہارا رعب ایسا ڈال دیا ہے کہ وہ تمہارے مقابلہ سے پہلو تہی کر گئے ہیں تو پھر الٰہی منشاء کے خلاف ہے کہ تم ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو۔

(مفسرین کو اس رکوع کی ان گذشتہ آیات کی تفسیر میں ایک مشکل پیش آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ منافقوں میں دو گروہ ہونے کا واقعہ آثار میں یوں بیان ہوا ہے کہ مجاہد سے روایت ہے کہ کچھ لوگ مکہ سے مدینہ میں آگئے تھے اور وہ یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم مہاجر ہیں پھر وہ مرتد ہو گئے اور بہانہ کر کے نبی کریم ﷺ سے مکہ جانے کی اجازت مانگنے لگے تو ان میں اہل اسلام کا نزاع ہوا کہ کچھ کہتے تھے کہ وہ مومن مہاجر ہیں اور کچھ ان کو منافق قرار دیتے تھے تو خداوند تعالیٰ نے یہ آیتیں ان کے حق میں نازل کی تھیں اور ضحاکؒ سے مروی ہے کہ یہ کچھ لوگ تھے جو کہ ایمان کا اظہار کرتے تھے اور پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ انہوں نے ہجرت نہ کی تھی اور مکہ میں ہی رہ پڑے تھے۔

تو صحابہؓ میں ان کی نسبت اختلاف ہوا تھا کہ وہ مومن یا منافق ہیں سو جو ان کو مومن خیال کرتے تھے وہ ان کی دوستی اور موالات کے مدعی تھے اور جو ان کو منافق کہتے تھے وہ ان سے قطع تعلق پر مصر تھے تو ان کے حق میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اسی طرح اور بھی روایتیں ہیں پر سب میں منافقوں ہی کا ذکر ہے۔ لیکن آگے ان کی ہجرت کرنے یا معاہد قوم سے تعلق وغیرہ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منافق نہیں بلکہ دوسرے کفار ہیں۔ لیکن جب قرآن مجید میں ان کو صراحۃً منافق کہا ہے اور سب ضمیریں انہی کی طرف پھرتی ہیں اور ہجرت وغیرہ الفاظ کے دوسرے معنے بھی ہیں جو کہ ان پر صادق آتے ہیں اور نیز ہجرت وغیرہ کے اصلی معنے بھی ان پر صادق آجاتے ہیں جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں۔

اب رہی یہ بات کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ وہ نہ اہل اسلام سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے اور وہ اہل اسلام کے پاس بھی آکر یہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ پر حقیقت میں یہ محض اپنے بچاؤ کے لئے کرتے ہیں کوئی ان کا دل اس سے نہیں پھرا اور تنگ ہوا کہ وہ لڑیں نیز یہ دل کی بات ہے کسی کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ فی الواقعہ ان کے دل اس

سے پھر گئے ہیں یا کہ محض اپنے بچاؤ کے لئے ایسا ظاہر کرتے ہیں۔ تو اس کے فیصلہ کے لئے فرمایا کہ) کہ ابھی تم اور لوگ پاؤ گے جو کہ چاہتے ہوں گے کہ تم سے وہ امن پالیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن حاصل کریں (پر) جب کبھی فتنہ (مومنوں کے ساتھ جنگ اور فساد) کی طرف پھیرے جاتے ہیں تو منہ کے بل اس میں گرائے جاتے ہیں (یعنی ان کی دلی حالت کا یہ نشان ہے) تو اگر انہوں نے (باوجود ایسا ظاہر کرنے کے) تم نے گناہ کشی نہیں کی۔ (یعنی تمہارے مقابلہ اور ایذاء رسانی سے علیحدہ نہیں ہوئے) اور انہوں نے صلح (کا عہد) تمہاری طرف نہیں ڈالا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو نہیں روکا (یعنی جو انہوں نے ظاہر کیا تھا اپنے افعال اور برتاؤ سے انہوں نے اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ اس کے خلاف ظاہر کیا ہے) تو پھر جہاں کہیں تم ان کو پاؤ ان کو پکڑو اور قتل کرو اور یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہارے لئے ان پر کھلی کھلی حجت بنائی ہے (یعنی ان کی یہ کارروائی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اس پہلے گروہ سے نہیں اور وہ اپنے بیان و اظہار میں جھوٹے ہیں۔

قتل عام کی نفی:

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مخالفین اسلام جو کہ اسلام پر جہاد کی وجہ سے اعتراض کیا کرتے ہیں وہ لوگ فَاقْتُلُوْهُمْ [1] حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ اور وَجَدْتُّمُوْهُمْ کو پیش کر کے بہت چلّایا کرتے ہیں کہ دیکھو یہ کیسا قتل عام کا حکم ہے۔ لیکن ان نادانوں کو یا مجسم متعصبوں کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ ان آیتوں میں هُمْ کی ضمیر انہی لوگوں کی طرف پھر رہی ہے جن کے واجب القتل ہونے کا اس کے ماقبل بیان ہے۔ پس یہ قتل عام کس طرح سے بنا۔)

[1] رسالہ میں فَاقْتُلُوْهُمْ لکھا ہے جبکہ آیت میں لفظ وَاقْتُلُوْهُمْ ہے۔ (از مرتب)

آیات 93 تا 97: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

تشریح الفاظ:

تَحْرِيْرٌ۔ آزاد کرنا۔

رَقَبَۃٌ۔ گردن اور عرب لوگ یہ بول کر سارا انسان مراد لیا کرتے ہیں جیسا کہ لکھا کرتے ہیں کہ یک رس بیل یا یک شاخ بز۔

دِیَۃٌ۔ خون بہاؤ۔

یَصَّدَّقُوْا۔ اصل میں یَتَصَدَّقُوْا تھا، تَصَدَّقَ سے ہے۔

اَعَدَّ۔ اِعْدَادٌ سے ہے تیار کرنا۔

ضَرَبَ۔ جب فِیْ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو عموماً اس کے معنے چلنے اور سفر کرنے کے ہوتے ہیں۔

تَبَیَّنُوْا۔ تَبَیَّنَ سے ہے اور اس کے دونوں معنے آتے ہیں بہت ظاہر ہونا جیسا روزوں کے بارہ میں آیا ہے۔ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ[1] (البقرۃ:188) اور ظاہر کرنا دوسری چیز کے ظہور کو چاہنا اس صورت میں تَبَیَّنَ بمعنے اِسْتِبْیَانٌ ہو گا۔

عَرَضٌ۔ سریع الزوال چیزوں کو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے دنیوی مال و متاع اور اسباب کو کہتے ہیں۔

مَغَانِمُ۔ مَغْنَمٌ کی جمع ہے۔ غنیمت کی ہوئی چیز یا غنیمت کا موقع اور وقت یا غنیمت کا پانا۔

ترجمہ:

اور کسی مومن کی شان سے نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل (کرے) مگر خطاء سے اور جس نے مومن کو خطاء سے قتل کیا تو (اس کو) کسی مومن جان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہاؤ ہے جو اس کے لوگوں کے حوالے کی ہوئی ہو مگر یہ کہ وہ خیرات کر دیں اور اگر وہ (مقتول) ان لوگوں سے ہو جو کہ تمہارے لئے دشمن ہیں اور وہ خود مومن ہو تو پھر مومن جان ہی کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے۔ تو پھر خون بہاؤ ہے اس کے لوگوں کے حوالے کیا ہو اور کسی مومن جان کا آزاد کرنا ہے۔ سو جو یہ نہ پائے تو پھر پے در پے دو مہینوں کے روزے ہیں۔ اللہ کی طرف سے (رحمت کے ساتھ) رجوع کرنے کے لئے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جو کوئی دیدہ و دانستہ کسی مومن کو قتل کرے گا تو اس کی جزاء جہنم ہے۔ مدتوں رہ پڑنے

[1] یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ (تفسیر صغیر)

والا ہو گا اس میں اور یقیناً اللہ اس پر غضب کرے گا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہیں جب تم اللہ کے راستہ میں زمین میں چلو تو خوب تحقیق کر لو اور جس نے تمہاری طرف سلام ڈالا ہے اس کو مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم نزدیک زندگی کا اسباب چاہتے ہو سو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں (یا غنیمتوں کے موقع) ہیں۔ تم بھی ایسے ہی تھے۔ سو اللہ نے تم پر احسان کر دیا ہے سو تم تحقیق کرو۔ اللہ یقیناً ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔ مومنوں سے غیر ضرر والے (ہو کر) بیٹھنے والے اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ کوشش کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ کوشش کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور سب کو بہت اچھی (حالت) کا وعدہ دیا ہے۔ اللہ نے کوشش کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے اجر میں فضیلت دی ہے (جو کہ) اس کی طرف سے درجے اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے یہ ذکر ہوا تھا کہ جو کوئی جنگ کے موقعہ پر سلام دے تو اس احتمال سے اس کے سلام کے جواب سے نہ رکو کہ وہ بچاؤ کے لئے ایسا کرتا ہے شاید اندر سے کافر ہو۔ تو یہ بتانے کے لئے کہ جیسا یہ احتمال ہے ایسا ہی اس کے مسلمان ہونے کا بھی احتمال ہے اور اس صورت میں بہت ضرر ہے۔ نیز اور صورتیں تو بیان ہو گئی تھیں فقط یہ باقی رہی تھی جو مومن کفار میں رہتے ہوں۔ ان کی مدد تو لازم نہیں پر کیا ان کا قتل کرنا بھی جائز ہے یا نہ تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) مومن کی شان سے نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر خطاء سے۔ (یعنی دیدہ دانستہ قتل کرنا تو اس کی شان سے بعید ہے ہاں جو خطاء کی صورتیں ہیں وہ اس سے واقع ہو سکتی ہیں۔

شان نزول مفسرین کی نظر میں:

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابو جہل اور حرث بن ہشام کا مادری بھائی عیاش بن ابی ابیعہ[1] مخزومی

[1] ربیعہ۔ (از مرتب)

اسلام لایا اور مدینہ میں آگیا اور والدہ کو چونکہ بہت پیارا تھا اس لئے اس نے قسم کھائی کہ جب تک میں اس کو نہ دیکھوں گی تب تک مکان کے اندر نہ داخل ہوں گی۔ تو والدہ کی قسم کی وجہ سے ابو جہل اور اس کا بھائی حرث یہ دونوں مدینہ آئے اور عیاش کو وعدہ دیا کہ ہم تجھے واپس آنے سے نہ روکیں گے۔ چنانچہ عیاش ان کے ساتھ چلا۔ پر جب مدینہ سے نکلے تو دونوں نے اس کو باندھا اور سو درہ مارا اور بنی کنانہ میں کنانہ میں سے ایک آدمی نے ان دونوں کی مدد کی تو اس پر عیاش نے قسم کھائی کہ موقعہ پاکر میں اس آدمی کو ضرور قتل کر دوں گا۔ چنانچہ جب فتح مکہ ہوئی تو عیاش نے اس کا پتہ لگا کر قتل کر دیا اور بعد معلوم ہوا کہ وہ اسلام لا چکا تھا تو عیاش نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واقعہ عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور جو کوئی خطاء سے مومن کو قتل کرے تو کسی مومن جان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہاؤ دینا ہے جو کہ اس کے لوگوں کے سپرد کیا ہوا ہو۔ (اور دیت سونے سے ایک ہزار اشرفی، چاندی سے دس ہزار اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار درم اونٹوں سے ایک سو ہے۔) مگر یہ کہ وہ صدقہ کر دیں (یعنی مقتول کے وارث کچھ یا ساری دیت معاف کر دیں اور یہ بتانے کے لئے کہ ان کا ضروری حق ہے اور کہ معاف کرنے سے ان کو ایسا ہی اجر ملے گا جیسا کہ اپنے پاس سے دے دیں لہٰذا معاف کرنے کو صدقہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

اور یہ تو عام قاعدہ ہوا پر) اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہارے لئے دشمن ہے اور وہ مومن ہو تو پھر مومن جی کا آزاد کرنا ہے۔ (یعنی پھر دیت نہیں دینی البتہ کفارہ دینا پڑے گا جو کہ مومن غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے) اور اگر وہ (مقتول مومن جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے) اس قوم سے ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے تو پھر خون بہاؤ ہے جو کہ ان کے لوگوں کی طرف حوالہ کیا ہوا ہو اور کسی مومن جان کا آزاد کرنا ہے۔ (یعنی چونکہ اس کی قوم کے ساتھ معاہدہ ہے اس لئے سب سے پہلے فوراً ان کو خون بہاؤ دینا چاہیے اور پھر کفارہ بھی ادا کرنا چاہیے۔ جو کہ ایک مومن جان کا آزاد کرنا ہے) تو جو نہ پائے (مومن غلام اور لونڈی کو) تو پھر پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں اللہ کی طرف سے رجوع برحمت کرنے کے لئے۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔ یعنی لوگوں کو تمہارے قتل کرنے کا علم ہو یا نہ

پر چونکہ اللہ علیم ہے لہٰذا وہ جانتا ہے پس اس کے حکم کے مطابق دیت اور کفارہ ضرور ہی ادا کرنا چاہیے۔ نیز وہ اس کو بھی جانتا ہے کہ حقیقت تم کو وہ نہیں ملا یا کہ یونہی بات بنالی ہے اور گو تم کو اس کے احکام کی حکمت سمجھ میں آئے نہ آئے پر تم اس پر عمل ضرور کرو اور یقین رکھو کہ ضرور اس میں حکمت ہے گو ہم کو معلوم نہیں ہے اور لَمْ یَجِدْ کے مطلق رکھنے سے گو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دیت اور غلام دونوں نہ پائے اور دونوں کی بجائے دو ماہ کے روزے رکھ لے چنانچہ بعض علماء کا یہی مذہب بھی ہے لیکن چونکہ کفارہ تو قاتل کو خود دینا پڑتا ہے اور دیت اس کے عاقلہ یعنی اس کے رشتہ داروں پر ہوتی ہے جو کہ عصبہ کہلاتے ہیں لہٰذا ان کی بجائے اس پر روزہ ہونا ٹھیک نہیں۔ نیز جب اکیلے غلام کے نہ پانے کی صورت میں بھی دو ہی ماہ کے روزے ہیں تو پھر دونوں ہی کے نہ پانے کی صورت میں بھی دو ہی ماہ کا روزہ کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ پس ٹھیک یہی ہے کہ یہاں پر غلام کفارہ کا نہ پانا ہی مراد ہے اور بس اور گو مومن کی شان سے نہیں کہ مومن کو عمداً قتل کرے لیکن اگر کسی سے واقع ہو جائے تو پھر اس کا کیا حکم ہے تو فرمایا کہ) جس نے مومن کو دیدہ دانستہ قتل کیا تو اس کی جزائے جہنم ہے رہ پڑنے والا ہو گا اس میں اور اللہ نے اس پر غضب کیا ہے اور اس کو (اپنی رحمت سے) دور کیا ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

معتزلہ کا استدلال:

(معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ عمداً قتل کرنے والا کفار کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اہل السنۃ والجماعت چونکہ کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہمیشہ کے جہنم کے قائل نہیں اور کفار کے لئے قائل ہیں لہٰذا ان کو اس آیت کے جواب میں بہت کچھ دقت اُٹھانی پڑی ہے۔

خُلُوْدٌ سے مراد مدت دراز:

چنانچہ کسی نے کہا ہے کہ محض زجر کے لئے ایسا کہا گیا ہے کوئی حقیقت اس کے لئے ہمیشہ جہنم میں رہنا نہیں ہے اور کسی نے یہ جواب دیا کہ خُلُوْدٌ کے معنے گو ہمیشہ کے ہوتے ہیں۔ پر یہاں پر مدت دراز تک رہنا مراد ہے اور کسی نے یہ کہ مقیس اور ہشام دونوں اسلام

لائے تھے اور مدینہ میں رہتے تھے تو ایک دن قباء کے انصار کے گھروں میں ہشام مرا ہوا پایا گیا تو حضور نے مقیس کے ساتھ ایک آدمی لے کر کہلا بھیجا کہ اگر قاتل معلوم ہے تو وہ دے دو ورنہ دیت دے دو تو انہوں نے دیت کے سو اونٹ دے دیئے تو راستہ میں آتے ہوئے مقیس نے اس شخص کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر اور مرتد ہو کر چل پڑا تھا تو اس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

لیکن ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ کافر بھی اجر جہنم سے نکالا جاوے گا اور خُلُوْدٌ کے معنے ہی مدت دراز کے ہیں اور ہمیشہ کے نہیں۔ ہاں جب خداوند تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ مومن کی شان ہی سے نہیں کہ عمداً مومن کو قتل کرے اور پھر قتل کرنے پر وہ عذاب بیان کیا ہے جو کہ کفار کے لئے ہے تو یہ اس کا صریح قرینہ ہے کہ یہاں پر مومن ہونے کی وجہ سے مارنا مراد ہے۔ تو جب مومن کو عمداً مارنا مومن کی شان ہی سے نہیں اور خطاء مارنے پر بھی کفارہ ضرور ہی دینا پڑتا ہے لہٰذا) اے ایمان لانے والو اگر تم اللہ کے راستہ میں زمین میں سفر کرو تو تحقیق کر لو (تاکہ کسی مومن کو نہ قتل کر دو (اور جب ظاہری قرائن ایمان کے ہوں تو پھر اسی پر فیصلہ کر دو۔ لہٰذا) جو تمہاری طرف (دعا) سلام ڈالے تم اس کو مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم نزدیک زندگی اسباب چاہتے ہو سو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں۔ (یعنی تمہارا ایسا کہنا اور اس کو قتل کرنا دنیوی منافع کے لئے ہے نہ تحقیق کے لئے) تم بھی پہلے اسی کی مانند تھے (یعنی تمہارا ایمان بھی ایک وقت ایسا ہی ظنی تھا) سو اللہ نے تم پر احسان کر دیا ہے) لہٰذا تم تحقیق کر لیا کرو۔ (اور چونکہ یہ باتیں ضمناً چل پڑی تھیں اور اصل بیان ترغیب جہاد پر تھا اور اس میں سے بھی بالخصوص پیچھے رہنے والوں کی مذمت تھی لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) مومنوں میں سے بے ضرر ہو کر بیٹھنے والے اور جو کہ اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ کوشش کرتے ہیں برابر نہیں ہوتے (بلکہ) اللہ نے ان کو بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے جو کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ کوشش کرنے والے ہیں اور سب ہی کو اللہ نے اچھی حالت (یا اچھی جنت یا چیز) کا وعدہ دیا ہے۔ یعنی بے عذر لوگوں کا جان چرا کر اور حکم عدولی کر کے پیچھے رہنا تو بہت برا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو گیا۔ پر

جو لوگ ان میں سے یوں بھی رہ جائیں گے گو ان کا اور کوئی قصور نہیں پر وہ ان کے برابر تو ہر گز نہیں ہو سکتے جو کہ اپنے مالوں اور جانوں کو اللہ کے راستہ میں صرف کر رہے ہیں اور اس کے ظاہر کرنے کے لئے کہ گو ان کا اور کوئی قصور نہیں یہ فرمایا کہ سب کو اللہ نے اچھی طرح چیز کا وعدہ دیا ہے اور اس فضیلت کو بیان فرمایا کہ) اللہ نے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر اپنی طرف سے اجر میں فضیلت دی ہے جو کہ بڑے درجات (پر) ہے اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

آیت 98 تا 101: اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ۙ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَةً وَّ لَا یَهۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا ۙ فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ وَ کَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ۔ وَمَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّسَعَةً وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۔

تشریح الفاظ:

فِیۡمَ۔ اصل میں فِیۡمَا ہوتا ہے اور استفہام کے موقعہ پر اکثر الف کو حذف کر کے مَ پڑھتے ہیں۔

مَاۡوٰی۔ أَوٰی سے ہے۔ جگہ لینا اور ٹھکانا پکڑنا۔

مُرٰاغَمٌ۔ مَرۡغَمٌ کی جمع ہے اور مَرۡغَمٌ۔ رَغِمَ سے ہے جس کے اصلی معنے ناک کے خاک آلودہ کرنے کے ہیں اور عام طور پر ذلت کے معنے دیتا ہے تو مَرۡغَمٌ کے اصل معنے یہ ہوئے کہ وہ مقام جس میں دشمنوں کی ناک خاک آلودہ کی جاوے گی یعنی جس سے وہ ذلیل ہوں گے۔ سَعَةٌ۔ فراخی۔

ترجمہ:

بے شک جن کو فرشتے اس حالت میں مارتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں کے ظلم کرنے والے ہوتے ہیں وہ ان کو کہیں گے کہ تم کس میں تھے۔ تو وہ کہیں گے ہم اس زمین میں ضعیف کئے جاتے تھے۔ وہ کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی کیا ہی بری جگہ ہے۔ سوائے ان مردوں اور عورتوں اور بچوں کے جو کہ ضعیف کئے جاتے ہیں جو کہ نہ کسی

حیلہ کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی سبیل پاتے ہیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ امید ہے کہ اللہ انہیں معاف کرے گا اور بہت عفو کرنے والا، بہت مغفرت کرنے والا ہے اور جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے پائے گا (جن میں دشمن کی ناک رگڑی جاوے گی) اور فراخی اور جو اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا اپنے گھر سے نکلے گا اور پھر اس کو موت پالے گی تو ضرور اس کا اجر اللہ پر واقع ہو گیا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

جس طرح ان کا حال بیان کیا ہے جو کہ جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں اسی طرح اب ان کا حال بیان فرماتا ہے جو کہ باوجود قدرت کے اور دعویٰ اسلام کے ہجرت نہیں کرتے اور کفار ہی میں رہتے ہیں تو فرمایا کہ) جن لوگوں کو کہ فرشتے اس حالت میں مارتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو (فرشتے) ان کو کہتے ہیں کہ تم کس (حالت) میں تھے۔ (یعنی فرشتے ان سے دریافت کریں گے کہ تم نے کیوں ان بدیوں کا ارتکاب کیا ہے اور تم کس خیال میں تھے) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس زمین میں بہت ضعیف تھے (یا ضعیف کئے جاتے تھے (یعنی چونکہ مشرکوں اور کافروں کے دباؤ میں تھے اس مجبوری سے ہم دین پر پوری طرح نہیں چل سکے) وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے (یعنی فرشتے ان کے عذر مذکور کو اس طرح ردّ کرتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تو اگر وہاں پر کفار دین اسلام پر نہ چلنے دیتے تھے تو تم وہاں سے ہجرت کر لیتے۔ تو اب خداوند تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ پھر ان کا کیا انجام ہوتا ہے یا ہو گا) سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی کیا ہی بری جگہ ہے۔ (یہ تو ان کا حال ہوا جو کہ سوائے کسی صحیح اور واقعی مجبوری کے دَارُ الْکُفْرِ میں بیٹھے رہتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے اور خوب جانتے ہیں کہ وہاں پر رہ کر دین الٰہی پر نہیں چل سکتے جب تک کہ دوسروں کی طرح ہجرت نہ کریں۔ پر جو حقیقت میں معذور ہیں سو ان کا حال یہ بیان فرمایا کہ) بجز ان مردوں اور عورتوں اور بچوں کے جو کہ ایسے ضعیف ہیں کہ نہ کسی حیلہ کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کسی

راستہ کی ہدایت پاسکتے ہیں۔ (یعنی نہ تو وہ اسباب ہجرت پاسکتے ہیں اور نہ مقام ہجرت کا راستہ پاسکتے ہیں) سو یہ وہ لوگ ہیں کہ امید ہے کہ اللہ ان کو معاف کر دے اور اللہ بہت عفو کرنے والا، بہت مغفرت کرنے والا ہے۔

(اب رہا یہ خیال کہ میں ہجرت کروں گا تو وہاں کس مکان میں رہوں گا اور کس طرح گذارہ کروں گا اور یہ ایسا خیال ہے کہ اکثر انسانی طبیعت وطن کے چھوڑنے کے وقت اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا کہ) جو کوئی اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے گا وہ اس زمین میں ایسے ٹھکانے پائے گا جو دشمن کو ذلیل کرنے والے ہوں گے اور فراخی (اب رہا یہ خطرہ کہ راستہ میں ہی مر جائیں) تو فرمایا کہ) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا اپنے گھر سے نکلے گا پھر اس کو موت پالے گی تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو گیا۔

(اور لفظ ثُمَّ لا کر یہ بتایا ہے کہ اس کا مہاجر فی سبیل اللہ ہونا تو اس کو چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور مدد دے اور وہ ایسا کرتا بھی ہے لیکن باوجود اس کے پھر بھی اگر کسی کی موت مقدر ہو اور وہ اس کو پا ہی لے۔ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ بھی اسی وجہ سے فرمایا ہے ورنہ تو فَيَمُتْ کہنا کافی تھا اور بجائے مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ کے يَخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ الخ فرما کر بتایا ہے کہ گھر سے نکلتے ہی وہ اس اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں جندب بن ضمرۃ نامی ایک شخص رہتا تھا تو اس نے جب یہ آیت سنی کہ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ الخ تو اس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ مجھے اٹھا کر لے چلو کہ میں ان ضعیفوں سے نہیں ہوں جو راستہ نہیں پاسکتے اور میں مکہ میں اب رات نہیں گذار سکتا۔ تو چونکہ وہ بہت معمر تھا اس لئے تنعیم جگہ میں پہنچ کر فوت ہو گیا اور فوت ہونے کے وقت اس نے اپنا ہاتھ ہاتھ پر مار کر کہا اللہ یہ تیرے لئے ہے اور یہ تیرے رسول کے لئے اور میں اس پر تیری بیعت کرتا جس پر کہ تیرا رسول بیعت لیتا ہے۔ تو جب اس کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو صحابہؓ نے کہا کاش کہ وہ مدینہ آکر فوت ہوتا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس اجر کی وجہ یہ بتائی کہ) بے شک اللہ بہت مغفرت کرنے والا، بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

آیت 102 تا 105: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَ لْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ وَ لْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَ اَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ وَ خُذُوْا حِذْرَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔

تشریح الفاظ:

ضَرَبَ۔ کی نسبت میں لکھ آیا ہوں کہ جب اس کے بعد فِیْ آئے تو بمعنے سفر ہوتا ہے گو بدوں فِیْ کے بھی ان معنوں کے لئے آتا ہے۔

جُنَاحٌ۔ کو بعض گناہ کا معرب کہہ دیتے ہیں۔ پر حقیقت میں جُنُوْحٌ سے ہے جس کے

معنے پھرنے اور دوسری جانب جھکنے کے ہیں اور گناہ میں بھی چونکہ انسان اپنے حقیقی مولیٰ سے رخ پھیر دیتا ہے اس لئے اس کو جُنَاحٌ کہتے ہیں۔ نیز جُنَاحٌ ایک پہلو اور جانب کو کہتے ہیں اور بدی کرنے سے انسان خداوند تعالیٰ سے دوسری جانب ہو جاتا ہے۔

تَقْصُرُوْا۔ قَصْرٌ سے ہے، کوتاہ کرنا۔

اَسْلِحَةٌ۔ سِلَاحٌ کی جمع ہے، ہتھیار۔

وَرَآءٌ۔ کے معنے مفصل بیان ہو چکے ہیں اسی طرح لفظ حِذْرٌ۔ کے معنے بھی ابھی بیان ہوئے ہیں۔

اَمْتِعَةٌ۔ مَتَاعٌ کی جمع ہے، اسباب۔

مَيْلٌ۔ جھکنا۔ اَذًى۔ دکھ، ضرر۔

تَضَعُوْا۔ وَضْعٌ سے ہے۔

جُنُوبٌ۔ جَنْبٌ کی جمع ہے، پہلو۔

اِطْمَاْنَنْتُمْ۔ اِطْمِيْنَانٌ سے ہے، قرار پکڑنا اور ٹھہرنا اور تسلّی پانا۔

كِتٰبٌ۔ لکھنا، مقرر کرنا۔

مَوْقُوْتٌ۔ تَوْقِيْتٌ سے ہے، کسی کام کے لئے وقت مقرر کرنا جس سے باہر وہ نہ ہو سکتا ہو۔

تَهِنُوْا۔ وَهْنٌ سے ہے، سست ہونا۔

اِبْتِغَاءٌ۔ طلب اور تلاش کرنا۔

تَاْلَمُوْنَ۔ يَاْلَمُوْنَ، اَلَمٌ سے ہیں، دکھ اور درد پانا۔

تَرْجُوْنَ۔ رِجَاءٌ سے ہے امید کرنا۔

ترجمہ:

اور جب تم زمین میں چلو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز سے کچھ کم کرو اگر تم ڈرو کہ وہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈالیں گے جو کہ کافر بنے ہیں۔ بے شک کافر لوگ تمہارے لئے کھلے دشمن ہیں اور جب تم ان میں ہو پھر تم ان کے لئے نماز قائم کرو تو ان سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں اور جب وہ

سجدہ کر لیویں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تو وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنا بچاؤ اپنے ہتھیار لے لیویں۔ جو لوگ کافر بنے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار رکھ دو۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی بارش سے دکھ ہو یا تم بیمار ہو اور تم اپنا بچاؤ لے لو۔ یقیناً اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ سو جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرو۔ تو جب تم قرار پکڑو تو نماز کو قائم کرو۔ یقیناً یہ نماز مومنوں پر معیّن اوقات میں مقرر کی ہوئی ہے اور ان لوگوں کی تلاش میں سستی نہ کرو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو یقیناً وہ بھی ایسے ہی) دکھ اٹھاتے ہیں جیسے کہ تم دکھ اٹھاتے ہو اور تم اللہ سے وہ کچھ امید کرتے ہو جو کہ وہ امید نہیں کرتے اور اللہ بہت جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔

تفسیر:

جہاد کے بیان میں پھر نماز کا ذکر لا کر اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ جس طرح تم کو بتایا گیا ہے کہ دنیوی کاروبار کے شغل میں نماز نہ بھولنا اسی طرح جہاد جیسے دینی شغل اور سخت ترین خطرہ میں بھی نماز کو نہ چھوڑنا اور نہ باجماعت پڑھنے کو ترک کرنا ہاں سفر کی مشقت اور دشمن کے خطرہ کی وجہ سے وہ تخفیف کر لیا کرو جس کی ہم تم کو اجازت دیتے ہیں۔ فرمایا کہ) جب تم زمین میں چلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم نماز کو مختصر کرو۔

پرانے مفسرین کے مطابق مفسر کے لئے خوف اعداء شرط ہے:

(مفسرین کو یہاں پر ایک بڑی مشکل پیش آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر اہل اسلام کے نزدیک سفر میں نماز قصر کی جاتی ہے یعنی بجائے چار رکعت کے دو ہی پڑھتے ہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں پہلے دو دو بھی رکعتیں فرض کی گئی تھیں۔ پھر بعد ازاں گھر میں تو دو دو رکعتیں زائد کر کے چار چار کی لیکن اور سفر میں دو ہی رہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الصلاۃ باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء حدیث 305)

خواہ سفر میں کوئی خوف وخطرہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں قصر ہے۔ تو اس وجہ سے انہوں نے ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ سے سفر اور قَصْرُ الصَّلٰوۃِ سے یہی اختصار مذکور لیا ہے لیکن اس کے بعد اس قصر کی شرط لگائی ہے کہ) اگر تم اس سے ڈرو کہ کافر لوگ تم کو فتنہ میں ڈالیں گے۔ بے شک کافر لوگ تمہارے لئے کھلے کھلے دشمن ہیں (جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصر کے لئے خوف اعداء شرط ہے۔ پھر اس کا کئی طرح سے جواب دیا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ شرط لگانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب یہ نہ ہو تو یہ حکم بھی نہیں۔ دوم یہ کہ اگر یہ ہو بھی تو پھر صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بدون خوف کے بھی سفر میں قصر کیا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ بمنی حدیث نمبر 1083)

اور یہ جواز قصر بدون خوف کی صریح دلیل ہے اور شرط کا نہ ہونا ایک اشارۃً ہے جو کہ صریح دلیل کا مقابلہ نہیں کیا کرتا۔ سوم یہ کہ پہلی آیت جدا ہے اور اِنْ خِفْتُمْ جدا ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ بعض تاجروں نے دریافت کیا تھا کہ ہم سفر میں کس طرح نماز پڑھیں تو اِذَا ضَرَبْتُمْ سے مِنَ الصَّلٰوۃِ تک نازل ہوا۔ اس کے بعد ایک سال گذرنے پر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لڑائی کی اور ظہر کی نماز پڑھی تو اس پر کفار افسوس کرنے لگے کہ ان پر حملہ کرنے کا عجیب موقعہ ملا تھا پر ہاتھ سے چلا گیا تو کسی نے کہا کہ اس کے بعد وہ ایک اور نماز ابھی پڑھیں گے سو اسوقت حملہ کر دینا تو پھر عصر کی نماز سے پہلے ہی اِنْ خِفْتُمْ الخ نازل ہوا جو کہ صاف دکھاتا ہے کہ یہ دونوں جدا جدا ہیں۔ لیکن پہلے جوابوں کی طرح اس میں بھی ظاہر نقص ہے اس لئے کہ پھر اِنْ خِفْتُمْ کا جواب ندارد ہے اور پہلے کے مطابق نکالنا کچھ زائد فائدہ نہیں دیتا۔

دو قسم کے قصر:

پس حقیقی اور حق جواب یہ ہے کہ قصر دو ہیں ایک قصر سفر ہے اور دوم قصر خوف ہے۔ قصر سفر کے معنے تو دو رکعت پڑھنے کے ہیں اور قصر خوف میں اس کے علاوہ اشارہ سے اور اور چلتے ہوئے اور ہر ایک طرف رخ کر کے پڑھنا اور قرأت اور ارکان صلوٰۃ کو بھی اختصار کے ساتھ ادا کرنا اور ہر ایک گروہ کا ایک ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھنا اور دوسرے گروہ کا

دشمن کے مقابل کھڑا ہو جانا وغیرہ قصر سفر کے معنے ہیں اور یہاں پر قصر سفر نہیں بلکہ قصر خوف مراد ہے اور اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ سفر کی وجہ سے جو قصر ہے اس کو تو سب جانتے ہیں۔ پر خوف کی وجہ سے جو قصر ہے وہ کس قسم کی ہے۔ نیز یہ بتانے کے لئے کہ امام کی موجودگی میں کسی طرح کا تفرقہ نہ ہونا چاہیے خواہ دوسرے دینی کاموں میں اس کے رفع کرنے کے باعث کچھ تغیر اور نقص آ بھی جائے۔

فرمایا کہ) جب تم (یا تمہارے نائب کوئی امام اور خلیفہ) ان میں ہو اور پھر تم ان کے لئے نماز قائم کرو تو ان سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار لے لیویں۔ (یعنی جو گروہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے لگا ہے وہ بھی اپنے ہتھیار ساتھ ہی رکھے۔ تو جب وہ سجدہ کر چکیں (یعنی جب وہ ایک رکعت پڑھ چکیں) تو وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آئے جس نے نماز نہیں پڑھی تو پھر وہ تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ (بھی) اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار (اس سے اس قدر تو ثابت ہو گیا کہ امام دو رکعتیں پڑھے اور بھلا دوسرے دونوں گروہوں نے امام کے ساتھ ایک ہی ایک رکعت پڑھنی ہے۔

رہی اب ان کی دوسری ایک رکعت تو امام ابو حنیفہؒ نے ابن مسعود کی روایت پر فتویٰ دیا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی تو پہلے ایک جماعت آئی اور اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک رکعت نماز ادا کی اور پھر دوسری آئی اور اس نے بھی ایک رکعت ادا کی جیسا کہ آیت میں آیا ہے پھر دوسری جماعت چلی گئی اور پہلی جماعت آ گئی اور (جس طرح کہ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اسی طرح) انہوں نے سوائے قرأت کے ایک رکعت پڑھ کر نماز ادا کر دی۔ پھر دوسری جماعت آئی اور اس نے (اکیلے کی طرح) قرأت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر نماز ادا کر دی۔ لیکن اور حدیثوں میں یوں آیا ہے کہ پھر دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر آپ نے سلام پھیر دیا اور پھر ان دونوں جماعتوں نے ایک ایک رکعت اور پڑھ کر نماز کو پورا کیا۔

(صحیح البخاری ابواب صلاۃ الخوف حدیث 942)

اور اس کی صورت اوروں نے یوں لکھی ہے کہ امام کی نماز ختم ہونے پر دوسری جماعت وہاں پر ہی دوسری رکعت ادا کر کے سلام پھیر دے اور پھر دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے اور پھر پہلی جماعت آکر دوسری رکعت ادا کر کے اپنی نماز کو پوری کرے۔

اور بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ بس صلوۃ خوف اسی قدر ہے جو کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے یعنی امام کی دو رکعتیں اور مقتدیوں کی ایک ایک رکعت ہے اور بس۔ پر حق وہی ہے جس کو مخبر صادق نے عمل کر کے بتادیا ہے۔ اس کے بعد اس کی وجہ بتائی کہ) کافر لوگ پسند کرتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک ہی دفعہ جھک پڑھیں۔ (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ نمازوں میں یہ لوگ اور طرف تو توجہ رکھ سکتے ہی نہیں تو جب وہ نماز میں مشغول ہوں تو ہم ان کے اسباب اور ہتھیاروں پر حملہ کر دیں لہٰذا ہم نے تم کو نماز بطریق مذکور ادا کرنے اور ہوشیار رہنے اور ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ اس حکم کی یہی وجہ ہے لہٰذا اگر تمہارے ساتھ کچھ ضرر ہو بارش (وغیرہ) سے یا تم بیمار ہو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہو گا کہ تم اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو (لیکن یہ ضروری ہے کہ) اپنا بچاؤ پکڑ لو) (اور خداوند تعالیٰ کا ایسی ایسی مخفی اور معمولی باتوں کی بر وقت مومنوں کو خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ) کہ بے شک اللہ نے کافر بننے والوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر دیا ہے۔ (اور چونکہ حقیقت میں جنگ وہ موقعہ ہے کہ جس میں سب وقتوں سے ذکر الٰہی زیادہ کرنا چاہیے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات اور حدیثوں سے بھی ثابت ہوتا ہے اور یہاں پر تو معمولی نماز کو بھی مختصر اور کوتاہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے بعد فرمایا) تو جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (یعنی ہر ایک حال میں) اللہ کو یاد کرو (یعنی قصرِ صلوٰۃ کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر الٰہی چھوڑ دو بلکہ اس موقعہ پر ذکر الٰہی بہت کرو وہاں دشمن کے خطرہ سے نماز میں یہ تخفیف کی گئی ہے لہٰذا فرمایا) کہ جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر نماز کو قائم کرو (جیسی کہ تم کو بتائی گئی ہے یعنی پھر تخفیف نہ کرو بلکہ بچھڑے ہوئے دوست کی طرح بڑے شوق اور خلوص سے اس کو پڑھو

اس لئے کہ) بے شک نماز مومنوں پر معین اوقات میں مقرر کی ہوئی ہے۔ (یعنی وہ ان پر نہایت ضروری قرار دی گئی ہے اور اس کے اوقات بھی معین ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے اور یہ بھی کہ ہر وقت کے لئے نہیں کہ گراں ہو بلکہ معین اوقات میں ہے اور چونکہ رفع خطرہ کے بعد ذکر الٰہی اور اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا تو جب دشمن بھاگ کر جاتا ہو تو اس وقت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے وہ مصیبت کا وقت تو خود ہی رفع کر دیا ہے جس میں نماز میں بھی تخفیف کرنی پڑتی تھی اب تو ذکر الٰہی اور اقامت نماز میں لگنا چاہیے نہ یہ کہ خود دشمن کا پیچھا کر کے ذکر الٰہی اور نماز کو ضائع کیا جائے تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم ان لوگوں کے طلب کرنے میں سست نہ ہو۔ اگر تم دکھ پائے ہوئے ہو تو وہ بھی (ویسے ہی) دکھ پاتے ہیں جیسے کہ تم دکھ پاتے ہو (اور علاوہ اس کے پھر فرق یہ ہے) اور تم اللہ سے وہ کچھ امید رکھتے ہو جو کہ وہ نہیں رکھتے اور (یہ مت خیال کرو کہ ہمیں تو نماز اور ذکر الٰہی میں زیادہ ثواب اور فائدہ نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ) اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے (تو جس طرح عالم اور حکیم کی بات کو تم لوگ طبعاً مانا کرتے اور اس پر عمل کیا کرتے ہو اسی طرح علیم و حکیم خدا کی اس بات کو بھی مانو اور اس پر عمل کرو۔

آیت 106 تا 113: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۙ يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا ۔ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۔ وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا يَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۔ وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ خَطِيۡٓـئَةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓـئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۔

تشریح الفاظ:

خَصِيۡمًا ۔ خَصُوْمَةٌ سے ہے اور اس کے معنے ہیں۔ جھگڑنے والا۔

تُجَادِلُ۔ مُجَادَلَةٌ سے ہے جس کے معنے علم مناظرہ والوں کے نزدیک گو یہ ہیں کہ کسی امر پر طرفین سے بحث کرنا دونوں طرف سے یا ایک طرف سے اظہار حق مد نظر نہ ہو بلکہ محض شور وشر ہی مقصود ہو اور یہی کوشش ہو کہ میں دوسرے کے الزام سے محفوظ رہوں لیکن لغت میں اس کے معنے مطلق مباحثہ کے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[1] (النحل:126) کے ساتھ مجادلہ کا ارشاد ہوا ہے اور پھر خصوصاً آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سب سے پہلے ہوا ہے۔

[1] اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو ان سے (ان کے اختلاف کے متعلق) بحث کر۔ (تفسیر صغیر)

یَخْتَانُوْنَ۔ اِخْتِیَانٌ سے ہے اور وہ خَیَانَۃٌ سے ہے اور خَوَّانٌ بھی خَیَانَۃٌ سے خَائِنٌ کا مبالغہ ہے۔

یَسْتَخْفُوْنَ۔ اِسْتِخْفَاءٌ سے ہے پوشیدگی چاہنے کے ہیں۔ لیکن وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ میں مفسرین نے حیاء کرنے کے معنے اس لئے کئے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ سے پوشیدہ ہونا ہی محال ہے تو پھر اس کی نفی کے کیا معنے۔

یُبَیِّتُوْنَ۔ تَبْیِیْتٌ سے ہے اور وہ بَیْتُوْتَۃٌ ہے جس کے معنے میں بتا آیا ہوں کہ رات میں کسی امر کا مشورہ اور تدبیر کرنے کو کہتے ہیں۔

ھَا اَنْتُمْ ھَا ایسا ہی حرف تنبیہ ہے (یعنی ہوشیار کرنے کا لفظ ہے) جیسا کہ ھٰذَا اور ھٰٓؤُلَآءِ میں ہے۔

وَکِیْلٌ۔ وَکَالَۃٌ سے جس کے معنے کسی کام پر مقرر کرنے ذمہ وار بنانے وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس کے بعد عَلٰی آئے تو عموماً حفاظت اور حمایت کے معنے دیتا ہے۔

یَرْمِ۔ رَمْیٌ سے ہے جس کے معنے پھینکنے کے ہیں اور تہمت اور الزام لگانے پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترجمہ:

یقیناً ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم لوگوں میں اس کے ساتھ فیصلہ کرو جو کہ اللہ نے تم کو دکھایا ہے اور تم خیانت کاروں کے لئے جھگڑنے والے نہ ہو اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ یقیناً اللہ ہمیشہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے اور ان کی طرف سے تم نہ جھگڑو جو کہ اپنے آپ کی خیانت کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو کہ بڑا خائن بدکار ہو۔ وہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے (یا شرماتے) اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ اس بات کے مشورہ میں رات گذارتے ہیں جس کو وہ پسند نہیں کرتا اور اللہ ان (کاموں) پر احاطہ کرنے والا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔ ہاں تم وہ لوگ ہو جو کہ اس نزدیک زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑتے ہو سو کون ہے جو کہ قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ جھگڑے گا۔ بلکہ کون ان پر محافظ ہو گا اور جو کوئی بدی عمل میں لائے گا یا اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ پھر وہ اللہ سے

مغفرت چاہے گا تو وہ اللہ کو بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا پائے گا اور جو کوئی بدی کماتا ہے سو وہ اس کو اپنے آپ ہی پر کماتا ہے اور اللہ بہت جاننے والا، بہت حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا کاری یا بدی کمائے اور پھر کسی برے شخص پر اس کی تہمت لگائے تو اس نے بڑا بہتان اور کھلا کھلا گناہ اٹھایا۔

تفسیر:

جب جنگ کا ذکر اور اس کے متعلق بعض ضروری احکام کا ذکر ہوا اور جنگ میں ایک یہ امر بھی عموماً پیش آنے والا تھا کہ بعض اوقات اپنے آدمیوں اور اجنبیوں میں تنازع ہو جاتا ہے اور یہ خیال ہو سکتا تھا کہ جب یہ اجنبی واجب القتل ہیں تو پھر ان کے حقوق کی کیا رعایت ہو سکتی ہے۔ نیز مصلحت وقت بھی احکام میں تغیر و تبدیل کر دیا کرتی ہے جیسی کہ نماز میں ہوئی ہے اور موقعہ جنگ کے مناسب یہی ہے کہ کوئی حکم ایسا نہ دیا جائے جس سے کسی غازی مجاہد کی دل شکنی ہو۔

فیصلہ ہمیشہ کتاب اللہ کے مطابق کرو:

لہٰذا تخفیف نماز کے لئے فرمایا کہ گو مصلحت اور ضرورت وقت سے نماز جیسی نہایت ضروری عبادت میں تغیر کیا گیا ہے۔ پر جب دو شخصوں کا آپس میں کوئی نزاع ہو تو مصلحت اور ضرورت وقت سے خلاف حق فیصلہ نہ دو اس لئے کہ) یقیناً ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تا کہ تم لوگوں میں اس کے موافق فیصلہ کرو جو کہ اللہ نے تم کو دکھایا ہے (لہٰذا کتاب اللہ کے مطابق جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں فیصلہ دو اگرچہ وہ کسی اپنے آدمی اور غازی و مجاہد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جب اس کتاب پر ایمان لایا ہے تو اس کے مطابق جس کسی کا حق ہے اس میں اس کو امانت سے کام لینا چاہیے تھا تو جب اس نے اس کا خلاف کیا ہے تو پھر اس نے اس ضرورت امانت میں خیانت کی ہے لہٰذا) تم خائنوں کے لئے جھگڑنے والے نہ ہو (بلکہ اگر اس کی ہمدردی ہے اور تم اس کے لئے بہتری چاہتے ہو تو اوّل تو ضرور فیصلہ کر کے دوسرے کا حق اس سے دلوا کر اس کو اس کے ذمہ سے خلاص کرو اور اس خیانت کے قصور سے پار کرنے کے لئے) تم (اس کے واسطے) اللہ سے مغفرت مانگو۔

یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ (اور یہ بتانے کے لئے کہ جب وہ یہ خیانت کرنے میں اپنی خود پروا نہیں کرتے تو پھر تم کیوں ان کی ایسی طرف داری کرتے ہو۔ فرمایا کہ) ان لوگوں کی طرف سے مت جھگڑو جو کہ اپنی جانوں کی خود خیانت کرتے ہیں (تو جب وہ اپنی خیانت کرتے ہیں تو پھر تمہاری خیانت کیوں نہ کریں گے) یقیناً اللہ ان کو پسند نہیں کرتا جو کہ خائن اور بدکار ہوتے ہیں (اور پھر یہ نہیں کہ وہ تمہاری ہی خیانت کریں گے بلکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی بھی قدر نہیں کی اس لئے کہ) وہ لوگوں سے چھپتے ہیں پر خدا سے نہیں چھپتے (اور نہ چھپ سکتے ہیں اس لئے کہ) وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ اس بات کی تجویز میں رات گذارتے ہیں جس کو وہ نہیں پسند کرتا۔ (اور علاوہ اس کے) اللہ ان کاموں پر احاطہ رکھنے والا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ کے یہ معنے ہیں کہ وہ اللہ سے شرماتے نہیں کیونکہ جب خداوند تعالیٰ سے کوئی نہیں چھپ سکتا تو پھر اس کی نفی کے کیا معنے ہیں۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں بلکہ یہ اپنے ہی معنوں میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے ہیں پر اگر ان کو خدا تعالیٰ کا بھی کچھ خوف ہوتا تو پھر اس سے بھی چھپنے کا ان کو خیال آتا پر چونکہ خداوند تعالیٰ سے چھپنا تو محال ہے تو پھر ایسے کام ہی سے باز رہتے جس میں چھپنے کی ضرورت تھی اور مفسرین نے اس کا واقعہ یہی لکھا ہے کہ ایک ابیرق نام شخص تھا جس کے تین بیٹے تھے اور اس کے بیٹے بظاہر تو اسلام میں داخل تھے لیکن ایک بیٹا حقیقت میں منافق تھا اور وہ خود صحابہؓ کی ہجو کے شعر بناتا تھا اور دوسرے لوگوں کی طرف نسبت کرکے پڑھا کرتا تھا اور آخر اس کا علم بھی صحابہؓ کو ہو گیا تھا تو ایک دفعہ اس نے ایک بڑے مخلص صحابی کا کچھ غلّہ اور کچھ ہتھیار چورا لئے اور بعد تحقیق ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ فلاں کی کارروائی ہے تو اس صحابی نے اپنے بھتیجے کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپ فلاں سے ہمیں ہتھیار دلا دیں اور غلّہ ہم چھوڑ دیتے ہیں پر اس کو بھی خبر ہو تو اس نے کچھ اور صحابہؓ کو چکنی چپڑی باتیں کرکے اپنی مدد میں کر لیا اور پھر ان کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ تم وہاں جاکر یہ کہو کہ فلاں شخص بہت مخلص اور نیک ہے اور اس پر یہ محض الزام لگایا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو جب حضور ﷺ نے یہ سنا تو اس کے بھتیجے کو کہا تم ایک مخلص مسلمان کو بدنام کرتے ہو تب اس نے جا کر اپنے چچا کو یہ خبر سنائی تو اس نے وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ[1] (یوسف:19) کہہ کر خاموشی اختیار کی۔ تب نبی کریم ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی اور آپ نے اس سے ہتھیار لے کر اس کو واپس دیئے اور لکھا ہے کہ پھر وہ منافق کھلا کھلا مرتد ہو کر اہل مکہ میں چلا گیا اور پھر کسی اور چوری میں مارا گیا۔ لیکن میں نے بار بار بتایا ہے کہ ایسے قصص کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کے الفاظ عام ہیں اور مقام کی مناسبت سے اس کے وہی معنے ہیں جو کہ لکھے گئے ہیں اور ایسے قصص سے بعض اوقات صحابہؓ اور نبی کریم ﷺ کی نسبت برے برے الزام بھی ہوتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان کا ثبوت بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ) ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس نزدیک زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑا کیا ہے پر کون ہے جو کہ قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ جھگڑے گا یا کون ان پر محافظ ہو گا (یعنی نہ کوئی جھگڑے گا اور نہ کوئی ان کو عذاب سے بچائے گا۔

(ہاں تم اگر ایسے لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہو تو خود بھی ان کے لئے استغفار کرو اور ان کو بھی تم استغفار کی ترغیب دو۔ چنانچہ فرمایا کہ) جو کوئی، کوئی بدی کرے گا یا اپنی جان پر ظلم کرے گا پھر وہ اللہ سے مغفرت مانگے گا تو وہ اللہ کو بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا پائے گا۔ (اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو ضرور اس کا نقصان اس کو اٹھانا پڑے گا۔ (کیونکہ قاعدہ ہے کہ) جو کوئی بدی کماتا ہے تو وہ اس کو اپنی جان ہی پر کماتا ہے (یعنی اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔ (لیکن جو ایسا کر کے پھر یہی نہیں کہ وہ استغفار نہیں کرتا بلکہ اس کو اوروں پر تھوپتا ہے وہ بہت بڑھ کر سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے چنانچہ فرمایا کہ) جو خطا کاری یا بدی کمائے اور پھر کسی برے شخص پر اس کی تہمت لگائے سو اس نے بڑا بہتان اور کھلا کھلا گناہ اٹھایا ہے۔

(تفسیر القرآن جلد 6 نمبر 1 بابت ماہ جنوری، فروری، مارچ 1911ء صفحہ 1 تا 98)

[1] اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 114 تا 116: وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۔

تشریح الفاظ:

هَمَّتْ۔ هَمٌّ سے ہے قصد کرنا، اہتمام کرنا، کسی امر کو اپنے لئے مہم قرار دینا۔

اَنْ يُّضِلُّوْا۔ يُضِلُّوْنَ۔ اِضْلَالٌ سے ہیں جس کے معنے گمراہ کرنے اور ہلاک کرنے کے ہیں۔

نَجْوٰى۔ اس بات کو کہتے ہیں جو کہ دو یا چند آدمیوں کے درمیان مخصوص رہے خواہ آہستہ بات کریں یا بلند کریں اور بعض نے کہا ہے کہ پست بولنا بھی ضروری ہے۔

يُشَاقِقِ۔ مُشَاقَّةٌ سے ہے جو کہ شَقٌّ سے ہے جس کے اصل معنے پہلے پھاڑنے کے تھے لیکن اب مُشَاقَّةٌ کے معنے مخالف ہونے اور خلاف جانب پر ہونے کے ہیں۔

نُوَلِّ۔ تَوْلِيَةٌ سے ہے، والی بنانا اور تَوَلّٰى۔ تَوَلِّيْ سے ہے جس کے معنے والی بننے کے ہیں۔

نُصْلِ۔ اِصْلَاءٌ سے ہے، آگ میں داخل کرنا۔

ترجمہ:

اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتے تو ان میں سے ایک گروہ نے پختہ عزم کر لیا تھا کہ تجھے ہلاک کر دیں۔ پر وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ تجھے

کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ نے تجھ پر یہ کامل کتاب اور حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو کہ تو نہ جانتا تھا اور تجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو صدقہ یا دستور یا لوگوں میں اصلاح کرنے کا حکم کرے اور جو کوئی اللہ کی رضائیں چاہنے کے لئے یہ کرے گا تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے اور جو کوئی اس رسول کا اس کے بعد مقابلہ کرے گا کہ اس کے لئے ہدایت کھل گئی ہو اور وہ مومنوں کے راستہ کے مغائر کے تابع ہو گا تو ہم اس پر اس کو لگا دیں گے جس کو اس نے اختیار کیا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ لوٹنے کی کیا ہی بری جگہ ہے۔

تفسیر:

جن مفسرین نے یُضِلُّوْنَ کے معنے بہکانے اور گمراہ کرنے کے کئے ہیں ان کے نزدیک تو ما قبل سے اس کا ربط ظاہر ہے کہ پہلے یہ بیان ہوا تھا کہ بعض نے جھوٹی سفارش کرا کے نبی کریم ﷺ سے اپنے ناحق پر اعانت اور طرف داری چاہی تھی۔ تو ان کی کارروائی سے جو کچھ لازم آتا تھا اس کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تجھ پر نہ ہوتی تو ضرور ان میں سے ایک گروہ نے یہ چاہا تھا کہ تجھے بہکا دے لیکن (انہوں نے یہ نہ جانا کہ جب تم خدا کے رسول ہو اور خدا تم سے ہم کلام ہوتا ہے تو پھر تم کسی طرح ان کے بہکانے سے بہک نہیں سکتے۔ بلکہ اس سے حقیقت میں) وہ اپنی ہی جانوں کو بہکا رہے ہیں (اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ تو بڑا بھاری ضرر پہنچانا ہے) اور تجھے کچھ ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے۔ (اس لئے کہ معمولی عالم اور حکیم اپنے علم و حکمت سے ایسے ضرروں سے بچ جاتے ہیں پر) تم پر (تو) اللہ نے یہ کامل کتاب اور حکمت نازل کی ہے (اور پھر اگر یہ دیا ہوا علم اور حکمت کافی نہ ہو تو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ) اللہ نے تجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو کہ تو نہ جانتا تھا۔ تو کیا اب وہ ایسے ضرر کے موقعہ پر وہ ان کی مخفی تدبیروں کا تجھے علم نہ دے گا یا نہ دے سکے گا۔ لیکن جب یُضِلُّوْ کے معنے ہلاک کرنے کے لئے جاویں اور وہی نبی کریم ﷺ کی شان کے موزوں ہیں۔

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ بھی بظاہر اسی کا قرینہ ہے اور ترجمہ میں بھی میں نے یہی معنے لئے ہیں تو پھر اس کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ یہ لوگ جو کہ اس وقت ناحق پر تمہاری مدد حاصل کرنے کے لئے اظہار اخلاص کرتے اور اپنے بنتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے ایک گروہ نے تمہاری ہلاکت کا اہتمام کیا تھا اور اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتے تو وہ تم کو ہلاک ہی کر دیتے اور باقی آیات کا ربط وہی ہے جو کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعانت مذکور دین و دنیا میں ضرر تو ضرور ہے۔ تو بتایا کہ یہ ضرر کیا ہے ان میں سے تو ایک گروہ نے تم کو مار ہی دینا چاہا تھا لیکن اللہ کے فضل و رحمت نے تم کو بچا لیا اور جس طرح اس ضرر سے اور قتل کے ضرر سے فضل الٰہی نے تمہیں بچایا ہے اسی طرح ہمیشہ وہ تجھ کو ان کے ضرروں سے بچائے گا اور باقی ربط مثل سابق ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ لوگ اسی قسم کے مشورے ہمیشہ کیا کرتے ہیں فرمایا کہ) ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی خیر نہیں مگر جو کہ صدقہ یا دستور یا لوگوں میں اصلاح کا حکم دے۔

(مفسرین نے چونکہ نہ یہ سمجھا کہ یہ نَجْوٰی انہی لوگوں کا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا اہتمام کیا تھا یا ناحق پر اعانت آپ کی چاہی تھی اور بلفظ دیگر وہ منافقوں کا نَجْوٰی تھا اس وجہ سے تو ان کو اِلَّا مَنْ اَمَرَ الخ کے ساتھ استثناء کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اور پھر چونکہ ان کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ جن کا یہ نَجْوٰی ہے وہ کبھی صدقہ اور معروف اور اصلاح بین الناس کا حکم نہیں دیا کرتے لہٰذا دوسری دقت ان کو یہ پیش آئی کہ سب نیکیوں سے ان تین کی کیوں تخصیص کی اور نیز جب معروف سب نیکیوں اور صدقہ اور اصلاح کو شامل تھا۔ تو پھر ان تینوں کو کیوں ذکر کیا تو اصل مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم نے پہلے تو ان کے اکثر نجوؤں سے خیر کی نفی فرمائی اور پھر اس کی وجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ ہاں خیر تو ان کے نَجْوٰی میں ہوتی ہے جو کہ صدقہ یا معروف یا اصلاح بین الناس کا نَجْوٰی کیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے نَجْوٰی ان تینوں میں سے ہر ایک امر کے کھلے طور پر مخالف ہوتے ہیں۔

نَجْوٰی کے تین جائز امور:

تو چونکہ یہاں پر وہ اُمور ذکر کرنے تھے کہ جن کے مخالف ان کے نَجْوٰی ہوا کرتے

تھے اور وہ یہی تین امر تھے لہٰذا ان تین کو خاص کیا اور گو ہر ایک صدقہ اور اصلاح بین الناس معروف ہے اور نیز ہر ایک اصلاح اور دوسروں کے ساتھ ہر ایک نیکی کرنی صدقہ بھی ہے پر بعض پر صدقہ کھلا کھلا صادق آتا ہے اور بعض پر معروف اور بعض پر اصلاح بین الناس لہٰذا ان تینوں کو ذکر فرمایا اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ گو اس وقت یہ لوگ اپنے نَجْوٰی کے عمدہ ہونے کے مدعی ہوں اور دوسرے لوگ بھی کھلا کھلا امتیاز سر دست نہ کر سکیں اور ان کے کہنے سے دھوکے میں پڑ جائیں۔ پر عنقریب ہم کھلا کھلا امتیاز کر دیں گے فرمایا کہ) جو ان امور کو اللہ کی رضائیں چاہنے کے لئے کریں گے تو ضرور اللہ ان کو بڑا اجر دے گا۔ (جس سے دنیا ہی میں ان کا امتیاز ہو جاوے گا۔ جیسے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور جو اس کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے گا کہ اس کے لئے ہدایت خوب کھل چکی ہے اور وہ مومنوں کی راہ کی مخالف راہ کے پیچھے پڑے گا تو ہم اس کو اس پر لگا دیں گے جس پر وہ لگا ہے۔ (یعنی ذلیل کرنے والی گمراہی اور تباہ کن مخالفت کو اس کے گلے کا ایسا ہار بنا دیں گے کہ وہ ان کو چھوڑ ہی نہ سکے گا یہاں تک کہ پورا پورا ذلیل اور تباہ ہو جائے گا۔ جس سے دنیا ہی میں اس کا امتیاز ہو جاوے گا جیسا کہ سب منافقوں کا حال ہوا ہے) اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے (جو کہ دنیوی اور اخروی جہنم کو شامل ہے) اور وہ کیا ہی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

آیت 117 تا 127: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۔ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۔ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۔ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۔ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۔ وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۔ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔

تشریح الفاظ:

لَا يَغْفِرُ ۔ غَفْرٌ اور غُفْرَانٌ سے ہے ڈھانپنا، صادر شدہ قصوروں اور کمزوریوں

کے بد نتائج سے بچانا اور آئندہ ان قصوروں اور کمزوریوں سے محفوظ رکھنا اور ان سے بچنے کی توفیق دینا۔

دُوْنَ۔ کے معنے، ورے اور کم کے ہوتے ہیں۔

اِنْ کے معنے جیسے، اگر اور بے شک کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے معنے نفی کے بھی ہوتے ہیں جبکہ اس کے بعد اِلَّا یا لَمَّا آتا ہے۔

اِنَاثٌ۔ اُنْثٰی کی جمع ہے ہر ایک قسم کی مؤنث اور مادہ۔

مَرِیْدٌ۔ رَدٌّ سے ہے، ہٹایا اور دھتکارا ہوا۔

مَفْرُوْضٌ۔ فَرْضٌ سے ہے جس کے معنے جدا کرنے۔ مقرر کرنے کے ہیں۔

اُمَنِّیَنَّ کے آخر میں نون مشدد تاکید کے لئے ہے اور اصل لفظ اُمَنِّیْ ہے جو کہ تَمَنِّیَۃٌ سے ہے جو بمعنے اُمْنِیَۃٌ (جھوٹی امید) دلانے کے ہے۔

یُبَتِّکُنَّ۔ میں بھی نون تاکید کا ہے اور اصل لفظ یُبَتِّکُ ہے جو کہ تَبْتِیْکٌ سے ہے۔ کاٹنا۔

غُرُوْرٌ۔ دھوکا اور فریب دینا۔

مَحِیْصًا۔ کے معنے بھاگنا بچنا۔ بھاگنے اور بچنے کا موقعہ۔

اَمَانِیُّ کے معنے پہلے مفصل بیان ہو چکے ہیں اور اکثر بمعنے جھوٹی آرزوؤں کے آتا ہے۔

نَقِیْرٌ اور فَتِیْلٌ وغیرہما کی تفصیل بار بار گذر چکی ہے اور سب سے نہایت تھوڑی چیز مراد ہوتی ہے۔

اَسْلَمَ۔ اِسْلَامٌ سے ہے، حوالہ کرنا اور اطاعت اور فرمانبرداری کرنا اور مطیع بنانا۔

وَجْہٌ۔ کے معنے عام طور پر منہ کے ہوتے ہیں اور کبھی اس کے معنے توجہ کے بھی آیا کرتے ہیں۔

حَنِیْفٌ۔ کے معنوں کی تفصیل بھی گذر چکی ہے جہاں بتایا ہے کہ اس کے معنے مائل کے کرنے بڑی بھاری غلطی ہے جو کہ عام اہل تفاسیر سے واقع ہوئی ہے اور اس کے اصل اور صحیح معنے مستقیم کے ہیں۔

خَلِیْلٌ۔ خُلَّۃٌ سے ہے، اعلیٰ درجہ کی دوستی۔

ترجمہ:

یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور جو اس سے کم (یا اس کے سوا) ہے اس کو اس کے لئے بخشتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک بناتا ہے وہ یقیناً دور کی گمراہی میں پڑتا ہے۔ اللہ کے سوا تو وہ مؤنثوں ہی کو پکارتے ہیں اور وہ دھتکارے ہوئے شیطان ہی کو پکارتے ہیں جس کو اللہ نے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ واللہ میں یقیناً تیرے بندوں سے مقرر (یا جدا کیا ہوا) حصہ لوں گا اور واللہ میں یقیناً ان کو بہکاؤں گا اور واللہ میں یقیناً ان کو حکم دوں گا تو وہ یقیناً ہی جانوروں کے کان کاٹیں گے اور واللہ میں ضرور ان کو حکم دوں گا تو یقیناً ہی وہ اللہ کی پیدائش کو بدلائیں گے اور جس کسی نے اللہ کو سوا شیطان کو اپنا والی یا (دوست) بنایا سو یقیناً اس نے بڑا کھلا ٹوٹا پایا۔ وہ ان کو ڈراتا (یا وعدے دیتا) ہے اور جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان تو ان کو دھوکے ہی کے طور پر وعدے دیتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے کسی طرح بھاگنا (یا بھاگنے کا موقعہ) نہ پائیں گے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوار والے کام کئے ہیں ضرور ہم ان کو ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اللہ نے پکا وعدہ کیا ہے اور بات میں اللہ سے کون بڑھ کر سچا ہے۔

یہ نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (بلکہ) اگر کوئی بدی کرے گا تو اس کو اس کی سزا دی جاوے گی اور وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائے گا اور اگر کوئی مرد یا عورت سنوار والے (اعمال) سے کرے گا اور وہ ایمان لانے والا ہو گا تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ گٹھلی کی سپیدی (بھی) ظلم نہ کئے جاویں گے اور اس سے بڑھ کر کون اچھے دین والا ہو گا جس نے کہ اپنی توجہ کو اللہ کے سپرد کر دیا ہو (یا اپنے منہ کو اللہ کا مطیع کر دیا ہو) اور وہ احسان (اخلاص) والا ہو اور وہ ابراہیمؑ کے مذہب کی پیروی کرتا ہو جو کہ مستقیم ہے اور اللہ نے ابراہیمؑ کو (گہرا) دوست بنایا ہے اور اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر احاطہ رکھنے والا ہے۔

تفسیر:

جب ان شریروں کی بدترین بدیوں اور گندی شرارتوں کا بیان ہوا جو کہ اپنے آپ کو بڑا مخلص اور نیک ظاہر کر کے اپنی شرارتوں کی پاداشت سے بچنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی اعانت چاہتے تھے اور خداوند تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن اور آپ کی ہلاکت کے خواستگار اور ساعی ہیں اور جو کوئی بھی رسول اللہ کا دشمن اور مومنین کے طریق کا مخالف ہو گا اس کی ان شرارتوں کی سزا اسے ضرور ملے گی اور ضرور وہ جہنم میں داخل کیا جاوے گا۔ تو جیسا کہ شریروں کا قاعدہ ہے کہ وہ ایسی حق اور مفید باتوں کو بجائے تسلیم کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے ہنسی میں اڑانا چاہتے ہیں اور اپنی جھوٹی اَمَانِیُّ کے ساتھ الٰہی پختہ وعیدوں سے اپنی طفل تسلی کیا کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور کہا کہ غفور رحیم اور غفار الذنوب ہے اور ان لوگوں کی طرح سخت گیر نہیں بلکہ اس نے کہہ دیا ہوا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ[1] لہٰذا وہ بخش دے گا۔

شرک ناقابل معافی گناہ ہے:

تو خداوند کریم نے ان کے اس تمسخرانہ جواب اور طفل تسلی کا یوں جواب دیا کہ) یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کو بخشتا ہے جو اس سے کم ہو (یا) جو کہ اس کے سوا ہو جس کے لئے کہ وہ چاہے (گو مفسرین نے عام طور پر مَادُوْنَ ذٰلِكَ کے معنے یہی کئے ہیں کہ جو شرک سے کم یا شرک کے سوا یعنی شرک کے غیر اور بجائے اس کے کوئی اور گناہ ہو لیکن جیسا شرک کے ماسوا کا یہ مطلب ہو سکتا ہے ایسا ہی اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اور گناہ اکیلے ہوں اور شرک ان کے ساتھ نہ ہو۔

تو جب یہ عبارت دونوں معنوں کی متحمل ہے اور دوسرے معنوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ شرک کے غیر ہوں یا شرک سے تنہا اور خالی ہوں اور عام اہل اسلام اور ان کے علماء اور بزرگوں کا یہی اعتقاد چلا آیا ہے کہ جس طرح شرک نہیں بخشی جاتی اسی طرح شرک کے سوا دوسرے گناہ گو اکیلے اور تنہا ہونے کی حالت میں

[1] میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (از مرتب)

بخشے جاتے ہیں پر جب وہ شرک کے ساتھ ہوں تو پھر وہ بھی شرک کی طرح بخشے نہیں جاتے اور ان معنوں میں سے کسی ایک کی تعیین کا قرینہ بھی نہیں رکھا گیا لہٰذا یہ سب معنے یہاں پر مراد ہیں اور خلاصہ جواب اور ان کی تردید کا یہ ہوا کہ بے شک خداوند تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے اور پھر باوجود اس کے تم کو سزا بھی ضرور دے گا اس لئے کہ تم مشرک ہو اور وہ شرک کو ہرگز ہرگز نہیں بخشتا اور شرک کے سوا جو دوسرے گناہ ہیں اور وہ شرک سے کم ہیں وہ ان کو بخشتا ہے اور انہی کی نسبت وہ غفور اور غفار ہے لیکن تم اس پر بھی خوش نہ ہو کہ چلو گو ہماری شرک عفو نہ ہو گی پر دوسری شرارتیں تو معاف ہو جاویں گی۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اسی طرح وہ ان دوسری قابل مغفرت بدیوں کو بھی معاف نہیں کرتا جبکہ ان کے ساتھ شرک مل جائے بلکہ وہ اسی وقت بخشی جاسکتی ہیں جب کہ وہ شرک سے تنہا ہوں لیکن جب شرک ساتھ ہو تو پھر وہ بھی قابل مغفرت نہیں رہتیں اور پھر جن بدیوں کو جن صورتوں میں وہ معاف کرتا ہے ان کی نسبت بھی وہ مجبور نہیں کہ ضرور ہی بخشے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی خوشی سے ہر ایک کو بخشے بلکہ وہ اپنی خوشی سے جس کے لئے چاہے گا اسی کو بخشے گا۔ تو جب یوں ہے تو پھر ضروری ہے کہ انسان میں کوئی ایسی خوبی بھی ضرور ہو کہ اس کی وجہ سے خداوند تعالیٰ اس کی بخشش چاہے اور نیز اس صورت میں کسی کو کس طرح یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ میری بخشش چاہے گا لہٰذا میں ضرور بخشا جاؤں گا۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ شرک ایسی کیوں ہے کہ نہ خود عفو کی جاتی ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور قابل مغفرت گناہ بخشا جاتا ہے۔ فرمایا کہ) جو کوئی اللہ کے ساتھ (جو کہ سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کاملہ کا جامع ہے کسی اور چیز کو) شریک بناتا ہے (جو کہ نقصوں سے پر اور بہت سے بلکہ سب کمالات سے خالی ہے) تو یقیناً وہ دور کی گمراہی میں پڑ گیا (کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہو سکتی ہے کہ باوجود واضح اور مبرہن طور پر بتانے کے پھر بھی وہ پاک اور جامع کمالات اور ناقص اور بے کمال میں امتیاز نہیں کرتا۔

یہی بیان پہلے بھی آیا ہے لیکن وہاں پر اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ[1] کے بعد فرمایا ہے وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا[2] (النساء:49) اور یہاں پر وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا فرمایا ہے پر اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جہاں پر یہ آیت آئی ہے وہاں پر اہل کتاب کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ اہل کتاب کو حق و باطل اور خصوصیت کے ساتھ شرک کی برائی کا پہلے سے بخوبی علم تھا سو باوجود ایسے علم کے ان کا شرک میں مبتلا ہونا ایک کھلے کھلے گناہ کا افتراء علی اللہ کرنا تھا لہٰذا وہاں پر تو فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا فرمایا اور یہاں پر جن کا ذکر ہے وہ اہل کتاب سے نہیں بلکہ جہلاء عرب سے ہیں اور ان کا شرک میں پڑنا بطور افتراء نہ تھا بلکہ بہکنے اور نادانی اور جہالت اور ضد اور عناد کے باعث سے تھا لہٰذا یہاں پر فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا فرمایا ہے اس کے بعد ان کی گمراہی کے بہت ہی بعید اور ان کی جہالت اور بے وقوفی کے بے انتہاء ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے بتایا کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک بھی بناتے ہیں تو کس کو بناتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ) وہ تو اس کے سوا مؤنثوں ہی کو پکارتے ہیں اور وہ تو دھتکارے ہوئے شیطان ہی کو پکارتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے (یعنی ظاہر میں دیکھو تو چند بتوں کو اللہ کا شریک قرار دے کر ان سے اپنے حاجات مانگ رہے ہیں اور ان کے راضی کرنے کے لئے ان کی پرستش کر رہے ہیں حالانکہ وہ ناقص اور بے کمال ہونے میں خود ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ جن کے سبوح وقدوس اور جامع کمالات خدا کے ساتھ حاجت رواء اور معبود ہونے میں شریک ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اور حقیقت میں دیکھو تو یہ اس شیطان کو اپنا حاجت رواء اور معبود بنا رہے ہیں جو کہ الٰہی دربار سے ہانکا ہوا اور الٰہی رحمت سے دور کیا ہوا اور آگے بتائے گا کہ پھر وہ ان کا دشمن بھی ہے تو جب وہ ان کا دشمن ہے تو وہ کب ان کی خیر خواہی اور شفاعت عند اللہ اور حاجت روائی کرے گا اور جب وہ الٰہی دربار سے راندہ اور رحمت الٰہیہ سے ہمیشہ کے لئے دور کیا ہوا ہے تو پھر اس کی شفاعت عند اللہ کہاں اور اللہ سے ان کی حاجتیں کب پوری کرا سکتا ہے۔ تو اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ

---

[1] اللہ (اس بات کو) ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک قرار دیا جائے۔ (تفسیر صغیر)

[2] رسالہ میں مُبِیْنًا لکھا ہے جبکہ آیت میں لفظ عَظِیْمًا ہے۔ (از مرتب)
اور جس نے اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک قرار دیا ہو تو (سمجھو کہ) اس نے (بہت) بڑی بدی (کی بات) بنائی۔ (تفسیر صغیر)

پکارنے کا کیا مطلب ہے اور پہلے اسی پر حصر کرنا کہ وہ اِنَاثٌ ہی کو پکارتے ہیں اور پھر اس پر حصر کرنا کہ شیطان ہی کو پکارتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اور یہ بھی کہ اِنَاثٌ سے بت مراد ہیں اور یہ بھی کہ ان دو کو ذکر کر کے کیا بتایا ہے اور یہ بھی کہ شیطان کے مَرِیْدٌ اور لعنتی ہونے کو کیوں ذکر کیا ہے لیکن یہ باقی رہ گیا ہے کہ بتوں کو اِنَاثٌ کیوں فرمایا ہے۔

بتوں کو اِنَاثٌ کہنے کی وجہ:

سو واضح ہو کہ اِنَاثٌ کہنے کی مختلف وجوہات مفسرین نے ذکر کی ہیں۔

وجہ اوّل نمبر 1۔ یہ ہے کہ حسن سے مروی ہے کہ عرب کے ہر ایک قبیلہ کا ایک بت ہوتا تھا جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور اس کو اُنْثٰی بَنِی فُلَانٍ کہا کرتے تھے کیونکہ وہ اس کو عورتوں کی طرح زیور اور زینت کی چیزیں پہناتے تھے۔

نمبر 2۔ وجہ یہ ہے کہ بتوں کے نام مؤنث ہوتے تھے اور جس کا نام مؤنث ہو اس کو عرب لوگ اُنْثٰی کہا کرتے تھے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وَدٌّ، سُوَاعٌ، ذِی الْخَلَصَۃِ وغیرہ بت ہیں جن کے نام مذکر ہیں۔

نمبر 3۔ وجہ بھی حسن سے ابن جریر نے روایت کی ہے کہ ہر ایک مردہ چیز جس میں روح نہ ہو اسکو اُنْثٰی کہتے ہیں۔

نمبر 4۔ وجہ بعض نے کہا ہے مؤنث چونکہ ضعیف اور کم فائدہ ہوتی ہے اور وہ کم مدد دے سکتی ہے لہٰذا جو چیز ایسی ضعیف اور کم فائدہ اور کم نصرت والی ہو اس کو اُنْثٰی کہہ دیتے ہیں اور اسی وجہ سے بتوں کو اِنَاثٌ کہا گیا ہے۔

نمبر 5۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ عربوں کے نزدیک عورت کا مرتبہ مردوں سے بہت ہی کم ہے لہٰذا جو چیز کم رتبہ ہو اس کو وہ اُنْثٰی کہہ دیتے ہیں سو اسی وجہ سے یہاں پر اَصْنَامٌ کو اِنَاثٌ کہہ دیا ہے۔

نمبر 6۔ بعض نے کہا ہے کہ اَصْنَامٌ چونکہ جمادات سے ہوتے ہیں اور جمادات انفعال میں عورتوں سے مشابہ ہیں اور اسی وجہ سے اکثر ان کے نام بھی مونث ہوتے ہیں ان کو اِنَاثٌ کہہ دیا ہے۔

نمبر 7۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کو اِنَاثٌ اس وجہ سے کہا ہے کہ عرب ان کی پرستش اس خیال پر کرتے تھے کہ ان کے پوجاری ہر ایک بت کی نسبت یہ ظاہر کیا کرتے تھے کہ اس میں فلاں روح (یعنی ایک شیطانہ) ہے جو کہ ہم پر ظاہر ہوتی اور ہم سے باتیں کرتی ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے یہ سب توجیہات از خود پیش کی گئی ہیں۔ نہ تو قرآن مجید سے یہ تلاش کی گئی ہیں اور نہ دربار رسالت سے کوئی نقل کی گئی ہے اور پھر بعض معانی بطور مجاز گو لفظ اِنَاثٌ سے لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن علاوہ نہایت بعید ہونے کے ان پر کوئی قرینہ بھی نصب نہیں کیا گیا۔ سو جو کچھ قرآن مجید کی اور آیتوں سے مجھے سمجھ آیا ہے اور مجھے اس کی نسبت ثلج قلب حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پارہ 25 ع 8 میں پہلے تو فرمایا ہے۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا[1] (الزخرف:20) جس سے صاف صاف ثابت ہے کہ وہ مشرکین فرشتوں کو اِنَاثٌ کہا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد فرمایا کہ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ الخ[2] (الزخرف:21) جس سے ثابت ہے کہ وہ ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر پارہ 23 ع 9 میں فرمایا ہے اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ۔ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ[3]۔ (الصّٰفّٰت:151-154) پھر اس کے بعد اسی ع 9 میں فرمایا ہے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا[4] (الصّٰفّٰت:159) پھر اس کے بعد اسی ع 9 میں ہے کہ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ۔ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ۔ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ[5] الخ (الصّٰفّٰت:162 تا 167) جس سے یہ باتیں ثابت ہیں کہ وہ فرشتوں کو اِنَاثٌ اور اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے اور جنّوں کو خداوند تعالیٰ

---

[1] اور انہوں نے ملائکہ کو جو رحمٰن (خدا) کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اگر رحمٰن (خدا) چاہتا تو ہم اس کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش نہ کرتے۔ (تفسیر صغیر)

[3] کیا ہم نے فرشتوں کو مادہ کی شکل میں پیدا کیا اور وہ اُن کی پیدائش کے گواہ ہیں؟ کان کھول کر سُنو وہ اپنے دل کے گھڑے ہوئے جھوٹ کے مطابق یہ باتیں کرتے ہیں کہ اللہ کے بھی اولاد ہے۔ لیکن وہ قطعًا جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹے چھوڑ کر بیٹیاں چُن لی ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4] اور یہ لوگ اس کے (یعنی خدا کے) اور جنّوں کے درمیان رشتہ تجویز کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[5] (پس (سُن رکھو کہ) تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ خدا کے خلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ سوائے اس بدقسمت کے جو جہنّم میں داخل ہونے والا ہے۔ اور ہم سب کے لئے ایک مقررہ مقام ہے۔ اور ہم سب خدا کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہیں۔ اور ہم سب تسبیح کرنے والے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

کے سسرال اور جنّنیوں کو فرشتوں کی مائیں خیال کرتے تھے اور وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔ جن کے لئے اللہ کے نزدیک مقرر مقام ہیں اور وہ صفیں باندھ کر اللہ کی تسبیحوں میں مشغول رہتے ہیں جو کہ یقیناً فرشتے ہیں۔

اس بیان کے بعد خود سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہاں پر جن اِنَاثٌ کے پکارنے اور ان کی عبادت کرنے کا ذکر ہے وہ بموجب قرآن کے کون ہیں یعنی وہ بت ہیں جیسا کہ سب تفسیروں نے لکھا ہے یا کہ وہ فرشتے ہیں جن کو وہ یقیناً مؤنث کہتے تھے اور قرآن مجید نے صاف ان کو دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے لیکن خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ گو وہ ظاہر اور اپنے خیال میں ان مدبر فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کو وہ اللہ کی بیٹیاں اور مؤنث کہتے ہیں پر چونکہ عبادت اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری کو کہتے ہیں اور فرشتے ان کو یہ حکم نہیں دیتے کہ تم ہم کو اللہ کا شریک اور حاجت روا اور مشکل کشا اور معبود بناؤ بلکہ یہ حکم تو ان کو شیطان دیتے ہیں۔

لہٰذا حقیقت میں وہ شیطان ہی کی عبادت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور میں نے بتایا تھا کہ ان کی بے انتہا حماقت کے اظہار کے لئے پہلے تو یہ بتایا کہ جس کو وہ فرشتوں کی عبادت خیال کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کی ہے اور دوم یہ کہ جس شیطان کی کرتے ہیں اس میں دو باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ دھتکارا ہوا اور ملعون ہے جس سے نہ وہ شفیع ہو سکتا ہے اور نہ وہ خدا کا مقرب بنا سکتا ہے جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ[1] (یونس:19) اور مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[2] (الزمر:4) اور دوسری بات اس کا دشمن بلکہ نہایت سخت اور عنید دشمن ہونا ہے تو اس کو یوں فرمایا کہ) جس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ضرور ہی مقرر (یا جدا کیا ہوا) حصہ لوں گا اور میں ضرور ہی ان کو بہکاؤں گا اور ضرور ہی ان کو آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور ہی ان کو حکم دوں گا تو (اس لئے) وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے اور میں ضرور ہی ان کو حکم دوں گا (لہٰذا) وہ ضرور ہی اللہ کی مخلوق کو بدلائیں گے اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست (یا والی یا مددگار) بنائے گا تو یقیناً وہ کھلا کھلا گھاٹا اٹھائے گا۔

[1] یہ (ہمارے معبود) اللہ کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (تفسیر صغیر)

(ان کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب آدم کی وجہ سے شیطان پر یہ مصیبت آئی تھی۔ تو اس نے دربار الٰہی میں کہا تھا کہ میں آدم کی اولاد سے ایک مقرر حصہ لوں گا یعنی ان کو اپنا فرمانبردار بنا کر گمراہ کروں گا اور آگے پھر اس گمراہ کرنے کی تفصیل بیان کرتا ہے کہ اس طریق سے میں ان کو گمراہ کروں گا چونکہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ہزار آدمیوں سے ایک جنت میں جائے گا اور باقی دوزخ میں اور یہ بھی آیا ہے کہ اس بات کو سن کر صحابہؓ کو بہت رنج اور خوف پیدا ہوا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک کم ہزار جو دوزخ میں ہو گا وہ یاجوج وماجوج سے (یعنی اکثر حصہ انہی سے) ہو گا۔

(سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ الحج حدیث 3169)

لہٰذا مفسرین نے وہ مقرر حصہ اسی 999 کو ہزار سے قرار دیا ہے۔ پر ان کو یہ حیرت ہوئی ہے کہ شیطان کو یہ علم کس طرح ہوا کہ میں بنی آدم سے کچھ حصہ گمراہ کر لوں گا تو جواب دیا ہے کہ جس طریق سے فرشتوں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ فساد کریں گے اور خون بہائیں گے اسی طریق سے اس کو بھی معلوم ہو گیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ لیکن میں مفصل اور مدلّل طور پر پہلے پارہ کی تفسیر میں مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ[1] (البقرۃ:31) کے ماتحت لکھ آیا ہوں کہ ان کو تو یہ خیال خلیفہ بنائے جانے سے پیدا ہوا تھا کیونکہ کسی قوم پر خلیفہ اور منتظم اور نگہبان حاکم بنانے کی ضرورت تبھی ہو سکتی ہے کہ ان میں کسی فساد اور بدامنی اور بدظنی کا اندیشہ بھی ہو تو اگر وہ فرشتوں کی طرح ہوں جن میں ان باتوں کا خطرہ قطعاً نہیں ہے تو پھر خلیفہ کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اسی وجہ سے ان میں کوئی خلیفہ نہیں بنایا جاتا تو جب فرشتوں نے یہ معلوم کیا کہ الٰہی ارادہ میں خلیفہ کا بنانا قرار پا چکا ہے۔ تو ان کو خیال آیا کہ جب خلیفہ بنایا جاتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم پیدا کی جاوے گی جو کہ مفسد اور خونریز ہو گی اور اس میں بھی شک نہیں کہ جب سجدہ نہ کرنے سے وہ ملعون ہوا ہے تو تب اس نے یہ کہا تھا لیکن باوجود اس کے کہ اس کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے کہ شریر لوگ شوخی میں آکر بڑے بڑے دعوے محض اپنی چالاکیوں اور اپنے حیلوں پر اعتماد کر کے کر دیا

[1] جو اس میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے۔ (تفسیر صغیر)

کرتے اور بہت دفعہ پھر وہ اس دعویٰ کے مطابق کر بھی لیتے ہیں اور اس نے گمراہ کرنے کی تفصیل میں پہلے تو کہا کہ میں ان کو بہکاؤں گا پھر بتایا کہ اگر وہ نہ بہکے تو میں ان کو جھوٹی آرزوؤں میں پھنسا کر گمراہ کروں گا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیا کہ ان کو ایسی آرزوؤں میں ڈالا کہ تم اللہ کے احباء اور ابناء ہو اور کہ تم کو آگ نہ چھوئے گی مگر بہت قلیل وقت۔

اسی طرح مشرکین کو ایسی آرزوؤں میں ڈالا کہ عذاب کیسا۔ اوّل تو تم زندہ ہی نہ کئے جاؤ گے اور اگر ہوئے بھی تو آخر تم قریش ہو اور ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کی اولاد ہو اور اللہ غَفُوْرٌ اور عَفُوٌّ ہے اور یہ اصنام تمہارے شفعاء ہیں پھر عذاب کیسا۔ پھر بتایا کہ جب وہ بہک جاویں گے تو پھر میرے ایسے فرمانبردار ہو جاویں گے کہ خواہ کوئی کیسا ہی بعید از عقل و دانش میں ان کو حکم دوں گا تو وہ ضرور ہی اس کو بجالاویں گے چنانچہ جانوروں کے کان کاٹنے میں کہاں یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ کسی خیر یا دفعہ ضرر کا موجب ہو گا لیکن وہ میرے کہنے سے یہ بھی کریں گے اسی طرح اگرچہ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک چیز خداوند تعالیٰ نے جس جس مقصد کے لئے بنائی ہے تو اس کو اسی میں لگانے سے فائدہ ہو سکتا ہے اور اس سے بدلا دینے میں بجز ضرر کے کسی فائدہ کی امید نہیں ہو سکتی پر میرے حکم سے وہ ان کو بھی بدل دیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے پانچ دفعہ میں دے چکتی ہے اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کے کان چیر دیتے یا کاٹ دیتے تھے اور پھر اس سے سب منافع حرام کر دیتے تھے نہ سواری اور نہ دودھ وغیرہ لیتے تھے اور ایک قسم کے سانڈھ کو وہ حَامِی کہا کرتے تھے اور یہ وہ ہوتا تھا کہ جس کی بچی کے بچے کی آگے اولاد ہو جاتی تو وہ اس کی آنکھیں نکال دیتے۔

سو اوّل تو کان کاٹنے اور چھیدنے کی مثال بیان کی ہے اور دوسری تغییر خلق اللہ کی۔ پر یاد رہے کہ مفسرین نے یہ غلطی کھائی ہے کہ انہوں نے تغییر خلق اللہ کا یہی مطلب سمجھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس طرح کی کوئی چیز پیدا کی ہے اس میں ادل بدل کرنا تغییر خلق اللہ ہے۔ تو اس سے ان کو یہ مشکل پیش آئی کہ پھر ختنہ وغیرہ بھی تو تغییر خلق اللہ ہی ہوا لیکن میں نے بتا دیا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ پیدا کی

گئی اور وہ مقصد خداوند تعالیٰ نے فطرتی الہام سے بتایا ہوا ہے یا وحی شریعت میں تو اس مقصد سے پھیر دینا یہی تغییر خلق اللہ ہے۔ چنانچہ آنکھیں دیکھنے، ہاتھ کام کاج اور پکڑنے کے لئے ہیں تو ان کو بیکار کیا جائے۔ اسی طرح سورج وغیرہ اجرام جسمانی فوائد اور استدلال و اعتبار کے لئے ہیں تو ان کو پرستش کے لئے قرار دیا جائے اور اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا[1] الخ (النساء:120) فرما کر بتایا کہ جب وہ ایسا عنید دشمن ہے اور اس نے پہلے سے نقصان پہنچانے کا دعویٰ کیا ہوا ہے تو ایسے دشمن جانی کو جو اپنا والی اور دوست اور حمایتی بنائے گا۔

اس کے خسارہ میں کس طرح شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کو اور واضح کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ ان کو وعدے دیتا اور آرزوئیں دلاتا ہے (اور ظاہر ہے کہ دشمن کی اور باتوں میں تو کچھ شک و شبہ اور سچائی کا بھی احتمال ہو سکتا ہے لیکن اس کے فائدہ اور بھلائی کے وعدے اور اس کی آرزوئیں دلانا تو کبھی بھی راستی پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ محض دھوکا ہوتا ہے۔ (اس لئے) شیطان دھوکے ہی کے طور پر وعدہ دے گا۔ (یہ تو اس صورت میں ہے کہ يَعِدُ وعدہ سے اور بمعنے اچھا وعدہ دینے کے ہو لیکن اگر وعید سے ہو اور بمعنے ڈرانے کے ہو تب مطلوب یہ ہو گا کہ دشمن کا ڈرانا اور امید دلانا دونوں دھوکے کے طور پر ہوا کرتے ہیں اور مجھے یہی پسند ہے کہ يَعِدُهُمْ کے مقابل جو يُمَنِّيْهِمْ آیا ہے جو کہ حقیقت میں نیک وعدہ ہے۔ لہٰذا اس کے معنے تو ڈرانے کے ہیں اور چونکہ پہلے دو چیزیں بیان ہوئی ہیں اور مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ میں ایک يَعِدُهُمَا آیا ہے اور بس۔

لہٰذا اس کے ایسے معنے ہونے چاہئیں جو کہ پہلی دونوں چیزوں کو شامل ہوں لہٰذا اس کے معنے ہیں اچھے اور برے وعدہ کے تا کہ بُرا وعدہ يَعِدُ (یعنی ڈرانے اور برائی کا وعدہ دینے) کے مقابل ہو اور نیک وعدہ يُمَنِّيْهِمْ کے مقابل ہو۔ اس کے بعد اس خسارہ کو بیان فرمایا کہ) ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور دونوں جہنموں اور دونوں جنتوں کا مفصل بیان اور ثبوت پہلے گذر چکا ہے) اور وہ اس سے کوئی بچاؤ کی جگہ (یا بچاؤ کا

[1] اور جو شیطان کو دوست بنائے۔ (تفسیر صغیر)

راستہ یا بچاؤ) نہ پائیں گے (اس کے بعد ان کے مقابل کا حال بتانے کے لئے فرمایا کہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوار والے کام کئے ہیں ضرور ہم ان کو ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اللہ کے وعدہ کو حق (یقین کرو) اور بات میں کون اللہ سے بڑھ کر سچا ہے۔ (یعنی خداوند تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کی بات زیادہ سچی اور پکی نہیں ہے اور چونکہ اہل کتاب کو جب الٰہی عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ بھی اپنی اَمَانِیُّ کَاذِبَۃٌ (جھوٹی خواہشات) کے ساتھ اپنی طفل تسلی بھی کر لیتے تھے اور شوخی کے ساتھ ان کو پیش کر کے تردید بھی کر دیا کرتے تھے اور جب مشرکین عرب کو ڈرایا جاتا تو وہ بھی اپنی ایسی اَمَانِیُّ سے کہ اِنۡ ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا [1] (المؤمنون:38) اور ھٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ [2] (یونس:19) وغیرہما اسے ہی کام لیا کرتے تھے۔

لہٰذا خداوند تعالیٰ نے انذار مذکور کے بعد فرمایا کہ یہ امر نہ تمہاری آرزوؤں پر مبنی ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (یعنی عذاب ہونے اور نہ ہونے کی بنا اس پر نہیں کہ تم یا اہل کتاب جیسی از خود امید کر رکھو ویسا ہی ہو جائے تا کہ جب تم اور اہل کتاب یہ امید رکھتے ہو کہ ہم کو کوئی عذاب نہ ہو گا تو پھر وہ نہ ہو گا بلکہ عذاب و ثواب کی بنا کسی اور چیز پر ہے۔ اس کے بعد اس مبنی کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو کوئی بدی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی والی پائے گا اور نہ کوئی مددگار اور مرد اور عورت سے جو کئی سنوار والے کام کرے گا اور ایمان والا ہو گا سو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو (کھجور کی) گٹھلی کی سپیدی (کے برابر بھی) نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ (یعنی سزا اور عذاب کا مبنی تو بدی کرنا ہے اور جنت میں داخل ہونے اور نیک اجر ملنے کی بناء مومن ہونے کی حالت میں نیک اور سنوار والے کام کرنے پر ہے۔

تو جب عذاب اور سزا کا یہ مبنی تمہارے اور اہل کتاب میں موجود ہے تو پھر ضرور تمہیں عذاب ہو گا اور تمہارا یہ آرزو کرنا (کہ ہم خود بچ جاویں گے یا فلاں ہم کو بچالے گا)

[1] زندگی تو صرف ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] یہ (ہمارے معبود) اللہ کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ہر گز تم کو نہیں بچا سکتا۔ جب ان کو بتا دیا کہ نجات کی بنا خود ساختہ آرزوؤں یا سفارشوں پر نہیں بلکہ ایمان لا کر اعمال صالحہ کرنے پر ہے تو اب ان کو یہ بتایا جاتا ہے کہ قرب اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لئے عقلاً اور تجربۃً کون سی راہ ٹھیک ہے کیا وہ ہے جو کہ تم اختیار کر رہے کہ از خود بعض کو سفارشی خیال کر کے ان کی سفارش کے اعتماد پر بجائے خداوند تعالیٰ کے ان کے راضی کرنے کے لئے خود ایجاد کردہ اصول کی پیروی کی جاوے یا یہ کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنی ساری زندگی اور سارے ارادوں کو کر دیا جاوے لہٰذا فرمایا کہ) اس سے بڑھ کر کون زیادہ اچھے دین والا ہے جس نے اپنی توجہ (یا اپنے آپ کو یا اپنے منہ) کو حوالے (یا تابع) کر دیا ہو اور وہ مخلص ہو اور (اس حوالے کرنے میں اور اخلاص میں) وہ ابراہیمؑ کے مذہب کی پیروی کرتا ہو جو کہ مستقیم (اور ثابت قدم ہے اور اللہ نے ابراہیمؑ کو گہرا دوست بنایا ہے۔

تو پہلے عقلاً بتایا کہ جو شخص اپنا کوئی ارادہ نہ رکھے بلکہ جو الٰہی حکم ہو اسی کے تابع ہو جائے اور دوسرے کسی کو اس بات میں خداوند تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہو کہ اس کا حکم بھی واجب الاِتّباع ہے بلکہ دوسرے کسی کی تابعداری خدا ہی کے حکم کی وجہ سے کرتا ہو اور پھر یہ اِتّباع رسم وعادت کے طور پر بھی نہیں کرتا بلکہ خداوند تعالیٰ کا حق یقین کر کے ایسا کرتا ہے گویا وہ خداوند تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم خداوند تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے بلکہ یوں سمجھو کہ وہ اس میں بالکل ابراہیمؑ کے طریق اور قدم پر چل رہا ہے جس کا طریق تمہارے نزدیک بھی مستقیم مسلّم ہے۔ تو کیا عقلاً یہ طریق اچھا ہے یا یہ کہ کسی کی سفارش پر اعتماد رکھ کر خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر اسی کی راضی کرنے کی کوشش میں لگا رہے اور پھر یہ فرما کر کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو گہرا دوست بنایا ہے۔ تجربہ بتایا ہے کہ دیکھو ابراہیمؑ کو خداوند تعالیٰ نے خلیل بنایا ہے تو اسی وجہ سے کہ اس نے جیسا منہ سے کہا تھا کہ اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔[1] (الانعام:80)

[1] میں نے (تمام) کج راہیوں سے بچتے ہوئے یقیناً اپنی توجہ اس (خدا) کی طرف پھیر دی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (تفسیر صغیر)

وَجْهٌ کے تین معانی:

اسی طرح اس نے کر کے بھی دکھایا ہے بلکہ سب اللہ کے راستباز بندوں کا یہی حال رہا ہے جیسا فرمایا وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى[1] (لقمان:23) اور حضور علیہ السلام بلکہ آپ کے خدام کا بھی یہی حال تھا چنانچہ پ 3 ع 10 میں فرمایا فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ[2] (آل عمران:21) اور اسی کے متصل بتایا کہ اہل کتاب اور مشرکین کا یہی حال ہے یا نہیں۔ چنانچہ فرمایا وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ[3] (آل عمران:21) اور یاد رہے کہ احسان کے وہ دونوں معنے آتے ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں اور وَجْهٌ سے کبھی منہ اور کبھی سارا بدن اور کبھی توجہ مراد ہوتی ہے اور یہاں پر تینوں ہو سکتے ہیں اس کے بعد ان کے طریق کی غلطی بتانے اور اس وہم کے رفع کرنے کے لئے (جو کہ ابراہیمؑ کے خلیل بنانے سے پیدا ہو سکتا ہے کہ جس طرح انسانوں کو دفع ضرر اور جلب نفع کے لئے دوست بنانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کیا خداوند تعالیٰ کو بھی یہ ضرورت پیش آگئی تھی کہ اس نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا) فرمایا کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہر ایک چیز (یا چاہے ہوئے امر) پر احاطہ (اور قابو) رکھنے والا ہے۔ (یعنی نہ تو خداوند تعالیٰ کا اور بادشاہوں کی طرح معاملہ ہے کہ خواہ وہ کسی سے سخت ناراض اور اس کو ضرور سزا دینا چاہتے ہوں لیکن کسی اور زبردست بادشاہ کی سفارش سے مرعوب و مجبور ہو کر ضرور ان کو اپنے ارادہ سے پھرنا پڑتا ہے یا اپنے وزیر اور بی بی یا کسی دوست کے ناراض ہونے اور بگڑنے کے خوف

---

[1] اور جو شخص اپنی توجہ کو اللہ کی طرف پھیر دیتا ہے اور وہ اپنے عمل میں بھی پورا محتاط ہے تو وہ ایسا ہے کہ (گویا) اس نے ایک مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اب اگر یہ (لوگ) تجھ سے جھگڑیں تو تُو (ان سے) کہدے کہ میں نے اور ان لوگوں نے جو میرے پیرو ہیں اپنے آپ کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (ان کو) اور (نیز) امیوں کو کہہ دے کہ کیا تم (بھی) فرمانبردار ہوتے ہو۔ پس اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو (سمجھو کہ) وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر صغیر)

سے ان کو مجبوراً ان کی سفارش کے مطابق کرنا پڑتا ہے بلکہ سب اس کی مخلوق اور بندے اور مملوک اور پھر سب کے سب اس کے قابو میں ہیں۔

لہٰذا نہ ان میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ ایسی صورتوں میں وہ سفارش کر سکے اور نہ ہی خداوند تعالیٰ ان کی سفارشوں سے مرعوب اور مجبور ہو سکتا ہے بلکہ اس کے آگے سفارش اس کے اذن کے سوا ہو سکتی ہی نہیں اور ان ہی کی سفارش کے لئے اذن ہو گا کہ جن کی رہائی وہ پسند کرے گا اور انہی کی رہائی پسند کرے گا کہ جنہوں نے اس کا پسند کیا ہو قول کہا ہو جو کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ جیسا کہ پ16 ع15 میں فرمایا ہے کہ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا[1] (طٰہٰ:110) اور نہ ہی وہ مخلوق کی مانند کمزور اور محتاج ہے کہ دفع ضرر یا جلب نفع کے لئے کسی کو دوست بنائے بلکہ اس کا دوست بنانا محض بندوں کے اعزاز و اکرام کے لئے ہے کیونکہ وہ اسی کے ہیں اور سب اس کے قابو میں ہیں۔

ہمارے مفسرین نے جب محیط کا یہ مطلب نہیں سمجھا بلکہ اس کو اپنے لغوی معنوں پر ہی رکھا ہے اور ان معنوں سے لازم آتا تھا کہ وہ جسم اور جسمانی ہو لہٰذا انہوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس کا علم محیط ہے لیکن یہ معنے صحیح نہیں اس لئے کہ کسی کو کسی پر محیط کہنے سے اس کے علم کا محیط ہونا نہ سمجھا جاتا ہے اور نہ یہ کوئی محاورہ ہے پر قابو رکھنا سمجھا بھی جاتا ہے اور محاورہ بھی ہے۔

[1] اس دن شفاعت سوائے اس کے جس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت رحمٰن (خدا) دیگا اور جس کے حق میں بات کہنے کو وہ پسند کرے گا۔ کسی کو نفع نہ دے گی۔ (تفسیر صغیر)

آیت 128 تا 135: وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا۔ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا۔ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا۔ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۔

تشریح الفاظ:

يَسْتَفْتُوْنَ۔ اِسْتِفْتَاءٌ سے ہے، فتویٰ دریافت کرنا۔

یُفْتِیْ۔ اِفْتَاءٌ سے ہے، فتویٰ دینا۔ اَللَّاتِیْ۔ اَلَّتِیْ کی جمع ہے۔

تَرْغَبُوْنَ۔ رَغْبَۃٌ سے ہے جس کے معنے خواہش اور اعراض و نفرت کرنے کے آتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جہاں پر اس کے بعد عَنْ آجائے وہاں پر تو اعراض اور نفرت کے معنے دیتا ہے اور جب عَنْ نہ ہو بلکہ فِیْ یا اِلٰی ہو تو خواہش کرنے اور چاہنے کے معنے دیتا ہے اور یہاں پر بظاہر تو اس کے بعد ان میں سے کوئی نہیں آیا لیکن چونکہ لفظ اَنْ آیا ہے اور اس پر سے ایسے حروف (یعنی حروفِ جارہ) کا مقدر کرنا بالاتفاق مسلّم ہے لہٰذا عَنْ اور فِیْ دونوں مقدر ہو سکتے ہیں۔

قِسْطٌ۔ عدل و انصاف اور حصہ۔

نُشُوْزٌ۔ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف اٹھنا اور پھر جھانکنا۔

اِعْرَاضٌ۔ کسی سے منہ پھیر دینا۔ جُنَاحٌ۔ گناہ۔

اُحْضِرَتْ۔ اِحْضَارٌ سے ہے ایک شے کو دوسری کے آگے حاضر کرنا۔

شُحٌّ۔ وہ بخل جو کہ حرص کے ساتھ ہو۔

لَا تَمِیْلُوْا۔ مَیْلٌ سے ہے کسی طرف جھکنا اور مائل ہونا۔

تَذَرُوْا۔ وَذْرٌ سے ہے، چھوڑنا۔

مُعَلَّقَۃٌ۔ تَعْلِیْقٌ سے ہے لٹکانا۔ سَعَۃٌ۔ فراخی۔

وَصَّیْنَا۔ تَوْصِیَۃٌ سے ہے موکد حکم دینا جس میں دوسرے کی بھلائی منظور ہو اور وصیت کرنا۔

یُذْھِبْ۔ اِذْھَابٌ سے ہے، لے جانا۔

ترجمہ:

اور وہ تجھ سے عورتوں (کے بارہ) میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ تم کہو اللہ ان (کے بارہ) میں تمہیں فتویٰ دیتا ہے اور وہ (بھی) جو کہ ان یتیم عورتوں میں تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے کہ تم ان کو وہ نہیں دیتے جو کہ اللہ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اور تم خواہش کرتے ہو کہ انہیں نکاح کر لو (یا تم اس سے بچتے ہو کہ ان کو نکاح کر لو) اور بچوں سے ضعیفوں میں اور یہ

(بھی) کہ تم یتیموں کے لئے انصاف پر کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ تم بھلائی سے کرتے ہو تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے دل برداشتگی (یا ناراضگی) یا روگردانی سے ڈرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ اپنے درمیان صلح کرلیں اور صلح بہت اچھی ہے اور حرص والا بخل سب جانوں کے پیش کیا گیا ہے اور اگر تم احسان کرو اور بچو تو بے شک اللہ ان کاموں سے خوب خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو اور تم عورتوں کے درمیان ہر گز عدل کرنے کی طاقت نہیں پاؤ گے اگرچہ تم حرص (بھی) کرو۔ سو تم بالکل ہی (ایک سے دوسری کی طرف) نہ جھکو کہ اس کو لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاویں تو اللہ اپنی فراخی سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز بنادے گا اور اللہ وسعت (اور) حکمت والا ہے اور اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ جو کہ زمین میں ہے اور ہم نے ان لوگوں کو بڑی تاکید سے نصیحت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تم کو (بھی) کہ اللہ سے بچو اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کہ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز (اور) تعریف کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کہ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔ اے لوگو اگر اللہ چاہے تو تم کو لے جائے اور اور لے آئے اور اللہ اس پر بہت قدرت رکھنے والا ہے۔ جو کوئی دنیا کا اجر چاہتا ہے سو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا اجر ہے اور اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

تفسیر:

میں نے پہلے بتایا ہے کہ قرآن مجید کا یہ طریق بھی ہے کہ جہاں پر کسی امر یا چیز کا ذکر ہوتا ہے، تو اس کے متعلق اگر قوم میں کوئی غلطی ہوتی ہے یا اس کے متعلق کوئی بات ضروری بیان کرنی ہوتی ہے تو گو وہ دونوں بیان بظاہر ایک دوسرے سے بہت دور ہوں تو بھی کسی خاص مناسبت کو مد نظر رکھ کر یا کسی خاص فائدہ کے لئے ان دونوں کو ایک ہی جگہ پر بیان فرما دیتا ہے اور علاوہ بریں بعض اوقات اس وجہ سے بھی دو مختلف امروں کو ایک جگہ پر ذکر کر دیتا

ہے کہ ایک کا ذکر مفصل ہوتا ہے اور دوسرے کا مجمل طور پر ذکر ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل دوسرے کے ہمرنگ ہوتی ہے تو ان دونوں کو ایک جگہ ذکر کر کے اس مفصل کو اس مجمل کی تفسیر قرار دے دیتا ہے اور یہاں پر یہ دونوں باتیں جمع ہو گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى[1] الخ (النساء:125) میں عورتوں کا ذکر آیا تھا اور عورتوں کی نسبت لوگوں اور خصوصاً عربوں میں بہت غلطیاں تھیں جن میں سے ایک یہ غلطی بھی تھی کہ وہ عورتوں کو وراثت سے کچھ نہ دیا کرتے تھے تو اس بات کے بتانے کے لئے کہ جس طرح ہم مرد و عورت میں سے کسی کا حق نہیں روکتے اسی طرح تم کو بھی نہ روکنا چاہیے۔

اس کے بعد يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ الخ فرمایا ہے اور پھر ظاہر ہے کہ جو بات اس عبارت سے مراد لی گئی ہے۔ (یعنی وراثت وغیرہ جو عورتوں کے حقوق ہیں وہ بھی ادا کرو) وہ اس عبارت سے تب ہی سمجھ آسکتی ہے کہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (یعنی خداوند تعالیٰ کے مرد و عورت دونوں کے حقوق اور اجر دینے کی بالخصوص تصریح کرنے کے ساتھ ملایا جائے۔ سو یہ ہیں وہ دو وجہیں جن کی وجہ سے یہاں پر فرمایا کہ) وہ تجھ سے عورتوں (کے بارہ) میں فتویٰ دریافت کرتے ہیں۔

(گو مفسرین نے اس کا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ ”عبداللہ بن جبیر سے مروی ہے کہ پہلے عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہی آدمی ورثہ پاتا تھا جو کہ مال کما اور سنبھال سکتا تھا اور چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بالکل ورثہ نہ دیا کرتے تھے تو سب سورۂ نساء میں ان کو وارث بنایا گیا تو عربوں پر یہ امر دشوار گزرا اور کہنے لگے کہ جو بچے اور عورتیں کہ نہ مال کماتے اور نہ سنبھالتے ہیں وہ کس طرح وارث ہو سکتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے یہ امید کر لی تھی کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارہ میں غالباً کوئی نیا حکم آئے گا۔ پر جب دیر تک منتظر رہنے پر بھی کوئی اور حکم نہ آیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں“ اور اس سے بہت سے لوگوں نے یہی سمجھا ہے کہ یہ خاص ان کے ورثہ ہی کی نسبت استفتاء اور افتاء ہے۔

[1] اور جو لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں نیک کام کریں گے۔ (تفسیر صغیر)

لیکن جیسا کہ میں نے بار بار بتایا ہے کہ سبب نزول کے خاص ہونے سے آیت کا حکم خاص نہیں ہو جاتا اور نہ اس کے معنے وہی ہو جاتے ہیں جب تک کہ اس کے لفظوں میں کوئی خاص کرنے والی چیز نہ ہو۔ یہ استفتاء وراثت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عورتوں کے ان سب حقوق کی نسبت ہے جو کہ لوگ ان کو نہ دیتے یا نہ دینا چاہتے تھے یا ان کے دینے میں کوتاہی کرتے تھے۔ تو اس کا جواب فرمایا کہ) تم کہو اللہ تم کو ان (کے بارہ) میں فتویٰ دیتا ہے (اس فتویٰ کو یہاں پر جیسا کہ میں نے بتایا ہے بیان نہیں کیا۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ تم ان کے وہ سب حقوق ادا کرو جو کہ خداوند تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہوئے ہیں اور ان کے ادا کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کرو اور اس کے بعد جو ان حقوق کے ہمرنگ عورتوں جیسے دوسرے کمزوروں کے حقوق کا بیان فرمایا ہے۔ ان سے بھی یہ بات صاف صاف کھل جاتی ہے کہ استفتاء اور افتاء کا یہاں پر یہی مطلب ہے نہ وہ جو مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عورتوں کے حقوق دریافت کئے ہیں تو جواب یہ دیا ہے کہ کچھ حقوق تو پہلے بیان ہو چکے ہیں اور کچھ ان آگے کی آیتوں میں بیان ہوتے ہیں جو کہ تم پر پڑھی جاتی ہیں اور چونکہ عورتوں کی طرح چند اور کمزوروں کے بعض حقوق کے ادا کرنے میں لوگ پس و پیش کیا کرتے تھے لہٰذا عورتوں کے حقوق کے فتویٰ کے ساتھ ہی ان کے ان حقوق کا بھی فتویٰ دے دیا گو انہوں نے وہ دریافت نہ کیا تھا اور فرمایا) اور وہ (بھی) جو یتیم عورتوں (کے بارہ) میں اس کتاب میں تم پر پڑھا جاتا ہے (تم کو سنایا جاتا ہے) جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تم خواہش کرتے ہو کہ ان کو نکاح کر لو اور ان بچوں (کے بارہ) میں جو کہ ضعیف (یا ضعیف سمجھے یا کئے جاتے) ہیں اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف کو قائم رکھو۔

یتامیٰ لڑکیوں کی نسبت تو فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرنے کی خواہش تو کرتے ہو پر جو کچھ ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ان کو نہیں دیتے۔ شیخ الاسلام تو کہتے ہیں کہ میراث وغیرہ جو کچھ ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے مقرر کیا ہوا ہے تم وہ ان کو نہیں دیتے اور ابن عباسؓ، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے فقط میراث کا نہ دینا مراد ہے اور حضرت

عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ اس سے مہر مراد ہے اور بعض نے اس سے نکاح لیا ہے یعنی تم ان کو اپنے حسب منشاء نکاح نہیں کرنے دیتے۔ پر حق یہی ہے کہ یہاں پر مَا کُتِبَ سے مہر ہی مراد ہے اور وراثت کا ذکر پہلے فتویٰ میں ہو چکا ہے اور نکاح کا لینا بہت بعید ہے اور ضعیف بچوں کے بارہ میں جو فتویٰ دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان کے رُشد تک پہنچنے تک ان کے مال کی حفاظت کرو پر اس وجہ سے ان کے مال کو بے جا طور پر نہ صرف کرنے لگو کہ ان کے بڑا ہونے سے پہلے ہی ہم اس کو تباہ کر لیں اور یتیموں کے بارہ میں جو فتویٰ دیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ انصاف کے ساتھ ان کی خبر گیری کرو۔ اگر وہ تمہاری پرورش میں ہیں تو ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دو اور اگر ان کا مال ہے تو اس کو ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے مال خورد وبرد کرنے کی نیت سے اپنے مالوں کے ساتھ ملاؤ۔

ہاں کفایت کے خیال سے ان کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ ملانا کچھ منع نہیں ہے اور اس کے بعد یہ فرما کر کہ) جو کچھ تم بھلائی کرتے ہو سو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے (یہ بتایا ہے کہ جس طرح ان حقوق کے ادا نہ کرنے سے تم گنہگار اور مستحق سزا ٹھہرتے ہو اسی طرح ان کے ادا کرنے اور الٰہی احکام کی تابعداری سمجھ کر ان کے بجا لانے سے تم نیکی کرنے والے ٹھہرو گے اور خداوند تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی مخفی نہیں رہ سکتی اور وہ جس کو نیکی کرتا ہوا پاتا ہے تو ضرور اس کو نیک اجر دیتا ہے اور چونکہ انسانی فطرت میں افراط و تفریط داخل ہے اسی وجہ سے پہلے تو ان عورتوں کے حقوق نہ ادا کرتے تھے جو کہ یتیم ہونے کی حالت میں ان کے قبضہ میں آیا کرتی تھیں اور ان سے نکاح کر لیا کرتے تھے تو جب اس حق تلفی سے منع کیا گیا تو ایسا تشدد شروع کیا کہ ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا ہی ترک کر دیا اور پھر سمجھایا گیا کہ نکاح منع نہیں بلکہ حق نہ دینا منع ہے۔ اسی طرح پہلے یتیموں کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔ تو جب اس سے منع کیا گیا تو ان کا کھانا ساتھ پکانا بھی چھوڑ دیا جس میں ان کا زیادہ خرچ ہو کر نقصان ہونے لگا تو پھر ان کو سمجھایا گیا کہ ان کا مال کھانا منع ہے نہ اصلاح کے طور پر ساتھ پکانا اور ساتھ کھلانا۔

تو اسی طور پر جب عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا ضروری بیان کیا گیا تو اس سے یہ اندیشہ

ہو سکتا تھا کہ تشدد اختیار کر کے لوگ اس کو بھی ناجائز سمجھنے لگیں کہ عورت خاوند کی طرف سے کوئی بے رغبتی پا کر اصلاح کے طور پر اپنا کوئی حق چھوڑ دے یا خاوند کو دے دے اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے (اپنے سے) میلان یا روگردانی سے ڈرے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی قسم کی صلح کے ساتھ اصلاح کر لیں اور صلح بہت بہتر ہے اور جانوں کے آگے بخل حاضر کیا گیا ہے۔) یعنی مرد و عورت دونوں کے دلوں پر مال کی حرص ایسی پیش آئی ہوئی ہے کہ مال کا صرف کرنا اور دینا یا چھوڑنا گوارا نہیں کر سکتے اور شُحٌّ کہتے ہی اس بخل کو ہیں جس کے ساتھ حرص شامل ہو اور اس کو یہاں پر ذکر فرما کر یہ سمجھایا ہے کہ میاں بیوی میں زیادہ تر ناچاقی اسی کی وجہ سے ہوا کرتی ہے اور مال دینے سے وہ رفع بھی ہو جاتی ہے اور پھر ترغیب کے لئے فرمایا کہ) اگر تم احسان کرو (یعنی عورتوں کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کرو یا ان کے حقوق ادا کرنے میں خداوند تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس کی فرمانبرداری کرو اور اخلاص رکھو) اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً اللہ ان کاموں کی پوری خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

میاں بیوی کی باہمی ناچاقی کی وجوہات:

(یعنی نہ یہ نیکیاں اور احسان اور تقویٰ اس پر پوشیدہ رہ سکتے ہیں اور نہ وہ جان کر کسی کو اجر سے محروم کرتا ہے اور چونکہ مرد عورت سے زیادہ تر اسی وقت نفرت یا اعراض کرتا ہے جبکہ اس کی اس سے بہتر اور بی بی یا بیبیاں موجود ہوں اور جب ان کو سب بیبیوں کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا تو تشدد کرنے والے محبت قلبی وغیرہ ان امور میں بھی عدل اور برابری کرنے کی مشقت اٹھانے لگے جو انسان کی استطاعت سے باہر ہیں تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) تم عورتوں میں عدل نہیں کر سکتے اگرچہ تم بہت چاہو (لہٰذا تم کو چاہیے کہ وہ صورت اختیار کرو جو تم سے ہو سکے اور وہ یہ ہے کہ) تم (کسی عورت سے) پورے نہ جھکو (جس کا یہ نتیجہ ہو کہ) تم اسے لٹکائی ہوئی (عورت) کی طرح چھوڑ دو (بنا دو) اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ مغفرت کرنے والا اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ یعنی اگر تم سے کوئی فساد وقوع میں آیا بھی تو بھی اگر تم اصلاح و تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے

پہلے قصور معاف کر دے گا اور آئندہ ایسے قصوروں سے بچا دے گا اور یہ کوئی بہت عورتوں ہی کے بارہ میں مخصوص نہیں ہے بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ لَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ. فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر حدیث 39)

جو دین میں تشدّد کرے گا وہ ضرور ہی اس کے نبھانے میں عاجز آجائے گا۔ لہٰذا متوسط راہ اختیار کرو اور پاؤں کو سنبھال کر رکھو اور چونکہ بعض اوقات باوجود کَالْمُعَلَّقَۃِ ہو جانے کے بدیں خیال اس کو ساتھ رکھا جاتا ہے یا وہ خود ساتھ رہتی ہے کہ اگر جدائی ہوئی تو میاں بی بی ہر دو یا ایک کو ایسے مشکلات کا خطرہ ہے کہ بجز ان کے ہمراہ رہنے کے وہ ہر گز رفع و دفع ہو سکتے ہی نہیں۔ تو اس خیال کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) اگر وہ دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ابھی فراخی سے ہر ایک کو ان میں سے (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا حکمت والا ہے۔

(اور بے شک وہ ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر سکتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک انہی چیزوں کا محتاج ہے جو کہ زمین و آسمان میں ہیں اور) اللہ ہی کے لئے وہ سب چیزیں ہیں جو کہ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں (اور ان احکام کی ضرورت اور ان کی خلاف ورزی پر سزا کا ثبوت بتانے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے ان لوگوں کو تاکیدی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (تو پھر انہوں نے اس تاکیدی حکم کے خلاف کیا تو ہم نے ان کو زمینی اور آسمانی سزائیں دیں) اور (اب ہم نے) تم کو (بھی) تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اللہ سے بچو اور اگر تم کفر کرو گے (تو پھر وہ تم کو بھی آسمانی اور زمینی سزائیں دے گا کیونکہ) یقیناً اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے (اور یہ خیال نہ کرو کہ اللہ ہماری ہدایت کے لئے اس قدر زور دے رہا ہے اور نشانات بتاتا ہے اور بہت بڑی کتاب اس نے نازل کی ہے تو وہ ہمارا کچھ محتاج ہے اور اگر اور حاجت نہ بھی ہو تو بھی اس قدر تو ضرور ہے کہ وہ اپنی تعریف اور حمد و ثنا چاہتا ہے اور اس وقت ہمارے سوا دوسرا کوئی نہیں کہ اس کی تعریف کرتا ہو۔ اس لئے کہ) اللہ ہمیشہ بے نیاز، تعریف کیا ہوا

ہے (اگر وہ تعریف چاہتا ہے تو علاوہ فرشتوں کے وہ زمین میں بھی ہمیشہ کوئی نہ کوئی اپنی تعریف کرنے والا بھی خود بخود پیدا کر لیتا ہے کیونکہ) اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔

(سو جس کو چاہتا ہے اپنی تعریف میں لگا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس سے محروم کر دیتا ہے نیز جب سب کچھ اسی کا ہوا تو پھر حقیقت میں تعریف اسی کی ہوئی خواہ بظاہر کسی اور ہی کی کیوں نہ ہو) اور اللہ کافی کارساز ہے۔ (یعنی جس طرح اللہ تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا رسول بھی تمہاری طرف محتاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے سب کاروبار کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے اور جو اللہ کے سپرد کرتا ہے۔ تو اللہ اس کے لئے کافی کارساز ہوتا ہے اور اگر آدمیوں ہی کی ضرورت ہو تو پھر) اے لوگو اگر اللہ چاہے تو تم کو لے جائے اور کوئی اور لوگ لے آئے اور اللہ ہمیشہ اس پر قادر رہا ہے۔ (اس کے بعد اس اصل سبب کی طرف توجہ دلانے کے لئے جو کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کی طرف بلاتا ہے فرمایا کہ) جو کوئی (ایسا) ہو گیا ہے کہ وہ دنیا ہی اجر چاہتا ہے (تو تم اس کو کہہ دو کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا اجر ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے (یعنی لوگ وہی کام کرتے ہیں جس میں کوئی دنیوی فائدہ متصور ہو اور جس میں اخروی فائدہ ہو اور پھر خصوصاً جبکہ اس میں دنیوی کچھ نقصان ہو پھر تو اس کے نزدیک نہیں آتے۔ اسی طرح دعا کرتے ہیں تو دنیوی ہی فوائد کے لئے اور اخروی فوائد کی پرواتک نہیں کرتے تو بتایا کہ اللہ کے پاس تو دونوں قسم کے اجر ہیں پھر تم ایک پر ہی کیوں بند رہتے ہو اور جو دونوں میں سے اعلیٰ اور نہایت اعلیٰ اور نہایت ضروری ہے اس کی پرواتک نہیں کرتے۔)

آیت 136 تا 142: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔

تشریح الفاظ:

قَوَّامِیْنَ۔ قَوَّامٌ کی جمع ہے، بہت قائم رہنا اور اگر بعد میں حرف باء آجائے تو بہت قائم رکھنے کے معنوں میں بھی لیا جاسکتا ہے۔

قِسْطٌ۔ کے معنے جیسے ظلم کے آتے ہیں جیسے اَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا[1] (الجن:16) میں ہیں ویسے ہی عدل بھی اس کے معنے ہیں۔

اَنْ تَعْدِلُوْا۔ عَدُوْلٌ سے ہے یا عَدْلٌ سے۔ اوّل کے معنے راستہ سے اِدھر اُدھر ہونے کے اور دوم کے انصاف کرنے کے ہیں۔

تَلْوُوْا۔ لَیٌّ سے ہے، جس کے معنے اینٹھنے اور پھیرنے اور مروڑنے کے پہلے گذر چکے ہیں اور یہ بمعنے ڈھیل اور ادا میں دیر کرنے کے بھی آتا ہے۔

لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ۔ اس کے معنے تو بالکل ظاہر ہیں پر لوگ عربی محاورات اور خصوصیات ترکیبات کو نہ جاننے کے باعث ایسے فقرات کے بہت غلط معنے کر دیتے ہیں چنانچہ اس کے وہ یہ معنے کر دیتے ہیں کہ اللہ نہ تھا کہ ان کے لئے مغفرت کرتا لیکن صریح طور پر غلط ہے بلکہ بامحاورہ اس کے یہ معنے کر دیتے ہیں کہ اللہ نہ تھا کہ ان کے لئے مغفرت کرتا لیکن یہ صریح طور پر غلط ہیں بلکہ بامحاورہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ کی شان سے نہیں کہ ان کی مغفرت کرے۔

بَشِّرِ۔ بَشَارَةٌ سے ہے جس کے اصل معنے وہ بات سنانے کے ہیں جس کے سننے سے چہرے میں خوشی یا رنج و غم سے کچھ تغیر پیدا ہو جائے لیکن عرف عام میں بشارت خوش خبری کو ہی کہتے ہیں اور بد خبر کو بھی ان معنوں کی رو سے کبھی بشارت کہہ دیتے ہیں تو اس وقت تہکّم اور دوسرے کی تذلیل و تحقیر مطلوب ہوتی ہے۔

یَخُوْضُوْا۔ خَوْضٌ سے ہے، گھسنا اور سوچ بچار کرنا۔

یَتَرَبَّصُوْنَ۔ تَرَبُّصٌ سے ہے، کسی چیز کی تاک میں بیٹھنا اور انتظار کرنا۔

نَسْتَحْوِذْ۔ اِسْتِحْوَاذٌ سے ہے، غالب ہونا اور قابو پانا۔

---

[1] اور جو ظلم کرتے ہیں وہی جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ترجمہ:

اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم عدل پر قائم رہنے والے (یا عدل کو قائم رکھنے والے) (اور) اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ اگرچہ اپنی جانوں پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہو اگر وہ غنی یا محتاج ہو تو اللہ ان دونوں کے ساتھ (سب سے) زیادہ حق دار (یا ان دونوں پر زیادہ مہربان) ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ تم عدل کرو (یا خواہش کی پیروی نہ کرو کہ تم عدل کرو گے) اور اگر تم اینٹھو یا منہ پھیرو تو اللہ ان سب کاموں کو ہمیشہ خوب جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو۔ اے وے لوگو جو ایمان لائے ہیں تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو کہ اس نے اپنے اس رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر جو کہ اس نے پہلے اتاری ہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور پیچھے آنے والے دن کا کفر کیا سو وہ دور بہکا۔ یقیناً جو لوگ ایمان لائے پھر وہ کافر بنے پھر وہ ایمان لائے پھر وہ کافر بنے پھر کفر میں پڑ گئے تو اللہ کی شان سے نہیں کہ ان کو مغفرت کرے اور نہ یہ کہ ان کو کسی راہ کی ہدایت کرے۔ تم ان منافقوں کو بشارت دے دو جو کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست (یا مددگار یا رشتہ دار) بناتے ہیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ کیا وہ ان کے پاس عزت چاہتے ہیں۔ سو عزت تو سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے اور تم پر اس نے اس کتاب میں اتارا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی توہین کی جاتی ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں سوچ بچار کرنے لگیں۔ اس وقت یقیناً تم (بھی) انہی جیسے ہو گئے۔ بے شک اللہ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ جو کہ تمہاری نسبت انتظار کرتے ہیں۔ سو اگر اللہ کی طرف سے تمہارے لئے فتح ہو تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کے لئے حصہ ہو تو کہتے ہیں کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پایا تھا اور ہم نے تم کو مومنوں سے نہیں بچایا تھا۔ سو قیامت کے دن اللہ تم میں فیصلہ کرے گا اور اللہ کافروں کے لئے مومنوں پر کوئی راہ نہ بنائے گا۔

تفسیر:

اس سے پہلے مومنوں کو عبادۃ اللہ اور حقوق العباد کی نسبت بہت سے احکام ارشاد فرمائے تھے اور ان پر کاربند ہونے اور تقویٰ اور اخلاص اختیار کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور یوں تو ہر ایک مومن کو ان احکام پر کار بند ہونا نہایت ضروری ہے پر صحابہؓ کے لئے خصوصیت کے ساتھ بہت ہی ضروری تھا کیونکہ اوّل تو ہر ایک نبی اسی لئے آتا ہے کہ وہ کچھ لوگ ایسے تیار کر جائے کہ وہ دوسروں کے لئے شُھَدَآءَ اللّٰہِ عَلَی النَّاسِ[1] یعنی اسوہ حسنہ اور نمونہ اور اس نبی کی صداقت اور اس کے منجانب اللہ ہونے اور اس کے انفاس طیبہ کے مُزَکِّیْ اور مُطَھِّرٌ لِلنَّاسِ ہونے کی سب دنیا پر حجت اور آیت بیّنہ ہوں لیکن حضرت خاتم النبیین اور سید الرسل کے اصحاب میں تو یہ نہایت کامل طور پر پایا جانا مطلوب اور نہایت ضروری تھا لہٰذا ان سب احکام کے بعد شہادت علی الناس کا مسئلہ ذکر کر کے صحابہؓ کو شُھَدَآءَ اللّٰہِ عَلَی النَّاسِ ہونا سمجھایا ہے اور فرمایا ہے کہ) تم اللہ کے لئے گواہ ہونے کی حالت میں عدل پر قائم رہو (یا عدل کو قائم رکھو) اگرچہ (وہ شہادت) اپنی جانوں پر ہو یا والدین اور رشتہ داروں پر (اور علاوہ مذکورہ وجوہات کے کبھی کسی مدعی یا مدعا علیہ کا غنی یا محتاج ہونا بھی شہادت میں بے انصافی کرنے کا باعث ہوا کرتا ہے۔

لہٰذا فرمایا کہ) اگر وہ (مَشْھُوْدٌ عَلَیْہِ یا مَشْھُوْدٌ لَہٗ[2]) غنی یا فقیر ہے تو اللہ ان کا زیادہ حقدار (یا زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے) (یعنی نہ غنی کی رضا کے لئے شہادت کو چھپاؤ اور نہ بدلاؤ اور نہ فقیر پر رحمت و شفقت کرنے کے لئے ایسا کرو کیونکہ اگر یہ رعایت کرنی جائز ہوتی تو خداوند تعالیٰ کے تو وہ بندے تھے نیز وہ ارحم الراحمین بھی تھا پھر وہ ضرور ایسی رعایت کو منع نہ فرماتا بلکہ اس کی تاکید کرتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ ان کے رعایت کا بہت حق دار ہے۔ یہ تو وہ معنے ہیں جو کہ مفسرین نے کئے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ معنے صحیح نہیں کیونکہ کسی کے لئے اور کسی پر کسی امر میں شہادت دینے سے شُھَدَآءَ لِلّٰہِ نہیں ہو

[1] لوگوں پر اللہ کے گواہ۔ (از مرتب)
[2] اس پر مشہود یا اس کے لئے مشہود۔ (از مرتب)

جاتے۔ نیز عدل کا قائم کرنا یا عدل پر قائم رہنا کسی امر کی شہادت ہی پر بند نہیں بلکہ بہت عام ہے اور ہر ایک امر میں افراط و تفریط منع ہے اور عدل کا حکم ہے لہٰذا صحیح معنے یہی ہیں کہ تم عدل کو (ہر ایک امر میں قائم کرنے والے بن کر شُهَدَآءَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ (اور اسوہ حسنہ اور حجۃ اللہ) بن جاؤ۔

عدل کی تاکید:

(جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے اور پھر فرمایا کہ اس عدل کو قائم رکھو) اگر اپنی جانوں پر ہو یا والدین اور رشتہ داروں پر ہو۔ اگر وہ (شخص جس کی نسبت تم نے عدل کرنا ہے) غنی ہو یا محتاج ہو تو اللہ ان کا (سب سے) زیادہ حقدار ہے (تو جب وہ ان کی نسبت عدل کا حکم دیتا ہے۔ تو پھر دوسرا کون ہے جو ان کی رعایت کا زیادہ حقدار بنتا ہے اور چونکہ ایسے خود ایجاد کردہ وجوہات سے لوگ بے انصافی کو جائز بلکہ اچھا قرار دیا کرتے ہیں اور اس سے بہت دھوکہ لگا کرتا ہے اس لئے اس کی نسبت قاعدہ کلیہ بتایا کہ) تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ (حق اور عدل اور ارشاد الٰہی سے) انحراف کرو (یعنی خود ایجاد کردہ وجوہات سے کوئی چیز جائز نہیں ٹھہرتی بلکہ قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جس کسی وجہ کے ساتھ حکم الٰہی اور عدل سے تجاوز اور انحراف ہوتا ہو اس کو یقین کر لو کہ وہ نفسانی خواہش ہے جس کی پیروی سے تم کو ہمیشہ کے لئے منع کیا گیا ہوا ہے۔ ایسا ہوا کرتا ہے میں نے ایک بہت پرانا ایک حاکم دیکھا تھا جس کا یہ خیال تھا کہ امراء کے مقابلہ میں غرباء کی ہر ایک مقدمہ میں پاسداری کرنی چاہیئے خواہ اس کے مقابلہ میں امیر ہی کا حق کیوں نہ ہو۔ اس کے اس خیال کی تردید کی بہت لوگوں نے کوشش کی لیکن موت تک اس کا یہ خیال قائم ہی رہا اور یہ بہت پکّا اصول ہے کہ جس قیاس یا استحسان اور حجت وغیرہ کے ساتھ کسی ثابت شدہ حکم شرعی کے خلاف کرنا لازم آتا ہو اس کی پیروی یقیناً اتباع ہوا ہے اور یقیناً ممنوع خواہ وہ قیاس واستحسان زید و بکر کا ہو یا کسی امام اور مجتہد کا ہو یہی وہ چیز ہے جس سے مذاہب میں ہمیشہ رخنہ پڑا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ) اگر تم سر پیچی کرو یا منہ پھیرو تو اللہ ہمیشہ ان کاموں کی پوری خبر رکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو (اور مفسرین نے اپنے معنوں کے مطابق اس کے یہ معنے کئے

ہیں کہ اگر تم اپنی زبانوں کو اینٹھو یا اعراض کرو الخ یعنی شہادت کو زبان بدل کر ادا کرو یا شہادت ادا کرنے ہی سے اعراض کرو۔ چونکہ ان احکام کی تعمیل کی جڑھ اور اصل محرک جب تک کسی میں موجود نہ ہو تو اس سے اوّل تو ان کی تعمیل ہو سکتی ہی نہیں اور اگر گاہے ہو بھی تو محض دکھاوے کیلئے کبھی ہوتی ہے اور مداومت ہر گز نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا ان کے بعد ان کی تعمیل کی جڑھ اور اس کا اصل محرک بتا کر یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم ان احکام کی پوری پوری پیروی کرنی اور شُهَدَآءَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ بننے اور انعامات موعودہ کے مستحق بننے چاہتے ہو تو اس جڑھ کو مضبوط کرو تو فرمایا کہ) اے ایمان لانے والو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر جو کہ اس نے اس سے پہلے اتاری ہے اور جس نے اللہ کا کفر کیا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور پیچھے آنے والے دن کا سو یقیناً وہ دور بہک گیا۔ (مفسرین کو جب یہاں پر یہ مشکل نظر آئی کہ ایمان لائے ہوئے لوگوں کو پھر ایمان لانے کا یہاں پر حکم دیا گیا ہے اور یہ تحصیل حاصل ہے۔

لہٰذا بعض نے اس کے یہ معنے کئے کہ اے ایمان لانے والو تم ایمان پر مداومت کرو اور اس پر ہمیشہ قائم رہو اور کسی نے کہا کہ یقین کو بڑھاؤ اور کسی نے کہا کہ اے مجمل ایمان لانے والو ان امور مذکورہ پر مفصل ایمان لاؤ اور کسی نے کہا کہ ایمان لانے والوں سے ظاہری ایمان لانے والے یعنی منافق لوگ مراد ہیں اور معنے یہ ہیں کہ اے ظاہری ایمان لانے والو تم سچے مومن اور مخلص مومن بن جاؤ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ یہود میں سے چند لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سلام اور اسد اور اسید اور چند اور اشخاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ ہم آپ پر اور آپ کی کتاب پر اور موسیٰ اور اس کی کتاب پر اور عزیر پر ایمان لاتے ہیں اور اَوروں کے منکر ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں سب انبیاءؑ اور سب کتابوں پر ایمان لاؤ لیکن انہوں نے کہا ہم یہ نہیں کرتے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر در منثور جلد 2 صفحہ 665 دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

لیکن حقیقت میں ان تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ پہلے نفس ایمان لانا بیان کیا ہے جس کے معنے یقین اور تسلیم کے ہیں اور یہ نہیں بیان کیا کہ کس کی نسبت یقین اور تسلیم لائے ہیں اور جو کوئی ایک اللہ پر بھی ایمان لے آئے یا کسی ایک نبی یا ایک کتاب پر بھی ایمان لے آئے وہ ایمان لانے والا لغت کی رو سے قرار دیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو مومن ہی کہلاتا بھی ہے۔ تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک وہی ایمان لانے والا ہے جو کہ ان سب امور پر ایمان لاتا ہے اور وَمَنْ یَّکْفُرْ الخ کے ساتھ بتایا کہ جو ان میں سے ایک یا دو کا کافر ہو گا وہ ہمارے نزدیک سب کا کافر اور ایسی دور کی گمراہی میں پڑا ہوا ہو گا کہ جس میں سب سے منکر ہونے والا ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو امور واؤ کے ساتھ مذکور ہوتے ہیں۔

ان کی طرف جو امر نسبت کیا جاتا ہے تو وہ کبھی سب مجموعہ کی طرف ہوتا ہے اور کبھی ہر ایک کی طرف اور اس کا دارومدار قرائن پر ہوتا ہے اور یہاں پر قرینہ یہی بتاتا ہے کہ ہر ایک کے کفر سے گمراہ ہو جاتا ہے اور چونکہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ الخ اور وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ الخ دونوں کے مقابل لانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور کفر مقابل ہیں جس پر ایمان لانا ہے اس کا کفر ضَلٰلٌ بَعِیْدٌ ہے اور جس کا کفر ضَلٰلٌ بَعِیْدٌ ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس لئے اگر کوئی امر ایک میں مذکور ہو گا اور دوسرے میں مذکور نہ ہو گا۔ جیسے مَلٰئِکَۃٌ اور یَوْمُ الْاٰخِرِ یا کُتُبِہٖ اور رُسُلِہٖ بلفظ جمع کہ دوسرے میں مذکور ہیں اور اوّل میں مذکور نہیں) وہ دوسرے میں بمنزلہ مذکور سمجھا جاوے گا۔ رہا ان امور کے ایمان کا اعمال کے لئے محرک ہونا تو وہ بالکل ظاہر ہے اور ہم نے پہلے بارہا بتا بھی دیا ہے۔ اس کے بعد ایمان پر قائم رہنے اور تلوّن مزاجی سے روکنے اور ڈرانے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً جو لوگ ایمان لائے پھر کافر بنے پھر ایمان لائے پھر کافر بنے پھر کفر میں بڑھ گئے اللہ سے بعید ہے کہ وہ ان کو مغفرت دے یا ان کو کسی راہ پر چلائے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے وہ یہود مراد ہیں جنہوں نے یہ مشورہ کیا کہ دن کے ابتداء میں ایمان لائیں اور اخیر میں کافر ہو جائیں اور پھر کفر پر رہیں تاکہ شاید اس

چال سے اہل اسلام اسلام کو جھوٹا سمجھ کر مرتد ہوں۔ تو کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی نسبت بتایا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اہل کتاب کی نسبت ہے جو کہ پہلے حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور گوسالہ پرستی کے ساتھ کافر ہوئے اور پھر توبہ کر کے ایمان لائے اور پھر حضرت عیسیٰؑ سے کافر ہوئے اور پھر آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لانے اور اس پر مصر اور عنید ہونے سے کفر میں بڑھ گئے ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ لیکن یہ صریح غلط ہے اس لئے کہ اہل کتاب سے تو بہت ایمان لائے ہیں اور لاتے ہیں۔ بلکہ کسی معیّن گروہ کی نسبت ایسا بتانا کچھ فائدہ ہی نہیں رکھتا۔

تو اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ حق پر قائم ہو کر پھر جب کوئی دقّت پیش آتی ہے یا کفار دوستوں اور رشتہ داروں کے قابو چڑھتے ہیں تو اس وقت حق سے روگرداں اور منکر ہو جاتے ہیں۔ پر جب وہ موقعہ چلا جاتا ہے تو پھر حق کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور چونکہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک بدی کا نتیجہ بد ہی ہوتا ہے اس لئے گو وہ لوگ یا اور پہلے تجربہ پر یہ وثوق بھی رکھیں کہ پہلے کی طرح یہ لوگ پھر حق پر آجاویں گے لیکن تھوڑے ہیر و پھیر کے بعد وہ لوگ پھر کفر میں ترقی کر جایا کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا ہے کہ پھر جب وہ کفر میں بڑھ جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ بھی ان سے استغفار کی توفیق چھین لیا کرتا ہے اور حق پر قدم مارنے کی ان کو کوئی راہ نصیب نہیں کرتا۔ اسی لئے ان کا نشان و پتہ بتانے کے لئے فرمایا ہے کہ) جو کہ مومنوں کے سواء کافروں کو دوست بنایا کرتے ہیں (یعنی یہی لوگ ہیں کہ پھر اخیر کفر میں بڑھا کرتے ہیں اور یہی ان کا دوستانہ ان کے اس کفر اور زیادتی کفر اور محروم الایمان ہونے کا موجب ہوا کرتا ہے۔

پھر اس دوستانہ کی وجہ بتانے کے لئے اور پھر اس کے غلط بتانے کے لئے فرمایا کہ) کیا وہ ان (کافروں) کے پاس سے عزت چاہتے ہیں عزت تو سب کی سب یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی اللہ ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے دوسرا کوئی نہیں کہ کسی کو کچھ بھی عزت دے سکے یا خود اس کو ذاتی عزت حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جس

دوستی کے وہ مرتکب ہو کر باوجود تم میں داخل ہونے کے ہلاک ہوتے ہیں۔ اس سے ہم نے منع بھی کیا ہوا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی منع کیا ہوا ہے اور اس ممانعت کی وجہ بھی وہ بتلائی ہوئی ہے کہ ایک سچا مومن اس کے ہوتے ہوئے کبھی ان لوگوں کے پاس نہیں بیٹھ سکتا چہ جائیکہ ان کے ساتھ دوستانہ بنائے۔ فرمایا کہ) یقیناً اس نے کتاب میں تم پر اتارا تھا کہ جب سنو کہ اللہ کی آیتوں کا کفر کیا جاتا ہے اور ان کی تحقیر کی جاتی ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں لگ پڑیں (اس لئے کہ جب اس حالت میں تم ان کے ساتھ بیٹھو گے)

تو بے شک تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو گے (اس لئے کہ تم ایسا کرنے سے عند اللہ منافق قرار پاؤ گے اور اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ) یقیناً اللہ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے (اور اکثر مفسرین نے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ کا مخاطب منافقوں کو بنایا ہے اوّل تو ان کو غائب ذکر کرتے کرتے مخاطب کرنے کی وجہ پیش کرنی پڑی جو کہ خلاف ظاہر ہے اور نیز اور اعتراضوں کے جواب دینے پڑے ہیں۔ پر صحیح یہی ہے کہ اس کے مخاطب اہل اسلام ہیں چونکہ وہ لوگ بھی مدعی اسلام ہیں اس لئے ان کو بھی یہ شامل ہے اور ان کو بھی ان کے ساتھ نہ بیٹھنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اس کی کچھ پروانہ کی۔

اس کے بعد ان کی ایک اور دورخی چال بتائی جاتی ہے۔ جس کو اپنے لئے اعلیٰ درجہ کی مفید خیال کر کے یہ منافقانہ چال اختیار کرتے اور کفار سے تعلق رکھتے ہیں تو فرمایا کہ) جو کہ تمہارے پر منتظر رہتے ہیں۔ سو اگر اللہ کی طرف سے تمہارے لئے فتح ہو تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کے لئے حصہ ہوا تو (ان کو) کہتے ہیں کیا ہم تم پر قابو نہ پا گئے تھے (یعنی جنگ میں ہم اس پر قادر ہو گئے تھے کہ تم کو قتل کر دیں پر ہم نے تم پر رحم کھایا اور تم کو کچھ ضرر نہیں پہنچایا اور مفسرین نے دوسرے معنے یہ بھی لکھے ہیں کہ کیا ہم تمہارے معاملات پر قابو یافتہ نہ تھے۔ یعنی تم کو ہم ہی اہل اسلام کی خبریں بھیجتے تھے اور تم کو مشورہ دیتے تھے جس کے باعث سے

تم غالب ہوئے) اور (کیا) ہم نے تم کو مومنوں سے نہیں بچایا تھا (یعنی دونوں گروہوں سے تعلق رکھتے اور غالب کا راگ گاتے ہیں۔

تو یہ بتانے کے لئے کہ گو یہ دونوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور دل کا حال اللہ ہی جانتا ہے پر ایک وقت آتا ہے کہ پھر ان کا فیصلہ ہو جاوے گا فرمایا کہ) سو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ جیسا کہ سورۂ حدید میں فرمایا ہے یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۔ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰی وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰىكُمْ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ[1] (الحدید:14-16)

لیکن یہ بتانے کے لئے کہ ان کا دنیا میں دونوں سے اس لئے تعلق رکھنا کہ غالب ہونے والے سے فائدہ اٹھا سکیں بے فائدہ ہے اور نیز نہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے اور نہ ان کا پردہ رہے گا بلکہ اس پردہ سے پہلے بھی علامات بتا کر ان کی پردہ دری کے لئے فرمایا کہ) اللہ کافروں کے لئے مومنوں پر کوئی راستہ نہ بنائے گا۔

(بعض مفسرین نے تو کہا ہے کہ یہ بھی قیامت کی نسبت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دنیا کی نسبت ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں کی نسبت ہے۔ ہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غلبہ سے

[1] ۔ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں، اس وقت ان سے کہا جائے گا اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ اور وہاں جا کر نور تلاش کرو۔ پھر (اللہ کی طرف سے) ان کے اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہو گا اس کے اندر رحمت کا نظارہ ہو گا اور اس کے باہر کی طرف سامنے عذاب نظر آرہا ہو گا۔ وہ (منافق) مومنوں سے پکار کر کہیں گے، کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ (یعنی مومن) جواب دیں گے، ہاں ہاں۔ لیکن تم نے اپنی جانوں کو خود عذاب میں ڈالا۔ اور تم (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شکوک و شبہات سے کام لیتے رہے اور تمہاری آرزوئیں تمہیں اس وقت تک دھوکہ دیتی رہیں کہ اللہ کا فیصلہ آگیا اور اللہ کے (تمام کاموں کے) متعلق شیطان تمہیں دھوکہ دیتا رہا۔ پس آج کے دن (اے منافقو)! نہ تم سے اور نہ کافروں سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری دائمی تعلق والی چیز ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اس طریق میں غلبہ مراد ہے کہ جس طریق پر اس زمانہ میں مذہبی مقابلہ ہو یعنی اگر مذہبی مقابلہ سیف سے ہے تو تب کفار مومنوں پر سیف میں ہر گز غالب نہ آئیں گے اور جب مقابلہ حجت و براہین کے ذریعہ سے ہو تو پھر وہ حجت و براہین میں ہر گز مومنوں پر غالب نہ آسکیں گے چنانچہ سیفی مقابلہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہوا پر کفار کو ہر گز غلبہ حاصل نہ ہوا اور حجت و براہین میں مقابلہ زمانۂ مسیح موعودؑ میں ہوا تو پھر بھی غلبہ مومنوں ہی کے حق میں رہا اور سب کفار اس غلبہ سے محروم رہے اور قیامت میں تو ظاہر ہی ہے۔)

آیت 143 تا 153: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

تشریح الفاظ:

یُخَادِعُوْنَ۔ مُخَادَعَۃٌ سے ہے اور خَادَعَ۔ خَدْعٌ اور خِدَاعٌ سے، خَدْعٌ کے معنے کتب لغت میں کسی کو پوشیدہ طور پر دکھ دینے اور کسی کو خلاف باطن ظاہر کر کے اس سے روکنا جو وہ کرنا چاہتا ہو اور منع کرنا اور حیلہ کرنا۔ چنانچہ تاج العروس میں لکھا ہے خَدَعَہٗ خَتَلَہٗ وَاَرَادَبِہِ الْمَکْرُوْہَ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُ۔ وَفِی الْمُفْرَدَاتِ وَالْبَصَائِرِ اَلْخِدَاعُ اَلْمَنْعُ وَالْحِیْلَۃُ[1] اور مُخَادَعَۃٌ کے معنے ترک کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ تاج ہی میں لکھا ہے۔ خَادَعَ: تَرَکَ۔ عَنِ الْاَصْمَعِیِّ۔ وخادَعَ المَجْدَ اَقْوَامٌ لَھُمْ وَرَقٌ... رَاحَ العِضَاہُ بِہٖ والعِزُّ مَدْخُولُ[2] اور خَادِعٌ کے معنے جیسے خِدَاع کرنے والے کے ہوتے ہیں اسی طرح بہت خِدَاع والے اور خِدَاع میں غالب آنے والے اور خِدَاع کا بدلہ دینے والے کے بھی آتے ہیں۔

کُسَالٰی۔ کَسْلَانُ کی جمع ہے جو کہ کَسَلٌ سے ہے، سستی۔

یُرَآءُوْنَ۔ مُرَاءَۃٌ سے ہے، دوسروں کو دکھانا۔

مُذَبْذَبِیْنَ۔ مُذَبْذَبٌ کی جمع ہے جو کہ ذَبْذَبَۃٌ سے ہے جس کے اصلی معنے لٹکائی ہوئی چیز کے ہلنے کی آواز کے ہیں اور پھر ہر ایک اضطراب اور پریشانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

یُضْلِلِ۔ اِضْلَالٌ سے ہے، گمراہ کرنا اور گمراہی کا فتویٰ اور حکم لگانا۔

سُلْطَانٌ۔ کے اصل معنے غلبہ کے ہیں اور چونکہ حجت اور برہان اور نشان سے غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے حجت اور برہان اور نشان کو بھی سلطان کہتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں سُلْطَانٌ کا لفظ آیا ہے تو اس سے حجت ہی مراد ہے۔

دَرْکٌ۔ درجہ کو کہتے ہیں فقط فرق اس قدر ہے کہ درجہ میں ترقی اور اوپر جانا ملحوظ ہوتا ہے اور دَرْکٌ میں نیچے جانا ملحوظ ہوتا ہے۔

---

[1] خَدَعَہٗ یعنی اسے دھوکہ دیا اور اس کے ساتھ وہاں سے برائی کا ارادہ کیا جہاں سے اسے علم نہ ہو۔ اور مفردات اور بصائر میں ہے کہ اَلْخِدَاعُ۔ منع اور حیلہ کو کہتے ہیں۔ (از مرتب)

[2] خادع کا مطلب چھوڑ دینا۔ اصمعی کہتے ہیں۔ قوموں نے سرداری (کے طور طریق) کو چھوڑ دیا جبکہ ان کے پاس مال و دولت تھی جس وجہ سے ان کی شان و شوکت چلی گئی جبکہ ان کی جڑ پر حملے کئے جاتے ہیں۔ (از مرتب)

اِعْتَصَمُوْا۔ اِعْتِصَامٌ سے ہے، ہاتھ سے مضبوط پکڑنا یا کسی پر وثوق کرنا اور بچاؤ اور عصمت حاصل کرنا۔

جَهْرٌ بِالْقَوْلِ۔ آواز بلند کرنے کے اور کبھی مطلق ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔

اَعْتَدْنَا۔ اِعْتِيَادٌ سے ہے، جس کے معنے تیار کرنے کے ہیں۔

ترجمہ:

یقیناً منافق لوگ اللہ سے چال بازی کرتے ہیں اور وہ ان (کی چال بازی) پر غالب آنے والا ہے اور جب وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو لوگوں کو دکھاتے ہوئے سست اٹھتے ہیں اور وہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ اس کے درمیان پھرتے ہوئے نہ تو اِن کی طرف اور نہ اُن کی طرف اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے تو پھر تم اس کے لئے کوئی راہ نہ پاؤ گے ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے اپنے کھلی حجت بنالو۔ یقیناً منافق لوگ آگ کے نچلے درجے میں ہیں (اور ہوں گے) اور تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے سوائے ان کے جو کہ رجوع لائے اور انہوں نے اصلاح کی اور اللہ کے ساتھ بچاؤ حاصل کیا اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیا۔ سو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں (اور ہوں گے) اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے عذاب کو کیا کرے گا اور اللہ قبول کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔ اللہ بری بات کا اظہار کرنا پسند نہیں فرماتا مگر (اس سے کہ) جس پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا اس کو پوشیدہ کرو یا بدی سے درگذر کرو تو یقیناً اللہ (بھی) بہت معاف کرنے والا، بہت قدرت والا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اس کے درمیان کوئی راستہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں اور اللہ نے ان کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہوا ہے اور جو لوگ کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے اور ان میں سے کسی جماعت کے درمیان فرق

نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں جن کو وہ ان کے اجر دے گا اور اللہ ہمیشہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

خداوند تعالیٰ جب منافقوں کے بہت سے حال بیان فرما چکا اور یہ بھی بتا چکا کہ کفار سے ان کا تعلق رکھنا ہی ان سب خرابیوں کی جڑھ ٹھہرا ہے اور وہ محض ان کی طرف سے عزت حاصل کرنے کی غرض سے جو کہ کبھی بھی ان کو نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ اس مقابلہ میں وہ کافر کبھی نہیں غالب آسکتے تو اب ان کی نادانی بیان فرمانے کے لئے فرماتا ہے۔ یقیناً منافق لوگ اللہ کے ساتھ چال بازی کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کی چال بازیوں پر غالب ہے۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ[1] الخ (البقرۃ:10) جو پہلے پارہ میں آیا ہے وہاں پر میں نے اس کی پوری تفسیر اور تشریح کی ہوئی ہے۔ اگر کسی کو یاد نہ ہو تو وہاں پر دیکھ لے اور انہی معنوں میں سے یہ بھی ہیں کہ وہ اللہ کو چھوڑتے ہیں اور اللہ ان کو چھوڑنے والا ہے اور یہ بھی کہ وہ اللہ سے دھوکے کا برتاؤ کرتے ہیں اور اللہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔ الغرض جو معنی ہوں مطلب یہ ہے کہ اس دورُخی چال میں ان کی غرض یہ ہے کہ ہم مومنوں کے نزدیک مومن بھی بنے رہیں اور اندر سے کافروں کے ساتھ بھی ہمارا تعلق پورا رہے اور کوشش کرتے کہ ہمارا راز مومنوں پر ظاہر نہ ہو تا کہ ہم ان سے وہ حقوق اور فوائد حاصل کرتے رہیں جو کہ ایک مومن حاصل کر سکتا ہے۔

تو جیسا ان کا معاملہ تھا ایسا ہی ان کے ساتھ معاملہ کیا گیا کہ باوجود ان کے جاننے کے ان کے ساتھ اہل اسلام کی طرح عام برتاؤ میں عمل درآمد رکھا گیا جس سے وہ یہ خیال کرتے رہے کہ ہمارا داؤ کارگر نکلا تب ہی تو ہمارے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ نہیں کیا جاتا لیکن بالآخر وہ نامراد ہی رکھے گئے) اور جب وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو سست اٹھتے ہیں (اور پھر اس سے رضاء الٰہی غرض نہیں ہوتی بلکہ) وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں (اور اس ظاہری علامت کے علاوہ ان میں یہ علامت بھی ہوتی ہے کہ) اس کے درمیان

[1] وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

متر دد ہوتے ہیں نہ ان لوگوں کی طرف (بالکل آجاتے ہیں) اور نہ ان کی طرف۔ (مفسرین نے لکھا ہے کہ بَيْنَ ذٰلِكَ میں اشارہ یا تو اس ایمان اور کفر کی طرف ہے جو کہ مؤمنین اور کافرین کے ذکر میں ضمناً مذکور ہیں اور یا مؤمنین اور کافرین کی طرف ہے لیکن چونکہ ذٰلِكَ مفرد کا اشارہ ہے اور مشار الیہ ایک صورت میں تثنیہ ہے اور دوسری میں دو جمع ہیں اور علاوہ اس کے پھر لفظ بَيْنَ مفرد پر آنہیں سکتا۔ لہٰذا انہوں نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اصل میں یوں ہے کہ بَيْنَ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْكُفْرِ اَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ[1]۔ تو اَلْمَذْكُوْرُ چونکہ لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے اس لئے اشارہ مفرد آیا اور معنے کے لحاظ سے چونکہ وہ متعدد ہے اس لئے اس پر لفظ بَيْنَ کا آنا صحیح ہو سکا ہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ بعض باتیں بطور ضرب المثل اور کہاوت کے استعمال کی جاتی ہیں۔ تو گو مراد کے طور پر اس ضمیر اور اشارہ سے کوئی چیز مراد لی جائے جو اس میں ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کا کوئی مرجع یا مشار الیہ وہاں پر مذکور یا معین نہیں ہوتا۔ جیسا بات کرتے ہوئے بلکہ غائب شخص کو بات کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ جیسا تُو کرے گا ویسا بھرے گا تُو سے گو کوئی مراد لو پر عبارت میں کوئی خاص مخاطب معین نہیں۔ نیز عربی زبان میں اور خصوصاً قرآن مجید میں ایسا کثرت سے پایا جاتا ہے کہ بعض وقت واقعات اور یا قرائن اور ما قبل یا مابعد سے ایک چیز کا صاف صاف پتہ لگتا ہے اور اس کا ہونا ضروری بھی ہوتا ہے تو اس کو ذکر نہیں کیا جاتا اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کیونکہ اصل میں بَيْنَ ذٰلِكَ وَ ذٰلِكَ[2] تھا اور یہ ضرب المثل کے طریق پر مذکور تھا اور کوئی خاص مشار الیہ معیّن نہ تھا لیکن چونکہ آگے اس کا صاف بیان آتا تھا کہ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ اس لئے دوسرے ذٰلِكَ کے ذکر کی ضرورت نہ رہی اور پھر یہ هٰٓؤُلَآءِ بھی ایسا ہی ہے کہ گو اس سے مراد مومن اور کافر ہی ہیں پر عبارت میں کوئی ان کا مشار الیہ معیّن نہیں جیسا کہا کرتے ہیں کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے اور اس نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے

[1] ایمان اور کفر یا مؤمنین اور کافرین کے درمیان مذکور۔ (از مرتب)
[2] فلاں اور فلاں کے درمیان۔ (از مرتب)

بہت سے مقامات پر مفسرین نے لفظی اور عبارتی اعتراض ذکر کئے ہیں اور رقیق در رقیق جوابات کی تکلیف اٹھاتے رہے ہیں۔ لیکن اہل زبان جانتے ہیں کہ کوئی فصیح و بلیغ عبارت ان امور سے خالی نہیں ہوتی۔

لیکن چونکہ ان کے مُذَبْذَبِیْنَ ہونے سے یہ خیال گذر سکتا تھا کہ بہر حال کفار سے تو ان کی ہدایت کی زیادہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ ہمارے نزدیک بھی نہیں آتے کہ کوئی حق بات سنیں اور اس کو قبول کریں پر یہ تو ہم سے ملتے اور سنتے، دیکھتے ہیں لہٰذا اگر ہم کوشش کریں تو امید غالب ہے کہ پختہ مومن ہو جائیں گے۔ تو اس طمع اور امید سے ناامید کرنے کے لئے فرمایا کہ) پر جس کو اللہ گمراہ قرار دے دے تو تم اس کے لئے کوئی راہ ہر گز نہ پاؤ گے (یعنی ان منافقوں کے بار بار ایمان لانے اور پھر کافر بننے سے آخر یہ لوگ کفر میں بڑھ گئے...اور جب کفر میں بڑھ گئے تو خداوند تعالیٰ نے ان پر گمراہی کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ جیسا پہلے فرمایا ہے کہ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا[1] (النساء:138)

تو جب پہلے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کفار کو کبھی غلبہ اس مقابلہ میں حاصل نہیں ہو سکتا اور کہ منافقوں کی ہلاکت اور تباہی اس عزت کے حاصل کرنے کی غرض سے کفار کے ساتھ دوستانہ اور موالات کا رکھنا تھا تو اب مومنوں کو اس سے منع کرنے کے لئے فرمایا کہ اے ایمان والو (تم ان منافقوں سے عبرت پکڑو اور ان جیسے مت بنو اور) مومنوں کے سواء کافروں کو مت دوست بناؤ (جیسا کہ منافقوں نے بنایا ہے اور ایسا کرنے سے اللہ کے لئے اپنے پر کھلی کھلی حجت قائم کر دی ہے) کیا تم (بھی) چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے تم (بھی) اپنے پر کھلی کھلی حجت بنا دو۔ یقیناً منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔

آگ کے سات درجے:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ آگ کے سات درجے ہیں پہلے کا نام جَهَنَّمُ اور دوسرے کا لَظٰی اور سوم حُطَمَةٌ۔ چہارم سَعِيْرٌ۔ پنجم سَقَرَ۔ ششم جَحِيْمٌ۔ ہفتم هَاوِيَةٌ۔ اور کبھی ان طبقات

[1] پھر کفر میں (اور بھی) بڑھ گئے۔ اللہ انہیں ہر گز معاف نہیں کر سکتا اور نہ انہیں (نجات کا) کوئی راستہ دکھا سکتا ہے) اور خداوند تعالیٰ جن پر گمراہی کا فتویٰ لگاتا ہے تو پھر اس کی ہدایت کی کوئی سبیل نہیں ملا کرتی۔ (تفسیر صغیر)

و درجات کے ناموں کے ساتھ مطلق دوزخ کی آگ کو یاد کیا جاتا ہے اور حقیقی منافقوں کی حقیقت تو ان آیات کریمہ سے بخوبی واضح ہو گئی ہے پر آنحضرت ﷺ نے صاف فرما دیا ہوا ہے کہ اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا (چار خصلتیں ہیں کہ جس میں وہ چاروں ہوں وہ خالص منافق ہے۔ وَمَنْ کَانَتْ فِیہِ خَصْلَۃٌ مِنْھُنَّ کَانَ فِیہِ خَصْلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا۔

(تفسیر روح المعانی جلد 3 صفحہ 170 سورۃ النساء، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق سے ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اس کو ترک کر دے اور پھر ان کو یوں بیان فرمایا کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں دے کر بدکار بنے اور پھر فرمایا کہ دنیا میں گو وہ اپنی چالاکیوں پر پورا اعتماد رکھتے ہیں کہ مصیبت کے وقت ضرور ہم کوئی مددگار پیدا کر لیں گے اور دیکھنے والے بھی ان کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں لیکن ہم ہر ایک ایسا خیال رکھنے والے کو کہہ دیتے ہیں) کہ تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے اور چونکہ پہلی آیتوں میں منافقوں کے ایمان لانے سے بالکل ناامید کیا گیا تھا اور فی الحقیقت بعض صورتوں میں وہ ایمان لا سکتے تھے اس لئے بطور استثناء ان کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) سوائے ان کے جنہوں نے رجوع کیا اور اصلاح کر لی۔

(یعنی سوائے ان کے کہ کبھی غلطی سے اگر کفار کے ساتھ ان کا تعلق ہوا ہے اور اس کے اثر سے وہ ایمان سے روگردان ہوئے ہیں لیکن پھر انہوں نے سچے طور پر کفر سے ایمان کی طرف رجوع کر لیا اور وہ کفار کا تعلق ہی پہلے ان کے لئے موجب گمراہی ہوا تھا اور اگر وہ باقی رہتا تو اب بھی خطرہ تھا کہ کبھی پھر وہ ان کو گمراہ کرے اور پھر رفتہ رفتہ وہ گمراہی میں پڑ جاتے پر انہوں نے رجوع کرتے ہی اس مضر تعلق کو چھوڑ کر اصلاح کر لی) اور انہوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا (یعنی اس سے سچا تعلق پیدا کیا اور اسی سے مدد چاہی اور اسی پر اعتماد کیا اور اسی سے بچنا چاہا جیسا کہ اعتصام کے معنوں سے پایا جاتا ہے) اور انہوں نے اپنے دین کو اللہ

کے لئے خالص کر لیا۔ (یعنی اس میں اپنے نفوس اور دوسرے لوگوں اور چیزوں کو شریک نہیں کیا جیسے کہ دوسرے منافق کرتے ہیں) تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو بڑا اجر دے گا (اور پھر ان کے نفاق اختیار کرنے میں جو چیز ان کو مستوجب سزا ٹھہراتی ہے وہ بتانے کے لئے تاکہ بچنے کا ارادہ کرنے والا اس کو ترک کر کے عذاب سے بچ سکے اور نیز تاکہ ان کو نفاق کی بدی اور خرابی اس سے سمجھ آسکے فرمایا کہ) اللہ تمہارے عذاب کے ساتھ کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ۔ یعنی خداوند تعالیٰ نے تم پر بڑے بڑے فضل کئے ہوئے ہیں جن کا شکر دل سے، زبان سے، افعال سے تم پر لازم تھا اور دلی شکر ہی ایمان کو لازم کرتا ہے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کوئی منعم ہے اور وہ فلاں ہے اور اس کے انعام کے احساس سے طبیعت میں ایک گرویدگی پیدا ہوتی ہے تو تب ہی اس کو اس امر کا یقین حاصل ہوتا ہے کہ مجھے اس کی بلکہ ایک اسی ہی کی سچی فرمانبرداری کرنی چاہیے اور یہی ایمان ہے اور اسی وجہ سے شکر کو ایمان پر مقدم کیا ہے ورنہ تو ایمان سب اعمال سے مقدم ہوتا ہے۔

کیا چیز عذاب کی مستحق بناتی ہے:

سو منافق، کافر اسی منعم حقیقی کی ناشکری اور پھر اس کی فرمانبرداری کو اپنے پر لازم نہ یقین کرنے سے مستحق عذاب ٹھہرتا ہے اور اگر وہ شکر گذار اور فرمانبرداری کو لازم یقین کرنے والا ہو جائے تو پھر اللہ نے کسی انتقام یا غضب کے فرو کرنے وغیرہ کے لئے تو سزا نہیں دینی کہ وہ اب بھی دے) اور اللہ بھلائی کی قدر یا اعمال کو قبول کرنے والا، بہت جاننے والا ہے یعنی تمہارے شکر کرنے اور ایمان لانے کے بعد دو ہی صورتیں تھیں کہ پھر بھی وہ تم کو سزا دے۔

اوّل یہ کہ وہ تمہارے ایمان اور شکر کو قبول ہی نہ کرے۔ دوم یہ کہ اس کو تمہارے شکر اور ایمان کا علم ہی نہ ہو تو دونوں کو نفی کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کے ایمان اور ہر ایک نیکی کی قدر کرنے والا اور اس کو قبول کرنے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے لہٰذا تمہارا شکر اور ایمان ضائع نہیں ہو سکتے اور چونکہ منافق لوگ اہل اسلام کی نسبت کفار کو جا کر بری بری باتیں سنایا کرتے تھے اور ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے کہا کرتے تھے

کہ اہل اسلام تمہارے حق میں یا تم میں سے فلاں فلاں کے حق میں فلاں بد کلامی اور عیب چینی کرتے تھے اور جب ان کو منع کرتے تو ان کے سامنے تو انکار پر قسمیں کھاتے تھے پر آپس میں کہتے کہ برائی خود کرتے ہیں کہ لوگوں کو برا کہتے اور بد گوئی کرتے ہیں اور منع ہم کو کرتے ہیں کہ تم ان کو کیوں سناتے ہو اور پھر حقیقت یہ ہوتی کہ اکثر حصہ یا کل کا کل جھوٹ ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ان کو منع کیا جاتا تھا۔

نیز منافق خود بھی مومنوں کی بد گوئی کرتے اور ان کے حق برا بھلا کفار بیان کرتے تھے۔ جس کے سننے سے مومنوں کو رنج پہنچتا تھا اور بعض کو ان سے انتقام لینے کا خیال پیدا ہوتا اور پھر خصوصاً بعض ایسے مومنوں کی نسبت وہ ایسا کرتے تھے کہ جنہوں نے ان کے ساتھ ظاہر اور پوشیدہ طور پر سلوک اور نیکی کی ہوئی تھی تو ان کو اور زیادہ رنج ہوتا تھا۔ تو جب منافقوں کا حال مفصل بیان ہوا اور خصوصاً ان کا کفار کے ساتھ تعلق رکھنا بیان ہوا تو اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس کے بعد بد گوئی کے جواز و عدم جواز کے فیصلہ کرنے اور منافقوں کے اس طریق اور اس قول کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اللہ بری بات کے اظہار (یا بری بات کے ساتھ آواز بلند) کرنے کو پسند نہیں کرتا مگر اس سے کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو (یعنی مومنوں پر چونکہ ظلم بلکہ سخت ظلم کیا گیا ہے اس لئے مجاز ہیں۔ اب رہا یہ ہے کہ سُوْٓءٍ مِّنَ الْقَوْلِ سے کیا مراد ہے تو ابن عباسؓ اور قتادہؓ سے مروی ہے کہ اس سے بد دعا مراد ہے۔

(تفسیر الکبیر لرازی جلد 11 سورۃ النساء آیت 148 صفحہ 72 مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس سے مذمت کرنی مراد ہے یعنی اس کا شکوہ کرنا اور اس کے کام کی برائی بیان کرنی اور حسن، سدی، امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ اس سے گالی دینی مراد ہے اور جہر کی نسبت میں تشریح میں لکھ چکا ہوں کہ اس کے معنے آواز بلند کرنے اور ظاہر کرنے کے ہیں اور اس کے سخت ناپسند ہونے اور اس کے مستوجب سزا ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (یعنی وہ بد گوئی کو ضرور سنتا ہے اور پھر وہ اس کو بھی بخوبی جانتا ہے کہ یہ مظلوم ہے یا نہیں۔

خلاصہ یہ کہ تم بے وجہ بد گوئی کر کے سزا سے نہیں بچ سکتے اور پھر مومنوں کی نیکی کے مقابلہ میں ان کی بدی کرنی اور پھر باوجود اس کے مومنوں کو معافی اور در گذر کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا کہ) اگر تم نے کوئی نیکی ظاہر کی ہے یا تم نے وہ پوشیدہ کی ہے یا تم کسی بدی سے در گذر کرو تو یقیناً اللہ در گذر کرنے والا، بہت قدر رکھنے والا ہے (یعنی تمہارا یہ معاف کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ بندوں سے ہر طرح کی نیکی کرتا ہے اور پھر بندے ان نیکیوں کے مقابلہ میں بدیاں کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ باوجود قدرت کے ان سے در گذر کر دیتا ہے۔ تو جب تم نے خداوند تعالیٰ کے اس فعل کے مطابق کیا تو وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا۔

دوم یہ بتایا کہ جس طرح وہ تمہاری عفو کے مقابلہ میں تم کو معاف کرے گا اسی طرح وہ تمہاری نیکی کے مقابلہ میں تمہارے ساتھ نیکی... کرنے پر قادر ہے اور چونکہ منافقوں کا اکثر حصہ اہل کتاب میں سے تھا اور ان کے گرو اور سر گروہ بھی انہی سے تھے تو جب وہ اپنی نسبت خارج از ایمان ہونے کے فتاوٰی کلام الٰہی میں سنا کرتے تھے تو کہتے کہ ہم مومن نہیں تو اور کون ہیں اللہ کو بھی مانتے ہیں اور بہت سے رسولوں کو بھی مانتے ہیں اور اگر نہیں مانتے تو ایک اس رسول کو نہیں مانتے تو اس میں ہوا کیا، کیا پہلے رسول اور ان کی کتابیں کافی نہیں ہیں۔ تو خداوند کریم نے ان کے اس خیال کو ردّ کرنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے کافر ہوتے ہیں۔ (یعنی اس کے رسولوں کے کافر ہونے کی وجہ سے اس کے بھی حقیقت میں کافر ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ ویسراؤں اور گورنروں کی بغاوت سے شہنشاہ کے باغی ہو جاتے ہیں۔ گو وہ بظاہر اپنے آپ کو اللہ پر ایمان رکھنے والے خیال کرتے ہوں۔ (جیسا کہ آگے فرمایا) اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں (کیونکہ ظاہر ہے کہ فرق کرنے کے یہی معنے ہیں کہ رسولوں کے کافر ہوں اور اللہ پر بظاہر ایمان لائیں۔ تو جس طرح اس سے یہ بتایا کہ اللہ کے رسولوں میں اور اس میں فرق نہیں اور جو فرق کرتے ہیں اور ان کے کافر بنتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اس کے بھی کافر ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ بتانے کے لئے کہ اسی طرح رسولوں میں فرق کر کے بعض پر ایمان لانے والے

اور بعض کا کفر کرنے والے بھی حقیقت میں سب رسولوں کے کافر ہوتے ہیں اور جس طرح سب رسولوں کے کافر اللہ کے کافر ہوتے ہیں۔

اسی طرح بعض کے کافر بھی اللہ کے کافر ہوتے ہیں۔ فرمایا) اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے کافر ہوتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ پکڑیں۔ یہ لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہوا ہے (ان آیتوں پر خصوصاً تین گروہ کو توجہ کرنی چاہیے۔ اوّل تو وہ لوگ جو کہ مسلمان کہلا کر اور قرآن مجید کو واجب التعمیل مان کر پھر برہموؤں کی طرح رسولوں پر ایمان لانے کو ضروری نہیں خیال کرتے۔ کیونکہ اس آیت نے فرق بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ کرنے والوں کو اللہ کا بھی منکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ پکے کافر ہیں اور کوئی کسر یا نقص اُن کے کفر میں باقی نہیں اور علاوہ اہل قرآن کہلانے والوں کے اور بہت سے لوگ اس زمانہ میں اس خیال کے موجود ہیں جن میں سے ایک عبدالحکیم مرتد بھی ہے۔ جن دنوں میں عبدالحکیم مرتد مختلف مقامات پر لیکچر دے رہا تھا ان دنوں میں میں نے امرتسر کے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ امرتسر میں اس کا لیکچر کیسا ہوا۔ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جب اس نے اپنے لیکچر کے ابتداء میں یہ کہا تھا کہ خدا پر ایمان لانے کے بعد انسانی نجات کسی انسان پر ایمان لانے پر ہرگز موقوف نہیں اس وقت تو ہم نے یقین کر لیا تھا کہ سب اہل حق عبدالحکیم کے ساتھ ہو جاویں گے اور دنیا میں اس کے لیکچروں کی بڑی قدر ہو گی۔ لیکن اس نے اخیر میں جب اپنے الہاموں کا ذکر شروع کیا تو پہلی سب امیدیں خاک میں مل گئیں اور پھر اس کے لیکچروں سے بالکل نفرت ہو گئی۔

اسی طرح میں نے بہت سے ایسے مولوی صاحبان کے ساتھ ملاقات کی ہے اور دوسرے خود برہمو صاحبان۔ کیونکہ وہ گو قرآن مجید کو یا اور کسی کتاب کو الہامی کتاب نہیں مانتے پر ان کا یہ تو دعویٰ ہے کہ ہم سب صداقتوں کے ماننے والے ہیں۔ خواہ وہ کسی کتاب یا کسی مذہب میں ہوں۔

تو اب وہ اس صداقت پر توجہ کریں کہ قرآن مجید کی یہ صداقت واجب التسلیم

صداقت نہیں کہ جو بادشا ہوں اور شہنشاہوں کے حکام کی بغاوت کرتے ہیں وہ بادشاہوں اور شہنشاہوں کے بھی یقیناً باغی قرار دیے جاتے ہیں۔ اب رہا یہ نزاع کہ خداوند تعالیٰ نے بھی کوئی حاکم مقرر کیا ہوا ہے تو اس کا فیصلہ بھی بشرط انصاف بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ آخر دنیوی اور ظاہری بادشاہ بھی اسی کے مقرر کئے ہوئے حاکم ہیں جن کی بغاوت سے شرعاً بھی اور (اگر کوئی شرعاً نہ مانے تو کم از کم) قانون قدرت کے طور پر وہ سزایاب ہوتے ہیں۔

تو اسی طرح اگر روحانی اور مذہبی حکام بھی وہ مقرر کرے تو اس میں کیا برائی ہے اور اس جواز کے بعد پھر ان رسولوں کے نشانات سے ان کا ثبوت دریافت ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی برہمو صاحب بشرط انصاف ہمارے آقا کے شہنشاہ ہونے کی نسبت ثبوت چاہے تو ہم اللہ کے فضل سے بڑی خوشی سے بتانے کے لئے تیار ہیں۔

سوم وہ لوگ جو کہ بعض انبیاءؑ کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ کہ وہ بعض انبیاءؑ کے منکر ہو کر پھر اپنے آپ کو اللہ پر اور اس کے باقی رسولوں پر ایمان لانے والے خیال کرتے ہیں لیکن جس طرح اس آیت نے بتایا ہے کہ کسی رسول کا باغی سب رسولوں کا اور خداوند تعالیٰ کا باغی ہے اور ادھورا نہیں بلکہ پکا باغی ہے اسی طرح عقل بھی یہی شہادت دیتی ہے جیسا کہ میں بار بار لکھ آیا ہوں کہ پچھلے رسولؑ پہلے رسولوں کے فلاں معنے سے مصدق ہوتے ہیں اور وہ اس وقت آتے ہیں جبکہ اس تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے اور اس تصدیق کے سواء وہ بوجہ مخلوط بخیالات انسانی اور اغلاط کے ساتھ ہو جانے کے الٰہی دین اور قابل عمل مذہب نہیں رہتا اور اگر یہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے جس کو سب مسلمان کہلانے والے مانتے ہیں اور یہ معنے بھی ہمارے کئے ہوئے نہیں بلکہ پہلے مفسرین کے کئے ہوئے ہیں اور پھر اسی کی وجہ سے یہود اور نصاریٰ کو باغی قرار دیا گیا ہے۔ ان پر ایمان لانے کی ضرورت کے منکر بھی اپنی نسبت خود قرآن مجید سے فتویٰ پڑھ لیں، سوچ لیں، سمجھ لیں۔

رہا یہ عذر کہ ہمارے نزدیک اس کی رسالت ثابت نہیں تو یہود و نصاریٰ کا بھی یہی عذر ہے۔ اسی طرح یہ عذر کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی رسول نہیں آسکتا (اوّل تو

میں آنحضرت ﷺ کے بعد رسول آنے کی نسبت ایسی کھلی اور بیّن ترین آیت شائع کر چکا ہوں۔ جس کے بعد یہ عذر بھی غلط ہے اور وہ آیت ہے پ 8 سورہ اعراف ع 4 کی جس میں آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کے نزول کے بعد کے بنی آدم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔ وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ [1] (الاعراف:36-37) اور جس کو شک ہو وہ قرآن مجید میں اس کے ماقبل پڑھ کر دیکھ لے کہ پہلے کا کوئی بیان ہے یا کہ جو ہم نے لکھا ہے وہ ہے اور مخالفین جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے اوّل تو کوئی بھی صحیح نہیں پھر اس واضح ترین آیت کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دوم) یہود و نصاریٰ بھی تو یہی عذر کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے سوا باہر کی کسی قوم سے نہ کوئی رسول آسکتا ہے اور نہ ہم کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور یہ آیت اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس پر ہم دونوں ایمان لاتے ہیں اور ہماری لکھی ہوئی نہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ اس کو خداوند تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ نے رسول کہا ہے نہ ہم نے۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ تم ہم پر جوش میں آؤ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تم انصاف اور تدبر کے ساتھ ہر ایک مدعی رسالت کے بارہ میں تحقیق کرو اور ان کی کتابیں پڑھو اور ان کے خدام سے دریافت کرو اور غور سے ان کی باتیں سنو۔

کسی ایک رسول کا منکر اللہ کا منکر ہو جاتا ہے:

اسی طرح اس آیت کریمہ سے ہر ایک رسول کے منکروں کی نسبت صاف فتویٰ حاصل ہوتا ہے جس کو خداوند تعالیٰ کے الہام نے رسول کہا ہے اور نشانات نے اس کو رسول ثابت کیا ہے کہ اس کا منکر سب کا منکر ہے اور سب کا منکر اللہ تعالیٰ کا منکر ہے گو وہ

[1] اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول بنا کر بھیجے جائیں اس طرح کہ وہ تمہارے سامنے میری آیات پڑھ کر سناتے ہوں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور اصلاح کریں ان کو (آئندہ کے لئے) کسی قسم کا خوف نہ ہو گا، اور نہ وہ (ماضی کی کسی بات پر) غمگین ہوں گے۔ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ان سے تکبر کر کے اعراض کرتے ہیں وہ دوزخی ہیں وہ اس (دوزخ) میں ایک لمبا عرصہ پڑے رہیں گے۔ (تفسیر صغیر)

منہ سے اس کے خلاف ظاہر کرتا ہو اور وہ دوست بھی اس سے فائدہ حاصل کریں جو کہ باب كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ[1] کو اس موقعہ پر پڑھا کرتے ہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے کسی رسول کے منکر کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ہی فرمایا ہے۔

اس کے بعد ان کے بالمقابل ان سب پر ایمان لانے والوں کا حکم بیان کیا اور فرمایا کہ) جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر اور انہوں نے ان سے کسی میں فرق نہیں کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو ان کے اجر دے گا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھے بدلے دینے والا ہے۔

اعتراض:

(یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا کہ بعض نام کے اہل حدیث یہ کہا کرتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ من ذالک) آنحضرت ﷺ کو دوسرے کسی نبی پر فضیلت نہ دینی چاہیے کیونکہ یہ بھی فرق ہے اور یہ محض ان کی نادانی ہے کیونکہ یہاں پر وہ فرق کرنا ممنوع بتایا ہے جس سے دوسرے انبیاءؑ اور خداوند تعالیٰ کا انکار لازم آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ انکار والے فرق سے تو ضرور لازم آتا ہے پر فضیلت والے فرق سے ہرگز لازم نہیں آتا۔ دوم خداوند تعالیٰ نے جب خود فرمایا ہے کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[2] الخ (البقرۃ:254)

اور پھر قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر اور احادیث صحیحہ نے آنحضرت ﷺ کی فضیلت بلکہ اعلیٰ ترین درجہ کی افضلیت بیان فرمادی ہے تو پھر فضیلت کا فرق کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور یہ نکتہ بھی یاد رکھیں کہ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر ان کو بھی ملزم ٹھہراتی ہے جو کہ رُسُلٌ سے كِتَابٌ یا كُتُبٌ مراد لیا کرتے ہیں اور غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کہہ کر یہ بتایا ہے کہ گناہوں کی بخشش اور ان سے بچنے کی توفیق سب رسولوں کے ایمان پر موقوف ہے اور اسی طرح رحیمیت کا مظہر بھی ایسے ہی ایمان والے ہوں گے نہ اس کے تارک۔

---

[1] کفر بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ (از مرتب)

[2] یہ (مذکورہ بالا) رسول وہ ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی تھی۔ (تفسیر صغیر)

آیت 154 تا 163: يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۔ وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۔ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۔ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ

الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

تشریح:

جَهْرٌ۔ جس طرح جَهْرٌ بِالْقَوْلِ کے معنے آواز بلند کرنے اور ظاہر کرنے کے ہیں اسی طرح جَهْرَةٌ کے معنے کبھی عیاں اور ظہور کے بھی ہوتے ہیں۔

سُجَّدًا۔ سَاجِدٌ کی جمع ہے اور سجدہ کے معنے ہم بیان کر چکے... ہیں کہ جس طرح زمین پر خاص طور پر پیشانی رکھنے کے ہیں اسی طرح اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری اور تعظیم کے بھی ہیں۔

سَبْتٌ۔ کے اصلی معنے راحت و آرام کے ہیں اور ہفتہ کے دن کو اسی وجہ سے سَبْتٌ کہا گیا کہ یہود لوگ اس میں کام کاج چھوڑ دیا کرتے تھے تاج العروس میں یہی لکھا ہے۔

غَلِيْظٌ۔ غِلْظَةٌ سے ہے جس کے معنے سختی اور موٹاپن کے ہیں اور سخت اور پتھریلی زمین کو بھی غلیظ بولتے ہیں۔

غُلْفٌ۔ غِلَافٌ کی جمع ہے یا اَغْلَفُ کی۔ غِلَافٌ کے معنے پردے اور ڈھانپنے اور لپیٹنے والی چیز کے ہیں اور اَغْلَفُ غلاف والے اور بے ختنہ آدمی کو کہتے ہیں تاج العروس میں ہے۔ رَجُلٌ اَغْلَفُ اَیْ اَقْلَفُ وَهُوَ الَّذِیْ لَمْ یَخْتَتِنْ۔[1]

طَبْعٌ۔ مہر لگانا، چھاپا لگانا۔

بُهْتَانٌ۔ کسی کے کام کے خلاف ظاہر کرنا اور کسی پر جھوٹ بولنا۔

صَلَبُوْا۔ صَلْبٌ سے ہے جس کے علاوہ اور بہت سے معانی کے لغت کی کتابوں میں ایک معنے یہ لکھے ہیں کہ وہ مشہور و معروف طریق سے قتل کرنا ہے جس کو سولی دینا کہتے ہیں۔ چنانچہ تاج العروس میں لکھا ہے کہ اَلْقَتْلَةُ الْمَعْرُوْفَةُ۔

شُبِّهَ۔ تَشْبِيْهٌ سے ہے کسی کو کسی کے ساتھ مشابہ کرنا۔ مشتبہ کر دینا۔

[1] اغلف یا اقلف، وہ شخص جو غیر مختون ہو۔ (از مرتب)

رَفْعٌ۔ اٹھانا، عزت دینا، مقرب کرنا۔
شَهِيْدٌ۔ گواہ۔ صَدٌّ۔ روکنا اور رکنا۔ اَلرِّبٰوا۔ سود۔
رَاسِخُوْنَ۔ رَاسِخٌ کی جمع ہے جو کہ رَسُوْخٌ سے ہے پختہ اور مضبوط اور محکم ہونا۔

ترجمہ:

کتاب والے تجھ سے مانگتے ہیں کہ تو ان پر آسمان کی طرف سے کوئی کتاب اتارے۔ سو انہوں نے یقیناً موسٰی سے اس سے (بھی) بڑی چیز مانگی تھی۔ تو کہا تھا کہ تو ہم کو اللہ سامنے دکھادے۔ تو ان کے ظلم کے سبب سے ان کو گرنے والی بجلی نے پکڑا۔ پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلے کھلے نشان آگئے انہوں نے بچھڑا بنالیا تو پھر ہم نے اس سے درگذر کیا اور موسٰی کو ہم نے کھلی کھلی حجت دی (یا کھلا غلبہ دیا) اور اسے وعدہ لینے (کے وقت) میں ہم نے طور کو ان پر اونچا رکھا (یا ان کے وعدہ کے ساتھ ہم نے ان پر طور رکھا) اور ہم نے ان کو کہا کہ تم اس دروازہ میں فرمانبرداری (یا سجدہ) کرتے ہوئے داخل ہو اور ہم نے ان کو کہا کہ آرام (یا ہفتہ کے دن) میں تم حد سے نہ بڑھو اور ہم نے ان سے بہت سخت عہد لیا۔

سو ان کے اپنے پختہ عہد توڑنے اور ان کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنے اور ان کے ناحق اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے اور ان کے کہنے کے سبب سے کہ ہمارے دل غلاف ہیں (یا غلافوں میں ہیں یا بے ختنہ ہیں) بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کے ساتھ مہر لگادی ہے۔ لہٰذا ان میں سے تھوڑے ہی ایمان لائیں گے اور ان کے کفر اور ان کے مریم پر بڑا جھوٹ کہنے اور ان کے کہنے کے سبب سے کہ یقیناً ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسٰیؑ بن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کو (کسی اور طریق سے) قتل کیا ہے اور نہ انہوں نے اس کو سُولی دے کر قتل کیا ہے۔ ولیکن وہ ان کے لئے (مصلوب) کے مشابہ بنایا گیا تھا اور یقیناً جن لوگوں نے اس (بارہ) میں اختلاف کیا ہے وہ یقیناً اس سے شک میں ہیں۔ ان کے لئے سوا گمان کی تابعداری کے اور کوئی علم نہیں ہے اور انہوں نے یقیناً اسے نہیں قتل کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف قریب کیا ہے (اس کو عزت دی ہے) اور اللہ بہت غالب، بہت حکمت والا ہے اور ہر ایک اہل کتاب اپنی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے

گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہو گا۔ سو ان لوگوں کے ظلم کے سبب سے جو کہ یہودی بنے ہیں ہم نے ان پر وہ ستھری چیزیں حرام کر دیں جو کہ ان کے لئے حلال کی گئی تھیں اور ان کے اللہ کے راستہ سے بہتوں کو روکنے اور سود لینے کے باعث سے حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے اور ان کے لوگوں کے مالوں کو باطل (طریق) کے ساتھ کھانے سے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور وہ مومن جو کہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا ہے اور جو کہ تم سے پہلے اتارا گیا ہے اور خصوصاً نماز کو قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لانے والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم بڑا اجر دیں گے۔

تفسیر:

جب یہ بیان ہو گیا کہ منافق جو کہ سب سے بدترین فرقہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ بدترین فرقہ زیادہ تر اہل کتاب ہی سے پیدا ہوا ہے اور پھر نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ[1] الخ (النساء:151) کے ساتھ اس کی مناسبت بھی بتا دی گئی کہ چونکہ اہل کتاب اپنے آپ کو اللہ اور رسولوں پر ایمان لانے والے خیال کرتے اور ظاہر کرتے ہیں اور پھر بعض رسولوں کا کفر اختیار کر کے حقیقت میں سب رسولوں اور خداوند تعالیٰ کے کافر ٹھہرتے ہیں اس لئے وہ منافق بھی زیادہ تر انہی سے پیدا ہوئے ہیں جو کہ ظاہر میں مومن بنتے ہیں اور حقیقت میں کافر ہوتے ہیں۔ تو اس قوم کی اس عظیم الشان قومی بدی (یعنی منافقوں کا کثرت کے ساتھ ان سے پیدا ہونا) کا جب بیان ہو گیا تو اب ان کی اور چند قومی برائیاں بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) کہ اہل کتاب تجھ سے مانگتے ہیں کہ تو آسمان کی طرف سے ان پر کوئی اور کتاب نازل کرے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ان کے بہت سے ایسے سوال ذکر فرمائے ہیں جن سے ایک یہ بھی ہے اور وہ اس عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (بنی اسرائیل:94) (ہم تیرے منتروں کی وجہ سے ایمان لانے والے نہیں جب تک کہ

[1] ہم بعض (رسولوں) کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے۔ (تفسیر صغیر)

تو ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ اتارے جس کو ہم پڑھیں۔ تو ان دونوں مقاموں کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ سوال تھا کہ یکدفعہ لکھی لکھائی کتاب خداوند تعالیٰ کی طرف سے لائے تب ہم ایمان لائیں گے۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ) موسیٰ سے تو اس سے (بھی) بڑی چیز مانگی تھی اَعْنِنَ کہا تھا کہ تو ہم کو اللہ (تعالیٰ) سامنے دکھا تو ان کے ظلم کے باعث سے ان کو گرنے والی بجلی (یا عذاب) نے پکڑا (یعنی ان کا یہ سوال اس وجہ سے نہیں کہ اور کوئی نشان ہم نے نہیں دکھایا وہ نشان ان کے لئے نشان نہیں اور یہ نشان جب ان کو دیا جاوے گا تو ضرور یہ ایمان لاویں گے بلکہ محض شرارت سے مانگتے ہیں اور اگر یہ نشان ہم دے بھی دیں تو بھی یہ نہ مانیں گے اور پھر کوئی اور حجت بازی شروع کر دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے خود موسیٰ سے کتاب کا لانا مانگا تھا اور پھر ہم نے موسیٰ کو ویسی ہی کتاب دی بھی تھی پر جب وہ کتاب لایا انہوں نے اس کو نہ مانا بلکہ یہ گستاخانہ سوال کیا کہ تو خداوند تعالیٰ کو ہمیں کھلا کھلا مشاہدہ کرادے۔ تو اگر ان کا سوال نیک نیتی پر مبنی ہوتا تو موسیٰ کے کتاب لانے کے بعد پھر ان سے یہ گستاخانہ سوال ہرگز سرزد نہ ہوتا۔ پھر باوجود اس کے حضرت موسیٰ ان کے ستر آدمی لے کر گئے تو خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت کامل کے بعض آثار ہی ظاہر کئے تھے کہ جن میں سے بادلوں کا گرجنا اور بجلی کا گرنا اور زلزلہ بھی تھا تو اسی سے کَالْمَیِّتِ ہو کر گر پڑے جیسا کہ سورہ اعراف میں مفصل آئے گا اور پہلے پارہ میں میں اس کو توریت سے بیان کر آیا ہوں۔

پھر یہ بتانے کے لئے کہ ہماری طرف سے تو یہ مہربانیاں اور ایسے ایسے عظیم الشان احسان دکھائے گئے لیکن باوجود اس کے ان کی طرف سے متواتر طور پر بدی کا ظہور ہوتا تھا فرمایا کہ) پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلے کھلے نشان آچکے انہوں نے بچھڑا بنالیا۔ (اس کا بھی مفصل حال پہلے پارہ میں گذر چکا ہے کہ پہلے بہت سے نشانات دیکھ چکے تھے یہانتک کہ یَوْمُ الْفُرْقَانِ کا نشان جو کہ سب نشانوں سے بیّن ترین اور فیصلہ کن ہوتا ہے وہ بھی اس سے پہلے بچشم خود ملاحظہ کر چکے تھے اور پھر علاوہ اس کے دقّت یہ ہے کہ انہی کے سوال پر

حضرت موسٰی کو چند دن پہاڑ پر رہنے کا ارشاد ہوتا ہے تاکہ ان کے سوال کے مطابق ان کو لکھی ہوئی کتاب دی جائے تو حضرت موسٰی کے پہاڑ پر جانے کے بعد اور واپس آنے سے پہلے ہی ایک شخص کے سونے چاندی سے بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش اس کے یہ کہنے سے شروع کر دی کہ یہی تمہارا اور موسٰی کا اللہ ہے۔

بنی اسرائیل کے لئے موسیٰ کو اعلیٰ درجہ کی طاقت کا دیا جانا:

تو اگر یہ نشانوں سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے یا کتاب کا نشان اتباع کے قصد اور صحیح ارادت سے مانگا ہوتا تو اس وقت میں ان سے ایسی بے جا حرکت ہر گز نہ سرزد ہوتی۔ تو گویہ حرکت اور یہ حالت اس بات کی مقتضی تھی کہ ان کو عذاب سے تباہ کیا جاتا لیکن فرمایا کہ باوجود اس کے) پھر ہم نے اس سے در گذر کیا اور پھر چونکہ یہاں سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ معافی تو تب ہی دی گئی ہو گی کہ انہوں نے بچھڑے کو ترک کیا ہو اور اس سے توبہ کی ہو اور یہ ایمانی طاقت کا ثبوت ہے جس سے ان کی تعریف نکلتی ہے اور نیز یہ بھی کہ جب وہ ایسے سرکش تھے تو پھر موسٰی کے قابو میں کس طرح رہتے تھے۔ تو فرمایا کہ) ہم نے موسٰی کو کھلا کھلا غلبہ دیا ہوا تھا (یعنی ہم نے چونکہ موسٰی کو بنی اسرائیل کے قابو میں رکھنے کی اعلیٰ درجہ کی طاقت دی ہوئی تھی اس لئے موسٰی ان کو قابو میں رکھتے اور قابو میں لے آیا کرتے تھے اسی وجہ سے موسٰی جب پہاڑ پر گئے تو وہ مذہب سے پھر گئے اور جب موسٰی واپس آئے تو اس نے ان کو پھر بچھڑے وغیرہ سے واپس کر لیا اور ان سے توبہ بھی کرالی۔

تو یہ موسیٰ کا کمال تھا کوئی ان کی ایمانی طاقت نہ تھی کہ اس کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جیسی کہ اور توبہ کرنے والوں کی ہوا کرتی ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ ان کو کتاب پر عملدرآمد رکھنے کا وعدہ ہمیشہ ملحوظ رکھنے کے لئے ہم نے بڑے بڑے مہیب واقعات ان کو دکھا دیے تھے لیکن پھر بھی وہ بڑے بڑے ضروری اوامر و نواہی کی خلاف ورزی بڑی جرأت سے کرتے رہے ہیں فرمایا کہ) ہم نے ان کے وعدہ (کے وقت) میں طور کو ان سے بلند رکھا تھا (اس کی مفصل تفسیر پہلے پارہ میں گذر چکی ہے جہاں پر کہ توریت سے بتایا ہے کہ

اس وعدہ کے وقت میں وہ دامن طور میں جمع تھے اور پہاڑ کا نظارہ اس وقت قدرت نے نہایت مہیب بنا رکھا تھا۔

بادل زور سے گرج رہے تھے اور بجلی آنکھوں پر ہاتھ رکھا رہی تھی اور زلزلوں سے پہاڑ ہل رہا تھا جس سے بنی اسرائیل کے ڈر کے مارے منہ آرہے تھے اور یہ سب کچھ اس لئے تھا تاکہ اس وعدہ کو یاد رکھیں اور اس پر قائم رہنے اور اس کی خلاف ورزی اختیار کرنے میں قادر مطلق خدا کا خیال رکھیں اور اس کے ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے مطابق پھر اس کے ذکر کا منشاء بھی اور ہو جائے گا اور وہ یہ ہیں کہ ان کے وعدہ کے ساتھ ہم نے ان پر طور کو اٹھایا۔ یعنی باوجود کتاب مانگنے کے جب ہم نے کہا کہ وعدہ کرو کہ اس پر تم عمل کروگے تو انہوں نے اس وعدہ کو ایسا گراں سمجھا کہ گویا ہم نے ان پر طور رکھ دیا ہے یعنی اس کو بہت گراں سمجھا اور نفرت کی اور اپنے مانگنے کا کچھ خیال نہ کیا اور پھر کتاب پر عمل کرنے کے وعدہ کا نظارہ ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ) ہم نے ان کو کہا تھا کہ تم اس دروازہ سے فرمانبردار بن کر داخل ہو یا یہ کہ تم اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو۔

(اس کی تفصیل بھی پہلے پارہ میں گذر چکی ہے کہ دروازہ سے مفسرین نے کس شہر کا دروازہ لیا ہے اور سجدہ سے کیا مراد لی ہے اور میں نے اس سے کس کا دروازہ اور کون سی فرمانبرداری لی ہے۔ یہ تو امر کی مثال ہوئی اور اب نہی کی مثال بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے کہا تھا کہ آرام (یا ہفتہ) کے دن میں (یا اس کے بارہ میں) حد سے نہ گذرنا (اس کی تفسیر بھی پہلے گذر چکی ہے کہ سبت کے بارہ میں انہوں نے کون سی نافرمانی کی تھی اور حکم کیا تھا اور پھر اس کی کیا پاداش ملی تھی اور پھر اس وعدہ کی پختگی کی تاکید اور تکرار بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے ان سے بہت سخت عہد لیا تھا۔ (یہاں پر گو یہ نہیں فرمایا کہ فَنَقَضُوْا مِيْثَاقَهُمْ۔[1] لیکن چونکہ اس کے بعد فَبِمَا نَقْضِهِمْ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس عہد کو توڑا لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ پھر انہوں نے اس امر اور اس نہی کی خلاف ورزی کر کے اس اپنے پختہ عہد کو توڑ دیا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اوّل تو کتاب کے

[1] پس انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا۔ (از مرتب)

نشان مانگنے میں ان کی نیت یہ نہیں کہ وہ مانیں گے بلکہ محض شرارت سے مانگتے ہیں اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ موسٰی سے بھی انہوں نے کتاب مانگی اور جب دی تو اوّل مانتے ہی نہ تھے پر جب کسی طرح منوائی تو پھر کہنے لگے... کہ ہم تب مانیں گے کہ ہم کو خدا سامنے دکھا دے اور پھر اگر ان کی نیت بخیر بھی ہو تو بھی جب کتاب دی جاوے گی تو یہ نہ مانیں گے اور اگر مانیں گے بھی تو باوجود وعدوں کے ضرور ہی خلاف ورزی کریں گے۔

چنانچہ موسٰی کی کتاب کی نسبت پختہ عہد کر کے پھر بھی اَوامر و نواہی کی عام طور پر سرکشی سے وہ خلاف ورزی کرتے رہے۔ تو اب ان کی ان وعدہ خلافیوں کے ساتھ ان کی اور بہت سی خرابیاں اور شرارتیں بیان فرما کر جو کہ ان کے راہ راست پر آنے سے ناامید کرتی ہیں۔ ان کی ان خرابیوں کی وہ سزا بیان فرمانے کے لئے جو کہ ان کے ناقابل ہدایت ہونے کو صاف صاف ثابت کرتی ہے ذکر فرماتا ہے کہ ان کے اپنے عہد کو توڑنے اور ان کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنے (خواہ وہ کلام الٰہی کے حصے ہوں یا انبیاءؑ کی صداقت اور خداوند تعالیٰ کے صفات کاملہ پر دلالت کرنے والے نشان ہوں) اور ان کے انبیاءؑ کو ناحق قتل کرنے (میں بار بار قتل انبیاء کے معنے بتا آیا ہوں کہ عربی زبان میں ہر ایک فعل مجرد فعل کے کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اثر کے واقع ہونے پر وہ دلالت نہیں کرتا جیسا کوئی کہے کہ قَطَعْتُ الثَّوْبَ یا کَسَرْتُ الْقَضِیْبَ[1] تو یہ اسی پر دلالت کریں گے کہ کاٹنے اور توڑنے کے لئے جو کچھ کیا کرتے ہیں وہ میں نے کیا ہے۔

باقی رہا یہ کہ کپڑے اور لاٹھی نے اس اثر کو قبول بھی کر لیا ہے یا نہ تو اس پر یہ دونوں فعل دلالت نہیں کرتے لہٰذا جب اثر کا قبول کرنا بیان کریں گے تو کہیں گے فَانْقَطَعَ یا فَانْکَسَرَ۔[2] اسی طرح یہاں پر قتل سے وہ فعل مراد ہے جس کو لوگ کسی کے مارنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔ رہا اثر یعنی نبیوں کا قتل ہو جانا اور مر جانا تو یہ خداوند تعالیٰ کا فعل ہے کہ باوجود یکہ کہ کفار ان کے ساتھ وہ کام کر گذرتے ہیں کہ جس سے دنیا میں یقیناً اور غالباً لوگ مرا کرتے ہیں پر خداوند تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان کے فعل کے بد اثر سے بچا لیا کرتا ہے۔

---

[1] میں نے کپڑے کو کاٹا یا میں نے لاٹھی کو توڑا۔ (از مرتب)

[2] پس وہ (کپڑا) کٹ گیا یا پس وہ (لاٹھی) ٹوٹ گئی۔ (از مرتب)

جیسا حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے کہ اعداء نے ان کو یقیناً جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور یہ وہ فعل تھا جس سے لوگ جل کر مر جایا کرتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہم نے یٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ [1] (الانبیاء:70) کہہ کر جلنے اور مرنے سے اس کو بچا دیا تھا اور عموماً انبیاء کے ساتھ اعداء بھی ایسا ہی کرتے رہے اور خداوند تعالیٰ بھی ایسا ہی کرتا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں قتل کے بعد اَلْاَنْبِيَآءُ اَوْ النَّبِيّٖنَ آیا ہے جیسا کہ خاتم النبیین میں آیا ہے اور یہ کہنا دعویٰ بے دلیل اور تخصیص از خود ہے کہ صاحب کتاب اور رسول قتل نہیں ہو سکتے اور دوسرے ہو سکتے ہیں) اور ان کے اس قول سے کہ ہمارے دل غلاف ہیں (یعنی ہمارے دلوں میں سچے علوم بھرے ہوئے ہیں اس لئے ہم کسی دوسرے سے کوئی علم حاصل کرنے کے ہرگز محتاج نہیں یا یہ کہ ہمارے دل تو غلاف ہیں جو چیز ان میں جاتی ہے اس کو خوب سمجھ لیتے اور گھیر لیتے ہیں تو تمہاری باتیں بھی اگر کچھ ٹھیک ہوتیں تو ضرور ہمارے دل ان کو سمجھتے۔ یہ تو اس صورت میں کہ غُلْفٌ۔ غِلَافٌ کی جمع ہو اور اگر اَغْلَفُ کی جمع قرار دی جائے تب اس کے معنے ہوں گے کہ ہمارے دل غلافوں والے ہیں۔ یعنی ہمارے دل تمہاری باتوں سے یا ہر ایک غلط اور ناجائز بات سے غلافوں میں ہیں وہ ان میں نہیں گھس سکتیں۔ تو اس صورت میں یہ اس آیت کے مطابق ہو گی جس میں فرمایا کہ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ [2] (حم السجدۃ:6) اور اَغْلَفُ کی جمع ہونے کی صورت میں ایک یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ ہمارے دل بے ختنہ ہیں۔

یہود کا یہ خیال تھا کہ بے ختنہ لوگ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں لہٰذا وہ تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو بے ختنہ ہیں لہٰذا تمہاری شریعت کو نہیں سمجھ سکتے۔ تو ان کے اس قول کی تردید بیان کرنے اور اصل حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے ساتھ (یا ان کے کفر کے سبب سے) ان پر مہر لگا دی ہے لہٰذا وہ تھوڑا ہی ایمان لاتے ہیں۔

---

[1] اے آگ، تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈی بھی ہو جا اور اس کے لئے سلامتی کا باعث بھی بن جا۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے ماننے سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ (تفسیر صغیر)

تھوڑا ایمان لانے سے مراد:

تھوڑا ایمان لانے کی مفسرین نے ایک صورت تو یہ بتائی کہ بعض رسولوں اور کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ جس سے سب کا انکار لازم آجاتا ہے دوم یہ کہ تھوڑا وقت ایمان لاتے اور پھر جاتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قوم میں سے تھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں اور واقعہ کے لحاظ سے یہ سب باتیں ان پر چسپاں ہیں اور ان کے کفر اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ جو مضمون چلا یہ سب ایک دوسرے پر عطف ہوتے ہوتے اخیر میں جو حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور پھر درمیان میں جملات معترضہ کے طور پر ان کے بعض قولوں کی تردید اور جواب بھی ذکر ہوتے رہے ہیں اور جیسا کہ میں نے بارہا بتایا ہے کہ جب سلسلہ کلام طویل ہو جایا کرتا ہے تو اخیر میں پھر اس سب کو مختصر اور جامع الفاظ کے ساتھ دہرایا جاتا ہے جہاں کہ اس کا دوسرا حصہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ کلام کے دونوں جزو اور دونوں حصوں میں اتصال ہو جائے۔ تو ایسے موقعہ پر مفسرین غلطی سے پہلے جزو کلام کا دوسرا حصہ مقدر مانا کرتے ہیں اور جو حصہ اخیر میں آیا کرتا ہے۔ اس کو اس مختصر کردہ کے ساتھ ملا دیا کرتے ہیں تو اس طرح جدا جدا دو کلام اور دو جملہ بنا دیتے ہیں چنانچہ لَوْ کی شرط اور جزاء میں اور اَلَّذِیْ وغیرہ موصول جب مبتداء ہو اور بعد میں اس کی خبر آئے عموماً شرط اور صلہ طویل ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور یہاں پر گویا اصل عبارت یوں ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۔ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ [1] اور

[1] پھر ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے (کے سبب سے) اور ان کے اللہ کی آیتوں کا انکار اور ان کے نبیوں کو قتل کرنے کی بلاوجہ کوشش (کے سبب سے) اور یہ (بات) کہنے کے سبب سے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں (پردوں میں) نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان (کے دلوں) پر مہر کر دی ہے اس لئے وہ بالکل ایمان نہیں لاتے۔ نیز ان کے کفر (کے سبب سے) اور ان کے مریم پر (ایک بہت) بڑا بہتان باندھنے کے سبب سے۔ اور ان کے (یہ بات) کہنے کے سبب سے کہ اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے یقیناً قتل کر دیا ہے۔ (یہ سزا ان کو ملی ہے) ہم نے وہ پاکیزہ اشیاء جو

حَرَّمْنَا سے پہلے جو فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا پہلے سب کا جامع اختصار ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے اور باقی عبارتیں جو کہ درمیان میں آئی ہیں وہ جوابات ان کے اقوال کے ہیں۔ لیکن اس کے نہ سمجھنے کے سبب سے کسی مفسر نے لَعَنَّا بِمَا نَقْضِهِمْ اور کسی نے عَذَّبْنَا اور کسی نے کچھ اور کسی نے پہلوں کو بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ کے ساتھ لگایا ہے اور وَبِكُفْرِهِمْ کو پہلے بِكُفْرِهِمْ پر عطف کر کے طَبَعَ اللّٰهُ کے ساتھ متعلق کیا ہے اور پھر خود ہی خیال آیا ہے کہ دو دفعہ سوائے کسی فرق کے لانا تو درست نہیں ہو سکتا تو پھر اس کی یوں اصلاح کی کہ پہلے بِكُفْرِهِمْ سے آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا انکار مراد ہے اور دوسرے سے حضرت عیسیٰؑ کا انکار منظور ہے اور اس سے مطلق کفر مراد ہے لیکن یہ محض اٹکل بازی ہے اصل بات یہ ہے کہ پہلا تو طَبَعَ اللّٰهُ کے ساتھ متعلق ہے اور یہ دوسرا بِمَا نَقْضِهِمْ پر عطف ہو کر حَرَّمْنَا کے ساتھ متعلق ہے اور اس سے مطلق کفر مراد ہے) اور ان کے مریم پر بڑا جھوٹ بولنے (یعنی اس پاکدامن پر باوجود خداوند تعالیٰ کے نشان طہارت دکھانے اور بریّت ظاہر کرنے کے ان کا اتہام لگانا) اور ان کے اس قول سے کہ بے شک ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے (اور ان کے اس قول کا منشاء یہ تھا کہ ان کی الہامی کتاب میں صاف لکھا ہوا تھا کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاوے گا اور جو صلیب دیا جاوے گا وہ لعنتی ہو گا۔

لہٰذا جب ان کی عداوت حضرت مسیحؑ کے ساتھ حد درجہ کو پہنچ گئی تو انہوں نے یہ منصوبہ قائم کیا کہ اگر ہم مسیح کو قتل کر دیں اور خصوصاً صلیب کے ذریعہ سے قتل کریں تو پھر ہم اکیلے مسیح ہی کی شر سے نجات نہ پاویں گے بلکہ آئندہ کے لئے اس کے سلسلہ کی بالکل بیخ کنی ہو جاوے گی اور اس کے موجودہ مریدوں پر ایسی حجت قائم ہو جاوے گی جس کے مقابلہ میں وہ کبھی قائم رہنے کی تاب نہ لا سکیں گے۔ تو اس منصوبہ کے مطابق انہوں نے جو کچھ کاروائی کرنی تھی وہ کی جو کہ مسیح کے صلیب کے واقعہ کے نام سے قوموں میں ذکر کی جاتی ہے۔

(پہلے) ان کے لئے حلال کی گئی تھیں، ان پر حرام کر دیں۔ (زائد الفاظ کے ترجمہ کے علاوہ باقی عبارت کا ترجمہ تفسیر صغیر سے ہی لیا گیا ہے۔ از مرتب)

لیکن جیسا کہ آگے جواب میں ذکر ہو گا حقیقت میں وہ مسیح کو قتل نہ کر سکے تھے اور جس طرح خداوند کریم اپنے اور رسولوں کو اعداء کے قتل سے بچاتا رہا ہے اسی طرح ان کو بھی بچالیا تھا اور اس سے بچ جانے کا ان کو بھی علم تھا لیکن باوجود اس کے وہ حضرت مسیحؑ کی نبوت و رسالت کے ابطال اور آپ کو جھوٹا اور ملعون کہنے کے لئے بڑے یقین کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ وہ مسیح جو رسول اللہ بنا کرتا تھا ہم نے اس کو قتل کر دیا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مقتول و مصلوب ہونا رسالت کے منافی بلکہ جیسا پہلے بتایا ہے ان کی الہامی کتاب کے رو سے تو مصلوب ملعون ہو جاتا ہے۔ تو ان کا یہ قول جھوٹ ہونے کے لحاظ سے گو بہت برا تھا لیکن ان کی اور بڑی بڑی شرارتوں کے مقابلہ میں اس قدر اہم نہ تھا کہ بڑی شدّومد اور اہتمام کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے اور پھر خصوصاً جبکہ اس کے علاوہ ان کے اور ہزاروں جھوٹ موجود تھے۔

اس کے اس اہتمام کے ساتھ جواب دینے اور ردّ کرنے کی ضرورت اسی وجہ سے پیش آئی ہے کہ وہ اس کے ساتھ حضرت مسیح کی نبوت و رسالت کا ابطال اور ان کے ملعون اور بعید از رحمت الٰہی (نعوذ باللہ من ذالک) ہونے کا اثبات پیش کیا کرتے تھے اور سب جانتے ہیں کہ ان کے اس اثبات کا قوم مسیح کو وہ دباؤ پڑا کہ جس سے انہوں نے تسلیم کیا کہ بے شک مسیح ملعون ہوا ہے پر عذر یہ کیا کہ وہ ہمارے گناہوں کے اٹھانے کے باعث سے ملعون ہوا تھا تو اب جواب میں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مقتول و مصلوب ہونے سے جو وہ اثبات لعنت اور ابطال رسالت کرتے تھے خداوند کریم اس اثبات و ابطال کا جواب دے رہا ہے تاکہ جواب کی اصل حقیقت سمجھ آئے ورنہ تو ہمارے مولوی صاحبان نے اس جواب میں حضرت مسیحؑ کا رفع بِجَسَدِہِ الْعُنْصَرِیِّ اِلَی السَّمَاءِ[1] ثابت کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملادئے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے دھوکے دیئے ہوئے ہیں کہ اَلْاَمَانْ۔

پر چونکہ اس ایک نکتہ کے ملحوظ رکھنے سے ان کا سب تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا میں نے جواب کے ذکر سے پہلے اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور پھر تاکید کرتا ہوں کہ سارا

[1] آسمان کی طرف جسد عنصری کے ساتھ۔ (از مرتب)

جواب پڑھتے ہوئے اس واقعی امر اور نکتہ کو نصب العین اور مد نظر رکھیں اور اب میں جواب سناتا ہوں۔ فرمایا کہ) حالانکہ نہ انہوں نے اس کو (صلیب کے سوا کسی اور طریق سے) قتل کیا ہے اور نہ انہوں نے اس کو سولی دے کر مارا ہے ولیکن وہ (مسیح) ان کے لئے (مقتول کے ساتھ) مشابہ کیا گیا (یا ولیکن یہ امر ان کے لئے مشتبہ کیا گیا۔ ابھی میں وہ معنے بیان کروں گا جو کہ میرے نزدیک صحیح اور عقل و نقل کے مطابق ہیں اور ان کے ختم کرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مخالفین کے معنے اور ان کی تردید بیان کروں گا۔

صَلَبُوْا کے معنی صلیب کے ذریعہ سے مارنے کے میں نے کئے ہیں اور شُبِّہَ اگر شِبْہٌ سے لیا جو بمعنے مثل اور مشابہ کے ہے تب شُبِّہَ کی ضمیر مسیح کی طرف پھرے گی جو کہ صراحۃً پہلے مذکور ہے اور چونکہ تشبیہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک مُشَبَّہ جو کہ یہاں پر مسیحؑ ہے اور دوسرا مُشَبَّہٌ بِہٖ جو کہ لفظوں میں بظاہر مذکور نہیں لیکن وہ پہلے کلام سے صاف مفہوم ہوتا ہے کیونکہ جب وہ مسیحؑ کو مقتول کہتے ہیں اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مقتول نہیں ہوا اور پھر آگے یہ بھی کہے گا کہ وہ شک میں ہیں تو اب وہ درمیانی صورت کہ جس میں شک کی گنجائش ہو وہ عادۃً یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مقتول کے مشابہ ہو گیا ہو جس سے اس کے مقتول ہونے کا شک ہوتا ہو تو انہوں نے شرارت کے ساتھ شکی صورت کو یقین کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیا۔ تو اس صورت میں اگر مُشَبَّہ اور مُشَبَّہٌ بِہٖ کو ظاہر کیا جاوے تو یوں عبارت ہو وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمُ الْمَسِیْحُ بِالْمَقْتُوْلِ وَالْمَصْلُوْبِ[1] اور دوسری صورت یہ ہے شُبِّہَ شُبْھَۃٌ سے لیا جائے تب اس کے معنے مشتبہ کئے جانے کے ہوں گے اور شُبِّہَ کی ضمیر کو ظاہر کر دیں تو یوں ہو گا شُبِّہَ الْاَمْرُ لَھُمْ[2] جس کو مشہور لفظوں کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ اِشْتَبَہَ الْاَمْرُ عَلَیْھِمْ[3] اور یہ معنے ہم نے اپنے پاس سے نہیں کئے بلکہ مفسرین ہی کے کئے ہوئے ہیں۔

[1] لیکن مسیح مقتول اور مصلوب ہونے کی حالت میں ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (از مرتب)
[2] معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہو گیا۔ (از مرتب)
[3] معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (از مرتب)

چنانچہ پہلے معنے تو وہ ہیں کہ سب مفسرین بالاتفاق انہی معنوں کو پسند کیا کرتے ہیں۔ ہاں ہم نے ان کے خلاف اس قدر کیا ہے کہ وہ شُبِّہَ کی ضمیر کسی غیر معیّن مقتول کی طرف پھیرتے ہیں جو کہ مسیح کے سواء کوئی اور ہے اور مُشَبَّہٌ بِہٖ مسیح کو بناتے ہیں اور ہم نے اس کے الٹ لیا ہے اور اس کی وجہ ہم انشاء اللہ مولوی صاحبان کے معنے بیان کرتے ہوئے لکھیں گے اور دوسرے معنوں کی نسبت گو میں نے ایک مولوی صاحب کی کتاب میں پڑھا ہے کہ وہ صاف انکار کرتے ہیں کہ یہ معنے کسی مفسر نے نہیں کئے لیکن یہ صریح غلط ہے اور تفسیروں میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ معنے مذکور ہیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں اس کو یوں بیان کیا ہے اَوِ الضَّمِیْرُ لِلْاَمْرِ وَشُبِّہَ مِنَ الشُّبْھَۃِ اَیِ الْتَبَسَ عَلَیْھِمُ الْاَمْرُ[1] تو چونکہ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ سے جیسا یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ مقتول نہیں ہوا بلکہ مقتول کے مشابہ ہوا تھا یا یہ کہ وہ مقتول نہیں ہوا بلکہ یہ قتل کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا تھا۔

اسی طرح اس سے یہ بھی وہم پیدا ہوتا تھا کہ وہ مقتول ظاہر کرنے میں معذور ہی ہوئے کیونکہ مشابہ بِالْمَقْتُوْلِ ہونے یا معاملہ مشتبہ ہونے سے ہو سکتا ہے کہ ان کو اس کے مقتول ہی ہونے کا یقین ہو گیا ہو تو پھر ان کے اس اظہار میں کون سا قصور ہوا۔ ہاں اگر کوئی قصور ہو سکتا ہے تو وہ ان کے فعل میں ہے نہ بیان اور اظہار میں اور یہاں پر اظہار کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَبِقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الخ تو اس وہم کے رفع کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) جن لوگوں نے اس میں (مسیح کے مشابہ بِالْمَقْتُوْلِ ہونے اور مقتول نہ ہونے) میں اختلاف کیا ہے (اور کہا ہے کہ وہ مشابہ بِالْمَقْتُوْلِ نہیں ہوا بلکہ مقتول ہی ہوا ہے) یقیناً وہ اس (کی طرف) سے شک میں ہیں۔ ان کے لئے بجز گمان کی پیروی کے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ (یعنی جیسا مشابہ بِالْمَقْتُوْلِ ہونے سے شبہ پڑتا تھا کہ شاید ان کو اس کے قتل ہو جانے کا یقین ہو گیا ہو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ نہ ان کے دلوں میں سوائے تردد کے کوئی یقین ہے اور نہ تردد کے رفع کرنے اور یقین حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس سوائے

[1] یا لِلْاَمْرِ کے لئے ضمیر اور شُبِّہَ، الشُّبْھَۃ سے ہے یعنی معاملہ ان پر مشکوک ہو گیا۔ (از مرتب)

گمان اور خیال کے کوئی اور وجہ ہے۔ لہٰذا بطور نتیجہ اور تفریع کے فرمایا کہ) انہوں نے اس کو یقینی طور پر نہیں مارا (لہٰذا وہ ملعون نہیں ہوا جس کی بنا مقتول اور مصلوب ہونے پر تھی۔

تو جب ملعونیت کی نفی اس کی بنا کی نفی کے ساتھ کر دی تو اب اس کی تاکید کے لئے اس کی ضد (یعنی قرب الٰہی) کی آیات و براہین اور شواہد کی طرف توجہ دلانے کے لئے ترقی کر کے فرمایا کہ) بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف مقرب کیا ہے۔

واقعہ صلیب اور اناجیل:

اب میں مُشَابِہٌ بِالْمَقْتُوْلِ ہونے کے بیان کرنے کے لئے اناجیل مروّجہ سے اس واقعہ کو کسی قدر لکھتا ہوں۔

"وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو یہوداہ جو اُن بارہوں میں سے ایک تھا آیا اور اس کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آ پہنچی تب شاگرد اسے چھوڑ کے بھاگ گئے سو جنہوں نے یسوع کو پکڑا وہ قیافا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے تب انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا۔ جب صبح ہوئی سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کی بابت صلاح کی کہ اسے کیونکر قتل کریں۔ پھر اسے باندھ کر باہر لے گئے اور پنطیوس پلاطوس حاکم کے حوالے کیا اور جب وہ مسند پر بیٹھا اس کی جورو نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت تصدیع پائی۔ پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے۔ میں کیا کروں ان سبھوں نے اس سے کہا اسے صلیب دے۔ حاکم نے کہا کیوں اس نے کیا بدی کی پر انہوں نے اور بھی چلّا کے کہا کہ اسے صلیب دے۔ جب پلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ اور بھی ہُلّڑ ہوتا ہے تو پانی لے کے بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوں تم جانو۔ تب سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہو۔ تب اس نے یسوع کو کوڑے مار کر حوالہ کیا کہ صلیب پر کھینچا جاوے اور صلیب پر کھینچنے کو اسے لے چلے اور اسے صلیب پر کھینچ کر اس کے کپڑوں پر چٹھی ڈال کے انہیں بانٹ لیا۔ (پھر یہودیوں نے اس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیبوں پر نہ رہ

جاویں کیونکہ وہ دن طیاری کا تھا بلکہ بڑا ہی سبت تھا پلاطوس سے عرض کی کہ ان کی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اتاری جائیں تب سپاہیوں نے آکے پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کی طرف آکے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ 28 (یوحنا)

تب چھٹویں گھنٹے سے لے کر نویں گھنٹے تک ساری سرزمین پر اندھیرا چھا گیا نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے شور سے چِلاّ کر کہا اِیلِیْ اِیلِیْ لِمَا سَبَقْتَانِیْ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا اور یسوع نے پھر بڑے شور سے چِلاّ کر (جان دی) اور دیکھو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے۔ جب صوبہ دار نے اور جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور سارا ماجرا دیکھا تو نہایت ڈر گئے اور کہنے لگے یہ بے شک خدا کا بیٹا تھا جب شام ہوئی یوسف نامی ارمیتا کا ایک دولتمند جو یسوع کا بھی شاگرد تھا آیا اس نے پلاطس پاس جاکے یسوع کی لاش مانگی (تب پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا) کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبہ دار کو بلا کے اس سے پوچھا کیا دیر ہوئی کہ وہ مر گیا۔ (مرقس)

تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی اور ایک بھاری پتھر قبر کے منہ پر ڈھلکا کے چلا گیا اور مریم مگدلینی اور دوسری مریم وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔ دوسرے روز جو طیاری کے دن بعد ہی سردار کاہنوں اور فریسیوں نے مل کر پلاطس کے پاس جمع ہو کے کہا کہ اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغاباز اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اٹھوں گا۔ اس لئے حکم کر کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کریں نہ ہو کہ اس کے شاگرد رات کو آکر اسے چورا لے جائیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا تو یہ پچھلا فریب پہلے سے برتر ہو گا۔ پلاطس نے ان سے کہا تمہارے پاس پہرے والے ہیں جاکے مقدور بھر اس کی نگہبانی کرو۔ انہوں نے جاکر اس پتھر پر مہر کر دی اور پہرے

بٹھا کر قبر کی نگہبانی کی سبت کے بعد جب ہفتے کے پہلے دن پو پھٹنے لگی مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں اور دیکھو ایک بڑا بھونچال آیا تھا کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اتر کے آیا اور اس پتھر کو قبر سے ڈھلکا کے اس پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بجلی کا سا اور اس کی پوشاک سفید برف کی سی تھی اور اس کے ڈر سے نگہبان کانپ اٹھے اور مردے سے ہو گئے۔ پر فرشتے نے مخاطب ہو کر ان عورتوں سے کہا تم مت ڈرو میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو جو صلیب پر کھینچا گیا ڈھونڈھتی ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا اس نے کہا تھا وہ اٹھا ہے۔ آؤ یہ جگہ جہاں خداوند پڑا تھا دیکھو اور جلد جا کے اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور دیکھو وہ تمہارے آگے جلیل کو جاتا ہے وہاں تم اسے دیکھو گے۔ دیکھو میں نے تمہیں جتا دیا۔

وے جلدی قبر پر سے بڑے خوف اور بڑی خوشی کے ساتھ روانہ ہو کر اس کے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ جب وے اس کے شاگردوں کو خبر دینے جاتی تھیں دیکھو یسوع انہیں ملا اور کہا سلام انہوں نے پاس آکر اس کے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا تب یسوع نے انہیں کہا مت ڈرو پر جا کے میرے بھائیوں سے کہو کہ جلیل کو جاویں وہاں مجھے دیکھیں گے۔ (یسوع آپ ان کے (گیارہ حواریوں کے) بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہیں سلام پر انہوں نے گھبرا کے اور ڈر کے خیال کیا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ مگر اس نے ان سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشے پیدا ہوتے۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کے ان کو اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب وہ مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور متعجب تھے اس نے ان سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تب انہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا اس کو دیا اس نے لے کے ان کے سامنے کھایا۔ (لوقا)

آٹھ روز کے بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے۔ یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہو کے

بولا تم پر سلام۔ پھر اس نے تھوما کو کہا کہ اپنی انگلی پاس لا اور میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا اور اسے میرے پہلو میں ڈال (یوحنا) اور بعد اس کے یسوع اپنے تئیں دریا تبرماس کے کنارے پر شاگردوں کو دکھایا۔ تب یسوع نے آکے روٹی لی اور ان کو دی اور اسی طرح سے مچھلی دی یہ تیسرا مرتبہ تھا کہ یسوع نے مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد اپنے تئیں شاگردوں کو دکھلایا۔ (یوحنا) پھر وہ گیارہ شاگرد جلیل کے اس پہاڑ کو جہاں یسوع نے انہیں فرمایا تھا گئے اور اسے دیکھ کر انہوں نے اس کو سجدہ کیا پر بعض دبدھے میں رہے اور یسوع نے پاس آکر ان سے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا۔ اس لئے تم جاکر سب قوموں کو شاگرد کرو۔ (متی) تب وہ انہیں وہاں سے باہر بیت عینا تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھاکے انہیں برکت دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا ان سے جدا ہوا اور آسمان پر اٹھایا گیا اور انہوں نے اس کو سجدہ کیا۔" (یوحنا)

صلیب کا طریق:

اناجیل کے مذکورہ بالا بیان گو پادری صاحبان نے کچھ کا کچھ بنایا ہے۔ پر اس پر نظر غور کرنے والے کو یہی اس کا ماحصل حاصل ہو گا کہ حضرت مسیحؑ کو یہود نے گرفتار کر کے صلیب پر چڑھایا تھا۔ پر چونکہ اس وقت کی سولی اس وقت کی پھانسی نہ تھی کہ چند منٹوں میں کام تمام ہو جائے بلکہ اس کا یہ طریق تھا کہ ایک چوڑی لکڑی ستون کے طور پر نصب کی جاتی تھی اور ایک تختہ اس کے سر کے قریب پھیلا کر اس میں نصب کیا جاتا تھا اور ان دونوں لکڑیوں کی شکل ایسی ہو جاتی تھی جیسا کہ آدمی کھڑا ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے شانوں کے برابر اٹھا کر صاف پھیلا دے تو اس ستون کے ساتھ آدمی کو ایسا کھڑا کرتے تھے کہ اس کے دونوں ہاتھ اس پھیلے ہوئے تختے پر آجائیں اور پھر دونوں ہاتھوں میں کیلیں لگا کر اس تختے میں گاڑ دیتے تھے اور دونوں پاؤں کسی قدر اونچے ہو جاتے تھے اور دونوں پاؤں کو اس ستون کے ساتھ ملا کر ان میں بھی کیلیں گاڑ دیتے تھے بعض اوقات صرف ہاتھوں میں میخیں گاڑتے تھے۔ پاؤں میں نہیں گاڑتے تھے بلکہ پاؤں کے نیچے ایک لکڑی بطور سہارے کے ہوتی تھی چنانچہ انجیل مروّجہ میں مسیح کے صرف ہاتھوں کے زخموں کا ذکر ہے پاؤں کے

زخموں کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ اعلم اور پھر اس طریق کا مصلوب کئی کئی دن لٹکا رہتا تھا یہاں تک کہ بھوک اور پیاس اسے ہلاک کر دیتی تھی۔)

واقعہ صلیب کے حقائق:

اس لئے یہ بعید از قیاس تھا کہ دو تین گھنٹوں کے اندر وہ فوت ہو گئے ہوں جیسا کہ اناجیل کی عبارت سے ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ دونوں شخص اس عرصہ میں زندہ رہے تھے اور ہڈیاں توڑنے سے وہ مرے تھے پر وہاں سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی ہڈیاں بھی توڑی نہ گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ حاکم کو بھی یہ امر باور نہ ہوا تھا کہ مسیح اس قدر قلیل وقت مرا ہو پھر حاکم کو ان کے بے قصور جاننے اور چھوٹ جانے کے لئے بار بار کوشش کرنے اور پھر اس کی بی بی کے خواب دیکھنے اور مسیح کے خون سے صدمہ اٹھانے اور مسیحؑ کے بچاؤ کے لئے کہلا بھیجنے اور پھر آندھی اور زلزلہ وغیرہ سے لوگوں کے متفرق ہو جانے اور عید فسح کے لئے جلد اتارنے اور سپاہیوں کے ہڈیاں نہ توڑنے اور ایک دولتمند اور رئیس شاگرد کو نعش ملنے اور پھر ایسی قبر میں رکھنے جو کہ بند نہیں کی گئی بلکہ اس کے منہ پر پتھر رڑکا دینے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد قبر میں کفنی پھینک کر نکل جانے اور عورتوں اور حواریوں کو وہاں پر بلا بھیجنے وغیرہ سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کے زخموں اور کوفت وغیرہ سے بے ہوش ہو کر کَالْمَقْتُوْلِ ہو گئے تھے اور گو غشی کی وجہ سے دیکھنے والوں نے ان کو میت بھی خیال کیا ہو لیکن نہ وہ حقیقت میں مقتول ہوئے تھے اور نہ کوئی ایسا قرینہ اور وجہ تھی کہ جس سے ان کے مقتول ہو جانے کا کسی کو یقین ہو سکتا ہو بلکہ اگر قرائن اور دلائل تھے تو اسی کے تھے کہ باوجود وہ مُشَابِہٌ بِالْمَقْتُوْلِ ہونے کے یقیناً قتل نہیں ہوئے اور یہی قرآن مجید کا بیان ہے اور عیسائیوں اور یہودیوں کی تاریخیں اور مسلّمہ کتابیں ان کے اعتقاد کے برخلاف اور قرآن مجید کے موافق مسیح کے صلیب پر مقتول نہ ہونے اور زندہ اترنے اور زندہ رہنے کو ثابت کرتی ہیں اور اگر وہ روحانی زندگی تھی تو پھر روٹی کھانی کیسی اور ہاتھوں وغیرہ کے زخموں میں انگلیاں ڈلوا کر دکھانا کیسا اور خدا کے بیٹے کو خاکی اور فانی جسم سے رہائی ملنے کے بعد اپنے باپ کے دہنے ہاتھ ہمیشہ بیٹھنے

کے لئے جاتے ہوئے پھر اس خالی اور فانی جسم کو قبر میں سے کفن پھاڑ کر راتوں رات چوری اٹھا کر لے جانے کی حاجت کیا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہی دو قومیں اس وقت موجود تھیں اور انہیں کی شہادت اس کے بارہ میں بڑی وزنی ہو سکتی ہے اور خصوصاً عیسائیوں کی مسلّمہ الہامی کتابوں کی شہادت تو ان کے حق میں قطعی ہے اور پھر آسمان پر جانے کا حیلہ بنانے کی بڑی قوی وجہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ تا کہ یہود پھر ایذا نہ دیں اور پھر اسے اٹھنے کو عرف عام میں جی اٹھنا بھی کہہ سکتے ہیں اور پھر چونکہ سَمَاءٌ بادل اور ہر ایک اونچی چیز کو کہتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح کے اس وطن سے ہجرت کر نے کے وقت پہاڑ کی بلندی سے پست بادلوں میں داخل ہو کر اوپر جانے کو بادلوں میں ہو کر آسمان کی طرف جانا بھی عرفاً کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر مسیحؑ کا اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آنا بھی اسی کو چاہتا ہے کہ وہ وہاں کے بنی اسرائیل کو تبلیغ کر کے باہر کی باقی دس قوموں کو بھی تبلیغ کرے جو کہ وہاں سے جلاوطن ہو کر بلاد مشرقیہ میں آباد ہو گئی تھیں۔

یہ تو ہم نے واقعات کی رو سے لکھا ہے پر مسیحؑ کی نسبت جو پہلی پیشگوئیاں ہیں اور مسیحی لوگ ان کو مسیح کی نسبت تسلیم کرتے ہیں جب ان پر نظر کی جائے تو اور بھی یقین ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری صاحب سے اس بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ تو میں نے 22 زبور کو پیش کیا۔ جس میں ایسے فقرے (اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑا ہے۔ وہ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چھیدتے۔ وے مجھے تاکتے اور گھورتے ہیں۔ وے میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں اور میرے لباس پر قرعہ ڈالتے ہیں۔ پر تو اے میرے خداوند دور مت رہ۔ اے میرے توانائی جلد میری مدد کے لئے آ) بہت سے ہیں جو کہ مسیحؑ کے پکڑے جانے کے کچھ قبل باغ والی دعا میں یا پکڑے جانے کے بعد کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ تو پادری صاحب نے کہا کہ اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ مسیحؑ کے واقعۂ صلیب کی پیشگوئی ہے۔

تب میں نے کہا کہ اچھا اس سے آگے متصل یہ عبارت پڑھو کہ تو میری جان کو تلوار سے بچا میری وحیدہ کو کتے کے ہاتھ سے ببر کے منہ سے اور بھینسوں کے سینگوں سے مجھے

رہائی دے۔ تو نے میری سن کے بچایا ہے۔ میں اپنے بھائیوں میں تیرا بڑا نام بیان کروں گا اور مجمع میں تیرا ثناخوان ہوں گا۔ اے اسرائیل کی ساری اولاد اس کا ڈرمانو کہ اس نے درد مندوں کے درد کی تحقیر نہیں کی نہ اس سے اسے نفرت آئی نہ اس نے اس سے اپنا منہ پھیر لیا بلکہ جب اس نے اس کو پکارا اس نے جواب دیا" کہ اس میں صاف خبر دی گئی ہے کہ اس کی دعا قبول ہو گئی اور وہ بچایا گیا اور اس قبولیت دعاء اور بچ جانے کے شکریہ میں وہ یہ قصد کرے گا کہ اسرائیل کی باقی دس قوموں میں جو کہ بلاد مشرق میں تتر بتر ہو گئی ہوئی ہیں ان کے آگے خداوند تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور ان کو تقویٰ اللہ کی تبلیغ کرے اور پھر وہ اس قصد کو پورا کرنے کے لئے جائے گا بھی اور ان میں جا کر تبلیغ کرے گا۔

تو پادری صاحب دیر تک خاموش ہو کر کہنے لگے کہ نیا اعتراض ہے۔ تو میں نے کہا کوئی نیا جواب بھی ہے تو بڑی خاموشی کے بعد کہا کہ پہلا حصہ تو یقیناً مسیحؑ کی شان میں ہے لیکن ممکن ہے کہ دوسرا حصہ کسی اور کے حق میں ہو۔ غرض کہ بائبل اس کی گواہ ہے کہ مسیح صلیب پر مرا نہیں اور صلیب کے بعد بھی زندہ رہا ہے۔

مولویوں کے نزدیک واقعہ صلیب:

اب عیسائیوں کے ذکر کو یہاں چھوڑ کر اپنے ان مولوی صاحبان کا ذکر کرتا ہوں جو کہ عیسائیوں کی طرح ایک طرف تو مسیح کو سب انبیاءؑ سے بڑھا کر خدائی کے تخت پر پہنچاتے ہیں اور پھر جس طرح عیسائیوں نے خدائی کے بعد آپ کو ملعون کہا ہے اسی طرح وہ بھی اس تخت الوہیت پر بٹھلا کر ان کو دوبارہ زمین پر لا کر اور ان سے جزیہ موقوف کرا کے اور اسلام یا سیف کا جبری قانون ان سے جاری کرا کے۔ ان کے لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا[1] (مریم:33) کہنے کے برخلاف جَبَّارٌ بنا کر شَقِيٌّ کہتے ہیں جو کہ ملعون کے مرادف سے واضح ہو کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیحؑ کو جب یہود نے سولی دینے کا قصد کیا تو بعض کہتے ہیں کہ جب وہ پکڑنے کے لئے گئے تو مکان کی چھت پھاڑ کر حضرت جبرائیل ان کو دوسرے آسمان پر لے گئے اور یہود نے طیطانوس نام یہودی کو اندر بھیجا کہ مسیح کو اندر

[1] مجھے ظالم اور بدبخت نہیں بنایا۔ (تفسیر صغیر)

پکڑ لائے لیکن جب وہ اندر گیا تو اس کو کچھ نہ ملا اور خداوند تعالیٰ نے اس کی شکل اور لباس وغیرہ ساری ہیئت مسیحؑ کی سی بنادی۔

چنانچہ جب وہ باہر آیا تو یہودیوں نے اس کو مسیح یقین کر کے اس کو سولی دے کر مار ڈالا اور بعض کا خیال ہے کہ جب وہ پکڑنے کے لئے آئے تو اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے 27 مرید تھے تو خداوند تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت مسیح کی صورت کر دی تو جب باہر آئے تو یہود نے کہا کہ تم نے تو جادو کیا ہے پر یا عیسیٰ تم میں سے باہر ہو جائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔

تب حضرت مسیح نے اپنے مریدوں کو کہا کہ کون ہے جو کہ آج جان کے ساتھ جنت خریدتا ہے تو ایک نے کہا کہ میں۔ تو پھر وہ ان کے پاس آگیا اور کہا کہ عیسیٰ میں ہوں تو انہوں نے اس کو سولی دیا اور حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ سب ساتھیوں کی صورت مسیحؑ کی نہ ہوئی تھی بلکہ جس نے اپنی جان مسیح کے عوض دینی منظور کی تھی وہی مسیح کی صورت پر ہو گیا اور انہوں نے اس کو مسیح یقین کر کے سولی دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے مریدوں سے ایک منافق تھا جو کہ مسیح کو پکڑوانا چاہتا تھا تو جب وہ مکان کے اندر پکڑنے کے لئے گیا تو مسیح کو جبرائیل چھت سے نکال کر آسمان پر لے گئے اور منافق کی صورت مسیح کی بنادی گئی اور یہود نے اس کو مسیح خیال کر کے سولی دے دیا۔

ابو علی جبائی نے ایک اور ہی راہ لی ہے وہ کہتا ہے کہ یہود مسیح کے قتل کا فیصلہ کر کے مسیح کے پکڑنے کے لئے اس مکان میں گھسے جس میں آپ تھے تو ان کو وہ نہ ملے تو انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ ایک اور آدمی کو پکڑ کر بہت اونچی صلیب پر سولی دے دیا تو جب وہ مر گیا اور اس کا چہرہ بدل گیا تو کہنے لگے کہ مسیح ہے جس کو ہم نے سولی دے دیا ہے۔ یہ صورتیں ہیں جن کو تفسیروں نے لکھا ہے اور کوئی مولوی صاحب ان میں سے کسی کو پسند کرتا ہے اور کوئی کسی کو۔ البتہ زیادہ تر ان میں سے پہلی روایت کو پسند کیا کرتے ہیں اور پھر ان کے مطابق یہاں پر معنے یہ کرتے ہیں کہ ''انہوں نے مسیح کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا ہے بلکہ ان کے لئے کوئی شخص مسیح کے ساتھ مشابہ کیا گیا'' اور دوسرے حصہ کے یہ کہ ''انہوں نے یقیناً اس کو

قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا ہے" اور اپنی طرف اٹھالیا کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس جسم عنصری کے ساتھ بقید حیات آسمان پر اٹھالیا ہے اور انہوں نے ان معنوں کے ثابت کرنے کے لئے جو راہ اختیار کی ہے اور وہ دو باتوں پر مشتمل ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کی تشریح:

اول یہ کہ بَلْ کے ماقبل اور مابعد جو دو جملے ہوا کرتے ہیں وہ آپس میں کسی ایک جزؤ میں شریک اور متحد ہوتے ہیں اور دوسری میں مغائر ہوتے ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ دونوں میں مغائر ہوں اور نہ یہ کہ دونوں میں متحد ہوں اور مَاقَتَلُوْهُ یَقِیْنًا اور رَفَعَهُ اللّٰهُ جو کہ بَلْ کے آگے پیچھے ہیں ان میں تین تین چیزیں ہیں۔ قتل یا رفع ایک، اور یہود یا اللہ دو۔ تو ان دو دو جزووں میں تو صریح مغائرت اور مخالفت ہے اور تیسری جزو پہلے میں بھی ہٗ ہے اور دوسرے میں بھی ہٗ ہے۔ تو اگر دونوں میں ہٗ کا مرجع ایک ہی چیز ہوئی تب تو اس جزو میں اتحاد ہو جاوے گا ورنہ سب اجزاء میں تغائر ہونے کی وجہ سے قاعدۂ بَلْ کے خلاف ہو جاوے گا۔ تو اس میں شک نہیں کہ پہلے جملہ میں ہٗ کا مرجع مسیح کا جسم اور روح دونوں ہیں کیونکہ قتل دونوں کے جدا کرنے کو کہتے ہیں۔

سو ضروری ہے کہ جس پر قتل وارد کیا گیا ہے وہ دونوں کا مجموعہ ہو۔ تو اب اگر دوسرے جملہ میں بھی لَا سے جسم اور روح دونوں لئے اور رفع مسیح سے جسم اور روح دونوں کا رفع لیا جیسا کہ عام مسلمانوں کا مذہب ہے۔ تب تو اس ایک جزو میں اتحاد ہو جاوے گا اور بَلْ کا قاعدہ ٹھیک ہو جاوے گا۔ لیکن اگر ہٗ سے مجرد روح ہی لی اور رفع سے رفع روحانی لیا گیا جیسا کہ مرزائی کہتے ہیں تو پھر اس جزو میں بھی تغائر ہو جاوے گا جیسا کہ دوسرے اجزاء میں تھا اور قاعدہ بَلْ کے خلاف ہو جاوے گا۔ اس سارے بیان سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں رفع مسیح سے روحانی نہیں بلکہ جسمانی رفع مراد ہے۔ اور پھر رفع جسمانی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔

امر دوم یہ ہے کہ بَلْ کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ اس کے مابعد کی ماضویت بہ نسبت اس کے ماقبل کے ہوا کرتی ہے تو چونکہ یہاں پر بَلْ کے بعد رَفَعَهُ اللّٰهُ ماضی ہے لہٰذا اس کی ماضویت

قتل مسیح کی نسبت ہو گی۔ یعنی حضرت مسیح کے قتل سے پہلے ان کا رفع اِلَی اللہ ہو چکا تھا۔ تو اگر رفع سے رفع جسمانی لیا جائے تب تو یہ درست ہو جاتا ہے لیکن رفع روحانی تو اس کے بعد ہوا ہے نہ پہلے لہٰذا اس قاعدۂ بَلْ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ رفع سے رفع جسمانی ہی مراد ہے۔ نہ رفع روحانی جو کہ بعد میں ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید صاحب امروہی کی رفع سے متعلق غلطی:

ان بناوٹی باتوں کی تردید کے لئے کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے اور حضرت مولانا سید صاحب امروہی نے تو شمس بازغہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کی تردید کر دی ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ راستہ میں ان باتوں کا ذکر آ گیا ہے لہٰذا میں نہایت اختصار کے ساتھ سب سے سہل تر طریق پر ان کی غلطی کا اظہار کر دیتا ہوں خداوند تعالیٰ نے پ 4 ع 8 میں فرمایا ہے وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (آل عمران:170-171) (جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں تم انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے رب کے حضور زندہ ہیں (اور) انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ وہ اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے خوش ہیں اور ان لوگوں کے متعلق (بھی) جو ابھی ان کے پیچھے سے (آ کر) ان سے ملے نہیں خوش ہیں (کیونکہ) انہیں (اور ان کے ہم مذہبوں کو) کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔) اب ظاہر ہے کہ اس میں بل سے پہلے جو جملہ ہے اس میں قتل موجود ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ روح اور جسم دونوں پر واقع ہوتا ہے لہٰذا قُتِلُوْا کی ضمیر واو سے جسم اور روح دونوں مراد ہوں گے اور اسی طرح الَّذِیْنَ سے بھی جو کہ اس ضمیر کا مرجع ہے اس سے بھی دونوں کا مجموعہ مراد ہو گا اور بَلْ اَحْیَآءٌ کی ترکیب ساری دنیا کے نحویوں اور مفسرین کے نزدیک بَلْ ھُمْ اَحْیَآءٌ[1] ہے اب احیاء اور اموات میں تو تغائر ظاہر ہی ہے۔ اب رہا ھُمْ تو اس میں اور اَلَّذِیْنَ اور ضمیر قُتِلُوْا میں اتحاد ضروری ہے۔ تو ان سے تو جسم اور روح دونوں مراد ہیں۔ لہٰذا اس ھُمْ سے

[1] بلکہ وہ زندہ ہیں۔ (از مرتب)

بھی دونوں لینے پڑیں گے۔ تو اس سے ماننا پڑے گا کہ سب شہداء اسی جسم عنصری اور حیات دنیوی کے ساتھ زندہ موجود ہیں بلکہ جیسا وہاں پر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے مسیح کا بجسم عنصری اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جانا پایا جاتا تھا۔ ویسا ہی یہاں پر بھی عِنْدَ رَبِّهِمْ موجود ہے جس سے ان کا بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جسم عنصری کے ساتھ زندہ موجود ہونا لازم آتا ہے اور پھر آگے يُرْزَقُوْنَ، فَرِحِيْنَ، يَسْتَبْشِرُوْنَ وغیرہ میں بہت سے ضمائر ان کی طرف پھیرے گئے ہیں تو اس سے ان سب سے جسم اور روح دونوں مراد ہوں گے اور پھر وہاں پر تو جسم اور روح دونوں کے اٹھانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں وہ تعلق بھی تھا جس کو حیات کہتے ہیں کیونکہ وہاں مجرد دونوں کا اٹھانا مذکور ہوا ہے اور موت کے بعد بھی دونوں کا اٹھانا ہو سکتا ہے۔

لیکن یہاں پر تو چونکہ اَحْيَاءٌ ساتھ آیا ہے لہٰذا یہاں پر تو ان کی حیات بھی ثابت ہے۔ یہ تو الزامی جواب ہے اور اب میں اصلیت بھی بتا دیتا ہوں کہ یہ غلطی ان کو کہاں سے لگتی ہے۔ سو واضح ہو کہ کتب عربیت اور حکمت نے لکھا ہے کہ روح یا نفس اور جان وہ چیز ہے جس کو لفظ اَنَا (میں) اَنْتَ (تو) هُوَ (وہ) کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو اس سے صاف ثابت ہے کہ ان ضمیروں سے روح اور جان ہی مراد ہوتی ہے اور یہی حال ناموں کا بھی ہے۔ اسی وجہ سے باوجودیکہ آدمی کا جسم قواعد طبّی اور ڈاکٹری کے رو سے بدلتا رہتا ہے اور نام وہی رہتا ہے اور اسی وجہ سے جب جسم عنصری سے روح موت کے ساتھ جدا ہو جاتی ہے اور فرشتے اس کو لے کر اوپر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور پھر انہی میں لکھا ہوا ہے کہ آسمان کے فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ مَنْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانٌ[1] اور بعض میں آیا ہے فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي الدُّنْيَا۔[2]

(تفسیر در منثور جلد 3 صفحہ 412 دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

---

[1] یہ کون ہے؟ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں ہے۔ (از مرتب)

[2] اور ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ ان سے پوچھتے ہیں: یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں کی ہے۔ جن ناموں کے ساتھ اسے دنیا میں پکارا جاتا ہے ان میں سے حسین ترین نام لے کر اس کا ذکر کرتے ہیں۔ (از مرتب)

اسی طرح قبر اور برزخ میں نیکوں اور شہیدوں اور بدوں اور کافروں کے لئے وہی نام استعمال کئے گئے ہیں۔ تو اس تحقیق کے مطابق قتل اور رفع وغیرہ سب روح ہی کی طرف منسوب ہیں گو بعض بوساطت جسم ہوں۔ آخر کہا ہی کرتے ہیں مجھے مارا ہے اور گا ہے اسی کو یوں ادا کر دیتے ہیں کہ میرا ہاتھ دکھا دیا یا سر توڑ دیا ہے اور اگر اس سے بھی ہم قطع نظر کر دیں تو پھر اس میں بھی شک نہیں کہ جسم خاکی کے ساتھ ہونے اور نہ ہونے میں کوئی ایسا تغائر نہیں آجاتا کہ جس سے نظم کلام اور ربط الفاظ اور سلسلہ مضمون میں ایسا فرق آجائے جیسا کہ ایک شخص کی بجائے دوسرا شخص اور ایک نوع کی بجائے دوسری نوع اور ایک جنس کی بجائے دوسری جنس ذکر کی جائے۔ مثلاً اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ۔ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ [1] (یٰس:26-27) پہلا کلام زندہ ہونے کی حالت میں ہے اور دوسرا جسم خاکی چھوڑنے کے بعد ہے اور نظم قائم ہے۔ پھر شعیبؑ کی نسبت پہلے فَاَخَذَتۡہُمُ الرَّجۡفَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ [2] (الاعراف:92) اور پھر کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡہَا [3] (الاعراف:93) فرما کر ان کی ہلاکت کی خبر دی ہے اور بعد اس کے فرمایا کہ فَتَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ [4] (الاعراف:94) فرمایا ہے۔ حالانکہ بجائے اس کے اگر پہلے میں جدا جدا دو شخص لئے جاویں اور دوسرے میں جدا جدا دو قومیں لے کر یہی کلام بولا جائے تو نظام بالکل نہیں رہتا۔

اس کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ رفع روحانی کو خالص روح کے ساتھ متعلق بیان کرنا بھی صریح طور پر غلط ہے اگر وہ اس کو سمجھے نہیں تب تو جہالت میں کمال ہے اور اگر سمجھے ہیں تو پھر دھوکا دینے میں کمال ہے۔ اس لئے کہ رفع روحانی کے یہ معنے نہ حضرت اقدسؑ نے کئے ہیں اور نہ کوئی اور کر سکتا ہے کہ مجرد روح کو اٹھا لیا جاوے کیونکہ جو نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ اور

---

[1] میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں پس میری بات سنو۔ (تب اسے خدا کی طرف سے) کہا گیا، جنت میں داخل ہو جا (اس پر) اس نے کہا، کاش! میری قوم کو (میرا انجام) معلوم ہوتا۔ (تفسیر صغیر)

[2] پس ان کو ایک زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرنے کی حالت میں پڑے رہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] گویا وہ کبھی اپنے ملک میں بسے ہی نہیں تھے۔ (تفسیر صغیر)

[4] اس پر وہ (شعیب) ان سے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور کہتے گئے اے میری قوم! میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیئے تھے اور تم کو نصیحت کر دی تھی۔ (تفسیر صغیر)

دیگر اہل اسلام پانچوں وقت بین السجدتین وَارْفَعْنِیْ[1] پڑھتے رہے ہیں۔ اس میں جسمانی رفع تو نہ واقعہ میں ہے اور نہ کسی نے لیا ہے اور نہ لے سکتا ہے۔ بلکہ روحانی مراد ہے اور پھر باوجود روحانی رفع ہونے کے اس کے ہر گز یہ معنے نہیں کہ میری جان نکال لے اور اٹھالے۔ بلکہ رفع روحانی کے معنے تو قرب الٰہی اور علو درجات اور رفع منزلت کے ہیں۔ اسی طرح ہبوط اور نزول روحانی کے یہ معنے نہیں کہ روح جسم سے نکل کر نیچے گر جائے بلکہ بُعد اور کمی درجات اور پستی منزلت کے ہیں اور ان معنوں والا رفع روحانی روح کے جسم سے خالی ہونے کو نہیں چاہتا۔

اس تحقیق سے امید ہے کہ آپ کو بَلْ کے دوسرے قاعدہ کی نسبت بھی جواب معلوم ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ قطع نظر اس سے کہ یہ قاعدہ صحیح ہے یا غلط اور قرآن مجید میں اس کے خلاف موجود ہے یا نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ رفع روحانی کے جو صحیح معنے ہم نے بیان کیے ہیں اور جن کو اہل لغت نے لکھا ہے وہ جس طرح قتل کے بعد ہو سکتے ہیں ایسے ہی اس سے پہلے بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً شہداء کا رفع روحانی جو کہ شہادت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ یقیناً شہادت کے بعد ہی ہو گا پر انبیاءؑ اور اولیاء اللہ کی جو رفع روحانی ہوتی ہے (یعنی قرب الٰہی اور درجات عالیہ کا حاصل ہونا) وہ ان کی وفات سے پہلے ہی ہوتی ہے اور بعد میں بھی جاری رہتی ہے۔ کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اس معنے والی روحانی رفعت (یعنی قرب الٰہی) پہلے حاصل نہ تھی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ اور وصال کے بعد حاصل ہوئی تھی ان مولوی صاحبان کا اجراء قواعد ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے اپنے ہاتھ میں اپنی مہر رکھ کر اپنے بیٹے کا امتحان لیا تو اس نے زائچہ وغیرہ ڈال کر اور حساب لگا کر بتایا کہ ایک حلقہ دار چیز ہے اور اس میں پتھر، جڑا ہوا ہے تو بادشاہ نہایت خوش ہوا اور استاد کو انعام دیا لیکن استاد نے کہا کہ یہ تو میرا کمال ہے پر اب آپ اپنے بیٹے کی عقل کا بھی امتحان کریں اور اس سے دریافت کریں کہ وہ کیا چیز ہے تو اس شہزادے نے جواب دیا کہ چکی کا پتھر معلوم ہوتا ہے۔ یہی حال ان مولوی صاحبان کا بھی ہے کہ قواعد لکھ تو دیتے ہیں پر جب ان سے کام لیتے ہیں تو سبحان اللہ۔

[1] اور میرا رفع فرما۔ (از مرتب)

یہی آیت ہے کہ جس کو رفع جسمانی کے لئے نص قرار دیا ہوا ہے اور اس کے رفع جسمانی میں نص ہونے کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ علاوہ ان معنوں کی تردید کرنے کے جو ہم لوگ کرتے ہیں چند اور باتیں بھی بعض مولوی صاحبان نے اس کے دوسرے الفاظ کی نسبت لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ صَلَبُوْا کے معنے مرزائی لوگ سولی پر مارنے کے کرتے ہیں حالانکہ اس کے یہ معنے کسی عبارت یا کسی لغت کی کتاب میں نہیں آئے۔ مجھے ہمیشہ اپنے مولوی صاحبان کی ایسی باتوں میں بہت حیرانی رہتی تھی۔ کیونکہ مجھے یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی سمجھ ہی ایسی ماردی ہے کہ ان کو کتابوں میں کھلی کھلی لکھی ہوئی باتیں بھی نظر نہیں آتیں یا کہ یہ اس قدر بے حیا ہو گئے ہیں کہ ذرہ بھی نہیں شرماتے اور صریح غلط بیانی دنیا میں شائع کر دیتے ہیں۔

لیکن ایک دفعہ ایک بڑے مولوی صاحب سے میرے ایک دوست نے میرے سامنے دریافت کیا کہ مولوی صاحب ہم تو آپ کو بڑا مولوی خیال کرتے تھے اور آج آپ نے ہمارے سامنے فلاں فلاں بڑی صریح غلط بیانی کی ہے۔ کیا آپ کو اتنا بھی علم نہیں یا کہ کوئی اور وجہ ہے تو مولوی صاحب نے بڑی جرأت سے کہا کہ اصل بات تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی۔ لیکن قوم کو ہم خوب جانتے ہیں کہ مرزائیوں کے مقابلہ میں اگر ہم تین خدا بھی کہہ دیں تو وہ واہ واہ اور جزاک اللہ ہی کہتی ہے تو پھر کسی کا ڈر ہی کیا ہے مَانَحْنُ فِیْہِ میں بھی ایسی ہی بات معلوم ہوتی ہے ورنہ کسی علم والے کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ اس قدر بات بھی نہ جانتا ہو اور اس نے کسی لغت کی کتاب میں یہ نہ دیکھا ہو کہ صَلَبُوْا کے اصل معنے سولی پر مارنے کے ہیں۔ آپ غور کریں تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے صَلَبَہٗ) اَیْ اَلْقَاتِلَ (کَضَرَبَہٗ صَلْبًا جَعَلَہٗ مَصْلُوْبًا) وَفِی لِسَانِ الْعَرَبِ وَالصَّلِیْبُ ھَذِہِ الْقِتْلَۃُ الْمَعْرُفَۃُ وَاَصْلُہٗ مِنَ الصَّلْبِ، وَھُوَ الْوَدَکُ، وَسَیَأْتِیْ قَرِیْبًا (یعنی صَلَبَہٗ کے معنے مصلوب بنانے کے اور مصلوب بنانے کے معنے بتانے کے لئے لسان العرب کا حوالہ نقل کیا کہ مصلوب بنانا وہ قتل ہے جس کو لوگ جانتے ہیں اور پھر اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ صَلْبٌ سے بنایا ہوا ہے جس کے معنے چربی کے ہیں اور پھر وعدہ کیا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اور پھر

آگے چل کر اس وعدہ کو اس عبارت سے پورا کرتا ہے۔ وَالصَّلْبُ اَلْوَدَكُ وِ بِهٖ سُمِّيَ الْمَصْلُوبُ لِمَا يَسِيْلُ مِنْ وَدَكِهٖ۔ وَالصَّلِيْبُ،هَذِهِ الْقِتْلَةُ الْمَعْرُوْفَةُ، مُشْتَقٌّ مِنْ ذٰلِكَ، لِاَنَّ وَدَكَهٗ وَصَدِيْدَهٗ يَسِيْلُ (کہا صَلَبٌ چربی کو کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ مصلوب کا نام رکھا گیا اس لئے کہ اس کی چربی بہتی ہے اور یہ صَلَبٌ (جس سے مصلوب بنایا ہوا ہے) ایک مشہور و معروف قتل ہے اور یہ (صَلَبٌ جس سے مصلوب بنایا ہوا ہے اور جو بمعنے قتل معروف ہے۔) اس صَلَبٌ (بمعنے چربی) سے اس لئے مشتق اور نکالا ہوا ہے کہ اس کی چربی اور زرد آب بہتا ہے) جس سے صاف صاف ثابت ہوا کہ صَلَبٌ کے اصلی معنی چربی کے ہیں اور پھر سولی پر قتل کرنے کو بھی اس وجہ سے صَلَبٌ کہا گیا کہ اس قتل سے بھی چربی بہتی ہے اور یہ بھی کہ صَلَبَهٗ کے معنے ہیں مصلوب بنایا اور مصلوب بنانے کے معنے ہیں کہ معروف قتل (سولی پر مارنے) کے ساتھ قتل کیا گیا۔

خداوند تعالیٰ ان کو حیا و شرم سے کچھ حصہ دے اب اس سے زیادہ کسی لفظ کے معنوں کا کسی لغت کی کتاب سے اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ ان کتابوں میں ان معنوں کے سوا رَفَعَهٗ عَلَى الصَّلِيْبِ[1] یا اس کے ہم رنگ کوئی بھی ہرگز بیان نہیں کئے ہاں جو فارسی زبان میں لغت عرب کو بیان کرنے والے ہیں تو بردار کشیدن کر دیتے ہیں پر فارسی محاورہ میں اس کے معنے بھی قتل معروف ہی کے ہیں نہ اور۔ ورنہ تو عربی کتب لغات میں بھی ان کی کوئی اصلیت ہوتی۔

پھر اس بات کے ثابت کرنے کے لئے ناخنوں تک زور لگایا گیا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے۔ چنانچہ اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے ایک دلیل تو مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ[2] (ال عمران:55) بیان کی ہے اور بڑی جان کاہی کی ہے کہ مکر تدبیر محکم کو کہتے تھے اور پھر زیادہ اس تدبیر میں استعمال ہو گیا ہے جو کسی کے ضرر کے لئے کی جائے اور اس سے

[1] اسے صلیب پر لٹکایا۔ (از مرتب)

[2] انہوں نے (یعنی مسیح کے دشمنوں نے) بھی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیریں کیں اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

یہ ثابت کیا کہ ان کی تدبیر حضرت مسیح کے ضرر کے لئے تھی۔ پر اس میں شک ہی کیا ہے۔ پھر کہا کہ اس کے مقابلہ میں خداوند تعالیٰ نے بھی تدبیر کی اور خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ سے یہ ثابت کیا کہ اللہ کی تدبیر ان کی تدبیر پر غالب آگئی۔ اس میں بھی کیا شک ہو سکتا ہے۔

پھر کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی مَاکِرِیْنَ کے ساتھ یہ سنت ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر ڈالا کرتا ہے اور انہی کو ہلاک کیا کرتا ہے۔ دریں ہم چہ شک (اس میں بھی کیا شک ہے)۔ اور پھر اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہود حضرت مسیحؑ کو قتل نہیں کر سکے (دریں ہم چہ شک) (اس میں بھی کیا شک ہے) لیکن ساتھ یہ پچر از خود لگادی کہ بلکہ ان میں سے ایک کو ان کی جگہ پھانسی دلا کر قتل کرا ڈالا۔ ہاں مکر کا وبال تو ان پر ایسا پڑا جس کا اثر اب تک باقی ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا کہ وہ مسیحؑ کو نہ پکڑ سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے اور نہ قتل سے ورے ورے کوئی اور کسی قسم کی تکلیف یا ضرر ان کو دے سکے ہیں۔ تو یہ ہر گز ہر گز اس سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ پہلے تو انبیاء اور ان کے خاص اتباع کے لئے خداوند تعالیٰ نے یہ سنت بتادی ہے کہ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ[1] (البقرۃ:215) اور پھر اکثر انبیاءؑ کی نسبت مَکْرٌ اور کَیْدٌ وغیرہ الفاظ آئے ہیں جو کہ تدبیر محکم پر دلالت کرتے ہیں اور پھر خداوند تعالیٰ نے ان کے مخالفوں کی تدابیر کی نسبت اپنی تدبیر اور ان کے غلبہ اور اس کی بہتریت کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر ان انبیاءؑ کو بڑی بڑی تکلیفیں بھی پہنچی ہوئی ہیں۔

اوروں کو اس وقت جانے دیجئے ابوالانبیاء سید الحنفاء حضرت خلیل اللہؑ کی نسبت وَاَرَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ[2] (الانبیاء:71) صاف آیا ہے اور پھر دنیا جانتی ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا جس سے صاف معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی تدبیر کا غالب ہونا اس کو مستلزم

---

[1] کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابھی تم پر اُن لوگوں کی (سی تکلیف کی) حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گذرے ہیں تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے؟ اُنھیں تنگی (بھی) پہنچی اور تکلیف (بھی) اور اُنھیں خوف دلایا گیا تاکہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ (کے) ایمان والے کہہ اُٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور انہوں نے اس سے کچھ برا سلوک کرنا چاہا مگر ہم نے ان کو ناکام بنادیا۔ (تفسیر صغیر)

نہیں کہ قتل سے ورے ورے اور کوئی تکلیف بھی اعداء کے ہاتھوں سے ان کو نہ پہنچے اور اگر ایسا ہو تا تو زُلْزِلُوْا ان کے حق میں کبھی نہ آتا اور سید ولد آدم اور فخر موجودات خاتم النبیین کی نسبت ایک طرف تو آیا کہ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ[1] (الانفال:31) دوسری طرف دنیا جانتی ہے کہ آپ کو جلاوطنی کے علاوہ کیا کیا تکلیفیں پہنچی تھیں۔

جنگ احد کے اس واقعہ کو خیال کیا جائے کہ آپ ایک پلید کے پتھر پھینکنے سے ایسے شدید زخمی ہوتے ہیں کہ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر گوشت کے اندر گھس گئی ہیں اور دانت صدمہ رسیدہ ہیں اور خون میں چہرہ غرق ہے اور پھینکے ہوئے ایک گہرے گڑھے میں جا گرتے ہیں جس میں اور بھی چند مقتول پڑے ہوئے ہیں اور دماغ کے شدید صدمہ سے بے ہوش ہو گئے ہیں اور پھر یہاں تک نوبت آتی ہے کہ اور مقتولوں کے نیچے دب جاتے ہیں اور اکثر جاں نثار مقتول یقین کر کے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن جانی ٹرّا کر اُعْلُ هُبَلُ اُعْلُ هُبَلُ[2] کا شور مچا رہا ہے۔ تو کیا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہنے والے کے نطفہ کو اسرائیلی مسیحؑ کی نسبت اس قدر غیرت جوش مارتی کہ مَکَرُوْا کے ماتحت کفار کو ہاتھ بھی نہیں چھونے دیتا۔

چنانچہ کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے پاک رسول سے ایسا وعدہ کرے کہ میں تجھے کفار کا پلید ہاتھ بھی نہ لگنے دوں گا تو تعجب ہے کہ ایک مسلمان کس طرح اعتقاد کر سکتا ہے کہ یہود بے بہبود نے آپ کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا اور سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ لیکن سید الرسل صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے باوجودیکہ وہی خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ موجود ہو اور پھر مذکورہ بالا حالت کو بڑی خوشی سے پڑھے اور سنے۔

کیا اونٹنی کا شکنبہ کسی مسلمان کے پاک ہاتھ نے سجدہ میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیٹھ پر رکھا تھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ یہ بدبخت گومنہ سے سرور کائنات کو افضل الرسل اور سید ولد

---

[1] اور (اے رسول اس وقت کو یاد کر) جب کہ کفار تیرے متعلق تدبیریں کر رہے تھے، تاکہ تجھے (ایک جگہ) محصور کر دیں یا تجھ کو قتل کر دیں، یا تجھ کو نکال دیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ھبل کی شان بلند ہو۔ ھبل کی شان بلند ہو۔ (از مرتب)

آدم پکارتے ہیں پر عیسائیوں کی طرح مسیح کی الوہیت کی عظمت ان کے دل و دماغ پر اپنا سکہ جمائی ہوئی ہے اور تعجب کی بات ہے کہ جہاں اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا[1] (الانبیاء:71) ہے وہاں تو آگ میں بھی ڈالنا مسلّم ہے پر جہاں مَكَرُوْا ہے جو کہ بآواز بلند مکر کے وقوع پر دلالت کرتا ہے وہاں پر ارادہ ہی پر بس کی جاتی ہے اور آگے سب کچھ محال یقین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور دلیل اس کی پیش کی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے لئے وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ[2] (آل عمران:46) آیا ہے تو اگر ان کے ساتھ ایسا واقعہ ہوتا تو وجاہت نہ رہتی۔

بلفظ دیگر یوں ہوا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) کہ مصطفیٰ اور مجتبیٰ ﷺ اور معزز اور وجیہ عند اللہ ایک مسیحؑ ہی تھا باقی حضرت ابراہیمؑ اور محمد رسول اللہ ﷺ وغیرہما نہ مصطفیٰ اور نہ معزز تھے اور نہ وہ وجیہ تھے تب ہی تو مسیحؑ کے لئے کفار کی طرف سے ہاتھ لگانا بھی برداشت نہیں ہو سکتا اور دوسروں کے لئے جلاوطنی، مار پیٹ، پتھراؤ اور لُچّوں اور شُہدوں کا پیچھے پڑ کر اس قدر پتھر مارتے مارتے شہر بدر کرنا کہ پاؤں خون آلودہ ہو جاویں اور غشی کھا کر گر جاویں اور آگ میں ڈالنا وغیرہ غرض قتل سے ورے ورے سب کچھ ایذاء رسانی اور تحقیر و تذلیل مسلّم کی جاتی ہے۔ حیف بریں مسلمانی۔[3] اسی طرح ایک یہ بھی دلیل بتائی ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ[4] (المائدۃ: 111) تو جب خدا نے بنی اسرائیل کو روک دیا تو پھر ان کی کیا مجال تھی کہ وہ ہاتھ لگا سکتے۔ تو اس کا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ بلکہ سب صحابہؓ کے لئے آیا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ[5] (المائدۃ:12) اور کسی تخصیص کا یہاں پر احتمال ہے تو وہاں پر بھی موجود ہے

---

[1] اور انہوں نے اس سے کچھ برا سلوک کرنا چاہا۔ (تفسیر صغیر)

[2] اس دنیا اور آخرت میں صاحب منزلت ہوگا۔ (تفسیر صغیر)

[3] ایسی مسلمانی پر افسوس!۔ (از مرتب)

[4] اور جبکہ بنی اسرائیل کو (جو تیرے قتل کا ارادہ رکھتے تھے) میں نے تجھ سے روکے رکھا۔ (اس وقت) جبکہ تو ان کے پاس دلائل لے کر آیا۔ (تفسیر صغیر)

[5] اے ایماندارو! تم اللہ کی اپنے اوپر نعمت یاد کرو (جو اس وقت ہوئی تھی) جبکہ ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے۔ تب اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک لئے۔ (تفسیر صغیر)

اور پھر نبی کریم ﷺ کے لئے وَ اللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[1] (المائدۃ:68) بھی موجود ہے۔ بلکہ کَفٌّ وغیرہ میں تو یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کَفَّ عَنْ قَتْلِہٖ[2] مراد ہے اور یہی اصل واقعہ ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے لئے تو وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ[3] (النساء:114) صاف صاف آیا ہوا ہے جس میں سب ضرر داخل ہیں۔

تو باوجود اس کے اگر اعداء کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں ؓ کو کوئی ضرر اور تکلیف پہنچ سکتی ہے تو پھر مسیحؑ کون ہے جس کی شان اس سے ارفع تسلیم کی جائے یا اس کے لئے کون سے ایسے الفاظ آگئے ہیں کہ جن سے ایسا ثابت ہو سکتا ہے اور وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں مفسرین نے تو جس قدر لکھا ہے وہ فِیْ نَفْسِہٖ تو درست تھا لیکن اس کی تعیین میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ شُبِّہَ کو تَشْبِیْہٌ بمعنے مشابہت سے یا تَشْبِیْہٌ بمعنے اشتباہ یعنی شِبْہٌ یا شُبْہٌ سے لیتے ہیں اور پہلی صورت میں اس کی اسناد لَهُمْ کی طرف کر کے اس عبارت کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اَیْ وَقَعَ لَهُمْ تَشْبِیْہٌ بَیْنَ عِیْسٰی وَمَنْ صُلِبَ[4] اور یہ بالکل درست ہے کیونکہ مَنْ صُلِبَ وہی ہے جو کہ صلیب کے ذریعہ قتل کیا جائے اور چونکہ پہلے کوئی خاص مصلوب تو مذکور ہے ہی نہیں لہٰذا خاص مصلوب تو لے سکتے ہی نہیں اور یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ مسیحؑ اور مقتول و مصلوب میں مشابہت واقع ہو گئی تھی۔

ہاں ہم اس قدر کہتے ہیں کہ چونکہ پہلے بتایا ہے کہ مسیحؑ مقتول و مصلوب نہیں ہوا۔ اس لئے وَلٰكِنْ کے بعد کی عبارت میں مسیحؑ ہی کے لیے وہ چیز ثابت کی جائے جو کہ قَتْلٌ اور صَلْبٌ کی بجائے ذکر کی گئی ہے یعنی مشابہت۔ لہٰذا مسیحؑ مُشَبَّہٌ اور مطلق مصلوب مُشَبَّہٌ بِہٖ ہے اور وہ تعیین میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ مصلوب سے کوئی معیّن لیتے ہیں جس کا یہاں پر قطعاً ذکر نہیں ہے اور پھر دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس غیر مذکور کو تو مُشَبَّہٌ بناتے ہیں اور مسیحؑ کو جس کا پہلے ذکر ہے مُشَبَّہٌ بِہٖ بناتے ہیں۔

---

[1] اور اللہ تجھے لوگوں (کے حملوں) سے محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] اس نے اس کے قتل سے روک دیا۔ (از مرتب)

[3] وہ تجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (تفسیر صغیر)

[4] یعنی ان کے حضرت عیسیٰؑ اور جسے صلیب دی گئی مشابہت پیدا ہو گئی۔ (از مرتب)

اسی طرح اس صورت میں جب وہ شُبِّہَ کو ضمیر کی طرف مسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ پوشیدہ ضمیر مقتول اور مصلوب کی طرف پھرتی ہے پہلے تو یہ صریح غلط ہے کیونکہ کسی ضمناً مذکور کی طرف تب ضمیر پھیری جاتی ہے جبکہ صراحۃً کوئی چیز مذکور نہ ہو جس کی طرف ضمیر پھر سکتی ہو لیکن یہاں پر تو صاف صاف مسیحؑ مذکور ہے تو اب مقتول و مصلوب کی طرف پھیرنا جو کہ مَاقَتَلُوْا وَمَاصَلَبُوْا کے ضمن میں مذکور ہیں غلط ہے اور پھر دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ پہلے ضمناً اگر مذکور ہے تو مطلق مقتول و مصلوب مذکور ہیں نہ کوئی خاص شخص اور وہ خاص لیتے ہیں اور دوسری صورت میں شُبِّہَ کی ضمیر امر کی طرف پھیرتے ہیں جس سے مراد یہ واقعہ ہے اور معنے کرتے ہیں اَیْ اِلْتَبَسَ عَلَیْھِمُ الْاَمْرُ[1] تو یہ بھی بالکل درست ہے لیکن اس کا مطلب تو یہ تھا قتل اور غیر قتل ان پر مشتبہ ہو گیا نہ یہ کہ مقتول شخص اور مسیح مشتبہ ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خیالی تصویر پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ نہیں سوچا کہ یہ عبارت کس مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

اگر وہ لٰکِنْ کی حقیقت کو اور پھر اس کو سوچتے کہ جو جملہ اس کے ماقبل ہے اس کی ایک جزو تو قَتْلٌ وَّ صَلْبٌ ہے جو فعل کی صورت میں ہے اور دوسرا جزو فاعل ہے جو کہ واو ضمیر ہے یہود کی طرف پھرنے والی اور تیسری چیز اس میں ہٗ ضمیر مفعول ہے جو کہ یقیناً مسیح کی طرف پھرتی ہے اور لٰکِنْ کے بعد بھی جملہ ہی ہے اور اس میں ایک تشبیہ ہے جو فعل کی صورت میں ہے اور یقیناً قَتْلٌ اور صَلْبٌ کے خلاف ہے اور مغائر اور اور چیز ہے اور اس کا فاعل مذکور ہی نہیں لہٰذا فاعل میں بھی دونوں جملوں کا اتحاد نہیں ہے اور ایک ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جو کہ تَشْبِیْہٌ کا مفعول ہے اور شُبِّہَ کا نائب فاعل ہے تو اگر اس سے بھی مسیحؑ کے سوا کوئی اور شخص مراد ہو تو پھر لٰکِنْ کے ماقبل اور مابعد کے جملہ میں کسی جزو میں شرکت نہ رہے گی اور یوں ہو جاوے گا کہ مَاضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا وَلٰکِنْ اُعْطِیَ غُلَامٌ لِزَیْدٍ جو کہ یقیناً غلط ہے تو کبھی وہ اس فرضی تصویر پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جرأت نہ کر سکتے۔ لغت اور نحو کی کتابوں میں بالاتفاق لکھا ہے کہ لٰکِنْ ساکنۃ النون دو قسم ہوتا ہے ایک تو شدّ والے کا

[1] یعنی معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (از مرتب)

مخفف ہوتا ہے اور یہ تو ہمیشہ حرف ابتداء ہوتا ہے جو کہ مجرد استدراک کا فائدہ دیتا ہے اور دونوں علموں میں استدراک کے معنے یہ کئے ہیں کہ پہلے کلام سے جو وہم اور شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دفع کرنے کے لئے آتا ہے۔

اور دوسرا اصل وضع ہی میں ساکن ہوتا ہے اور پھر کہا ہے فَاِنْ وَلِيَهَا كَلَامٌ فَهِيَ حَرْفُ ابْتِدَاءٍ لِمُجَرَّدِ اِفَادَةِ الْاِسْتِدْرَاكِ وَلَيْسَتْ عَاطِفَةً، وَيَجُوْزُ اَنْ تُسْتَعْمَلَ بِالْوَاوِ[1] اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اس کے بعد جملہ اور کلام ہے اور ظاہر ہے کہ پہلے کلام سے بجز اس کے اور کوئی شبہ اور وہم نہیں پیدا ہوتا کہ قَتْلٌ اور صَلْبٌ فعل حسی ہیں جو کہ مشاہدہ ہوتے ہیں تو اب سننے والے کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ بظاہر تو انہوں نے مسیحؑ کو پکڑا اور سولی پر چڑھایا تو پھر یہ کس طرح کہا گیا کہ وہ مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس وہم کا رفع بھی دو ہی طور سے ہو سکتا ہے یا یہ کہ جس کو تم قَتْلٌ یا صَلْبٌ سمجھ رہے ہو وہ قَتْلٌ وَّ صَلْبٌ نہیں تھا اور یا یہ کہ جسم کو تم مقتول و مصلوب سمجھ رہے ہیں۔ وہ مقتول و مصلوب نہیں ہوا بلکہ کوئی اور شخص مقتول و مصلوب ہوا ہے۔

اب ہم تو پہلی صورت اختیار کرتے ہیں اور مفسرین دوسری صورت اختیار کرتے ہیں۔ بلفظ مختصر ہم تو کہتے ہیں کہ مفعول میں کوئی غلطی نہیں ہوئی بلکہ فعل کے سمجھنے میں غلطی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ فعل میں کوئی غلطی اور فرق نہیں ہوا بلکہ مفعول میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ اب ہم قرآن مجید اور عربی زبان کو دیکھتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں کو کس کس عبارت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ پہلے مفعول کی غلطی کی مثال قرآن مجید میں یوں آئی ہے۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[2] (البقرۃ:58) خوب غور کر کے دیکھ لیں کہ انہوں نے ایک کام کیا جس میں ظاہراً یہ خیال کیا گیا کہ اس سے ہم نے مومنوں اور اللہ کے رسول کو خوب دکھ دیا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے ہم کو دکھ نہیں دیا بلکہ اپنے ہی آپ کو دکھ دیتے تھے اور دیکھیں کہ فعل وہی ظلم کرنا رہا ہے اور فاعل بھی وہی ایک

[1] پس اگر اس کے بعد جملہ ہو تو یہ حرف ابتداء ہے اور یہ محض استدراک کا فائدہ دیتا ہے اور یہ عاطفہ نہیں ہوتا اور ''و'' کے ساتھ بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ (از مرتب)

[2] اور انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔ (تفسیر صغیر)

ہی ہے۔ البتہ پہلے میں مفعول اور مظلوم نہ تھا اور دوسرے میں اَنْفُسَھُمْ کو قرار دیا گیا اور پھر یہ بھی کہ اَنْفُسَھُمْ کو یَظْلِمُوْنَ پر مقدم کیا گیا ہے اور قواعد زبان بھی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کے مطابق یہاں پر عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ مَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ قَتَلُوْا وَ صَلَبُوْا اَحَدًا مِّنْھُمْ یا اَحَدًا مِّنْ اَتْبَاعِہٖ[1] اور اگر مشابہت ہی بیان کرنی ہوتی تو پھر بھی یوں ہوتا ہے کہ وَلٰکِنْ قَتَلُوْا وَ صَلَبُوْا مَنْ شُبِّہَ بِالْمَسِیْحِ[2]۔ بلکہ مقدم کر کے یوں کہا جاتا کہ وَلٰکِنْ اَحَدًا مِّنْھُمْ اَوْ مِنْ اَتْبَاعِہٖ اَوْ مَنْ شُبِّہَ بِہٖ قَتَلُوْا وَ صَلَبُوْا[3] اور فعل کی مثال قرآن مجید میں یوں آئی ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ[4] (المائدۃ:7) خداوند تعالیٰ نے ایک کلام لازم کیا اس سے شبہ پیدا ہوا کہ ہمیں دقت میں اور تنگی میں ڈالنا چاہا ہے۔

تو اس غلطی کو یوں رفع کیا فاعل اور مفعول وہی پہلے رکھے اور فعل کو بدل کر فرمادیا کہ لیکن تم کو پاک کرنا چاہتا ہے اور اس کے مطابق وَلٰکِنْ شَبَّھُوْہُ بِالْمَقْتُوْلِ وَالْمَصْلُوْبِ[5] کہنا چاہیے لیکن چونکہ مقام فعل مجہول کو چاہتا تھا اس لئے اس کو مجہول بنا کر وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ فرمادیا ہے۔ ایک عیسائی مولوی صاحب نے حد ہی کر دی ہے اس کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ جو مطلب ہم مفعول کی غلطی والا لیتے ہیں اس کے مطابق وَلٰکِنْ قَتَلُوْا وَصَلَبُوْا مَنْ شُبِّہَ لَھُمْ[6] ہونا چاہیے تو اس نے دین و ایمان اور حیا و شرم کو چھوڑ کر بلکہ آنکھیں بھی بند کر کے پہلے نحو کی کتابوں سے یہ عبارت آگے پیچھے سے کاٹ کر لکھی ہے کہ قَالَ ابْنُ ھَشَّامٍ مَعْزِیًا اِلَی ابْنِ مَالِکٍ اَنَّ، لٰکِنْ غَیْرُ عَاطِفَۃٍ وَالْوَاوُ عَاطِفَۃٌ لِجُمْلَۃٍ حُذِفَ بَعْضُھَا عَلٰی جُمْلَۃٍ

---

[1] انہوں نے اسے (حضرت عیسیٰؑ) کو قتل نہیں کیا اور نہ اسے صلیب دی ہے بلکہ انہوں نے انہی میں سے کسی ایک کو یا اس کے اتباع میں سے کسی کو قتل کر دیا یا صلیب دے دی۔ (از مرتب)

[2] بلکہ انہوں نے مسیح کے ساتھ مشابہ ہونے والے کو قتل کر دیا اور صلیب دے دیا۔ (از مرتب)

[3] بلکہ انہی میں سے یا ان کے متبعین میں سے یا جس کو ان سے مشتبہ کیا گیا تھا انہوں نے قتل کر دیا اور مصلوب کر دیا۔ (از مرتب)

[4] اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، ہاں وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[5] بلکہ انہوں نے اسے مقتول اور مصلوب کی طرح مشتبہ کر دیا۔ (از مرتب)

[6] لیکن ان کے لئے جس کو مشتبہ بنایا گیا تھا اسے انہوں نے قتل کر دیا اور صلیب دے دی۔ (از مرتب)

صَرَّحَ بِجَمِیْعِھَا قَالَ فَالتَّقْدِیْرُ فِیْ نَحْوِ مَا قَامَ زَیْدٌ وَلٰکِنْ عَمْرٌو وَلٰکِنْ قَامَ عَمْرٌو وَفِیْ (وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ) وَلٰکِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ[1] اور اس کے بعد کہتے ہیں مولوی صاحب دیکھ لیا کہ جس طرح ان میں وہی قَامَ اور کَانَ لٰکِنْ کے بعد محذوف ہیں جو کہ نفیاً پہلے مذکور تھی۔

اسی طرح یہاں پر بھی تقدیر عبارت یوں ہے کہ وَلٰکِنْ صَلَبُوْا وَ قَتَلُوْا مَنْ شُبِّہَ لَھُمْ[2] اور پھر چونکہ تفسیروں میں اس فرضی واقعہ کا بیان بطور قصہ ہے تو ان کے اس قصے سے جو عبارتیں اس عبارت سے ملتی ہوئی ملیں وہ تائیداً نقل کر دیں کہ دیکھو انہوں نے بھی یہی تقدیر لکھی ہے۔ چنانچہ مشت جو نمونہ خروارے کے طور پر کشاف کی بڑی تعریف کر کے یہ عبارت نقل کی ہے کہ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ مَنْ قَتَلُوْہُ[3] حالانکہ یہ بالکل تقدیر مذکور کے الٹ ہے۔ گو مضمون تو بہت طول پکڑ گیا ہے پر مولوی صاحب کا دَجل طشت از بام کرنے کے لئے میں پہلے نحو کی کتاب سے اس عبارت کا ماقبل مابعد لکھتا ہوں اور پھر ان کی چالاکی بتاؤں گا۔

منیۃ الراغب میں لکھا ہے۔ لٰکِنْ سَاکِنَۃُ النُّوْنِ ضَرْبَانِ مُخَفَّفَۃٌ مِنَ الثَّقِیْلَۃِ وَھِیَ حَرْفُ ابْتِدَاءٍ لَا یَعْمَلُ خِلَافًا لِلْاَخْفَشِ وَیُوْنُسَ۔ وَخَفِیْفَۃٌ بِاَصْلِ الْوَضْعِ فَاِنْ وَلِیَھَا کَلَامٌ فَھِیَ حَرْفُ ابْتِدَاءٍ لِمُجَرَّدِ اِفَادَۃِ الْاِسْتِدْرَاکِ وَلَیْسَتْ عَاطِفَۃً وَیَجُوْزُ اَنْ تُسْتَعْمَلَ بِالْوَاوِ... وَاِنْ وَلِیَھَا مُفْرَدٌ فَھِیَ عَاطِفَۃٌ بِشَرْطَیْنِ اَحَدُھُمَا اَنْ یَّتَقَدَّمَھَا نَفْیٌ اَوْ نَھْیٌ۔ وَالثَّانِیْ اَنْ لَا تَقْتَرِنَ بِالْوَاوِ قَالَہُ اَکْثَرُ النَّحْوِیِّیْنَ وَقَالَ قَوْمٌ لَا تُسْتَعْمَلُ مَعَ الْمُفْرَدِ اِلَّا بِالْوَاوِ۔ وَاخْتَلَفَ فِیْ نَحْوِ مَا قَامَ زَیْدٌ وَلٰکِنْ عَمْرٌو عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَقْوَالٍ فَقَالَ یُوْنُسُ اِنَّ لٰکِنْ غَیْرُ عَاطِفَۃٍ وَالْوَاوُ عَاطِفَۃٌ مُفْرَدًا عَلٰی مُفْرَدٍ۔ وَ قَالَ ابْنُ مَالِکٍ اِنَّ لٰکِنْ غَیْرُ عَاطِفَۃٍ وَالْوَاوُ عَاطِفَۃٌ جُمْلَۃً حُذِفَ بَعْضُھَا عَلٰی جُمْلَۃٍ صُرِّحَ بِجَمِیْعِھَا قَالَ فَالتَّقْدِیْرُ فِیْ مَا قَامَ زَیْدٌ

---

[1] ابن ہشام ابن مالک کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ لٰکن غیر عاطفہ ہے اور "و" عاطفہ ہے۔ ایسے جملے سے جس کا بعض حصہ دوسرے کے لئے محذوف ہو۔ کہا کہ اس جملہ "ما قام زید ولٰکن عمرو" میں تقدیر یہ ہے کہ "ولٰکن قام عمرو"۔ اور (ولٰکن رسول اللہ) میں تقدیر یوں ہے کہ "ولٰکن کان رسول اللہ" (از مرتب)

[2] لیکن ان کے لئے جس کو مشتبہ بنایا گیا تھا اسے انہوں نے صلیب دی اور قتل کر دیا۔ (از مرتب)

[3] بلکہ جسے انہوں نے قتل کیا تھا وہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (از مرتب)

وَلٰکِنْ عَمْرٌو۔ وَلٰکِن قَامَ عَمْرٌو۔ وَقَالَ ابْنُ عُصْفُورٍ اَنَّ لٰکِنْ عَاطِفَةٌ وَالْوَاوُ زَائِدَةٌ وَقَالَ ابْنُ کَیْسَانَ اَنَّ لٰکِنْ عَاطِفَةٌ وَالْوَاوُ زَائِدَةٌ لَازِمَةٌ۔[1]

اب ناظرین خود غور فرماویں کہ اس عبارت میں صاف بتایا گیا ہے کہ اگر لٰکِنْ کے بعد جملہ ہو تب یہ ہر گز عاطفہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے جو استدراک کا فائدہ دیتا ہے۔ جس میں صاف بتایا ہے کہ مابعد کے جملہ کو پہلے جملہ کے ساتھ اعراب کا کوئی تعلق نہ ہو گا بلکہ دوسرا علاحدہ جملہ اور کلام ہو گا اور اگر اس کے ساتھ بعد کوئی مفرد لفظ ہو گا تو بشرط نفی یا نہی ماقبل ہونے اور لٰکِنْ کے ساتھ واو نہ ہونے کے عطف کے لئے ہو گا اور پھر یہ بتایا کہ جہاں ماقبل جملہ فعلیہ ہو اور مابعد مفرد ہو جیسامَا قَامَ زَیْدٌ وَلٰکِنْ عَمْرٌو ہے تو پھر اس میں چار مذہب ہیں جن میں سے ایک ابن مالک کا مذہب ہے جو مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ نقل میں تو یہ دجل برتا کہ جملہ اور کلام والی صورت ہی چھوڑ دی۔ اسی طرح مفرد والی صورت بھی اڑا گئے ہاں جب ماقبل جملہ فعلیہ اور مابعد مفرد ہو جس میں اختلاف ہے اس میں باقی تین مذہبوں کو ہضم کر کے ابن مالک کے مذہب کو ذکر کیا اور وہ بھی ایسے طرز پر کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ وَلٰکِنْ کے استعمال کی یہی ایک صورت ہے اور اس میں یہی ایک ابن مالک کا بتایا ہوا مسئلہ ہے اور بس اور نقل کے اس عظیم الشان دجل کے بعد پھر یہ دجل کیا ہے کہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں باوجود یکہ ماقبل بھی جملہ اور کلام ہے اور مابعد بھی جملہ اور کلام ہے اور

[1] لٰکن جس کی نون ساکن ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ثقیلہ سے مخففہ بنایا گیا ہو اور یہ حرفِ ابتداء ہے جو عمل نہیں کرتا، برخلاف اخفش اور یونس کے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ہی خفیفہ (لٰکِنْ) ہو۔ پس اگر اس کے بعد جملہ ہو تو یہ حرف ابتداء ہے اور یہ محض استدراک کا فائدہ دیتا ہے اور یہ عاطفہ نہیں ہوتا اور واو کے ساتھ بھی اس کا استعمال جائز ہے... اگر اس کے بعد مفرد ہو تو یہ دو شرطوں کے ساتھ عاطفہ ہو گا ایک یہ کہ اس سے پہلے نفی یا نہی ہو۔ دوم یہ کہ واو کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو یہی اکثر نحویوں کا قول ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مفرد کے ساتھ بغیر واو کے استعمال ہی نہیں ہوتا۔ اور 'ما قام زید ولکن عمرو' جیسی مثال میں اختلاف ہے، اور اس بارے میں چار اقوال ہیں۔ یونس نے کہا ہے کہ لکن غیر عاطفہ ہے اور "و" مفرد سے مفرد پر عاطفہ ہے۔ اور ابن مالک نے کہا ہے کہ لکن غیر عاطفہ ہے اور 'واو' عاطفہ ہے جو ایک ایسے جملے کا عطف کر رہی ہے جس کا کچھ حصہ محذوف ہے، ایک ایسے جملے پر جو مکمل طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ کہا کہ اس جملہ "ما قام زید ولکن عمرو" میں تقدیر یہ ہے کہ "ولکن قام عمرو"۔ ابن عصفور نے کہا ہے کہ لکن عاطفہ ہے اور "و" زائدہ ہے اور ابن کیسان نے کہا ہے کہ لکن عاطفہ ہے اور "و" لازماً زائدہ ہے۔ (از مرتب)

پھر اس میں اس صورت کا حکم جاری کر دیا جس میں ما قبل کلام اور مابعد مفرد ہوتا ہے اور پھر اس پر اور یہ یہودیت برتی کہ شُبِّهَ لَهُمْ کے پہلے اور لٰکِنْ کے بعد اپنی ماں کے مہر سے لفظ مَنْ از خود ایزاد کر کے کہہ دیا کہ تقدیر یہ ہے وَلٰکِنْ صَلَبُوْا وَقَتَلُوْا مَنْ شُبِّهَ لَهُمْ[1]۔ یہ ہے ان کے مفسرین کی زبان دانی اور تفسیر دانی اور یہ ہے اس وقت کے مولوی صاحبان کی فضیلت مآبی اور ایمان داری۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه۔[2]

اس کے بعد اوّل تو یہ بتانے کے لئے کہ ان کے اس شریرانہ قول کا دائرہ انہی تک محدود نہیں رہا بلکہ جس طرح انہوں نے اس سے اپنے آپ کو تباہ کیا ہے اسی طرح انہوں نے قیامت تک کے لئے اپنی ذرّیت اور اہل مذہب کو اس کے ساتھ ہلاک کر دیا ہے اور دوم یہ کہ ان پر دوہرا وبال ہے ایک تو اپنے یہ شریرانہ قول کہنے سے۔ دوم قیامت تک اہل کتاب میں جاری کرنے کی وجہ سے اور سوم یہ بیان کرنے کے لئے کہ جب اہل کتاب کو مسیحؑ کے مقتول اور مصلوب ہونے کا ظن ہی ہے اور نہ ان کے دلوں میں یقین ہے اور نہ یقین حاصل کرنے کے کوئی وجوہات ان کے پاس یا واقعہ میں ہیں۔ بلکہ اسی بات پر یقین حاصل کرنے کے وجوہات موجود ہیں کہ انہوں نے مسیح کو نہ تو کسی اور طریقے سے قتل کیا ہے اور نہ صلیب کے ذریعہ سے اور منشاء اس غلطی کا فقط یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ مصلوب اور مقتول کے مشابہ اور مانند ہو گئے تھے تو کیا اہل کتاب کبھی اس غلط خیال کو چھوڑیں گے بھی اور پھر خصوصاً جبکہ قرآن مجید جیسی کتاب نے یا بلفظ دیگر خود خداوند تعالیٰ نے ان کے خیال کی تردید کر دی اور بتا دیا کہ انہوں نے ہرگز مسیحؑ کو نہیں قتل کیا اور نہ صلیب کے ذریعہ سے مارا تو اس سے غالب امید ہو سکتی تھی کہ جب وہ اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے بیان کے مطابق واقعات پائیں گے اور قرآن مجید میں اپنے غلط خیال کی صریح اور مبرہن تردید پائیں گے۔ تو ضرور اس غلط خیال کو ترک کر کے قرآن مجید کے بیان پر ایمان لاویں گے۔

---

[1] بلکہ انہوں نے جسے مشتبہ کیا گیا تھا اسے صلیب دی اور قتل کر دیا۔ (از مرتب)

[2] ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ کی توفیق سے ہی ہے۔ (از مرتب)

تو جس طرح پہلے پارہ میں ان اہل کتاب کے ایمان سے لاطمع کرنے کے لئے اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ [1] الخ (البقرۃ:76) فرما کر ناامید کیا تھا اسی طرح یہاں پر اس امید رجوع کے ردّ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اہل کتاب میں سے ہر ایک ہی اپنی موت سے پہلے اس پر (کہ ہم نے یا ہمارے بزرگوں نے مسیح ابن مریم اللہ کے رسول کو یقیناً صلیب پر قتل کیا ہے) ضرور ہی ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ (ہر ایک اہل کتاب میں سے) ان (پہلے اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ الخ۔ کہنے والوں) پر گواہ ہو گا (اور گواہی دے گا کہ خداوند تعالیٰ ہم تو پاس موجود نہ تھے لیکن جن لوگوں نے ہم تک دین پہنچایا ہے اور جن کو ہم دینی پیشوا خیال کرتے تھے اور جو اس واقعہ میں بذات خود موجود تھے انہوں نے اپنی چشم دید شہادت بھی پیش کی کہ انہوں نے یقیناً اس کو مارا ہے اور پھر یہ بھی کہ خداوند تعالیٰ کا یہ کلام ہے کہ جو مدعی نبوت قتل کیا جائے وہ جھوٹا ہے اور جو صلیب پر مارا جائے وہ لعنتی ہے ورنہ تو ہم اپنی طرف سے کب ایسا کہہ سکتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یَکُوْنُ کی ضمیر ہر ایک اہل کتاب کی طرف نہ پھرے بلکہ مسیحؑ کی طرف پھرے اور معنے یہ ہوں کہ قیامت کے دن وہ مسیح ان پر گواہ ہو گا یعنی اس کی شہادت پر پکڑے جاویں گے کہ میں نے ان کو حق پہنچایا اور نشان دکھلائے پر یہ اس پر ایمان نہ لائے اور میرے قتل کے درپے ہوئے اور باوجود یکہ یہ جانتے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ان کی شر سے نجات دے دی تھی لیکن پھر بھی یہ مجھے مقتول اور مصلوب کہہ کر جھوٹا اور لعنتی ٹھہراتے رہے ہیں۔

یہ آیت بھی ان آیتوں میں سے ایک ہے جن کو حضرت مسیحؑ کے تاحال زندہ ہونے کے لئے ہمارے مولوی صاحبان پیش کیا کرتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے کہا کرتے ہیں لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ کی ہٗ ضمیر مسیح کی طرف پھرتی ہے اور قَبْلَ مَوْتِہٖ کی ضمیر بھی مسیحؑ ہی کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ کرتے ہیں کہ کوئی بھی اہل کتاب میں سے نہیں مگر ضرور وہ مسیح پر مسیح کے مرنے سے پہلے ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ مسیح ان پر گواہ ہو گا۔ مگر چونکہ بظاہر قرآن مجید کے نزول کے بعد مسیحؑ کے مرنے سے پہلے پہلے سب اہل کتاب کے

[1] (اے مسلمانو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تمہاری بات مان لیں گے۔ (تفسیر صغیر)

ایمان لانے کی خبر دی گئی ہے اور واقعہ میں بھی مسیحؑ کی پہلی زندگی میں سب اہل کتاب آپ پر ایمان نہیں لائے اس لئے ثابت ہوا کہ ابھی مسیح زندہ ہے اور پھر ایک وقت آئے گا کہ مسیحؑ زمین پر آئیں گے اور سب اہل کتاب اس وقت ان پر ایمان لاویں گے۔

لیکن چونکہ وَاِنْ مِّنْ کا مقتضی یہ ہے کہ اس کے نازل ہونے کے بعد کا کوئی اہل کتاب بھی اس ایمان لانے سے خالی نہ رہے اور صورت مذکورہ میں لازم آتا ہے کہ مسیحؑ کی آمد ثانی سے پہلے پہلے جو اہل کتاب مرتے ہیں وہ اس ایمان سے خالی رہتے ہیں نیز آیت میں ان سب کے ایمان لانے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں اور اس صورت میں وقت مقرر کیا گیا ہے گویا از خود ایک زائد قید آیت میں داخل کی گئی ہے گویا آیت یوں ہو گئی ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ بَعْدَ نُزُوْلِهٖ مِنَ السَّمَآءِ عَلَى الْاَرْضِ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] اور پھر بعد از نزول اور قبل از موت بھی سب موجودہ اہل کتاب کا مسیح پر ایمان لانا ہر گز نہ ہو سکتا تھا کیونکہ حدیثوں میں آیا ہے کہ بہت سے اہل کتاب دجال کے ساتھ مل جاویں گے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 144 حدیث نمبر 18060 عالم الکتب بیروت طبع 1998ء)

اور پھر یہ بھی آیا ہے کہ پتھر کے پیچھے یہودی چھپے گا اور پتھر پکار کر کہے گا اَیْ مُسْلِم[2]، هٰذَا الْيَهُوْدِيُّ وَرَائِيْ فَاقْتُلْهُ۔[3]

(سنن الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی علامۃ الدجال حدیث نمبر 2236)

اور ظاہر ہے کہ وہ ہزار ہا تو آپ پر ایمان لانے سے محروم ہی دنیا سے جاویں گے اور پھر اس کے علاوہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی مشہور قرأت میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ[4] آیا ہے جس کی هُمْ ضمیر قَبْلَ مَوْتِهٖ کی هٗ ضمیر کی طرح مسیح کی طرف نہ پھر سکتی تھی اور قرأت مشہورہ حدیث صحیح مرفوع کے حکم میں ہوتی تھی۔ لہٰذا اکثر مفسرین نے خود مذکورہ معنے پسند نہیں

---

[1] اہل کتاب میں سے ایک بھی نہیں جو اس (واقعہ) پر اس کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد، اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاتا رہے۔ (از مرتب)

[2] کتاب میں "یا مسلم" کے الفاظ ہیں۔ (از مرتب)

[3] اے مسلمان! یہ یہودی میرے پیچھے ہے اسے قتل کر دو۔ (از مرتب)

[4] ان کی موت سے پہلے۔ (از مرتب)

کئے اور بجائے ان کے کہا ہے کہ پہلی ضمیر (یعنی بِہٖ کی ہٖ) حضرت مسیحؑ کی طرف پھرتی ہے اور دوسری ضمیر (مَوْتِہٖ کی ہٖ) اَحَدٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ[1] کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ ہیں کہ کوئی بھی اہل کتاب میں سے نہیں مگر ضرور ہی وہ اپنے مرنے سے پہلے مسیحؑ پر ایمان لائے گا۔ یعنی جب وہ مرنے لگے گا تو اس پر اصل حقیقت منکشف ہو جاوے گی اور طوعاً و کرھاً اس کو اس پر ایمان لانا پڑے گا اور پھر کسی کی جان بھی بدون اس ایمان کے کبھی نہ نکلے گی۔ ابن منذر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے اس آیت کی یہ تفسیر کی تو کسی نے کہا کہ اگر کوئی یہودی چھت سے گر کر مر جائے تو انہوں نے کہا کہ وہ ہوا ہی میں یہ کہہ لے گا۔ پھر کہا گیا کہ اگر اس کی گردن تلوار سے کاٹی جائے تو انہوں نے کہا تب بھی وہ بول ہی دے گا۔ اسی طرح شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے مجھے کہا کہ یہ آیت میرے دل میں کھٹکتی ہے کیونکہ میں یہودیوں کی گردنیں مارتا ہوں اور میں ان کی زبان سے اس بارہ میں کچھ نہیں سنتا تو میں نے کہا کہ تجھ کو اس کا مطلب غلط بتایا گیا ہے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ جب عیسائی کی جان نکلنے لگتی ہے تو فرشتے آگے اور پیچھے سے اسے مارتے ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث تو مسیح ابن اللہ اور اللہ اور ثَالِثُ ثَلَاثَۃٍ[2] کہتا تھا وہ تو اللہ کا بندہ اور اس کی پیدا کی ہوئی جان اور اس کے حکم سے بنایا ہوا تھا تو وہ اس پر ایمان لائے گا پر اس وقت کا ایمان اسے کام نہ دے گا۔ اسی طرح یہودی کی نسبت بھی بیان کیا اور اخیر میں کہا کہ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ تفسیر تو نے کس سے لی ہے تو میں نے کہا محمد بن علی سے تو اس نے کہا کہ تو نے تو علم قرآن کی کان سے لیا ہے۔ لیکن واللہ باللہ کہ میں نے تو یہ ام سلمہ سے لی تھی پر محض اس کے جلانے کے لئے میں نے محمد بن علی کا نام لے لیا تھا۔ اس بیان سے آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پہلے معنے کہ جن پر مسیح کی حیات کی بنار کھی جاتی ہے۔

جب مفسرین ہی خود ان کو چھوڑ کر دوسرے معنے لیتے ہیں۔ تو پھر وہ قابل استدلال

[1] اہل کتاب میں سے کوئی ایک (از مرتب)
[2] تین میں سے تیسرا۔ (از مرتب)

کب ہو سکتے ہیں۔ مولوی صاحب تو کہا کرتے ہیں کہ احتمال آیا تو استدلال باطل ہوا یہاں تو احتمال سے بڑھ کر مفسرین کے پسند کردہ بلکہ ترجیح دادہ معنے موجود ہیں اور پھر میں تو جو وجوہات بتا آیا ہوں وہ تو ان معنوں کو بالکل باطل کر دیتے ہیں۔ کیا دوسرے معنوں کا دونوں قرأتوں پر درست ہونا اور پہلے معنوں کا ایک پر درست ہونا اور دوسری قرأت پر درست نہ ہونا دوسرے معنوں کو معین نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں ایک فصل ہوتی ہے جس کا عنوان یہ ہوتا ہے فَصْلٌ فِیْ تَعْرِیْفِ طُرُقِ الْمُرَادِ بِالنُّصُوْصِ[1] اور پھر لکھتے ہیں کہ مِنْهَا اَنَّ النَّصَّ اِذَا قُرِءَ بِقِرَاءَتَیْنِ اَوْ رُوِیَ بِرِوَایَتَیْنِ کَانَ الْعَمَلُ بِهٖ عَلٰی وَجْهٍ یَکُوْنُ عَمَلًا بِالْوَجْهَیْنِ أَوْلٰی[2] پھر کیا اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ کے عموم اور شمول کا صراحۃً پہلے معنوں میں نہ پایا جانا ان معنوں کے احتمال کو جڑھ سے نہیں اکھاڑ دیتا اور یہاں پر یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ مولوی صاحب جب دیکھتے ہیں کہ پہلے معنے غلط ہو جاتے ہیں اور کسی طرح وہ قائم نہیں رہ سکتے تو جان بچانے کے لئے ان دوسرے معنوں پر اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ یہ خلاف مشاہدہ ہیں۔

دوم ایمان لانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان معتبر بھی ہو اور اس صورت میں وہ ایمان کالعدم ہوتا ہے۔ تو واضح ہو کہ یہ محض ان کی چالاکی ہے کیونکہ ان دوسرے معنوں کے غلط ہونے سے ان کے پہلے معنے ثابت نہیں ہو جاتے۔ اگر کسی شخص کو کسی آیت کے صحیح معنے نہ آتے ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر اس کو دوسرے غلط معنے جو کہ نظم اور الفاظ قرآن مجید کے صریح خلاف ہیں ان کو صحیح تسلیم کر لے۔ یہ معنے بھی تو ان کے مفسرین نے کئے ہیں ہم تو ان کے قائل ہی نہیں ہم نے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ معنے بیان کئے ہیں جو کہ سیاق و سباق اور الفاظ اور نظم قرآنی کے عین مطابق ہیں اور عقل اور مشاہدہ کے ساتھ مؤید ہیں۔

---

[1] فصل جس میں یہ بیان ہو کہ نصوص کے ذریعے مقصود تک پہنچنا۔ (از مرتب)

[2] اس میں سے ہے کہ نص جب دو طرح سے پڑھی جائے یا دو طرح روایت کی گئی ہو، عمل اس پر ایک طرح ہو رہا ہو تو دونوں طریق میں سے زیادہ مناسب پر عمل ہو گا۔ (از مرتب)

مولویوں والے معنے تو علاوہ اور نقصوں پر مشتمل ہونے کے اس وجہ سے بھی مردود ہیں کہ جب وہ مسیح کی زندگی میں ہی مسیحؑ پر ایمان لے آئے تو اب ان کا قصور کیا ہے کہ مسیح ان پر قیامت کے دن گواہ ہو۔ ہاں اگر قیامت کی قید نہ ہوتی تو پھر بھی شَهِيْدٌ کے معنے نگران یا نمونہ کے لیتے۔ پر اب تو بجز گواہی کے اور لے نہیں سکتے اور ان کے ایمان لانے کے بعد ان پر گواہی دینے کے کچھ معنے نہیں بنتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مضمون صراحۃً غلط ہو جاتا ہے۔ تو چونکہ ان کے نقائص کا بیان بہت طویل ہو گیا ہے اور پھر درمیان میں ان کے بعض اقوال کے جواب دینے اور ردّ کرنے سے سامع اور پڑھنے والے کا ذہن نظم کلام قائم نہیں رکھ سکتا تھا لہٰذا اس کے قائم کرنے کے لئے ان سب نقائص کو بلفظ جامع و مختصر دوہرانے کے لئے اور گذشتہ سب جرائم کی یکجا سزا اور ان کا بد نتیجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) سو ان کے ظلم کے سبب سے جو کہ یہودی بنے ہیں۔ (گو مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا کے بجائے بِظُلْمِهِمْ کہنا کافی تھا لیکن اس کے اظہار کرنے کے لئے کہ وہ تو اس یہودی بننے کو بڑے بڑے فضلوں اور انعاموں اور ترقی مدارج اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[1] (المائدۃ:19) بننے کا ذریعہ یقین کرتے تھے پر ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے ان کے اس خیال کے اس قدر خلاف ان کے ساتھ ہوا کہ) ہم نے ان پر وہ پسندیدہ چیزیں ان پر حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ چیزیں جو ان پر حرام کی گئی تھیں وہ تو وہی ہیں جن کا ذکر پ8 ع5 میں بدیں الفاظ فرمایا ہے۔ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ[2] (الانعام:147) اور اس میں بھی شک نہیں کہ حلال اور حرام کرنا تو شریعت کی کتاب کا کام ہے اور توریت کے بعد ان پر کوئی شریعت نازل نہیں

[1] اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور جو لوگ یہودی ہیں ہم نے ان پر ہر اک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا۔ اور گائے (بیل) اور بھیڑ (بکری) میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں باستثنا اس (چربی) کے جو ان کی پیٹھوں یا انتڑیوں پر ہو یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو حرام کر دی تھیں، یہ ہم نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ہوئی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو تحریم توریت یا اس سے کسی پہلی کتاب میں آئی ہو اس تحریم کا باعث وہ جرم ہر گز نہیں ہو سکتے جو کہ توریت کے نزول سے بہت بعد میں ہوئے ہوں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان کے مذکورہ جرائم میں سے کئی ایک جرم بعد کے ہیں جیسا مریم پر بہتان یا حضرت مسیح کے قتل کرنے کا ادعاء تو پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان جرائم کے باعث سے ہم نے یہود پر یہ چیزیں (توریت میں) حرام کی ہیں اور اسی وجہ سے بعض نے تو ان جرائم کو حَرَّمْنَا کے ساتھ متعلق ہی نہیں کیا بلکہ لَعَنَّا وغیرہ مقدر نکال لیا اور جنہوں نے حَرَّمْنَا ہی کے ساتھ متعلق کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ حَرَّمْنَا میں تحریم اور بقاء تحریم دو چیزیں بیان ہوئی ہیں تو گو بعض جرائم نفس تحریم سے متاخر ہیں پر بقاء تحریم سے سب متاخر اور سب بقاء تحریم کا سبب ہو سکتے ہیں تو تفصیل یہ ہو گی کہ جرائم متقدم تو تحریم کے سبب سے ہیں اور متاخرہ بقاء تحریم کے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہاں تحریم سے تحریم شرعی مراد نہیں ہے اور نہ ایسے بے دین اس کو کچھ سزا خیال کر سکتے ہیں کیونکہ وہ تحریم کے بعد بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں بلکہ اس سے عام طور پر محروم کئے گئے اسی طرح پہلے ان میں ملہمین اور انبیاء ورُسُل ہوتے تھے اسی طرح ملکوں اور بڑے بڑے محاصلوں والے ہوتے تھے اور اب سب سے محروم کیے گئے ہیں اور یہ تحریم ایسی عام ہے کہ جو چیز شرعی طور پر حرام کی جاوے گی اور لوگ اس کے استعمال سے محروم کئے جاویں گے تو اس پر بھی صادق آئے گا کہ لوگ اس سے محروم کئے گئے ہیں اور قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہ جرائم ان کی بہت سی محرومیوں کے باعث ہوئے۔

چنانچہ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ[1] الخ (المائدۃ:79) اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ[2] الخ (البقرۃ:62) بھی اسی قسم کی ہیں اور پھر ان بڑے جرموں کے اور ان کی سزا کے بیان کے بعد ان کے چھوٹے جرم بیان کرنے کے لئے جو کہ گو حقیقت میں بڑے ہیں پر بمقابلہ مذکورہ بالا جرائم کے کم درجہ کے ہیں فرمایا کہ) ان کے اللہ کے راستہ سے بہت

[1] بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان پر لعنت کی گئی تھی۔ (تفسیر صغیر)
[2] انہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل اور بے بس کر دیا گیا۔ (تفسیر صغیر)

رکنے اور روکنے کے اور ان کے سود لینے کے سبب سے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور ان کے باطل طور پر لوگوں کے مال لینے سے اور ان میں سے کافروں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

(مفسرین نے بِصَدِّهِمْ اور اس کے مابعد کو بھی حَرَّمْنَا ہی کے ساتھ متعلق بتایا ہے اور اس کے حَرَّمْنَا کے بعد لانے کی وجہ گو مفسرین نے کوئی نہیں بتائی لیکن میں ربط میں ذکر کر آیا ہوں اور بعض نے ان کا متعلق مقدر تسلیم کیا ہے۔ پر اصل بات یہ ہے کہ یہ اَعْتَدْنَا کے ساتھ متعلق ہیں اور ایسے مواقع میں واو محض تاکید اور اس بات کی طرف ذہن کو پھیرنے کے لئے لایا جاتا ہے کہ اس کے مدخول کے ساتھ اور بھی ہیں اور تیار کرنے کا مقصد میں پہلے پارہ میں بیان کر آیا ہوں۔ یہاں پر اس قدر یاد دہانی کراتا ہوں کہ تیار کرنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں دوزخ کوئی پہلے سے بنی بنائی اور تیار کردہ چیز نہیں بلکہ آدمی جو کفر اور برے کام کرتا ہے وہی اس کے لئے دوزخ بنتے ہیں اور قیامت کے دن ایک اور صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

تو جب خداوند تعالیٰ نے زبردستی ان کے ہاتھوں کو ان بدیوں اور بدکاریوں سے نہ روکا بلکہ ان کو کھلا چھوڑ دیا تو یہی ان کے لئے عذاب الیم کا تیار کرنا تھا۔ تو جب اہل کتاب کی یہ قومی برائیاں اور ان کے جرائم اور نقائص بیان ہو گئے اور گو اس طریق بیان سے کوئی ان کی ذاتی مذمت ثابت نہ ہوتی تھی بلکہ یہی ثابت ہوتا تھا کہ ان ان جرائم اور سیئات کی وجہ سے وہ قابل مذمت ہیں اور اگر وہ ان کو ترک کر کے بجائے ان کے حسنات کو اختیار کریں تو پھر وہ کسی طرح قابل مذمت نہیں ہو سکتے۔ لیکن چونکہ عام طبائع کا یہی طریق ہے کہ ایسی مذمتوں کو قومی اور ذاتی قرار دے لیتی ہیں اس کی زیادہ وضاحت کرنے کے لئے فرمایا کہ) لیکن ان میں سے علم میں پختہ لوگ اور وہ ایمان لانے والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم بڑا اجر دیں گے۔

(یعنی یہ لوگ ان میں شمار نہیں ہو سکتے جن کی ہم نے پہلے مذمت بیان کی ہے کیونکہ ان کی مذمت ان کی بے ایمانیوں اور نافرمانیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے تھی نہ محض قوم

اور اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اور یہ لوگ گو اس قوم سے ہیں اور اہل کتاب کہلانے والوں سے ہیں پر مذکورہ سب برائیوں سے پاک اور بجائے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور انفاق مال فی سبیل اللہ کے ساتھ متصف ہیں۔ لہٰذا جیسے اور ایسے لوگوں کے لئے ہم نے اجر عظیم کا وعدہ دیا ہوا ہے اسی طرح ان کے لئے بھی اس کا وعدہ ہے۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کے اعراب میں مفسرین نے بہت وجوہات لکھی ہیں کہ اَلْمُقِيْمُوْنَ کیوں نہیں آیا جیسے کے ساتھ کے اَلْمُؤْتُوْنَ وغیرہ آئے ہیں۔ لیکن سب وجوہات سے عمدہ وہی ہے جو کہ امام ربیویہ نے اختیار کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اخصّ کا مفعول ہے اور عرب کا یہ دستور ہے کہ جب بہت سی چیزوں یا صفتوں میں سے کسی کی خصوصیت اور زیادت بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس کو منصوب ذکر کرتے ہیں اور اس کی نصب کا عامل بظاہر کوئی ذکر نہیں کرتے اور اس میں شک نہیں کہ اقامت صلوۃ اس بارہ میں خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ جس کے اظہار کے لئے اس کو خصوصیت کے ساتھ منصوب ذکر کر دیا ہے۔

آیت 164 تا 172: اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ كَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ هٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا۔ وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡكَ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَكۡلِیۡمًا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَكِیۡمًا۔ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشۡهَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ یَشۡهَدُوۡنَ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغۡفِرَ لَهُمۡ وَ لَا لِیَهۡدِیَهُمۡ طَرِیۡقًا۔ اِلَّا طَرِیۡقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّكُمۡ وَ اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا۔ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلۡقٰىهَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡهُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ اِنۡتَهُوۡا خَیۡرًا لَّكُمۡ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا۔

تشریح:

اَوْحَیْنَا۔ اِیْحَاءٌ سے ہے جو کہ وحی سے بنایا ہوا ہے۔ اس کے اصل معنے تو اشارہ کرنے کے ہیں اور پھر ایسے کلام کے کرنے پر بولا جاتا ہے جو کہ دوسروں اور غیروں سے پوشیدہ کی جائے اور زیادہ تر خداوند تعالیٰ کے کلام کرنے پر بولا جاتا ہے جو کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ کیا کرتا ہے اور یہ تخصیص نہ زبان میں ہے اور نہ شرع میں کہ وحی خاص اسی کلام الٰہی پر بولی جائے جو کہ کسی نبی یا رسول کے ساتھ ہو۔

اَسْبَاطٌ۔ کی نسبت میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ یہ سِبْطٌ کی جمع ہے۔ جس کے اصل معنے پوتے اور نواسے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد پر قبائل کا اطلاق کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت اسحٰقؑ کی اولاد پر اَسْبَاطٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اور چونکہ ان اَسْبَاطٌ میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرینۂ مقام کہیں اَسْبَاطٌ سے وہ انبیاء مجازاً مراد ہوں جو کہ اَسْبَاطٌ میں مبعوث ہوئے تھے۔

زَبُوْرٌ۔ زَبْرٌ سے ہے جس کے معنے لکھنے کے ہیں یعنی مکتوب اور یہ اس کتاب کا نام ہے جو کہ حضرت داؤدؑ پر مختلف اوقات میں نازل ہوئی تھی۔

قَصَصْنَا۔ قَصَصٌ سے ہے بیان کرنا۔ کَلَّمَ۔ تَکْلِیْمٌ سے ہے بات کرنا۔

حُجَّةٌ۔ دلیل کو کہتے ہیں اور کبھی کسی خاص نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے معذرت کو بھی حجت کہہ دیتے ہیں۔

یَسِیْرٌ۔ آسان۔ لَا تَغْلُوْا۔ غُلُوٌّ سے ہے، حد سے گذرنا اور انداز سے بڑھنا۔

کَلِمَةٌ۔ بات، پیشن گوئی جو کہ لفظ کُنْ سے پیدا اور تیار ہو۔

رُوْحٌ۔ کلام الٰہی، جان اور نسمۃ۔ ثَلٰثَةٌ۔ تین کو کہتے ہیں۔

اِنْتَهُوْا۔ اِنْتِهَاءٌ سے ہے، باز آنا، ختم ہونا۔

سُبْحَانَ۔ بمعنے تسبیح ہے اور اس کا فعل عموماً اس کے ساتھ مقدر ہوتا ہے۔

وَکِیْلٌ۔ کارساز۔

ترجمہ:

یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایسی وحی کی ہے جیسی کہ ہم نے نوح اور اس کے بعد کے) نبیوں کی طرف کی ہے اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور (اولاد اسحٰق کے) قبائل (کے نبیوں) اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور دی ہے اور بہت سے رسول (بھیجے ہیں) کہ جن کا (حال) یقیناً ہم نے پہلے ہی سے تجھ پر بیان کیا ہے اور (اور) بہت سے رسول (بھیجے) ہیں کہ ان کا (حال) ہم نے تجھ پر بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا ہے اور ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے ہیں۔ تاکہ لوگوں کے لئے رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی عذر نہ ہو اور اللہ نہایت غالب، بڑی حکمتوں والا ہے۔ لیکن اللہ اس پر گواہی دیتا ہے جو کہ اس نے تیری طرف اتارا ہے کہ اس نے اس کو اپنے (خاص) علم کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں اور اللہ کافی گواہ ہے۔ بیشک جو لوگ کافر بنے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا ہے سو وہ دور کی گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ بے شک وہ لوگ کافر بنے اور انہوں نے ظلم کیا ہے وہ اس کے لائق نہیں کہ اللہ ان کو بخشے اور نہ اس کے کہ جہنم کے راستہ کے سوا کوئی اور راستہ ان کو دکھائے۔ بہت مدت دراز تک اس میں رہنے والے ہیں اور اللہ پر یہ آسان ہے۔

اے لوگو یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ آیا ہے (یا حق لایا ہے) سو تم ایمان لاؤ تمہارے لئے یہ بہتر ہو گا اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً وہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے۔ اے کتاب والو تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ پر حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کا رسول ہی اور اس کی ایک پیشن گوئی ہی ہے جو کہ اس نے مریم کی طرف بھیجی تھی اور اس کی طرف سے ایک الہام (یا ایک جان) ہی تھا۔ سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تم مت کہو کہ خدا تین ہیں۔ (اس کہنے سے) باز آؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا اللہ ہی ایک معبود ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی ولد ہو۔ اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے رکوع میں اہل کتاب کا یہ سوال ذکر فرمایا تھا کہ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ[1] (النساء:154) اور پھر ان کی عادت بتانے اور تسلی دینے کے لئے فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً[2] الخ (النساء:154) فرمایا تھا اور پھر اس کے سلسلہ میں اہل کتاب کے جرائم اور بدزبانیاں اور ان کے جوابات بیان ہوئے تو اب اہل کتاب کے سوال کے بقیہ جواب کے بیان کرنے کے لئے۔ نیز اہل کتاب میں سے رَاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ[3] کے مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[4] (النساء:163) پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسروں کے مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر ایمان لانے اور مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ پر ایمان نہ لانے میں ملزم ٹھہرانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً ہم نے تیری طرف ایسی وحی کی ہے جیسی کہ ہم نے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کی تھی اور (جیسی کہ) ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور (اسحٰق کی اولاد کے) قبائل (یا ان کے قبائل کے نبیوں) اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون سلیمان کی طرف وحی کی ہے اور جیسی کہ) ہم نے داؤد کو زبور دی ہے اور (جیسی کہ اور بہت سے) رسولوں کو (کتاب دی ہے) جو کہ ہم نے پہلے تجھ پر بیان کئے ہیں اور (اور) رسولوں کو جو کہ ہم نے تم پر بیان نہیں کئے۔ (یعنی یہ جس قدر انبیاءؑ ہم نے ذکر کئے ہیں جس طرح اور جس قسم کی وحی ہم نے اُن کو کی تھی اسی طرح کی وحی ہم نے تم پر بھی نازل کی ہے اور پھر جس طرح ان مذکورین میں سے بہت سے رسولوں کو ہم نے کتابیں دی ہیں یا ان کے علاوہ اور بہت سے رسولوں کو ہم نے کتابیں اور صحیفے دیئے۔

سو جس طرح وہ کتابیں بحسب حکمت وضرورت مختلف حصص اور ٹکڑوں کی صورت میں ان کو دی گئی ہیں اور کلام کے رنگ میں ان کو دی گئی ہیں نہ سب کی سب لکھی یا کندہ کی

---

[1] اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے ایک کتاب نازل کرے۔ (تفسیر صغیر)

[2] انہوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا تھا کہ تو ہمیں اللہ ظاہر میں دکھادے۔ (تفسیر صغیر)

[3] علم میں پختہ لوگ۔ (از مرتب)

[4] جو تجھ پر اتارا گیا اور جو (کچھ) تجھ سے پہلے اتارا گیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

ہوئی۔ اسی طرح اور طریق پر ہم نے تم کو بھی کتاب دی ہے۔ تو پھر جب یہ لوگ ان رسولوں کو اور ان کی کتابوں اور ان کی وحیوں کو مانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے زمانہ کے مومنین ان پر اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے ان سے آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب لانے کی درخواست نہیں کی تھی تو پھر تم ان کو کہو کہ تم کس طرح یہ سوال مجھ سے کر سکتے ہو۔

رہی موسٰی کی کتاب تو اس کی نسبت فرمایا) اور اللہ نے موسٰی سے ٹھیک ٹھیک (یا ایک قسم کا) کلام کیا ہے (اس میں دو طریق بتائے ہیں ایک یہ کہ موسٰی سے بھی اللہ نے کلام ہی کیا ہے اور یہ غلط ہے کہ ساری کتاب لکھی لکھائی آسمان سے موسیٰ پر پھینک دی تھی اور یہ بالکل سچی بات ہے۔

موجودہ بائبل کے پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حضرت موسٰی اور بنی اسرائیل کی اس زمانہ کی تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسٰی مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے احکام پا کر بنی اسرائیل کو وہ احکام اور ارشادات سناتے اور ان پر ان سے عملدرآمد کراتے رہے ہیں۔ چنانچہ بہت سے احکام ہیں کہ وہ مصر میں رہنے کے زمانہ میں آپ کو ملے اور اپنی قوم کو سنائے۔

اسی طرح مصر سے نکلنے اور الواح لانے سے پہلے بھی بہت سے احکام ملے ہیں اور یہ سب وحی کے طور پر تھے اور پھر قرآن مجید ہی میں کئی ایک کلام الٰہی مذکور ہیں جو کہ خداوند تعالیٰ نے موسیٰ کو ارشاد فرمائی ہیں پھر طُور پر بار بار گئے اور ہر ایک دفعہ کچھ نہ کچھ ارشاد ہوتا رہا ہے۔ پھر آگ تلاش کرنے کے وقت کا کلام الٰہی تو مشہور ہی ہے اور علاوہ ازیں جب کتاب لینے کے لئے میقات مقرر ہوا ہے اور چالیس دن کے بعد حضرت موسٰی الواح لے کر واپس آئے اس میقات کی نسبت بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ[1] الخ (الاعراف:144) اور پھر اسی موقعہ پر تجلی دیکھنے کے بعد جب ہوش میں آئے ہیں تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ فَخُذْ

[1] اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت کے مطابق مقررہ جگہ پر آ گیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا۔ (تفسیر صغیر)

مَآ اٰتَیْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ[1] (الاعراف:145) اور بعد ازیں فرمایا وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ[2] (الاعراف:146) جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی کلام ہی تھا اور وہ یا اس کا ضروری حصہ اَلواح میں لکھوا بھی دیا تھا۔ جیسا کہ كَتَبْنَا کا بصورت جمع لانا بتایا ہے۔ تو جب موسٰی سے بھی کلام ہی کیا ہے تو وہی کلام تجھ سے بھی ہے اور دوم یہ کہ موسٰی کے ساتھ ایک خاص کلام کیا ہے تو پھر اگر وہ خاص طریق تجھ کو نہیں ملا تو دوسرے جن رسولوں پر یہ لوگ ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کو بھی یہ طریق نہیں ملا پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر ان کے وقت کے لوگوں میں سے جو ایمان لائے تھے نہ انہوں نے ان سے یہ سوال کیا اور نہ خود انہوں نے اپنے ایمان لانے کے لئے ایسی کتاب کا لانا قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ محض ایک شریرانہ سوال ہے اور بس اور مفسرین نے رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ الخ کے یہ معنے نہیں کئے بلکہ انہوں نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے اور بہت سے رسول بھیجے ہیں جن کا حال تجھ پر پہلے ہم نے بیان کیا ہے۔

(یعنی سورہ انعام میں جو کہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اور اس کے سوا اور سورتوں میں یا قرآن مجید کے سوا دوسری وحی کے ذریعہ سے آپ کو بتایا گیا تھا) اور اور رسول بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے تم پر نہیں بیان کیا اور جب ان کے اس شریرانہ سوال کا جواب پورا ہو چکا تو چونکہ اس میں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر بھی اسی قسم کی وحی نازل کی گئی ہے کہ جس قسم کی دوسرے پہلے انبیاء کی طرف نازل کی گئی تھی پر اہل کتاب ان پر اور ان کی کتاب پر تو ایمان لاتے ہیں اور آپ پر اور آپ کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے اور اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ان پر ایمان لائے ہیں تو اس سے ان کے لئے ایک اعلیٰ فضلیت اور ان کا کمال ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے آپ کی شان میں کمی اور نقص لازم آتا ہے تو اس کے رفع

[1] اے موسیٰ! میں نے تجھ کو (اس زمانہ کے) تمام انسانوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ سے برتری بخشی ہے پس جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے، اسے مضبوطی سے پکڑ لے اور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جا۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور ہم نے اس کے لئے کچھ تختیوں میں اپنے ایسے احکام لکھے جو ہر قسم کی نصیحت پر مشتمل تھے اور جن میں (اس زمانہ کے لئے) ہر ضروری چیز کی تفصیل موجود تھی۔ (تفسیر صغیر)

کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) ہم نے رسولوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے (مقرر کر کے) بھیجا تھا۔

(یعنی سب رسولوں کا اصل فرض و منصب اور ان کے بھیجنے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے متبعین کو بشارت دیں اور اپنے مخالفوں کو ڈرائیں نہ یہ کہ لوگوں کو ضرور اپنا متبع بنائیں اور نہ یہ چاہتا ہے کہ سب ان کے متبع ہی ہو جائیں۔ تو جب ان کا فرض منصب یہ ہے تو اب وہم مذکور تو رفع ہو گیا۔ پر اس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ گو ان کا فرض منصب یہی ہو پر اس فرض منصب پر ان کو اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے ذریعہ سے ہدایت پائیں۔ تو فرمایا کہ اس فرض منصب پر اسی لئے ان کو بھیجا جاتا ہے) تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر نہ رہے (یعنی گو یہ صحیح ہے کہ سعید لوگ ان کے وجود سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ پر الٰہی منشاء تو ان کے اس فرضِ منصب کے ساتھ بھیجنے سے یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے یہ عذر نہ رہ جائے کہ ہم تو جاہل تھے تو اگر خداوند تعالیٰ کسی کو ہمارے سمجھانے کے لئے بھیج دیتا تو ہم ضرور راہ راست پر چلتے تو لوگوں کے اس عذر کو توڑنے کے لئے رسولوں کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تقاضا کو زبردست ظاہر کرنے کے لئے ان کے عذر کو اور ضعیف عذر کو حجت علی اللہ سے تعبیر کیا ہے ورنہ ان کا یہ عذر کسی طرح حجت علی اللہ نہیں ہو سکتا پر چونکہ ان کی معذرت کرنے پر رحم الٰہی کے غلبہ کا اظہار مقصود تھا اسی لئے اس کو حجت علی اللہ کہہ دیا پر حجت علی اللہ کے لفظ سے جو ضعف و مغلوبیت کا وہم کھٹک سکتا تھا اس کو یوں رفع کر دیا کہ) اللہ ہمیشہ بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے۔

(اہل کتاب کی یہ خوشی تو گو خاک میں ملا دی گئی کہ ان کے ایمان نہ لانے سے رسول کے فرض منصبی میں کچھ نقصان ہوتا ہے۔ لیکن وہ خود یا کوئی دوسرا یہ خیال کر سکتا تھا کہ اگرچہ اہل کتاب کے ایمان نہ لانے سے رسول کے فرض منصبی میں کوئی نقص عائد نہیں ہوتا کیونکہ سب رسولوں کا اصلی فرض تبشیر اور انذار ہے نہ ہدایت پر لانا پر یہ نقص تو ضرور عائد ہو گا کہ اہل کتاب شہداء اللہ الرسول تھے تو جب وہ ایمان نہ لائے تو شہادت نہ پائیں گی

اور جب شہادت نہ ہوئی تو رسالت ہی ثابت نہ ہوئی تو اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ اگر وہ گواہی نہیں دیتے تو نہ دیں) لیکن اللہ اس پر گواہی دیتا ہے جو کہ اس نے تیری طرف اتارا ہے کہ اس کو اس نے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے۔ (یعنی اور کتابوں میں جس طرح احکام نازل کرنے میں مصالح عباد کی رعایت رکھی جاتی تھی اسی طرح ان کے طرز بیان اور نظم اور معارف وحقائق کے انتخاب میں بھی عباد ہی کے طریق اور مناسبت اور قابلیت کو مد نظر رکھا جاتا تھا اسی طرح وجہ سے ان کی نظم اور طرز بیان اور علوم اور معارف اپنے ساتھ شان الوہیت کے وہ روشن پر تو نہ رکھتے تھے کہ جن کی وجہ سے ان کتابوں کی ذات ہی میں ان کے منجانب اللہ ہونے کی زبردست شہادتیں موجود ہوں اور وہ بیرونی شہادتوں کے محتاج نہ ہو لیکن کتاب جو کہ ہم نے تجھ پر نازل کی ہے اس کی شان ہی اور ہے۔

اس کے احکام اگر مصالح عباد اور ہر ایک حال اور زمان اور صورت واقعات کی اشدّ رعایت ہے تو اس کے علوم ومعارف میں اور اس کے طرز بیان اور نظم کلام میں شان الوہیت اس قدر غالب رکھی گئی ہے کہ اس کے باعث سے وہ اپنے بھیجنے والے کی مانند لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] (الشوریٰ:12) ہے اور خداوند تعالیٰ سب مخصوص چیزوں کی طرح لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ[2] (بنی اسرائیل:89) کا روشن تمغہ اپنی پیشانی پر رکھتی ہے اور اس کی ذات ہی میں اس کے منجانب اللہ ہونے میں وہ الٰہی شہادتیں نسب کی ہوئی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے یا کسی اور بیرونی شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور یہی معنے ہیں اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ کے اور اس کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ اس کتاب کا نزول اور بقاء خداوند تعالیٰ کی نگہبانی میں ہوا ہے اور ہوگا۔

لہٰذا نہ اس میں کوئی دخل من غیر اللہ ہوا ہے اور نہ ہوسکے گا) اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں (اللہ کی شہادت تو میں نے بارہا بیان کی ہے کہ وہ یہ ہوتی کہ کسی شخص یا کسی چیز کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے افعال اور صفات کا وہ خاص تعلق ہو جو کہ اوروں کے ساتھ نہ ہو مثلاً انبیاءؑ

[1] اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] وہ اسکی نظیر نہیں لاسکیں گے۔ (تفسیر صغیر)

کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار کرنا یا ان کی خارق عادت طور پر تائید کر دینا اور نصرت دینا یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کا ان کے ساتھ وہ خاص تعلق ہے جو کہ اس کو اوروں کے ساتھ نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کتاب کا لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ[1] (بنی اسرائیل:89) کی حد تک پہنچا دینا اور اس کے علوم و معارف و نظم کلام اور طریق بیان اور اس کی خارق عادت طور پر تائید کرنا یہ اس کے منجانب اللہ ہونے پر الٰہی شہادتیں ہیں اور فرشتوں کی شہادت بھی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے نظام اور افعال الٰہیہ اور قوانین قدرت کا اجراء اور تنفیذ ہوتی ہے وہ فرشتوں کی معرفت ہوتی ہے۔

اسی طرح انسانوں کے دلوں میں کشش اور جذب اور تنفّر و تباعُد کی تحریک کرنا یہ بھی فرشتوں کا کام ہوتا ہے تو کسی چیز یا شخص کی طرف لوگوں کے دلوں میں فوق العادت اور زاہد بلکہ بے حد زاہد از سعی و کوشش کشش و جذب کی تحریک کرنا یا بڑے بڑے اور قدرتی افعال اور قوانین قدرت کو تائید میں لگا دینا یہ فرشتوں کی اس کے حق میں شہادت ہوتی ہے کہ بے شک یہ ہمارے آقا کی طرف سے جس کے حکم کی ماتحتی سے ہم ذرا بھر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے مثلاً جنگ بدر کے موقع پر اس بارش کا برسنا جس سے اہل اسلام کے پانی کی بے حد دقّت رفع ہونے کے علاوہ ان کے قیام گاہ اور ازم گاہ کا وہ ریتا جم گیا جو کہ ان کو چلنے پھرنے میں سخت تکلیف دیتا تھا اور کفار کے قیام گاہ اور ازم گاہ کی لیسدار اور غبار ناک مٹی کو ایسا کیچڑ اور منزلۃ الاقداح بنا دیا کہ نہ وہ خود چل سکتے اور نہ ان کے گھوڑے اور اونٹ کھلا قدم ڈال سکتے۔ چنانچہ ان کے بڑے نامی سوار اور بہادر گھوڑوں کے پھسلنے سے اہل اسلام کے نیزوں سے پروئے گئے اور اسی طرح صبح کے وقت اس ہَوا کا چلانا جو کہ اہل اسلام کی طرف کے ریتے کو خشک کرتی اور اُڑا اُڑا کر کفار کی آنکھوں میں ڈالتی اور مطلع کا خوب صاف ہو کر سورج بڑی تیزی سے اہل اسلام کی پشت کی طرف سے طلوع کر کے اعداء کی آنکھوں کو شست باندھنے سے روکنے میں ریتہ اور ہَوا کا مددگار بننا یہ سب فرشتوں کی مختلف شہادتیں تھیں۔

[1] وہ اسکی نظیر نہیں لا سکیں گے۔ (تفسیر صغیر)

اسی طرح باوجود کفار کی سخت بندشوں کے لوگوں کے دلوں کو فوق العادت کے طور پر اسلام کی طرف جذب کرنا بھی انہی کی ایک زبردست شہادت تھی) اور اللہ کی شہادت کافی ہے (یعنی اس کی شہادت کے بعد دوسرے کسی کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں ہے اور فرشتوں کی شہادت حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہی کی شہادت ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے اللہ اور فرشتوں کی شہادت ذکر کی ہے اور کفایت کے بیان کے وقت ایک اللہ ہی کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے۔ تو جب یہ بھی بتا دیا کہ ان کی شہادت کی بھی کچھ ضرورت نہیں تو اب یہ بتانے کے لئے کہ گو ان کے اہل کتاب کہلانے سے کسی کو ان کے شہداء اللہ ہونے کا وہم پیدا ہو لیکن حقیقت میں وہ اس شہادت کے اب اہل ہی نہیں رہے فرمایا کہ) یقیناً جو لوگ کافر بنے اور انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا وہ دور کی گمراہی میں پڑ گئے۔

(یعنی ان کے اہل کتاب کے نام کے ساتھ موسوم ہونے سے اس شہادت کے وہ اہل نہیں ٹھہرائے گئے تھے بلکہ اہل اللہ اور اہل علم اور عارف باللہ اور متبعی الرسل ہونے کی وجہ سے قرار دیئے گئے اور ایمان پر کفر کو اختیار کرنے اور اللہ کے راستے سے رُکنے اور لوگوں کو روکنے سے انہوں نے اپنے آپ کو ان امور کے برعکس ثابت کر کے اپنی اہلیت شہادت کی نفی کی شہادت دے دی ہے اور چونکہ اہل کتاب اسی وجہ سے بدیوں اور گمراہیوں میں دلیر ہو گئے تھے کہ وہ اپنی نسبت خصوصیت سے یہ خیال رکھتے تھے کہ خداوند تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہماری مغفرت کر دے گا اور گو ہم کچھ کریں پر وہ ہمیں جنت کی طرف لے ہی جاوے گا اور ان کا یہ خیال ان کی عیب شماری کے اس اثر کو بالکل باطل کر دیتا تھا کہ جس کے لئے ان کے نقائص کا تذکرہ کیا گیا ہے لہٰذا ان کے اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا کہ) بے شک جو لوگ کافر بنے اور انہوں نے ظلم کیا ہے نہ تو اللہ ان کو مغفرت دینے والا ہے اور نہ بجز جہنم کے کوئی اور راستہ بتانے والا ہے جس میں وہ رہ پڑیں گے۔ (یعنی خداوند تعالیٰ تو ان کو کتاب دے کر اور بار بار انبیاء کے ذریعہ سمجھا کر گواہ بنائے اور پھر وہ اس سب کو پس پشت ڈال کر خود بھی کافر بن جائیں اور الٹے لوگوں کو ایمان لانے سے روکیں اور پھر مومنین پر ظلم کریں تو کیا ابھی وہ اس کے قابل اور لائق ہیں کہ وہ ان کے

پہلے قصور معاف کر دے اور آئندہ کے لئے قصوروں سے بچنے کی توفیق اور ان کو کامیابی اور حیات طیبہ اور جنت ورضوان اللہ کی راہ پر ان کو چلائے بلکہ وہ الیٰ[1] اسی کے قابل رہے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ان کو جہنم کی راہ پر لگائے اور وہ اسی میں پڑے رہیں۔

رہا جہنم میں ہمیشہ اور ابدی طور پر رہنا سو اس کی تحقیق میں پہلے کر آیا ہوں اور پھر ان کے مذکورہ بالا وہم سے جو لازم آتا تھا (کہ نعوذ باللہ خداوند تعالیٰ اہل کتاب کو ان کے منصب عالی سے اتارنے اور سزا دینے سے عاجز ہے اور وہ اس بارہ میں کچھ نہیں کر سکتا) اس کی تصریح اور تردید کرنے کے لئے فرمایا کہ) اللہ پر یہ (سب کچھ) آسان ہے (تو جب اہل کتاب کی آنکھیں کھول دیں اور ان کی بے ایمانیوں اور شرارتوں پر جرأت کرنے کی بناء کو جڑھ سے اُکھاڑ دیا اور ایسا ہی موقعہ قابل تبلیغ ہوتا ہے اور نیز یہ تعلیم دینے کے لئے کہ ایسا ہی موقعہ تبلیغ کے مؤثر ہونے کا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی بتانے کی لئے کہ یہ لوگ یقیناً نا قابل ہو گئے کہ ایسی تبلیغ ان کے لئے مؤثر نہیں ٹھہری۔ فرمایا کہ) اے لوگو یقیناً تمہارے پاس حق کے ساتھ یہ رسول آیا ہے (یا یہ رسول حق تمہارے پاس لایا ہے۔ سو تم ایمان لاؤ گے یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا اور اگر تم کافر بنو گے تو یقیناً وہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ بہت علم والا، بڑی حکمت والا ہے۔ (یعنی تم بخوبی جانتے ہو کہ کسی رسول برحق پر ایمان لانے سے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ضرور فائدہ بلکہ عظیم الشان فائدہ پہنچتا ہے اور اس کی مخالفت سے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی بڑی تباہی آتی ہے۔ کیونکہ انسان کی دنیوی سب خیر و شر کا ظاہری تعلق انہی زمینی اور آسمانی امور سے وابستہ ہے اور جب ایک انسان بادشاہ اپنے مقرر کردہ اور فرستادہ حاکم کی مخالفت اور بغاوت اور تحقیر و تذلیل نہیں پسند کرتا تو وہ احکم کب پسند کرے گا۔ بلکہ جس طرح بادشاہ ان باغیوں کو شر اور دکھ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اسی طرح خداوند تعالیٰ بھی ایسا ہی چاہتا ہے پر اس بادشاہ کو تو ان کی خیر و شر کے سلسلہ اسباب پر کوئی تسلط نہیں کہ ان کی خیر کے اسباب کو روک دے اور شر کے اسباب کو زمین و

[1] نقل بمطابق اصل۔ یہاں کچھ سہو معلوم ہوتا ہے۔ (از مرتب)

آسمان سے ان کے لئے جمع کر دے لیکن خداوند تعالیٰ تو زمین و آسمان کے سب امور کا مالک اور متصرف ہے۔ لہٰذا یہ سب اس کے ارادہ کے ماتحت چلتے ہیں اور تمہارا اہل کتاب ہونا تم کو اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اہل کتاب ہی میں رسول برحق کی اتباع سے خیر کے پہنچنے اور اس کی مخالفت سے زمین و آسمان کے اسباب سے شر عظیم کے نازل ہونے کے نظائر اور شواہد خود اہل کتاب اور بنی اسرائیل میں بکثرت موجود ہیں اور علیم و حکیم فرما کر بتایا کہ اوّل تو سب کچھ اس کے ملک اور تصرف میں ہیں۔

دوم پھر ہر ایک چیز کو قابو میں لانے یا کسی پر غالب آنے کے بڑے بھاری ذرائع علم و حکمت ہیں اور وہ علیم و حکیم بھی ہے اور جب اصولی طور پر ان کو ایمان بالرسول کی تبلیغ علی الوجہ البلیغ کر دی تو اب ان کو خاص اعتقادی غلطیوں کی نسبت تبلیغ کی جاتی ہے اور ان میں سے خاص خاص فرقوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ان کو یہ سمجھایا جاتا ہے اور جس طرح اہل کتاب کو اہل کتاب کے خطاب غلو اور حد سے بڑھنے نے ان کو بڑی خرابیوں میں ڈالا ہے اسی طرح اعتقادی امور میں بھی انہوں نے غلو اختیار کیا ہوا ہے اور چونکہ ان کی اعتقادی غلطیوں میں سے خصوصاً عیسائیوں کا حضرت مسیح کی نسبت غلو کرنا ان کے بدیوں اور شرارتوں پر دلیر کرنے میں اہل کتاب کے خطاب کا ہم پلہ اور مطابق مثنی تھا اس لئے اس کے بعد اسی کا ذکر شروع کر کے فرمایا کہ) اے کتاب والو تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو (یعنی نہ تو خداوند تعالیٰ کی نسبت تم از خود کوئی ایسی صفت یا فعل نسبت کرو کہ جس کا خود اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے تم کو علم نہیں دیا اور نہ تم از خود اس کی طرف کسی قوم کو منسوب کرو کہ اس نے یوں کہا ہے حالانکہ اس نے نہ کہا ہو اور اس میں بتایا ہے کہ اس کے بعد جو ان کا مسیح کی نسبت اعتقاد اور قول بیان ہو گا وہ بھی دونوں طریقوں سے تَقَوَّل عَلَی اللّٰہِ[1] ہے۔

اس تمہید اصل کے بعد اصل مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ) یقیناً مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول ہی ہے اور اسی کا کلمہ ہی جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور اس کی طرف سے

[1] اللہ پر جھوٹ ہے۔ (از مرتب)

روح ہی ہے (یعنی اہل کتاب کے دونوں فرقوں نے مسیح کے بارہ میں نہایت درجہ کا غلو کیا ہے۔ ایک تو ایسے بڑھے کہ ان کو رسول اللہ سے بڑھا کر ابن اللہ اور ثَالِثُ ثَلٰثَۃ[1] اور الٰہ تک پہنچاتے ہیں اور دوسرا ان کو رسالت سے گرا کر ملعون اور حرام زادہ تک قرار دیتے ہیں جو کہ ان کی الہامی کتاب کی رو سے سات پشتوں تک آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہوتا اور پھر دونوں کے قولوں سے تقول علی اللہ لازم آتا ہے پہلے گروہ کے قول سے تو اس طور پر کہ وہ منہ سے بھی کہتے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم مسیح کی نسبت اس کے ابن اللہ ہونے کا ایمان رکھیں۔

دوم ان کے قول سے خداوند تعالیٰ کی نسبت ولدیت کی صفت ثابت ہوتی حالانکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے لئے یہ صفت نہیں بیان کی۔ سوم ان کے ایسا کہنے سے لازم آتا تھا کہ نعوذ باللہ خداوند تعالیٰ بھی انسانوں اور دوسرے حیوانوں کی مانند کوئی فانی ہستی ہے کہ اس کے لئے اس کے پورے قائم مقام کی ضرورت ہے جو کہ اس کے فناء کے بعد اس کی جگہ نظام عالم میں کام آئے گا جس کو بلفظ دیگر بیٹا یا ولد کہا کرتے ہیں اور دوسرے کے قول سے اس طور پر کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے سچے رسولوں کی طرح اور اپنے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح کے ہاتھ پر بھی معجزات وآیات ظاہر فرمائے تھے اور راستبازوں کی طرح ان کی بھی خارق عادت طور پر تائید کی تھی اور ان کو مفلح بنایا اور ان کا سلسلہ انبیاء کے سلاسل کی طرز پر دنیا میں قائم کیا تھا تو باوجود ان باتوں کے پھر اگر یہود کے افتراؤں کے مصداق ہیں تو پھر لازم آتا ہے کہ اس نے راستبازوں کی شناخت کا کوئی امتیازی نشان نہیں رکھا اور وہ جھوٹوں اور ملعونوں اور حرام زادوں کے ساتھ بھی وہی معاملات برتتا ہے جو کہ کسی راستباز سے کرتا ہے اور یہ نہایت گندہ توکّل علی اللہ ہے۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان دونوں کی یوں تردید فرمائی کہ مسیح تو رسول اللہ ہی تھا اللہ یا ابن اللہ ہرگز نہ تھا یا یہ کہ مسیح تو رسول اللہ ہی تھا اور واقعات اور آیات وحالات تو اس کو رسول اللہ قرار دیتے تھے لیکن شریروں نے اس کے برعکس اس کو ملعون اور ولد زنا کہا کہ جو کہ کبھی رسول نہیں ہو سکتا اور ان کی باتوں کے

[1] تین میں سے ایک۔ (از مرتب)

مبنی کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ وہ تو اور کلمات اللہ کی طرح کلمۃ اللہ ہی تھا تو جس طرح اور کلمات اللہ ہونے سے ابن اللہ یا اللہ نہیں ہو جاتے۔

اسی طرح مسیح بھی کلمۃ اللہ ہونے سے ابن اللہ یا اللہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمۃ اللہ کے کئی ایک معنے میں بار بار بیان کر چکا ہوں جن میں سے ایک معنے پیشگوئی کے اور دوسرے اس چیز کے ہیں کہ جس کی پیدائش میں اسباب کی نسبت الٰہی ارادہ اور امر کُنْ کو زیادہ دخل ہو اور تیسرے مطلق اس موجود کے ہیں جس میں ارادہ الٰہی اور امر کُنْ کا دخل ہو قطع نظر اس سے کہ اسباب کو زیادہ دخل ہو یا ارادہ کو اور ان آخری معنوں کی رو سے تو سب ممکنات موجودہ کلمات اللہ ہیں اور مسیح بھی انہی معنوں سے کلمۃ اللہ ہیں اور پہلے دونوں معنوں کے لحاظ سے اس طرح آپ کلمۃ اللہ ہیں کہ آپ کی بعثت اور پیدائش کی نسبت پہلے سے پیشگوئیاں تھیں اور آپ کی پیدائش میں چونکہ ارادہ الٰہی اور امر کُنْ کا زیادہ دخل تھا اس لئے آپ ان معنوں کے لحاظ سے بھی کلمۃ اللہ ہیں اور ان معنوں کے علاوہ کلمہ کے ایک مشہور ترین معنے بات کے ہیں تو ان کے رو سے بھی مسیحؑ تب ہی کلمہ کہلا سکتا ہے کہ پیشگوئی والے معنوں کی طرح یہاں پر بھی یہی کہا جائے کہ چونکہ آپ خداوند تعالیٰ کے ایک کلام اور بات (جو کہ ان کی ذات کی نسبت پیشگوئی کے رنگ میں خداوند تعالیٰ نے پہلے سے کی ہوئی تھی) کے مصداق ہیں جس پر وہ بات (یعنی پیشگوئی) صادق آئی تھی۔

لہٰذا آپ کو کلمہ بمعنے بات اور کلام بھی کہا گیا اور ان سب معنوں سے جس طرح حضرت مسیحؑ کلمۃ اللہ ہوتے ہیں اسی طرح اور بھی ان کے سواء کلمۃ اللہ ہو سکتے بلکہ ہیں اور اسی وجہ سے دوسرے مواضع میں انہی معانی کے لحاظ سے کلمات اللہ بھی آیا ہوا ہے اور چونکہ اس کلمۃ اللہ کے لفظ سے علاوہ موجودہ عیسائیوں کے پہلے عیسائیوں نے بھی مسیح کی الوہیت اور ابنیت پر استدلال کیا تھا جیسا کہ انجیل میں آیا ہے کہ ''وہ کلام تھا اور کلام خداوند کے ساتھ تھا۔'' تو خداوند تعالیٰ نے اس سفسطہ اور دھوکہ کو یوں ردّ فرمایا کہ وہ کلمۃ اللہ ہی تھا کوئی اللہ جلّ شانہ یا ابن اللہ تو نہ تھا اور اس کے سوا اور بھی بہت سے انہی

معنی کے رو سے کلمۃ اللہ تھے تو جس طرح وہ کلمۃ اللہ ہونے سے اللہ یا ابن اللہ نہیں ہوئے اسی طرح مسیحؑ بھی کلمۃ اللہ ہونے سے ابن اللہ یا اللہ نہیں ہو سکتا اور اسی طرح یہود کی بھی اس سے تردید فرمائی کہ وہ الٰہی پیشگوئی کے مطابق پیدا ہوئے ہیں اور تم محض شرارت سے ان کی پیدائش کو ناجائز قرار دے رہے ہو۔ اسی طرح روح اللہ کہ جب آپ روح اللہ ہیں تو ضرور آپ ابن اللہ ہیں کیونکہ روح اللہ کے یہی معنے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ کی طرف سے روح ہی تھے تو جس طرح اور رُوۡحٌ مِّنۡہُ ہو کر ابن اللہ نہیں ہو سکتے اسی طرح وہ بھی نہیں ہو سکتے۔

روح کے اصل معانی:

روح کے اصل معنے تو کلام الٰہی میں وحی اللہ کے ہوتے ہیں تو ان معنوں سے مسیحؑ تب ہی رُوۡحٌ مِّنۡہُ بن سکتے ہیں کہ وہ طریق لیا جاوے جو کہ پیش گوئی والے معنوں میں لیا گیا ہے۔ تو پھر بھی مسیحؑ کے رُوۡحٌ مِّنۡہُ ہونے سے ان کا ابن اللہ ہونا نہیں لازم آتا کیونکہ ان معنوں کے رو سے بھی اور بھی بہت سے لوگ رُوۡحٌ مِّنۡہُ ہیں اور رُوۡحٌ مِّنۡہُ کے یہ معنے کوئی ہم نے اپنے پاس سے نہیں گھڑے مفسرین ہی نے اس کے بہت سے معانی لکھے ہیں چنانچہ کہا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر روح سے وحی مراد ہے اور وحی سے بھی وہ وحی جو کہ مریم صدیقہ پر مسیحؑ کی ولادت کی نسبت نازل ہوئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ لطیف اور صاف چیز کو روح کہا کرتے ہیں اور چونکہ آپ ان گندوں سے پاک تھے جن میں اس وقت کے اسرائیلی لوگ مبتلاء تھے یا جن کو یہود آپ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے لہٰذا مُطَهِّرُكَ [1] (آل عمران:56) کے مطابق ان پر یہ بولا گیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ روح سر اور بھید کو کہتے ہیں تو چونکہ آپ بھی سِرٌّ مِنۡ اَسۡرَارِ اللّٰہِ [2] اور آیَۃٌ مِّنۡ آیَاتِ اللّٰہِ [3] تھے لہٰذا آپ کو روح کہا گیا۔ علی جبائی کہتے ہیں کہ روح موجب

[1] کافروں (کے الزامات) سے تجھے پاک کروں گا۔ (تفسیر صغیر)
[2] اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید۔ (از مرتب)
[3] اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت۔ (از مرتب)

حیات کا نام ہے تو چونکہ حضرت مسیحؑ بھی بہت سے لوگوں کی زندگی کے موجب ٹھہرے ہیں لہٰذا ان کو روح کہا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ روح رحمت کو کہتے ہیں تو چونکہ آپ بھی خداوند تعالیٰ کی رحمت تھے لہٰذا روح کا اطلاق ان پر کیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ روح جان کو کہتے ہیں تو چونکہ ظاہر ہے کہ جو مسیحؑ دنیا میں آیا تھا وہ خالص روح نہ تھا بلکہ ذِی روح تھا لہٰذا یہاں پر ذِی روح منہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد ہی جبرائیل ہیں اور اس کا عطف کلمۃ اللہ پر نہیں ہے بلکہ اَلْقَاهَا کے فاعل پر ہے اور معنے یہ ہیں کہ اس کو اللہ نے اور جبرائیل نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور یہ دوسری آیتوں کے بھی مطابق ہے اسی طرح اور بھی بہت سے معنے کئے ہیں اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ کوئی معمولی غلطی نہیں بلکہ اس سے نہ اللہ پر ایمان رہتا ہے اور نہ اس کے رسولوں پر۔ فرمایا کہ) سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو۔ (کیونکہ ایمان والوں کو یہ حکم نہیں دیا جاتا بلکہ انہی کو دیا جاتا ہے جو کہ مومن نہیں ہوتے اور یہ حق بھی ہے جیسا کہ میں بارہا ثابت کر آیا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کے لئے ابن تجویز کرنے سے صریح اور صاف طور پر لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ فانی ہو اور اگر اس کے ساتھ اس تجانُس کو بھی مد نظر رکھا جائے جو کہ باپ اور بیٹے میں ہوا کرتا ہے اور پھر مشہود بیٹے سے غیر مشہود باپ کا حال معلوم اور قیاس کیا جاوے پھر تو ایک عاجز انسان کے سب نقائص اس میں تسلیم کرنے پڑتے ہیں اور پھر قدوس خدا پر ایمان نہیں ہوتا بلکہ جامع النقائص پر ایمان ہوگا۔

اسی طرح رسولوں پر ایمان لانے کا بھی حال ہے کیونکہ ان پر ایمان لانے کے یہی معنے ہیں کہ ان کو منجانب اللہ مرسل مان کر جو کچھ وہ تعلیم پیش کریں اس کو تسلیم کر کے اس کی پیروی کی جاوے۔ لیکن مسیح کے ابن اللہ ماننے سے جو ان کی متفقہ تعلیم کا اصل مرکز ہے اس کی بیخ کنی ہو جاتی ہے کیونکہ پہلے تو حقیقت خداوند تعالیٰ کا فانی اور مجمع النقائص ہونا لازم آتا ہی تھا پر اب تو ظاہر میں بھی وہ شرک لازم آتا ہے جو کہ سب انبیاءؑ کی متفقہ تعلیم کے صریح خلاف ہے جیسا کہ فرمایا کہ تین نہ کہو۔ یعنی ابن اللہ بنانے ہی سے تم کو پھر تین اللہ ماننے پڑے چنانچہ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ[1] (المائدۃ:117) بلکہ آج کل بھی کہتے ہیں کہ باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا بلکہ ہر ایک کو قادر مطلق خدا کہہ کر پھر خود ہی فطرت اور تعلیم رسل جب ان کو ملزم ٹھہراتی ہے تو کہتے ہیں تین نہ کہو بلکہ ایک قادر مطلق خدا۔ تو جب ان کے اس اعتقاد کا ان عظیم الشان مفاسد پر مشتمل ہونا بتادیا تو اب فرمایا کہ) باز آجاؤ (یعنی ابن اللہ اور تین اللہ کہنے سے) کہ تمہارے لئے بہتر ہو (کیونکہ حقیقت میں تو) اللہ ایک ہی معبود (اور متصرف) ہے۔

(میں نے بارہا عیسائیوں کی نسبت بتایا ہے کہ چونکہ جھوٹ اور کچی بات کے ہر ایک پہلو پر اعتراض وارد ہوا کرتا ہے اس لئے یہ لوگ ہر ایک اپنے ایسے عقیدہ اور مسئلہ میں کئی طریق اور پہلو بنا رکھتے ہیں تو جب ایک پہلو پر اعتراض کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم یہ تو نہیں کہتے ہم تو وہ کہتے ہیں مثلاً مسیح کے ابن اللہ ہونے پر جب اعتراض کرو تو کہہ دیں گے کہ تم ابن اللہ کے ظاہر معنے لے کر اعتراض کرتے ہو اور ہم تو اس سے فلاں مراد لیتے ہیں۔ پھر کبھی کہیں گے کہ وہ پہلے ہی سے ابن اللہ تھا تو جب اس پر اعتراض کرو تو عماد الدین کی طرح کہہ دیں گے نہیں وہ تو روح القدس کے کبوتر کی شکل پر اترنے کے بعد ابن اللہ بنا تھا اسی طرح کفارہ کی نسبت کبھی صفائی نہ ہوگی کہ پہلے کئے ہوئے گناہ بخشے جاتے ہیں یا کہ آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے اسی طرح تین خداؤں کے لئے بھی انہوں نے دو رخ رکھے ہوئے ہیں ایک رخ یہ کہ ہر ایک اللہ اور قادر مطلق اللہ ہے بلکہ مدتوں سے باپ نے سب سلطنت کا کام اپنے اکلوتے بیٹے کو سپرد کیا ہوا ہے اور آپ کوئی دخل نہیں دیتا اور دوسرا رخ یہ کہ اصل میں یہ تین جدا نہیں بلکہ ان تینوں کا مجموعہ قادر مطلق اللہ ہے جب تم ایک پر اعتراض کرو تو فوراً وہ دوسرے رخ کو آگے کر دے گا۔

بلکہ اگر کوئی دونوں پر حملہ آور ہو جائے تو پھر بچاؤ کا پہلو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تو ایک ہی ہے اور یہ متعدد صفات یا صفات کی مانند ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ میں اوّل کی تردید فرمائی ہے اور اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کے ساتھ دوم کی نفی فرمائی اور فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ کے ساتھ سوم کو دفعہ کیا کیونکہ ایمان باللہ یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ کو ان صفات سے متصف

[1] کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ (تفسیر صغیر)

ماننا کہ جن کے ساتھ متصف ہونا اس نے اپنے رسولوں کی معرفت بتایا ہے اور یہ صفات اس قسم کی ہر گز نہیں اور اب ابن اللہ نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ) وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی ولد ہو۔ اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کہ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

(سُبْحٰنَہٗ الخ کے ساتھ تو اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ چونکہ ولد کی حقیقت یہی ہے کہ) جو چیزیں دنیا میں ہیں وہ نظام عالم میں دخل رکھتی ہیں اس لئے تابقاء عالم ان کا بقاء بھی ضروری ہے۔ پھر جو کہ بذات خود تابقاء عالم باقی رہیں گی جیسے آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے وغیرہ تو ان کے لئے کسی قائم مقام کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا ان کے تخم یا انڈے یا نطفہ سے کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ بذاتِ خود قائم اور موجود ہیں۔ پر جو چیزیں کہ تابقاء عالم نہیں رہ سکتی بلکہ پہلے ہی سے فنا ہو جاتی ہیں جیسے اشجار و نباتات اور حیوانات چرند اور پرند اور خود انسان۔ تو ان کے لئے کسی پورے پورے قائم مقام اور جانشین کی ضرورت ہے تاکہ ان کے فناء ہونے پر وہ نظام عالم میں ان کا قائم مقام ہو کر اس ضرورت کو پورا کرے جس کو کہ وہ فناء سے پہلے خود پورا کرتی تھیں اس لئے ان کے لئے تخم یا انڈہ یا نطفہ دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے ان کا ولد پیدا ہوتا ہے جو کہ ان کے فناء ہونے پر ان کی قائم مقامی کر سکتا ہے۔)

اللہ تمام نقائص سے پاک ہے:

لہٰذا اگر خدا کے لئے ولد ہے تو پھر ضرور وہ فانی بھی ہے اور اگر فانی نہیں تو پھر یقیناً نہ اس کے لئے ولد کی ضرورت ہے اور نہ اس کے لئے ولد تجویز ہو سکتا ہے۔ پھر اس کی طرف بھی کہ اس سے شرک لازم آتی ہے اور وہ شرک سے پاک ہے اور اس کی طرف بھی کہ اگر وہ مرکب ہے تو پھر وہ ان میں سے ہر ایک کی طرف محتاج ہے غرض کہ جس قدر ابنیت سے نقائص لازم آتے ہیں ان سب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ وہ ان نقائص لازمہ سے پاک ہے اور لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ کے ساتھ بتایا کہ اگر مسیح اور روح القدس یا مریم کے کمالات و آثار یا اور مخلوقات پر کچھ تصرفات ہیں جن سے تم نے ان کو اللہ یا جزوٗ اللہ یا صفت اللہ یا بمنزلہ صفت اللہ بنایا ہے تو یہ دو طریق سے باطل ہے۔

اوّل تو یہ کہ ان صورتوں میں یہ ضروری تھا کہ جو جو اللہ کے تصرف میں ہے ان سب پر ان میں سے بھی ہر ایک کا کچھ نہ کچھ تصرف ضرور ہو۔ پر اللہ کے لئے تو زمین و آسمان کی سب چیزیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ان سب پر تصرف ہر گز ہر گز ثابت نہیں ہے دوم یہ کہ ان کا سب پر تصرف یا من کل وجوہ تصرف تو ثابت نہیں اور بعض چیزوں پر جزوی تصرف کا بظاہر پایا جانا ان کو اللہ وغیرہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ ان کی طرح زمین و آسمان کی سب چیزیں خداوند تعالیٰ ہی کی ہیں اور ان میں سے بہتوں کے لئے ایسے تصرفات بظاہر موجود اور مشاہد ہیں بلکہ ان سے بڑھ چڑھ کر موجود ہیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ تو اس ادنیٰ تصرف ظاہری سے اللہ وغیرہ ہو جائیں اور باقی چیزیں اس سے ایسی نہ ہو سکیں اور بعد ازیں کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ان کا تصرف اور اثر بھی اگر ہے تو خداوند تعالیٰ ہی وہ اثر ڈالنے والا ہے اور یہ بھی کہ جب وہ سب کا کافی کارساز ہے اور مخلوق کو اللہ کی اسی قدر ضرورت ہوتی ہے تو پھر کسی اور اللہ یا ابن اللہ کی ضرورت ہی نہیں اور یہ بھی کہ اللہ تو کافی کارساز ہے تو اگر اس کا بیٹا ہوتا تو نظام عالم میں وہ اسی کام میں اس کا جانشین ہوتا۔ پر نہ اللہ کبھی اس کام سے عاجز ہو گا اور نہ وہ یہ کام کر سکتا ہے جس کو تم اس کا جانشین قرار دیتے ہو وہ تو اپنی کارسازی بھی نہیں کر سکا۔)

آیت 173 تا 177: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَ هُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

تشریح:

يَسْتَنْكِفُ۔ اِسْتِنْكَافٌ سے ہے اور وہ نَكَفٌ سے ہے جس کے معنے ہٹانے، منہ پر سے آنسو ہٹانے، بری بات کہنے اور تکبر کے ساتھ کسی امر سے ہٹنے اور ناک چڑھانے کے ہیں۔

يَحْشُرُ۔ حَشْرٌ سے ہے، جمع کرنا اور کسی طرف لے جانا۔

يُوَفِّيْ۔ تَوْفِيَةٌ سے ہے اور وہ وَفَاءٌ سے ہے، پورا دینا، پورا کرنا۔

بُرْهَانٌ۔ حجت قاطعۃ، دلیل قطعی۔

اِعْتَصَمُوْا۔ اِعْتِصَامٌ سے ہے، مضبوط پکڑنا، بچاؤ حاصل کرنا، عَصْمٌ اور عِصْمَةٌ سے ہے۔

کَلَالَۃٌ۔ کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

یُبَیِّنُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا جیسی ترکیبوں میں کئی راہیں اختیار کی گئی ہیں۔ بصری تو کَرَاھَۃَ کا لفظ اَنْ سے پہلے مقدر مانتے ہیں اور کوفی اَنْ سے پہلے لام اور اس کے بعد لَا مقدر کرتے ہیں اور بعض اَنْ کے مابعد کو بمعنے مصدر لے کر پہلے فعل کا مفعول بناتے ہیں اور حق وہی ہے جو کہ بصریوں نے کہا ہے۔

ترجمہ:

مسیح اس سے ہر گز ناک نہیں چڑھائے گا کہ وہ اللہ کے لئے بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص اس کی بندگی سے ناک چڑھائے گا اور تکبر کرے گا تو وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے سنوار والے کام کئے تو وہ ان کو ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ دے گا اور جنہوں نے ناک چڑھائی اور تکبر کیا تو وہ ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے نہ کوئی نگرانِ حال پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ ہاں اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر کرنے والا نور اتارا ہے۔ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ انہوں نے بچاؤ حاصل کیا تو وہ ان کو اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف ان کو سیدھا راستہ بتائے گا۔ تجھ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ اللہ تم کو کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے لئے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے لئے بہن ہے تو اس کے لئے اس کا نصف ہے جو کہ اس نے چھوڑا ہے اور اگر بہت سے بہن بھائی مرد و عورتیں ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کی مانند ہے۔ اللہ تمہارے گمراہ ہونے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تمہارے لئے بیان کرتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر:

چونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ان باطل پرستوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو کہ اپنی

نادانی کے باعث سے خداوند تعالیٰ کی کسی مخلوق کو اس کے خداداد منصب اور مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے عالیٰ ترین درجہ تک پہنچاتے ہیں اوران کو اس مخلوق کا واقعی مرتبہ بتایا جاتا ہے تو ان میں سے شریر اوراندھی تقلید کے مقیّد بجائے فائدہ اٹھانے کے الٹے اس ناصح کو ملزم قرار دینے لگتے ہیں کہ یہ اس عظیم الشان ہستی کی توہین کرتا ہے اوراپنے ہم خیال جاہلوں کو اس کے ذریعہ سے بھڑکا دیتے ہیں۔

میں نے ایک عیسائی واقف کو قادیان آنے کے لئے لکھا تو اس نے جواب میں لکھا کہ قادیان میں خداوند یسوع کی توہین کی جاتی ہے اورآپ کو گالیاں دی جاتی ہیں اس لئے میں نہیں آتا۔ اسی طرح جب امام وقت نے مسلمانوں کو مسیح کی بے جا تفضیل اور خدائی تک پہنچانے اور اس کی خرابی پر آگاہ کیا تو مولوی صاحبان نے عوام کو بھڑکانا شروع کیا کہ حضرت مسیحؑ کو گالیاں دیتا اوران کی توہین کرتا ہے۔

تو اسی کے مطابق جب اہل کتاب کو اور خصوصاً اہل نجران کو مسیحؑ کی ابنیت اور الوہیت سے منع کیا گیا اور آپ کا اصلی منصب عبودیت ورسالت بیان ہوا تو بعض نے اس سے ناک چڑھائی اور کہا کہ دیکھو مسیحؑ کی توہین کی گئی ہے کہ اس کو رسول اللہ کہا گیا ہے اور رسول اللہ کیا ہے ایک بندہ ہی ہوتا ہے جیسا کہ وفد نجران کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے صاحب کی توہین کرتے ہو تو آپ نے فرمایا کون صاحب تو انہوں نے کہا مسیح۔ آپ نے فرمایا کون سی توہین تو انہوں نے کہا کہ عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ[1]۔ تو اس کے ردّ کرنے کے لئے فرمایا کہ) مسیح اللہ کے لئے بندہ بننے سے ہرگز ناک نہیں چڑھائے گا اور نہ مقرب فرشتے (یعنی یہ ان کی جہالت ہے کہ مسیح کے عبداللہ اوررسول اللہ قرار دینے سے ناک چڑھاتے ہیں حالانکہ مسیحؑ کو جو کچھ مرتبہ ملا ہوا ہے وہ اسی عبودیت کی بدولت ملا ہوا ہے اور ہر ایک کا درجہ اسی پر مبنی ہوتا ہے اس لئے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ یا کوئی اور عالی رتبہ شخص یا فرشتے اللہ کے لئے بندہ بننے سے ناک چڑھائیں اور جب وہ خود اس سے ناک نہیں چڑھاتے تو دوسرا کوئی کیا حق رکھتا ہے کہ ان کی نسبت وہ ناک چڑھائے۔) اور جو کوئی اس کی بندگی

[1] اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ (از مرتب)

(عبادت واطاعت کرنے اور غلام اور بندہ بننے) سے ناک چڑھائے گا اور تکبر کرے گا (خواہ وہ شخص کہ جس کو لوگ خدائی کا منصب دیتے ہیں اور یا اس کے اتباع اس کی نسبت ایسا خیال رکھیں) تو وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔

(چونکہ یہاں پر دو گروہ مجملاً بیان ہوئے ہیں ایک تو وہ جو کہ ناک نہیں چڑھاتے اور دوسرے وہ جو کہ ناک چڑھاتے ہیں تو بتایا کہ ان دونوں کو اپنے پاس اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور چونکہ جمع کرنا مجمل تھا اس لئے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی) سو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوارو الے کام کئے ہیں تو وہ ان کو ان کے اجر پورے دے گا اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دے گا (تو چونکہ مُسْتَنْكِفِيْنَ اور وہ ساتھ ہی جمع کئے جاویں گے اس لئے پہلا عذاب تو ان کے لئے ہی کافی ہو گا کہ وہ اپنے مقابلوں کو اجر اور انعام پاتے ہوئے اور اپنے آپ کو محروم پائیں گے اور پھر اس کے علاوہ یہ کہ) جنہوں نے ناک چڑھائی اور تکبر کیا تو وہ ان کو دردناک عذاب دے گا اس وقت نہ تو وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو نگران حال پائیں گے اور نہ مددگار (مُسْتَنْكِفِيْنَ کی دو صورتیں تھیں ایک یہ کہ کوئی خود اس کو حقارت سے دیکھے دوئم یہ کہ کسی بڑے کی نسبت کوئی تابع اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے تو پہلی صورت میں اس کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ اس وقت اس قدر عاجز ہوں گے کہ جس خدا کی عبادت سے نفرت کرتے تھے۔ اب بجز اس کے دوسرا کوئی نگران و مددگار نہیں ملتا اور دوسری صورت میں یہ کہ گو وہ ان کی نسبت یہ خیال رکھتے تھے کہ ہم چونکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا وہ ہماری مدد کریں گے اور ہمارا خیال رکھیں گے لیکن اس وقت وہ ایسے پکڑے جاویں گے کہ ان پر یہ ظاہر ہو جاوے گا کہ ہمارا خیال بالکل غلط تھا اور یہ دربار ایسا عالی ہے کہ ان بیچاروں کے لئے یہاں پر نہ کچھ مجال گفتگو ہے اور نہ ان کے لئے تابِ مقابلہ ہے۔ تو جب اہل کتاب کے ساتھ یہ مباحثہ اپنے سب ضروری امور کے ساتھ ختم ہو گیا تو آخر میں اب ان پر اتمام حجت کر کے ان کو حق کی تبلیغ کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے لوگو (یعنی ضروریات دین اور انبیاءؑ کے متفق علیھا مسائل کے خلاف اعتقاد رکھنے اور باوجود حق کھلنے کے پھر بھی باز نہ آنے سے اب تم اہل کتاب کے خطاب کے اہل نہیں

رہے بلکہ اب تم عامۃ الناس سے شمار ہوگے) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی دلیل آئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر کرنے والا نور نازل کیا ہے اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ برہان سے آنحضرتؐ کی ذات مراد ہے اور لکھا ہے کہ آپ کی ذات کو اس لئے برہان کہا گیا ہے کہ وہ بڑے بڑے معجزات پر مشتمل تھی اور بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دین اسلام اور نور سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کے مبین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح دن کا نور ان سب پوشیدہ چیزوں کو دکھا دیتا ہے جو کہ رات کے اندھیرے میں نظر نہیں آتیں اسی طرح یہ قرآن مجید بھی ان اعتقادی اور مذہبی غلطیوں کو دکھا دیتا ہے جو کہ جہالت اور رسم وعادت اور نادانی وغفلت کے باعث سے پہلے نظر نہ آتی تھیں۔

برہان اور نور مبین کا ثمرہ:

تو اس برہان اور نور مبین کے آنے کا ثمرہ بتانے کیلئے فرمایا کہ) جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے ساتھ بچاؤ حاصل کیا (یا اس کو مضبوط پکڑا اور اس کے ساتھ ایسا گہرا اور قوی تعلق بنایا جس کو کوئی تکلیف اور کوئی رسم وعادت اور کوئی رشتہ اور دوستانہ توڑ نہیں سکتا بلکہ اس کے لئے سب کچھ برداشت کیا جاتا اور سب سے قطع کیا جاتا ہے) تو ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور وہ ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر چلائے گا (یعنی علاوہ دنیوی اور اخروی رحمت وفضل کے ان کو اپنا قرب بھی عطا کرے گا اور اس کے حاصل کرنے کے لئے ان کو ان دور و دراز اور دشوار گذار راستوں کی جان کاہ تکالیف میں نہ ڈالے گا کہ جن کا تصور اس نعمت عظمیٰ کے حصول کو نہایت گراں ظاہر کر کے شوق کے ابال کو پست کر دیتا ہے بلکہ نہایت قریب اور سہل ترین راہوں پر ان کو اس نعمت عظمیٰ پر پہنچاوے گا۔

تو جب اہل کتاب کا مباحثہ اپنے سارے ضروری حصوں کے ساتھ ختم ہو گیا تو اب یہ بتانے کے لئے کہ کیا انہوں نے اس مباحثہ سے فائدہ اٹھایا اور ہدایت قبول کی یا کم از کم آئندہ کے لئے جھگڑا ختم کر دیا؟ یا نہ فرمایا کہ) وہ تجھ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں (یعنی جس طرح پہلے ہم نے اہل کتاب کا ایک تو اکثر حصہ بتایا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور ایک وہ قلیل

حصہ جو کہ حق کو قبول کریں گے اسی طرح اس مباحثہ کے بعد کچھ تو ایمان لا کر دوسرے اتباع کی طرح شرعی واقفیت کے لئے فتویٰ دریافت کریں گے اور کچھ حق سے محروم رہ کر کجر ولوگوں کی طرح اصل بات کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی باتیں دریافت کریں گے کہ کہیں نکتہ چینی اور گرفت کا موقعہ نکل آئے اور ایک تیسرا فریق اسی گروہ سے منافقانہ روش اختیار کر کے دل سے مخالف ہو گا اور دینی فتوے دریافت کر کے اپنے ایمان کا اظہار کرے گا) تو تم ان کو کہو اللہ تمہیں کلالہ کے بارہ میں فتویٰ دیتا ہے (یعنی وہ کسی غرض سے فتویٰ دریافت کریں پر تم جواب دینے میں اصل نزاع کو اور ان کی اصلی غلطی کی تردید کو مد نظر رکھو۔

کلالہ کی نسبت فتویٰ اور اصل حقیقت

چنانچہ اس اصلی مدعا کی طرف توجہ دلانے کے لئے کلالہ کی نسبت فتویٰ سنانے کا ارشاد فرمایا اور اس کی اصل حقیقت تو یہی ہے جو کہ پہلے بھی بیان ہو گئی ہے کہ جو شخص بے اولاد مر جائے اور اس کا والد بھی زندہ نہ ہو تو اس کو کلالہ کہتے ہیں اور اس کا ایک حکم توپ 4 ع 2-13 میں یوں بیان ہوا ہے کہ ”کلالہ کے لئے اگر بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ تو اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے۔“ اور اس کا ایک حکم یہاں پر بیان فرمایا ہے اور وہ یوں ہے کہ) اگر کوئی مرد مر جائے جس کے لئے ولد تو کوئی نہیں اور اس کے لئے بہن ہے تو اس کے لئے اس کا نصف ہے جو کہ اس نے چھوڑا ہے اور مرد (یعنی بھائی) اس (کلالہ) کا ورثہ لے گا اگر اس کا ولد نہ ہو۔ تو اگر وہ بہنیں دو ہوں تو ان کے لئے اس سے دو تہائیاں ہیں جو کہ اس نے چھوڑا ہے اور اگر وہ بہن بھائی مرد اور عورت ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کی مانند ہے (اور گو بظاہر دونوں جگہوں کے حکم آپس میں مخالف ہیں کیونکہ وہاں پر بہن کے حصہ کا ذکر ہے اور یہاں پر بھی بہن بھائی کے حصہ کا ذکر ہے لیکن دونوں جگہوں میں ان کے حصوں کی مقدار میں بہت بڑا فرق ہے مثلاً اکیلے ایک بھائی یا ایک بہن کے لئے وہاں ثلث بتایا ہے اور یہاں پر اس کے لئے حصہ سارا یا نصف بیان کیا ہے۔ لیکن میں اس فرق کی وجہ اور رفع اختلاف کی توجیہ پہلے مقام پر مفصل طور پر بیان کر آیا ہوں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں پر اخیافی اور مادری بہن بھائی مراد ہیں اور یہاں پر اعیانی اور پدری مراد ہیں اور یہاں پر جو بات اس کے ساتھ بتانی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء اعیانی بھائی ہیں اور پھر حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس نسبت میں آنحضرتؐ کے ساتھ مسیحؑ سب سے زیادہ قریب ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم...الخ حدیث نمبر 3443)

تو بتایا ہے کہ حضرت مسیحؑ شان نبوت کے لحاظ سے کلالہ فوت ہوئے ہیں جن کا کوئی روحانی ولد نہیں ہے اور ان کا وارث ایک علاتی رشتہ والا بھائی ہے جس نے ان کا سب ترکہ لے لیا ہے اور آل ابراہیم کا جو ترکہ مدت سے بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا جاتا تھا وہ اب ہمیشہ کے لئے نکل کر ان کے اعیانی بھائیوں (بنی اسمٰعیل) کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ اب تمہارا اس پہلے خیال پر ڈٹا رہنا بے جا ہے۔

اسی اشارہ کے لئے پہلے موقعہ پر تو کلالہ کی نہ پوری تعریف بیان کی کہ جس کا باپ بیٹا کوئی نہ ہو اور نہ یہ کہا کہ اس کا بیٹا نہ ہو اور یہاں پر ساری تعریف تو نہ کی لیکن یہ ذکر کر دیا کہ بے اولاد مرے اور پھر اس کو مکرر ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے پہلے تو اخیافی بہن بھائی لئے اور یہاں پر اعیانی اور علاتی لئے ہیں کیونکہ یہی رشتہ انبیاءؑ میں ہے اور پھر پہلی صورت میں بھائی کے لئے بہن کی طرح ثلث تھا اور یہاں پر وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فرمایا ہے اور انبیاءؑ میں اس ورثہ کا لحاظ چلا آیا ہے جس کو قرآن مجید میں بھی يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ[1] (مریم:7) کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ مطلب تو نظم کے مطابق ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ میرے پاس آئے اور میں بیمار تھا اور بالکل بے ہوش تھا تو آپ نے وضو کیا اور مجھ پر پانی ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا تب میں نے عرض کی

[1] جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب (سے جو دین و تقویٰ ہم کو ورثہ میں ملا ہے اس) کا بھی وارث ہو۔ (تفسیر صغیر)

کہ حضور بجز ایک کلالہ کے اور میرا کوئی وارث نہیں ہے تو میراث کا کیا فیصلہ ہو گا تو پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(صحیح البخاری کتاب المرضی باب وضوء العائد للمریض حدیث نمبر 5676)

اور اس مذکورہ بالا اشارہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا کہ) اللہ تمہارے لئے بیان کرتا ہے کہ تم ہلاک ہو (یعنی اس قدر کھول کر ہم اس لئے ہر ایک امر کو بیان کرتے ہیں تا کہ تم پر اتمام حجت ہو جائے تا کہ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ[1] (الانفال: 43) کا منشاء پورا ہو۔

مفسرین نے اس کے ایک معنے تو یہ لکھے ہیں کہ تمہاری گمراہی کو برا جان کر اللہ بیان کرتا ہے یا یہ کہ اللہ اس کو بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔ اس صورت میں لَا مقدّر ہے جیسا کہ اس سے پہلی صورت میں كَرَاهَةَ کا لفظ مقدّر ہے اور بعض نے اَنْ تَضِلُّوْا کو بمعنے ضَلَالُكُمْ[2] لے کر يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ[3] کا مفعول بنایا ہے یعنی اللہ تمہاری گمراہی کو بیان فرماتا ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ اس کا بیان صحیح اور مطابق اصل مقصد ہے فرمایا کہ) اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے (اور نیز اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ تمہارا ناقابل نبوت ہو جانا اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اس کا اہل ہونا یا مسیح کا کلالہ ہونا جس کا کوئی روحانی ولد نہیں اور محمد ﷺ کا اس کے لئے عینی بھائی ہونا اگر تم کو نہ سمجھ آئیں تو تم ان کا انکار بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ اس اللہ کے بیان کئے ہوئے ہیں جو کہ ہر ایک چیز کو خوب جانتا ہے)

---

[1] اور یہ نشان اس لئے بھی دکھایا گیا) تا کہ وہ جو دلیل کے ذریعہ سے ہلاک ہو چکا ہے ہلاک ہو جائے۔ (تفسیر صغیر)

[2] تمہاری گمراہی۔ (از مرتب)

[3] اللہ تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔ (از مرتب)

انڈیکس

تفسیر سروری جلد4

1۔ آیات.....1

2۔ احادیث.....12

3۔ مضامین.....14

4۔ اسماء.....26

5۔ مقامات.....31

6۔ کتابیات.....32

آیات

البقرة

الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ...(3،2) 6

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ...(3) 8،7

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ...(4) 7

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ...(5) 7،5

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(6) 7

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ(10) 422

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ(19) 353

اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ...(25) 5

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا...(26) 13

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ...(30) 60

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ(31) 392

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ...فَتَابَ عَلَيْكُمْ (55) 330

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ...(58) 467

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ(62) 477

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ (76) 472

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ(81) 310

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ (85) 330

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا ...وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ...(92) 28

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ(98) 4

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا...(112) 316

اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا(117) 117

كُنْ فَيَكُوْنُ(118) 82

اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ(129) 118،117

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ...وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ(130) 85،5

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ...(137) 4

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ(159) 104

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ...(166) 44

هُدًى لِّلنَّاسِ...(186) 4

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ(188) 358

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ...(196) 45

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ... مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ...مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ(215) 462،76

اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ...(223) 45

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ(230) 270
حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ...(239) 301
مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا ...(246) 5،216
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ...رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ(254) 106،432
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا(276) 166
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ...(282) 199
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ...(286) 7
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ...(287) 7

آل عمران

الٓمّٓ اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ...اِنَّ اللهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ(1 تا 10) کی تفسیر 1 تا 14
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ...(4) 111
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ...(5) 34
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ ...وَاللهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ(11 تا 21) کی تفسیر 15 تا 28
قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ...(13) 32
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا... اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ...(14) 21،32
فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ ...وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ...وَاللهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ(21) 397
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ(22) 76
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ ... وَاللهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ...(22 تا 31) کی تفسیر 29 تا 40
لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ...(25) 44،45،316
فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ...(26) 44
قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ...(27) 44
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ...(29) 44
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ ... وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ...(32 تا 42) کی تفسیر 41 تا 57
اِنَّ اللهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا...(34) 108،109
هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا(39) 63
سَيِّدًا ...(40) 76
كَذٰلِكَ اللهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ(41) 82
اِنَّ اللهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ(43) 56
وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ...وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ(43 تا 55) کی تفسیر 58 تا 92
مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ ...(45) 108
وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ(46) 464
فَاتَّقُوا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ...(51) 46
مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ...(55) 100،461
يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ... اِلٰى يَوْمِ

الْقِيٰمَةِ (56) 494،46
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ... عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ (56 تا 64) کی تفسیر 93 تا 112
كَمَثَلِ اٰدَمَ ... (60) 5
وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...
اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (65) 128، 314
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ... وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (65 تا 72) کی تفسیر 113 تا 121
وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا ... اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (73 تا 81) کی تفسیر 122 تا 129
لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (76) 320
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ... وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (82 تا 92) کی تفسیر 130 تا 134
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا ... هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (93 تا 102) کی تفسیر 135 تا 140
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ... (103) 39
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ... وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (103 تا 110) کی تفسیر 141 تا 145
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ... (111) 163، 164
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ... اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (111 تا 121) کی تفسیر 146 تا 152
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً ... وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (119) 164، 327
وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (122 تا 130) کی تفسیر 153 تا 160
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ... فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (131 تا 144) کی تفسیر 161 تا 168
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ... (134) 5
فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (144) 170
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (145 تا 149) کی تفسیر 169 تا 175
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (150 تا 156) کی تفسیر 176 تا 189
وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ .....
لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ ... (155) 196
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (157 تا 172) کی تفسیر 190 تا 203
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ... (165) 5
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ... وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (170، 171) 456
اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ

مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ...وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (173 تا 181) کی تفسیر 204 تا 212

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ...(182) 5

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (182 تا 190) کی تفسیر 213 تا 221

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ... وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (191 تا 201) کی تفسیر... 222 تا 228

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ...(200) 5، 233

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (201) 5، 234

آل عمران کے مختلف نام... 3

سورۃ آل عمران کی ترتیب اور مضامین 4

سورۂ نساء نام رکھنے میں حکمت اور آل عمران سے تعلق... 233

النساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ... وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (1 تا 11) کی تفسیر 229 تا 245

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ...(2) 39

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ...(4) 286

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (12) 286

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ... وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (12 تا 15) کی تفسیر 246 تا 258

وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ ... وَ سَآءَ سَبِيْلًا (16 تا 23) کی تفسیر 259 تا 271

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا (20) 394

مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (23) 275

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ...وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (24 تا 26) کی تفسیر 272 تا 279

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (27 تا 34) کی تفسیر 280 تا 288

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ... وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (30) 283

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ...(34) 291

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ... وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (35 تا 43) کی تفسیر 289 تا 297

تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ...(43) 297

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ...وَ كَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا (44 تا 51) کی تفسیر 298 تا 310

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (47) 104، 307
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (49) 388
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ... ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (52 تا 60) کی تفسیر ... 311 تا 321
جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (56) 73
ظِلًّا ظَلِيْلًا ... (58) 17
رُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (60) 329
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ... وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (61 تا 71) کی تفسیر 322 تا 331
مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ ... (65) 45
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ... كَانَ ضَعِيْفًا (72 تا 77) کی تفسیر 332 تا 336
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ ... وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (78 تا 88) کی تفسیر 337 تا 350
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (80) 133
مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (86) 353
فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ... وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (89 تا 92) کی تفسیر 351 تا 356
وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا ... وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (93 تا 97) کی تفسیر 357 تا 363
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ... وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (98 تا 101) کی تفسیر 364 تا 366
وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى ... وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (102 تا 105) کی تفسیر 367 تا 373
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ... فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (106 تا 113) 374 تا 378
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ (114) 465
وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ ... وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا (114 تا 116) کی تفسیر ... 379 تا 382
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ... وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (117 تا 127) کی تفسیر 383 تا 398
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ ... (125) 402
وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ... وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (128 تا 135) کی تفسیر 399 تا 407
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ... وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (136 تا 142) کی تفسیر 408 تا 418
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا (138) 424
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ... وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (143 تا 153) کی تفسیر 419 تا 432
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (151) 436

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ...(154) 483
يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا ... اَجْرًا عَظِيْمًا(154 تا163) کی تفسیر 433 تا479
وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۢبَلْ رَّفَعَهُ...(158،159)74
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ...(163) 483
اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ ... وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا(164 تا172) کی تفسیر 480 تا498
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ(160) 74
اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ(164) 104
اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ(172) 72،101
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ ... وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (173 تا177) کی تفسیر 499 تا506
يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ... فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ(177) 257
سورۂ نساء نام رکھنے میں حکمت اور آل عمران سے تعلق... 233

المائدہ

وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ(6) 279
مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ(7) 468
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ...فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ(12) 464
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ(18) 117
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ...نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ...(19)44،45،310،316،476
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ(42)104،210
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ...(43) 39
كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ...(65) 20
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ(68) 465
اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ(74) 117
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ...(المائدۃ:76) 171
لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...(79) 477
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ...فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا...(98) 39
وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ(111) 74،464
ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ(117) 495،496
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ...(118) 94،101
وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ(158) 217
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰه کی تشریح... 455

الانعام

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ(3) 109

وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ ... وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ(35) 76

لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی(65) 342

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا ...(80) 396

مُشْتَبِھًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ...(100) 13

وَ عَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ... وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ(147) 476

الاعراف

الٓمّٓصٓ ۔ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ...(2،3) 6

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ... ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (36،37)431

فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ(92) 458

کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا(93) 458

فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ (94) 458

یَطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗ(132) 342

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا...(144) 484

یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی ... وَ کُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ(145) 485،484

وَ کَتَبْنَا لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ(146) 485

الانفال

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ...(10) 158

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (25) 85

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ...وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ(31) 463

لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ(43) 506

اِذْ یُرِیْکَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ.....وَاِذْ یُرِیْکُمُوْھُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا...لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا(44،45) 22

التوبہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ(23) 38

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ ... فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ(24) 38،39

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ...(25) 38

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ...(31) 89،117

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ(119) 68

یونس

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ...(2) 6

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ(19) 391،395

هود

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ...(2) 6

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى...اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ(70 تا 74) 51

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ(108) 346

یوسف

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ...(2) 6

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ(19) 378

اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ...(102) 81

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا(110) 64

الرعد

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ...(2) 6

الحجر

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ(2) 6

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا...(12) 76

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ(43) 348

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ ... فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ(55،56) 71

النحل

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ...(18) 47

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا(43) 236

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ...(45) 13

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ(123) 81

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ(126) 374

بنی اسرائیل

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ(89) 487،488

وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ(94) 436

الکہف

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا(23)110،95

اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ(38)109

مریم

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا - يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا(6،7) 50

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ(7) 505

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ...مَا دُمْتُ حَيًّا...(31،32) 79

لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا(33) 77

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ(36) 199

رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا(58) 106

طٰهٰ

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (110) 398

الانبياء

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ...(70) 441
وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا...(71) 462،464
وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ...(73) 81
لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا...(90) 50

المومنون

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (38) 395

الفرقان

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا...(23) 17

النمل

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ (81) 85

العنكبوت

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ...(46) 302

الروم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (21) 109

لقمان

الٓمّٓ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (2،3) 6
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (14) 183
وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا...(16) 39
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (23) 397

السجدہ

الٓمّٓ ۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (2،3) 6

الاحزاب

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (8) 103،104
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ...(33) 47
وَحِيْهًا...(70) 76

فاطر

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (12) 109
وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (44) 61

یٰس

اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ...قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ (26،27) 458

الصافات

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا ...اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ (151 تا 154) 390
وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ...(159) 390
فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ... وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (162 تا 167) 390

الزمر

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ...(4) 391
كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا...(24) 13
اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ... وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى(43) 94
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ(68) 309

المومن

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ(68) 109

حم السجدة

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ...(6) 441

الشوریٰ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ(12) 345، 487
وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ(31) 342

الزخرف

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا(62) 74

الحجرات

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ(14) 65
وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا(20) 390
لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ...(21) 390

الذاریات

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ(29) 70

النجم

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى(13) 331

الحدید

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا...وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ(14تا16) 417
وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ...(19) 5

الحشر

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى(15) 145
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ...(25) 60

الممتحنة

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ... حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ(5) 37
لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ...وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ(9) 37
اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ...فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(10) 38

الصف

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ(7) 83

الجمعة

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ(3) 85

التحریم

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ...(13) 52،71

الجن

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا...(16) 230،409

الهمزہ

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ...(7،8) 19

النصر

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا...(3) 235

احادیث

اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ 104
اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ 106
اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ 173
اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ 137
اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا... لَبِيْدٌ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ 52
اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ 226
اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا 49
اَيْ مُسْلِم هٰذَا الْيَهُوْدِيُّ وَرَائِيْ فَاقْتُلْهُ 473
فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ) وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا... 94
كُلُّ مَنْ عَصَى رَبَّهٗ فَهُوَ جَاهِلٌ 266
لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ 319
لَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا 406
لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ 133
مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ... 106
نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ يَقْذِفُ فِيْ قُلُوْبِ أَعْدَائِيْ 180

احادیث بالمعنی

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے... 48
عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے 80
لفظ رفع اور حدیث... 106
ہرقل والی حدیث 126
شیطان ناامید ہو چکا ہے کہ عرب میں بت پرستی ہو 143
ابن عباسؓ سے امام بخاری نے روایت کی کہ آنحضرتؐ کا یہود سے کچھ پوچھنا اور ان کا کچھ بتانا اور کچھ چھپانا 221
عورتیں پسلی سے بنائی گئی 236
وارث کیلئے وصیت نہیں... 254
وصیت کل مال کی ایک تہائی کا حکم... 254
شادی شدہ عورت کیلئے سو درّہ اور پتھراؤ کرنا... 261، 262، 265
رضاعت کے ساتھ وہ رشتے حرام جو نسب کے ساتھ ہوتے ہیں 275
پھوپھی اور بھتیجی جمع کرنا... منع ہے 276
پانچ نمازیں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں... 284
حدیث میں بیوی کو مارنے کی حد بند 293

جنگ خندق کے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے 348
آنحضرتؐ نے خوف کے بغیر بھی سفر میں قصر کیا... 370
نماز خوف 371
ہزار آدمیوں میں سے ایک جنت میں جائے گا... 392
بہت سے اہل کتاب دجال کے ساتھ مل جائیں گے 473
آپؐ کا جابرؓ کی عیادت کرنا، جابرؓ کا اپنے بھائی (کلالہ) کی میراث کے متعلق سوال کرنا 505

مضامین

ا۔ آ

اجازت

تعدد ازواج کی اجازت کی بابت وضاحت 240

اختلاف

پیشگوئیوں کے متعلق دو متوقع اختلاف 346

اسباب نزول سے مراد 403

اصلاح

بیوی کی اصلاح کا طریق 293

اغراض

جہاد کی دو غرضیں 335

امور

نجویٰ کے تین جائز امور 381

انبیاء (نیز دیکھیں "نبی")

انبیاء اعیانی بھائی ہیں، آنحضرتؐ کے ساتھ مسیحؑ سب سے زیادہ قریب ہیں 505

اہمیت

آیات کی ترتیب جاننے کی اہمیت 4

تقویٰ اللہ کی اہمیت 234

اولاد

حصول اولاد کی غرض کیا ہونی چاہیئے 50

اونٹ

مال غنیمت میں سے جو اونٹ بطور غلول لے گا وہ قیامت کے دن اس کو اُٹھائے ہوئے آئے گا...(بخاری) 199

ایمان

تھوڑا ایمان لانے سے مراد... 442

آگ

آگ کے سات درجے... 424

ب۔پ۔ت

بت/بت پرستی

شیطان ناامید ہو چکا ہے کہ عرب میں بت پرستی ہو (ترمذی) 143

بتوں کو اناث کہنے کہ وجہ... 389

بچہ

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے... 48

بحث

مریم کے نبی ہونے کی بحث 64

بخل

بخل کے نقصانات 295

بدی

پانچ نمازیں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں... 284

بشارت

سفیان بن عیینہ کی روایت کہ زکریاؑ کی دعا اور بشارت کے درمیان چالیس یا ساٹھ سال کا عرصہ تھا 54

بیوہ

عرب کی دو قبیح رسمیں اور ان کا ابطال، بیوہ کے وارث... 268

بیوی

بیوی کی اصلاح کا طریق 293

حدیث میں بیوی کو مارنے کی حد بندی... 293

پیشگوئی

پیشگوئیوں کے متعلق دو متوقع اختلاف 346

تاریخ

بنی اسرائیل کا تاریخ اور بائیبل کی رُو سے ثابت ہونا کہ افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو چکی تھیں 90

تبصرہ

شادی شدہ عورت کیلئے سو درّہ اور پتھراؤ کرنا، اس حدیث پر تبصرہ اور بحث 261، 262، 265

تجارت

حضورؐ نے صحابہؓ کو بہت سے روپے دیئے کہ وہ بدر میں تجارت کریں 209

ترتیب

سورۃ آل عمران کی ترتیب اور مضامین 4

آیات کی ترتیب جاننے کی اہمیت 4

ترکہ (نیز دیکھیں "ورثہ")

عورتوں کا ترکہ دبا لینے کا مرض 243

جہاد کے بعد ترکہ کا ذکر کرنے کا حکم 248

ترکہ کی وصیت، مختلف حصوں کی تفصیل 249

تشریح

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰه کی تشریح... 455

تعدد ازواج

تعدد ازواج کی اجازت کی بابت وضاحت 240

تعریف

نبی، صدیق، شہداء اور صالح کی تعریف 330

تعلق

سورۂ نساء نام رکھنے میں حکمت اور آل عمران سے تعلق... 233

تفصیل

جنگ احد کی کچھ تفصیل 156 تا 160

حمراء الاسد کی کچھ تفصیل 207

تقسیم

تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کے ذکر میں حکمت... 261

تقویٰ

تقویٰ اللہ کی اہمیت 234

تقیہ

تقیہ... 40

تکلیف

یعقوبؑ کو عرق النساء کی تکلیف تھی 138

تلوار

آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تو عمرؓ کا تلوار لے کر کھڑا ہونا...(بخاری) 173

تمثیلات

مسیح تمثیلات میں ضرب المثل 85

توبہ قبول کرنے کی دو شرطیں... 265

تیر انداز

تیر اندازوں کا مال غنیمت کی وجہ سے مقام کو چھوڑنا...(بخاری) 198

تھپڑ

ابو بکرؓ کا یہود کے مدارس میں جانا اور ایک یہودی سے مکالمہ اور اس کی اللہ تعالیٰ کی بابت بدتمیزی پر تھپڑ امارنا 215

ج۔ح۔خ

جنت

نعماء جنت 319

ہزار آدمیوں میں سے ایک جنت میں جائے گا...(ترمذی) 392

جنگ احد

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

جنگ احد کی کچھ تفصیل 156 تا160

علیؓ کی روایت ، احد کے دن ابو بکرؓ، سعد بن وقاصؓ اور طلحہ وغیرہ ثابت قدم رہے... 157

جنگ احد کے موقع پر مشاورت، مدینہ سے باہر نکل کر جانے کا فیصلہ... 195

جنگ خندق

جنگ خندق کے موقعہ پر آپؐ نے فرمایا اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے (بخاری) 348

جہاد

جہاد کے بعد ترکہ کا ذکر کرنیکی حکمت 248

جہاد کی دو غرضیں 335

جھگڑا

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

میاں بیوی کی باہمی ناچاقی کی وجوہات 405

حرام

رضاعت کے ساتھ وہ رشتے حرام جو نسب کے ساتھ ہوتے (بخاری) 275

یعقوبؑ کا طعام حرام کرنا... 138،137

حساب

قیامت کے دن حساب سے مراد 27

حقائق

واقعہ صلیب کے حقائق... 451

حکم

یتیم کے مال کی بابت ولی کیلئے تین احکام 238

وصیت کل مال کی ایک تہائی کا حکم... 254

حکمت

جہاد کے بعد ترکہ کا ذکر کرنیکی حکمت 248

سورۂ نساء نام رکھنے میں حکمت اور آل عمران سے تعلق... 233

خوف

آنحضرتؐ نے خوف کے بغیر بھی سفر میں قصر کیا...(بخاری) 370

نماز خوف (بخاری) 371

د۔ذ۔ر۔ز

دجال

بہت سے اہل کتاب دجال کے ساتھ مل جائیں گے (مسند احمد بن حنبل) 473

درّہ

شادی شدہ عورت کیلئے سو درّہ اور پتھراؤ کرنا...(مسلم) 265،262،261

دعا

سفیان بن عیینہ کی روایت کہ زکریاؑ کی دعا اور بشارت کے درمیان چالیس یا ساٹھ سال کا عرصہ تھا 54

نماز کی دعا، وَارْفَعْنِیْ... 107

دلیل

آنحضرتؐ کی نبوت کی دلیل 70

وفات مسیح کی دلیل، اور یہ کہ اس کو بیان کرنا چاہئے اس طرح جس طرح حضرت اقدسؑ نے بیان کیا 102

وفات مسیح کی ایک کھلی دلیل 171

دن

قیامت کے دن حساب سے مراد 27

دودھ

رضاعت دودھ پینے کی مدت میں دودھ پینے سے ہوتی ہے (مسلم) 275

دوست

غیر کو راز دار دوست بنانے کی ممانعت کی وجہ... 151

ذکر الٰہی

ذکر الٰہی کی کثرت، قویٰ جسمانیہ کو قوت بخشتی ہے... 55

رسم ورواج

عرب کی دو قبیح رسمیں اور ان کا ابطال، بیوہ کے وارث... 268

رسول

کسی ایک رسول کا منکر اللہ کا منکر ہوتا ہے 431

رضاعت

رضاعت دودھ پینے کی مدت میں دودھ پینے سے ہوتی ہے (مسلم) 275

رضاعت کے ساتھ وہ رشتے حرام جو نسب کے ساتھ ہوتے (بخاری) 275

رفع

سیدامروہی کی رفع کے متعلق ایک غلطی 456

لفظ رفع اور حدیث... 106

روح

روح کے اصل معنی 494

زنا

تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کے ذکر میں حکمت... 261

س۔ش

سزا

تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کے ذکر میں حکمت... 261

سفر

حضرت عائشہؓ کا فرمانا، سفر میں نماز دو رکعات، حضر میں چار... (بخاری) 369

سنی

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

سود

حرمت سود کی دو بڑی وجوہات 164

شادی

شادی شدہ عورت کیلئے سو درّہ اور پتھراؤ کرنا، اس حدیث پر تبصرہ اور بحث 261، 262، 265

شان نزول

شان نزول سے مراد 240

شرط

توبہ قبول کرنے کی دو شرطیں... 265

شرک

اہل کتاب اور شرک... 314

شرک ناقابل معافی گناہ... 386

شریعت

نبی کریمؐ کی شریعت ہر ایک کیلئے... 201

شہید

نبی، صدیق، شہداء اور صالح کی تعریف 330

شیطان

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چھوتا ہے... 48

شیطان ناامید ہوچکا ہے کہ عرب میں بت پرستی ہو (ترمذی) 143

شیعہ

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

ص۔ض۔ط

صلیب

صلیب کا طریق... 450

مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد کشمیر اور افغانستان آنا... 75،73

واقعہ صلیب اور اناجیل... 447

واقعہ صلیب کے حقائق... 451

ضرب المثل

مسیح تمثیلات میں ضرب المثل 85

طاقت

موسیٰ کو اعلیٰ درجہ کی طاقت دیا جانا 438

طریق

بیوی کی اصلاح کا طریق 293

صلیب کا طریق... 450

ع۔غ

عائلی معاملات

میاں بیوی کی باہمی ناچاقی کی وجوہات 405

عدل

عدل کی تاکید... 412

عذاب

کیا چیز عذاب کی مستحق بناتی ہے؟ 426

عرب

عرب کی دو قبیح رسمیں اور ان کا ابطال، بیوہ کے وارث... 268

عرق النساء

یعقوبؑ کو عرق النساء کی تکلیف تھی 138

عقائد

عدی بن حاتم کے سامنے آنحضورؐ کا عیسائی عقائد بیان فرمانا (ترمذی) 117

عورت

حنّہ، عمران کی عورت 47

کیا مریم تمام عورتوں سے افضل تھیں؟ 65

عورتیں پسلی سے بنائی گئی (عمدۃ القاری) 236

یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایات 242
عورتوں کا ترکہ دبالینے کا مرض 243
شادی شدہ عورت کیلئے سو درّہ اور پتھراؤ کرنا...(مسلم) 261،262،265

عیسائی

نجران کا عیسائی وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں اور دعوت مباہلہ 111
عیسائیوں کا پولوس کو فرمانروا بنانا 116
عدی بن حاتم کے سامنے آنحضورؐ کا عیسائی عقائد بیان فرمانا(ترمذی) 117
ابن عباسؓ کی روایت، یہود نے کہا ابراہیم یہودی ہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ نصرانی ہیں(تفسیر ابن کثیر) 118

غزوہ(حمراء الاسد)

حمراء الاسد کی کچھ تفصیل 207

غسل

غسل جنابت کے مسائل 302

غلطی

سید امروہی کی رفع کے متعلق ایک غلطی 456

ف۔ق

فتویٰ

کلالہ کی نسبت فتویٰ اور اصل حقیقت 504

فضل

نبوت ایک فضل الٰہی... 317

فضیلت

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ کو دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دیں 432

فقہی مسائل

ترکہ کی وصیت، مختلف حصوں کی تفصیل 249
عرب کی دو قبیح رسمیں اور ان کا ابطال، بیوہ کے وارث... 268
محرمات نکاح... 274
رضاعت دودھ پینے کی مدت میں دودھ پینے سے ہوتی ہے(مسلم) 275
پھوپھی اور بھتیجی جمع کرنا... منع ہے 276
جن نکاحوں کی حرمت تھی، آنحضرتؐ نے ان کو فسخ کیا(ابوداؤد) 277
نکاح کے بغیر لونڈی سے جماع 277
لونڈی سے نکاح کی حرمت 279
وراثت کا بیان 286
حدیث میں بیوی کو مارنے کی حد بندی... (ترمذی) 293
غسل جنابت کے مسائل 302
صرف بدن ساتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی نہ وضو فاسد ہوتا ہے(ترمذی) 305

فیصلہ

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

جنگ احد کے موقع پر مشاورت، مدینہ سے باہر نکل کر جانے کا فیصلہ... 195

قتل

مسیح کو قتل کرنے کی کوشش... 443

یہود کے قتل انبیاء سے مراد آنحضرتؐ کا قتل... 216

قرأت

حضرت فاطمہؓ سے مِنۡ اَنۡفَسِهِمۡ کی ایک قرأت بھی ماثور ہونا 202

قوت

ذکر الٰہی کی کثرت، قویٰ جسمانیہ کو قوت بخشتی ہے... 55

قیامت

قیامت کے دن حساب سے مراد 27

مال غنیمت میں سے جو اونٹ بطور غلول لے گا وہ قیامت کے دن اس کو اُٹھائے ہوئے آئے گا...(بخاری) 199

ک۔گ

کھانا

یعقوبؑ کا طعام حرام کرنا... 137، 138

کلالہ

کلالہ کی نسبت فتویٰ اور اصل حقیقت 504

آپؐ کا جابرؓ کی عیادت کرنا، جابرؓ کا اپنے بھائی (کلالہ) کی میراث کے متعلق سوال کرنا 505

مسیحؑ کا شانِ نبوت کے لحاظ سے کلالہ فوت ہونا... 505

کلمہ

مسیح کے کلمہ ہونے سے مراد... 71، 72

کلیجہ

حمزہؓ کا متعہ کرنا، ہندہ کا آپؓ کا کلیجہ چبانا 158

گناہ

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ میں فرق 284

شرک ناقابل معافی گناہ... 386

ل۔م

لغت

انجیل کی وجہ تسمیہ، لغت 1، 2

لونڈی

نکاح کے بغیر لونڈی سے جماع 277

لونڈی سے نکاح کی حرمت 279

مال

یتیم کے مال کی بابت ولی کیلئے تین احکام 238

یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایات 242

یتیم کا مال کھانے کی وعید... 245

مال غنیمت

مال غنیمت میں سے جو اونٹ بطور غلول لے گا وہ قیامت کے دن اس کو اُٹھائے ہوئے آئے گا...(بخاری) 199

تیر اندازوں کا مال غنیمت کی وجہ سے مقام کو چھوڑنا...(بخاری) 198

مباہلہ

آنحضورؐ کا علی، حسنؓ، حسینؓ، فاطمہؓ اور ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو ان کے بیٹوں کے ہمراہ مباہلہ کیلئے نکلنا 111

نجران کا عیسائی وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں اور دعوت مباہلہ 111

متشابہات

متشابہات کے معانی 12

متعہ

حمزہؓ کا متعہ کرنا... 158

مثال

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ يَقْذِفُ فِي قُلُوبِ أَعْدَائِيْ اور اس کی عملی مثالیں 180

مراد

قیامت کے دن حساب سے مراد 27

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے مراد 67

مسیح کے کلمہ ہونے سے مراد... 72،71

یہود کے قتل انبیاء سے مراد آنحضرتؐ کا قتل... 216

نفس واحدہ، خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مراد 235

شان نزول سے مراد 240

خُلُوْد سے مراد مدت دراز 361

مرض

عورتوں کا ترکہ دبا لینے کا مرض 243

مسلمان

مسلمان یہود کے مشابہ... 305

مسئلہ

مسیح موعود اور مسئلہ وفات مسیح 73

مشابہت

مسلمان یہود کے مشابہ... 305

مشاورت

جنگ احد کے موقع پر مشاورت، مدینہ سے باہر نکل کر جانے کا فیصلہ... 195

مشکل

مومنوں کو مشکلات پیش آنیکی وجہ 211

مضامین

سورۃ آل عمران کی ترتیب اور مضامین 4

معنی

متشابہات کے معانی 12

بخاری میں کَھْلٌ کے معنی حَلِیْمٌ 60
لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے مختلف معانی 283
قَلِیْلٌ کے مختلف معانی 340، 341
ہجرت کے تین معانی 354
وَجْهٌ کے تین معانی 397
روح کے اصل معنی 494

ممانعت

غیر کو راز دار دوست بنانے کی ممانعت کی وجہ... 151

منکر

کسی ایک رسول کا منکر اللہ کا منکر ہوتا ہے 431

مومن

مومنوں کو مشکلات پیش آنیکی وجہ 211

میراث

آپؐ کا جابرؓ کی عیادت کرنا، جابرؓ کا اپنے بھائی (کلالہ) کی میراث کے متعلق سوال کرنا 505

ن۔و

نام

سورۂ نساء نام رکھنے میں حکمت اور آل عمران سے تعلق... 233
آل عمران کے مختلف نام... 3

نبوت / نبی

مریم کے نبی ہونے کی بحث 64
آنحضرتؐ کی نبوت کی دلیل 70
نبوت ایک فضل الٰہی... 317
نبی، صدیق، شہداء اور صالح کی تعریف 330
بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ کو دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دیں 432
مسیحؑ کا شانِ نبوت کے لحاظ سے کلالہ فوت ہونا... 505

نجویٰ

نجویٰ کے تین جائز امور 381

نسب

رضاعت کے ساتھ وہ رشتے حرام جو نسب کے ساتھ ہوتے (بخاری) 275

نعماء

نعماء جنت 319

نفس واحدہ

نفس واحدہ، خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مراد 235

نقصان

بخل کے نقصانات 295

نکاح

محرمات نکاح... 274
جن نکاحوں کی حرمت تھی، آنحضرتؐ نے ان کو فسخ کیا (ابوداؤد) 277
نکاح کے بغیر لونڈی سے جماع 277

لونڈی سے نکاح کی حرمت 279

نماز

یہود کی نماز کی کیفیت 68

نماز کی دعا، وَارْفَعْنِیْ... 107

پانچ نمازیں بدیوں کو مٹادیتی ہیں... 284

صرف بدن ساتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی نہ وضو فاسد ہوتا ہے (ترمذی) 305

حضرت عائشہؓ کا فرمانا، سفر میں نماز دو رکعات، حضر میں چار... (بخاری) 369

نماز قصر

آنحضرتؐ نے خوف کے بغیر بھی سفر میں قصر کیا... (بخاری) 370

نماز خوف

نماز خوف (بخاری) 371

واقعہ صلیب

مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد کشمیر اور افغانستان آنا... 75،73

واقعہ صلیب اور اناجیل... 447

واقعہ صلیب کے حقائق... 451

وجہ / وجوہات

انجیل کی وجہ تسمیہ، لغت 2،1

حرمت سود کی دو بڑی وجوہات 164

غیر کو راز دار دوست بنانے کی ممانعت کی وجہ... 151

مومنوں کو مشکلات پیش آنیکی وجہ 211

بتوں کو اِنَاثٌ کہنے کہ وجہ... 389

میاں بیوی کی باہمی ناچاقی کی وجوہات 405

وارث / وراثت / ورثہ

وارث کیلئے وصیت نہیں... 254

تقسیم ورثہ کے بعد زنا کی سزا کے ذکر میں حکمت... 261

عرب کی دو قبیح رسمیں اور ان کا ابطال، بیوہ کے وارث... 268

وراثت کا بیان 286

وصیت

ترکہ کی وصیت، مختلف حصوں کی تفصیل 249

وصیت کل مال کی ایک تہائی کا حکم... 254

وارث کیلئے وصیت نہیں... 254

وضاحت

تعدد ازواج کی اجازت کی بابت وضاحت 240

وضو

صرف بدن ساتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی نہ وضو فاسد ہوتا ہے 305

وعید

یتیم کا مال کھانے کی وعید... 245

وفات مسیح

مسیح موعود اور مسئلہ وفات مسیح 73
امام بخاریؒ نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کر کے مُتَوَفِّيكَ کے معنے مُمِيتُكَ کئے ہیں 94
وفات مسیح کی دلیل، اور یہ کہ اس کو بیان کرنا چاہئے اس طرح جس طرح حضرت اقدسؑ نے بیان کیا 102
وفات مسیح کی ایک کھلی دلیل... 171

ولی

یتیم کے مال کی بابت ولی کیلئے تین احکام 238

ہ۔ی

ہجرت

ہجرت کے تین معانی 354

ہدایت

یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایات 242

یتیم

یتیم کے مال کی بابت ولی کیلئے تین احکام 238
یتامیٰ اور عورتوں کی نسبت ان کے مال کی حفاظت کے متعلق ہدایات 242
یتیم کا مال کھانے کی وعید... 245

یہود/یہودی

یہود کی نماز کی کیفیت 68
ابن عباسؓ کی روایت، یہود نے کہا ابراہیم یہودی ہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ نصرانی ہیں (تفسیر ابن کثیر) 118
ابو بکرؓ کا یہود کے مدارس میں جانا اور ایک یہودی سے مکالمہ اور اس کی اللہ تعالیٰ کی بابت بدتمیزی پر تھپڑ امارنا 215
یہود کے قتل انبیاء سے مراد آنحضرتؐ کا قتل... 216
ابن عباسؓ سے امام بخاری نے روایت کی کہ آنحضرتؐ کا یہود سے کچھ پوچھنا اور ان کچھ بتانا اور کچھ چھپانا (بخاری) 221
مسلمان یہود کے مشابہ... 305

اسماء

ا۔آ

حضرت ابراہیمؑ 32، 46، 51، 57، 76، 85، 114، 118، 124، 125، 137، 393، 441، 462، 482، 483، 505

ابن جبیرؓ 263، 403

ابن جریر 389

ابن عباسؓ 118، 209، 253، 403

ابن عساکر 111

ابن عصفور 470

ابن قمئہ 157

ابن مالک 469، 470

ابن مسعودؓ 371

ابن منذر 474

ابن ہشام 468، 469

ابوبرزۃ 326

حضرت ابوبکر صدیقؓ 111، 382

احد کے دن ابوبکرؓ کا ثابت قدم رہنا 157

ابوبکرؓ کا یہود کے مدارس میں جانا اور ایک یہودی سے مکالمہ اور اس کی اللہ تعالیٰ کی بابت بدتمیزی پر تھپڑ مارنا 215

ابوجہل 359

امام ابوحنیفہؒ 279، 288، 371

ابوسفیانؓ 157، 182، 207، 384

ابوعلی جبائی 454

ابومسلم 264

ابیؓ 473

اخفش 469، 470

حضرت سحاقؑ 482، 483

اسد 413

اسید 413

حضرت اسماعیلؑ 85، 393، 482، 483

ایوبؑ 482، 483

حضرت آدمؑ 4، 5، 16، 43، 46، 57، 66، 77، 86، 96، 106، 108، 109، 110، 235، 236، 392، 431، 463، 464

ب۔پ

بَدْر 154

بشر (یہودی) 325

بیہقی 266

پلاطوس / پلاطس 448

پولوس 116

ج۔ح۔خ

جابر بن عبداللہؓ کی عیادت کیلئے آپؐ کا جانا، جابرؓ کا اپنے بھائی (کلالہ) کی میراث کے متعلق سوال کرنا... 505

حضرت جبریلؑ/ جبرائیلؑ 51، 245، 453، 454

امام جعفر صادقؒ 427

جندب بن ضمرۃ 366

حجاج بن یوسف 474

حرث بن ہشام 359

حسنؓ 111

حسن 389، 427

حسینؓ 111

حضرت حمزہؓ کا متعہ کرنا، ہندہ کا آپؓ کا کلیجہ چبانا... 158

حنّہ، عمران کی عورت 47

خالد بن ولیدؓ 157

حضرت خدیجہؓ 65

د۔ذ۔ر۔ز

حضرت داؤدؑ 482، 483

ذِی الخلصة 389

امام رازیؒ 271

امام راغبؒ 67

زجاج 21

حضرت زکریاؑ 43، 44، 49، 50، 53، 54، 55، 56، 70

علامہ زمخشری 48

س۔ش۔ص۔ط

سدی 427

سعد بن وقاصؓ 340

سعد بن وقاصؓ کا احد کے دن ثابت قدم رہنا 157

سعید بن جبیر 67

سفیان بن عیینہ 54

سلیمانؑ 482، 483

سُواع 389

سہیل بن عمرو 209

شہر بن حوشب 474

نواب صدیق الحسن خان 80

طبرسی 323

طلحہؓ کا احد کے دن ثابت قدم رہنا 157

طینطانوس (یہودی) 453

ع۔غ

حضرت عائشہؓ 65، 239، 240، 369، 404

عائشہؓ کے گھر سے جنگ احد کیلئے تیار ہونا، شیعہ سنی کے نزاع کا فیصلہ... 156

عباسؓ 221
عبداللہ بن جبیرؓ 402
قاضی عبدالجبار 48
عبدالحکیم (مرتد) 429،321
عبدالرحمٰن بن عوفؓ 339
عبدالقیس 208
عبداللہ بن ابی بن سلول 200،156
عبداللہ بن جبیرؓ 156
عبداللہ بن سلام 413
عبداللہ بن عباسؓ 474،94
حضرت عثمانؓ 254،111
عدی بن حاتم 117
عروہؒ 239
حضرت عزیرؑ 413
عکرمہؒ 208،154
حضرت علیؓ 157،111
عمادالدین 496
حضرت عمرؓ 382،326،157
آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تو عمرؓ کا تلوار لے کر کھڑا ہونا...(بخاری) 173
عمران 47،46
عیاش بن ربیعہ 359
حضرت عیسیٰؑ (نیز دیکھیں "مسیح")
عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے 80
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح موعود علیہ السلام
48، 50، 73، 74، 75، 90، 102، 145،
165، 397، 418، 458،

ف۔ق۔ک

حضرت فاطمہؓ 202،65
فخاص، یہودی عالم 215
فنیافا (سردار کاہن) 447
قتادہؒ 270،208،67
قدامۃ بن مظعون حجی 340
کعب بن اشرف 325

ل۔م

حضرت لوطؑ 51
مجاہدؒ 403،270،208،67
سید امروہی 456
محمد بن اسماعیل بخاریؒ 221،94
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ 13، 22، 23، 32،
33، 36، 46، 53، 66، 73، 69، 77، 80،
81، 86، 94، 105، 111، 134، 137،
154، 156، 157، 158، 160، 169،
170، 171، 172، 173، 174، 180،
181، 184، 185، 194، 195، 198،
199، 200، 202، 207، 208، 210،
211، 212، 215، 217، 218، 219،
221، 226، 234، 254، 263، 278،
284، 297، 315، 325، 326، 329،

330، 331، 335، 340، 341، 343،
346، 347، 348، 349، 355، 360،
371، 377، 378، 380، 381، 386،
398، 402، 411، 413، 415، 430،
431، 443، 458، 459، 463، 464،
465،469،474،485،503،505،506
آنحضرتؐ کی نبوت کی دلیل 70
عدی بن حاتم کے سامنے آنحضورؐ کا عیسائی عقائد بیان فرمانا 117
نبی کریمؐ کی شریعت ہر ایک کیلئے... 201
حضورؐ نے صحابہؓ کو بہت سے روپے دیئے کہ وہ بدر میں تجارت کریں... 209
یہود کے قتل انبیاء سے مراد آنحضرتؐ کا قتل... 216
جن نکاحوں کی حرمت تھی، آنحضرتؐ نے ان کو فسخ کیا (ابوداؤد) 277
آنحضرتؐ نے خوف کے بغیر بھی سفر میں قصر کیا... (بخاری) 370
بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ کو دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دیں 432
محمد بن علی 474
حضرت مریمؑ 43، 46، 48، 49، 50، 56،
62، 63، 66، 67، 69، 70، 71، 72، 81،
435،443،448،449،494،
بیت المقدس میں مریم کا پرورش پانا 55
مریمؑ کے نبی ہونے کی بحث 64
کیا مریم تمام عورتوں سے افضل تھیں؟ 65
مریم مگدلینی 448،449
حضرت مسیحؑ 30، 32، 46، 48، 52، 56، 57،
63، 66، 68، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 94،
134، 171، 435، 444، 445، 447، 448،
449، 450، 451، 452، 453، 454، 455،
457، 461، 462، 465، 466، 467، 471،
472، 473، 474، 482، 491، 492، 493،
495،496،497،501
مسیح کے کلمہ ہونے سے مراد... 71،72
مسیح موعود اور مسئلہ وفات مسیح 73
مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد کشمیر اور افغانستان آنا... 73،75
مسیح کیلئے وَجِیْھًا کا لفظ 74
مسیح تمثیلات میں ضرب المثل 85
وفات مسیح کی دلیل 102
مسیح کو قتل کرنے کی کوشش... 443
مسیح کا دیکھنے سے مراد... 494
مسیحؑ کا شانِ نبوت کے لحاظ سے کلالہ فوت ہونا... 505
آنحضرتؐ کے ساتھ مسیحؑ سب سے زیادہ قریب ہیں... 505
حضرت موسیٰؑ 1، 46، 76، 125، 134،
437،438،440،482،484،485،
موسیٰ کو اعلیٰ درجہ کی طاقت دیا جانا 438

مقداد بن الاسود کندی 339
مقیس 362،361

ن۔و۔ہ

نعیم ابن مسعود 209
حضرت نوحؑ 41،43،46،57،104،108،
109،138،367،480،482،483
حضرت حکیم مولوی نورالدینؓ خلیفۃ المسیح
الاول 10،13،19،27،39،47،48،52،
55، 65، 72، 110، 114، 145، 150،
156،157،164،168،236
وَدّ 389
حضرت ہارونؑ 482،483
ھبل 463
ہرقل 126
ہشام 362،361
ہندہ کا حمزہؓ کا کلیجہ چبانا 158

ی

حضرت یحییٰؑ 52،55،63،76،83
حضرت یعقوبؑ 50،482،483
یعقوبؑ کا طعام حرام کرنا... 137،138
یعقوبؑ کو عرق النساء کی تکلیف تھی 138
یوسف نامی ارمیتیا 448
حضرت یونسؑ 98،99،482،483
یونس 470،482
یہوداہ 447

مقامات

افغانستان 92،90

مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد کشمیر اور افغانستان آنا... 75،73

بیت المقدس 70

بیت المقدس میں مریم کا پرورش پانا 55

بیت عینا 450

تنعیم 366

جلیل 450،449

سری نگر 75

طور 484

عرب 26،70،143،181،268،288،358، 388،389،390،395،402،461،479،

عسفان 209

قادیان 501

قباء 362

کشمیر 73،75،90،92

مَجِنَّةُ 209

محلہ خانیار، سری نگر 75

مدینۃ المنورۃ 156،207،360

جنگ احد کے موقع پر مشاورت، مدینہ سے باہر نکل کر جانے کا فیصلہ... 195

مَرِّ الظَّهْرَانِ 209

مصر 484

مکہ مکرمہ 366

نجران 501

نجران کے عیسائی وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا اور دعوت مباہلہ 111

ہندوستان 90،243

کتابیات

سنن ابن ماجہ 52
سنن ابی داؤد 277
انجیل 3، 10، 56، 62، 66، 83، 98، 114، 118، 119، 220، 450، 493
انجیل کی وجہ تسمیہ، لغت 1، 2
واقعہ صلیب اور اناجیل... 447
بائیبل / بائبل 90، 98، 453، 484
الصحیح البخاری 49، 60، 94، 126، 173، 198، 199، 221، 226، 236، 254، 275، 276، 278، 319، 348، 369، 370، 371، 406، 505، 506
تاج العروس 434، 460
تفسیر ابن کثیر 133
تفسیر بحر المحیط 245
پیدائش 138
سنن الترمذی 143، 293، 305، 392، 473
رسالہ تعلیم الاسلام 90
تفسیر ابن کثیر 118، 133
تفسیر القرآن 40، 159، 228، 271، 378
التفسیر الکبیر لامام رازی 427
تفسیر المظہری 216
تفسیر صغیر 4 تا 8، 13، 19، 20، 22، 28، 32، 34، 37، 38، 39، 44، 45، 46، 47، 50، 52، 56، 60، 61، 63، 64، 65، 68، 70، تا 74، 76، 77، 79، 81، 82، 83، 85، 110، 111، 117، 128، 133، 145، 158، 164، 166، 170، 171، 183، 195، 196، 199، 210، 216، 217، 230، 234، 235، 236، 257، 270، 275، 279، 286، 301، 302، 309، 310، 314، 316، 320، 327، 329، 330، 331، 342، 345، 346، 348، 353، 358، 374، 378، 388، 390، 391، 392، 394، 395، 396، 397، 398، 402، 409، 417، 422، 424، 431، 432، 436، 441، 443، 453، 458، 461، 462، 463، 464، 465، 467، 468، 472، 476، 478، 483، 484، 485، 487، 488، 494، 496، 505، 506
تفسیر در منثور 413، 457
تفسیر روح المعانی 425، 446
تفسیر طبری 16
تفسیر معالم التنزیل 209
تورات / توریت 3، 10، 31، 34، 36، 62، 83، 88، 118، 119، 136، 137، 138، 215، 219، 220، 282، 306، 437، 438، 476، 477

تورات کی وجہ تسمیہ ... 2،1
زبور 99،452،480،481،482،483
سیرت حلبیہ 156،195
شرح زرقانی 157
شمس بازغہ 456
عمدۃ القاری 236
غنیۃ الراغب 469
تفسیر فتح البیان 111
کنز العمال 80،106
لوقا 449
متی 56
مرقس 448
مسیح ہندوستان میں 90
صحیح مسلم 137،261،275،284
مسند احمد بن حنبل 473
منتخبات العربیہ 60،80
منیۃ الراغب 469
سنن النسائی 104
شعب الایمان 266
نفحۃ الیمن 80
یوحنا 448،450